فہرست

ہم کہاں کے سچے تھے	عمیرہ احمد	03
دراميد کے دریوزہ گر	آسیہ مرزا	149
لاشوں کا بازار	ابن صفی	314
تین سنکی	ابن صفی	460

www.IqbalKalmati.com
All rights reserved.
©2002-2006



ہم کہاں کے سچے تھے

از

عمیرہ احمد

CyberLibrary
All rights reserved.
©2002-2006

☆

پتا ہے مشعل تم میں سب سے بڑی خوبی کیا ہے جس نے مجھے یوں تمہارا اسیر کر رکھا ہے؟

میری بات پر اس کی آنکھیں ستاروں کی طرح جگمگا اٹھی تھیں۔

نہیں۔ میں نہیں جانتی تم بتاؤ۔

اس نے اپنی خوبصورت آواز میں کہا تھا۔

یہ تمہاری ظاہری خوبصورتی نہیں ہے۔ ظاہری خوبصورتی بہت دیکھی ہے میں نے اور اتنی دیکھی ہے کہ تم اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہو۔ نہ تمہاری کسی اور چیز نے مجھے متاثر کیا ہے۔ یہ تو بس تمہارا سچ ہے جو مجھے جیت گیا ہے، تمہاری اسٹریٹ فارورڈنیس، تمہاری بولڈنیس، تمہاری uprighteousness, یہ وہ چیزیں ہیں جنہوں نے مجھے مسحور کر دیا ہے کیونکہ یہ ہر لڑکی میں نہیں ہوتیں اور خوبصورتی تو بہت سی لڑکیوں میں پائی جاتی ہے۔

میں نے اورنج کے سپ لیتے ہوئے کہا۔ وہ میری بات پر مسکرانے لگی۔

خیر ایسی بھی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یہ سچائی میرے لیے تو یہ عام سی بات ہے۔ lifemy ofpartitsknowyou سو مجھے اس کے بارے میں کوئی بہت ایکسٹرا آرڈنری فیلنگز نہیں ہوتیں جیسے تمہیں ہوتی ہیں۔

یار جو کوالٹی بندے میں ہو اسے ماننا چاہئے کہ ہاں یہ چیز ہے مجھ میں، یہ خاص بات ہے جو دوسروں میں نہیں ہے۔ انتظار نہیں کرتے رہنا چاہیے کہ کوئی دوسرا ہی تعریف کرے کیونکہ اب لوگ کسی کی تعریف مشکل سے ہی کرتے ہیں۔ تمہیں مان لینا چاہئے بلکہ فخر کرنا چاہیے کہ ہاں بھئی یہ خوبی ہے مجھ میں۔

میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ وہ اپنی سیاہ آنکھیں مجھ پر مرکوز کئے مسلسل مسکرا رہی تھی۔

اچھی لگتی ہیں تمہاری باتیں لیکن کبھی کبھی میں حیران ہوتی ہوں کہ جن چیزوں کو تم admire کرتے ہو انہیں اب کہاں admire کیا جاتا ہے؟ جس طرح تم جھوٹ سے نفرت کرتے ہو اور سچ کا پرچار کرتے ہو، کیا تم اس دنیا میں کامیاب ہو سکتے ہو؟ کیونکہ خالی سچ کا علم لے کر پھرنے سے آخر ملتا کیا ہے۔؟ زندگی سچ کے علاوہ بھی ہے مگر بعض دفعہ مجھے لگتا ہے جیسے تمہارے لیے سچ ہی سب کچھ ہے ایسے جیسے تمہیں سچ سے عشق ہو چکا ہے۔

میں اس کی بات پر ہنس پڑا۔

مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب کچھ تم کہہ رہی ہو جو خود سچ بولنے والوں کے گروہ میں شامل ہے اور جو سچ کے لیے کوئی بھی نقصان اٹھانے کو تیار رہتی ہے۔theloveibut thingstheseasayyouway اچھی بات یہ ہے کہ تم اپنے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہو، جو چیز تمہارے دل میں آتی ہے کہہ دیتی ہو۔

نہیں آئی سوئیر میں سیریس ہوں مجھے بتاؤ کہ تمہیں صرف سچے لوگ ہی کیوں اچھے لگتے ہیں؟ حالانکہ ضروری تو نہیں ہوتا کہ جو لوگ سچ بولتے ہوں وہ واقعی اچھے ہوں ہو سکتا ہے ان کے دلوں میں بغض ہو۔ وہ بناوٹ اور تضاد کا شکار ہوں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے کامپلیکسز چھپانے کے لیے خود پر سچائی کا پردہ ڈال لیا ہو اور درحقیقت ان سے بڑھ کر کوئی

فراڈ ہی نہ ہو۔

میں اس کی بات پر کچھ حیران ہوا تھا۔

کیا تم ایسی ہو؟ وہ میرے سوال پر گڑبڑائی تھی اور پھر ہنس پڑی۔

نہیں بھئی میں ایک جنرل سی بات کر رہی ہوں۔

میں نے آج تک کوئی ایسا بندہ نہیں دیکھا جو ظاہر میں سچا ہو اور باطن میں جھوٹا اس لیے میں تمہاری بات سے اتفاق نہیں کرتا۔

وہ مجھے دیکھتے ہوئے پرسوچ انداز میں جوس کے سپ لینے لگی۔

اور سناؤ تمہاری اسٹڈی کیسی جارہی ہے۔؟

ویسے ہی جیسے اب تک جارہی تھی۔تفریح،تعلیم سب کچھ ساتھ ساتھ، ارے میں تو تمہیں بتانا ہی بھول گئی کہ مجھے یونیورسٹی کے میگزین کا ایڈیٹر چن لیا گیا ہے۔

اس نے ایک دم گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

swonderful that اور کتنے کارنامے کرو گی اب تو عادت سی ہوگئی ہے تمہارے معرکوں کے بارے میں سننے کی، مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تم یہ سب manage کیسے کرتی ہو،مشکل نہیں لگتا یہ سب؟

وہ میری بات پر فخریہ انداز میں مسکرائی تھی۔

مشکل کیسی ٹیلنٹ اور جزبہ ہونا چاہیے بندے میں پھر سب کچھ ہوجاتا ہے اور ویسے بھی مجھے تو کوشش بھی کم ہی کرنی پڑتی ہے کسی چیز کے لیے، ہر کام خود سے ہی ہوجاتا ہے۔اب یہ میگزین کا معاملہ ہی لے لو۔میں ذرا بھی willing نہیں تھی یہ ذمہ داری لینے میں کیونکہ اس میں بہت بکھیڑے ہوتے ہیں جس کی چیز publish کرو وہ خوش، باقی ناراض مگر ہمارے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ نے اصرار کرکے مجھے یہ ذمہ داری لینے پر مجبور کیا ہے۔اب ہر جگہ بندہ انکار تو نہیں کرسکتا نا۔پہلے ہی لٹریری کونسل کی صدر ہونے کی وجہ سے اتنے کام سر پر پڑے ہوئے ہیں۔اب میگزین کی مصیبت بھی شامل ہوگئی ہے مگر خیر کرنا تو ہے ہی۔

ٹیبل پر ہاتھ لٹکائے وہ بولے جارہی تھی اور میں اسے دیکھ رہا تھا۔

اور اسٹڈی کیسی جارہی ہے؟ کہیں یہ نہ ہو ان سرگرمیوں کی ساری کسر وہاں نکل جائے۔میں نے اسے چھیڑا۔

جی نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔اس ہفتہ بھی اپنی اسائنمنٹ پر distinction لی ہے۔میرے نوٹس ڈھونڈتا پھرتا ہے پورا ڈیپارٹمنٹ بلکہ میری

اسائنمنٹ کی ایک کاپی ہمارے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ ضرور لیتے ہیں۔

تو پھر توقع کی جائے کہ ٹاپ کرو گی تم ؟

نہیں خیر اب ٹاپ کرنا تو بہت مشکل کام ہے۔ بہت genious ہیں ہماری کلاس میں۔ ویسے بھی یونیورسٹی میں ٹاپ کرنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔

mehreen aboutwhat and، وہ بھی کافی اچھی ہوتی تھی اسٹڈیز میں sheisnt۔

نہیں اچھی ہے وہ بھی، محنتی ہے۔ اس نے آئس کریم کا bowl اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا جو ویٹر رکھ کر گیا تھا۔

تمہارے تعلقات ویسے ہی ہیں اس سے کوئی بہتری نہیں ہوئی ؟ میں نے آئسکریم کا وینر توڑتے ہوئے کہا جو ویٹر رکھ کر گیا تھا۔

دیکھو میں تو ہمیشہ اس سے اچھے طریقے سے ہی ملنے کی کوشش کرتی ہوں مگر اب وہ بات کرنا پسند نہیں کرتی تو پھر یہ میرا قصور تو نہیں ہے نا۔ ویسے بھی اسے بہت سے کمپلیکسز ہیں۔

تمہیں تو پتا ہی ہے اسکا پھر یونیورسٹی میں وہ بہت فضول باتیں پھیلاتی پھرتی ہے میرے بارے میں لیکن میں ہمیشہ اگنور کر دیتی ہوں my is she all after cousin پر کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ وہ بہت ابنارمل ہے، حد سے زیادہ اور پھر وہ جیلس بھی بہت ہوتی رہتی ہیحالانکہ میں یونیورسٹی میں اس کے لیے ہمیشہ مواقع فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہوں مگر جس چیز میں حصہ لیتی ہوں وہ کبھی بھی اس میں حصہ نہیں لیتی، avoid کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے مجھے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ میں تو تقریباً ہر چیز میں ہی حصہ لیتی ہوں اور اس وجہ سے اسے ہمیشہ بیک گراؤنڈ میں ہی رہنا پڑتا ہے۔

اسے کیا ہو گیا ہے؟ پہلے تو ایسی نہیں تھی وہ بہت اچھی باتیں کیا کرتی تھی۔ امی ت ابھی بھی اس کی تعریفیں کرتی رہتی ہیں۔ اب اسے کیا ہو گیا ہے؟ کبھی چلے جاؤ تو وہ

مجھ سے بات نہیں کرتی۔ میں خود ہی سلام دعا میں پہل کرتا ہوں، حالانکہ پہلے تو اچھی دوستی تھی ہماری۔

مجھے بھی اس کی طرح مہرین سے شکایتیں تھیں۔

تمہیں avoid کرنے کی وجہ تو بہت واضح ہے۔ اب تمہاری مجھ سے دوستی ہے سو وہ یہ کبھی بھی برداشت نہیں کرسکتی کہ کوئی بندہ جو اس کا دوست ہے وہ مجھ سے بھی دوستی رکھے تمہیں چھوڑنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اب تم مجھ سے ملنے لگے ہو بلکہ ہوسکتا ہے کہ اسے ہماری پسندیدگی کا بھی اندازہ ہوگیا ہو

اس نے مجھے تفصیل سے کہا۔

اگر یہ وجہ ہے تو یہ بہت احمقانہ سی بات ہے، آفٹر آل ہر شخص کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ جس سے چاہے دوستی کرے یا جسے چاہے پسند کرے۔

میں اس کی بات پر کچھ الجھ گیا تھا۔

چھوڑو اس کے بارے میں جتنا سوچو گے اتنا پریشان ہوگے۔ یہ بتاؤ کہ واپس کب جارہے ہو؟

ابھی تو ایک ہفتہ اور ہے اور پھر شاید نو یا دس کو جس دن فلائیٹ کا انتظام ہوسکا۔

میں نے آئسکریم کھاتے ہوئے اسے اپنا شیڈول بتایا تھا۔

اور پھر کب آؤ گے؟ اس نے پوچھا۔

چار چھ ماہ بعد۔ ویسے تو میں کوشش کررہا ہوں کہ میری پوسٹنگ پاکستان میں ہی ہو جائے مگر ابھی فی الحال ایک دو سال تک اس کا کوئی امکان نہیں، ڈیڑھ دو سال بعد جب پوسٹنگ یہاں ہوجائے گی تو کافی آسانی ہوجائے گی مجھے۔ امی بھی اکیلی ہوتی ہیں ان کے بارے میں بھی میری پریشانی ختم ہوجائے گی۔

خط لکھتے رہو گے نا؟

ہاں بالکل یہ کام کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ سفید رنگ اچھا لگتا ہے تم پر، پہنا کرو۔

وہ میری بات پر مسکرانے لگی۔

تمہیں گھر ڈراپ کردوں یا ہمارے گھر چلو گی؟

نہیں مجھے گھر ہی ڈراپ کردو، کافی دیر ہوگئی ہے، اس وقت میں یونیورسٹی سے گھر پہنچ چکی ہوتی ہوں، آج تمہارے لیے جھوٹ بولنا پڑے گا کہ یونیورسٹی سے کسی دوست کے ساتھ چلی گئی تھی۔

اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر اسے ڈراپ کرنے کے بعد میں واپس گھر آ گیا تھا۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی میری نظر مہرین پر پڑی تھی۔ وہ امی سے باتوں میں مشغول تھی۔ کچھ حیرت ہوئی اسے دیکھ کر کیونکہ جب سے میں پاکستان آیا تھا وہ پہلی بار ہمارے یہاں آئی تھی۔

السلام علیکم آج تو بڑے بڑے لوگ موجود ہیں اس غریب خانے میں۔

وہ میری آواز پر چونک اٹھی تھی مگر اس نے جواب نہیں دیا۔

ہاں آتی تو یہ مشکل سے ہی ہے آج بھی بڑے جتنوں سے لائی ہوں اسے ورنہ یہ تو آج بھی نہیں آ رہی تھی۔

امی نے میری بات کے جواب میں کہا تھا۔

نہیں خالہ بس کام ہی اتنا ہوتا ہے کہ کہیں آنے جانے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ آپ کو پتا ہے کہ ایم اے کی پڑھائی کتنی مشکل ہوتی ہے۔

پتا ہے بھئی ایم اے کی پڑھائی مشکل ہوتی ہے مگر اور بھی تو لوگ ہیں جو یہ مشکل کام کرتے ہیں، مشعل بھی تو ہے نا۔ اس نے تو پڑھائی کے ساتھ ہر قسم کی سرگرمی پال رکھی ہے اور پھر بھی یہاں آتی جاتی رہتی ہے۔

میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے نادانستہ طور پر اسے مشعل سے کمپیئر کر گیا تھا۔ اس نے الجھی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا اور کہا۔

میں مشعل نہیں ہوں۔ عجیب سی سرد مہری تھی اس کے لہجے میں۔

ہر کوئی مشعل جیسا ہو بھی نہیں سکتا۔

میں کہتے کہتے رک گیا۔ یکدم مجھے خیال آیا کہ وہ مشعل کو پسند نہیں کرتی، میری اس بات پر ناراض ہو سکتی ہے۔

آ جایا کرو امی سے ملنے ان کا بھی دل بہلا رہے گا اور تمہیں بھی لوگوں سے ملنے جلنے کی عادت پڑے گی۔

میں نے بات بدل دی۔ اس نے مجھ پر ایک نظر ڈالی تھی اور چپ رہی تھی۔ میں کچھ دیر تک لاؤنج میں ہی بیٹھا رہا اور پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کی کمپنی میں بیٹھنا آسان نہیں تھا، کافی اعصاب شکن تجربہ تھا یہ۔ وہ میری بات کے جواب میں خاموش رہی تھی یا اگر کچھ کہا بھی تو بہت مختصر اور وہ جواب بھی کافی حوصلہ شکن تھے۔

پتا نہیں اب اسے کیا ہو گیا تھا؟ ورنہ پہلے تو وہ ایسی نہیں ہوتی تھی۔ مجھے یاد تھا کہ دو تین سال پہلے تک اس سے میری کافی دوستی تھی۔

اپنے باپ کی ڈیتھ کے بعد وہ اپنی امی کے ساتھ ننھیال میں آ گئی تھی۔ تب اس کی عمر شاید آٹھ یا نو سال ہو گی اور میں اس وقت بارہ یا تیرہ سال کا تھا۔ میری امی اکثر اسے اپنے گھر لے آیا کرتی تھیں اور مجھے ہمیشہ اس کے ساتھ کھیلنا اچھا لگتا تھا حالانکہ شروع شروع میں اسے اپنے ساتھ کھیل میں شامل کرنے کے لئے بہت جدوجہد کرنی پڑتی تھی مجھے۔ وہ کبھی میرے کھلونوں کو ہاتھ نہیں لگاتی جہاں امی اسے بٹھا دیتیں وہ وہیں بیٹھی رہتی۔ بہت خوفزدہ اور سہمی ہوئی لگتی تھی وہ تب، ہمارے گھر کی چیزوں کو وہ حیرانگی سے دیکھتی مگر نارمل بچوں کی طرح کبھی بھی انہیں ہاتھ لگانے کی کوشش نہ کرتی مگر آہستہ آہستہ امی اور میں نے اسے بہت حد تک نارمل کر دیا تھا۔

حبیبہ خالہ کی شادی کسی بہت امیر گھرانے میں نہیں ہوئی تھی۔ میری امی کے برعکس وہ ایک مڈل کلاس میں بیاہی گئی تھیں۔ ان کے شوہر واپڈا میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ شروع کے دو چار سال انہوں نے اچھے گزارے مگر پتا نہیں کیا ہوا کہ خالہ کے شوہر نے اچانک

ہیروئین استعمال کرنا شروع کر دی۔ پہلے وہ چوری چھپے نشہ کیا کرتے تھے پھر خالہ کو پتا چل گیا تو انہوں نے کھلے عام یہ کام کرنا شروع کر دیا اور پھر اس کی مقدار بھی زیادہ ہوتی گئی پھر ان کی نوکری بھی چھوٹ گئی اور آہستہ آہستہ ہی سہی مگر ان کے مالی حالات بہت خراب ہوتے گئے۔

میرے نانا خالہ کی تھوڑی بہت مدد کرتے رہتے تھے اور اس کی وجہ سے کبھی ان کے ہاں فاقوں کی نوبت نہیں آئی۔ خالہ کے شوہر کے مرنے سے سب کو یکدم سکون مل گیا تھا۔

اگر وہ نہ بھی مرتے تو بھی میرے نانا اور ماموؤں نے خالہ کو طلاق دلوانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر انہیں خالہ کے شوہر کے مرنے کی وجہ سے یہ مسئلہ فیس کرنا ہی نہیں پڑا۔

خالہ کے شوہر کے مرنے کے دو سال بعد ہی خالہ کی شادی کر دی گئی تھی اور مہرین کو ننھیال میں چھوڑ دیا گیا تھا کیونکہ خالہ کے دوسرے شوہر یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ مہرین بھی خالہ کے ساتھ آئے۔ مجھے تب مہرین سے بہت ہمدردی محسوس ہوتی تھی، مجھے لگتا تھا کہ وہ بالکل اکیلی ہے، اس کا کوئی خاندان ہی نہیں ہے، نہ ماں باپ، نہ بہن بھائی اور نہ ہی کوئی دوست سو لاشعوری طور پر میں اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتا رہتا تھا اور رفتہ رفتہ ہمارے درمیان بہت اچھی دوستی ہوگئی تھی۔

وہ کیا سوچتی تھی وہ مجھے یہ تو کبھی نہیں بتاتی تھی اور نہ ہی مجھے کبھی یہ اندازہ ہو پایا کہ وہ اپنے ماضی اور حال سے کس قدر متاثر ہوئی ہے مگر وہ باتیں اچھی کیا کرتی تھی۔ مجھے ہمیشہ ہی یہ لگتا تھا جیسے وہ بہت کچھ پڑھتی اور سوچتی رہتی تھی اور یہ دوستی اس کے میٹرک میں ہونے تک رہی پھر میں نے لندن اسکول آف اکنامکس میں داخلہ لے لیا اور انگلینڈ آ گیا۔ جب سال کے آخر میں، میں پاکستان چھٹیوں میں واپس آیا تو وہ اپنی امی کے پاس گئی ہوئی تھی کیونکہ وہ بیمار تھیں۔ اس سے میری ملاقات نہیں ہو پائی مگر تب میری دوستی مشعل سے ہونا شروع ہوگئی اور یہ دوستی طوفانی رفتار سے ہوئی تھی۔

جب تک مہرین سے میری دوستی تھی کسی اور کزن سے میں زیادہ فری نہیں تھا اور یہی وجہ تھی کہ مشعل سے بھی میری صرف سلام دعا تھی حالانکہ ہم اکثر ملتے تھے۔ مگر جب واپس آنے کے بعد میں مشعل سے ملا تو وہ مجھے بہت بدلی ہوئی لگی۔ اب وہ پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ خوبصورت تو وہ ہمیشہ سے ہی تھی مگر اب کچھ ایکسٹرا آرڈنری قسم کی چیز آ گئی تھی اس میں، وہ بہت بولڈ اور بہت صاف گو ہو گئی تھی۔ اور مجھے اس کی صاف گوئی پسند آئی تھی۔ یہ بات تو مہرین میں بھی نہیں تھی۔ مشعل کو قایل کرنا آتا تھا اور وہ بہت فراخ دل تھی اور یہ خوبیاں مجھے کسی اور میں نظر نہیں آئی تھیں۔

اور صرف میں ہی نہیں تھا جو اس کا مدح سرا تھا۔ تقریباً سارا خاندان ہی اس کے طور طریقوں کے گن گایا کرتا تھا۔ مجھے پہلی دفعہ تب پتا لگا کہ وہ شاعری بھی کرتی ہے اور وہ بھی

دونوں زبانوں میں اور جب میں نے اس کی شاعری سننے پر اصرار کیا تو اس نے کہا تھا۔

صرف ایک شرط پر سناؤں گی اگر آپ یہ کسی اور کو نہ سنائیں بلکہ کبھی کسی کو بتایئے گا بھی مت کہ میں شاعری کرتی ہوں کیونکہ آپ کو پتا ہے کہ ہمارے خاندان میں اس قسم کی چیزیں پسند نہیں کی جاتیں۔

میں نے اسے یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ اس معاملے میں بالکل بےفکر رہے اور پھر اس نے مجھے اپنی چند انگلش اور اردو نظمیں سنائی تھیں اور میں اس کی شاعری سن کر حیران رہ گیا تھا۔ اس کی شاعری بہت میچور تھی۔ اس میں عامیانہ پن نہیں پایا جاتا تھا۔ وہ عام ہوتے ہوئے بھی بہت خاص تھی۔

تم اگر اسی قسم کی شاعری لکھتی رہی تو بہت آگے جاؤ گی۔

میں نے اسے کہا تھا اور وہ مسکرا دی۔

آگے جانے کے لیے شاعری واحد ذریعہ نہیں ہے میرے پاس۔

میں نے اس کے جملے کو سراہا تھا اور کچھ اور قائل ہو گیا تھا اس کی شخصیت کا۔ چھٹیاں گزارنے کے بعد میں واپس انگلینڈ آ گیا مگر مشعل سے میرا رابطہ ٹوٹا نہیں تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو خط لکھا کرتے تھے اور کبھی کبھار فون پر بھی بات کر لیتے۔ مہرین تب بالکل بیک گراؤنڈ میں چلی گئی تھی۔ اس سے میرا رابطہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔ نہ میں نے اسے استوار کرنے کی کوشش کی نہ ہی اس کی طرف سے ایسی کوئی کوشش ہوئی۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ میں مشعل کے سحر میں اور زیادہ گرفتار ہونے لگا تھا۔ وہ اپنی ہر کامیابی کی خبر سب سے پہلے مجھے ہی دیتی تھی اور ایسی خبریں وہ دیتی ہی رہتی تھی۔ کبھی وہ debate میں جیتی کبھی کسی مشاعرے میں کارنامہ دکھاتی کبھی کسی لٹریری سوسائٹی کی صدر چنی جاتی کبھی کالج میگزین کی ایڈیٹر منتخب کی جاتی اس کے کارناموں کی ایک لمبی فہرست تھی جن پر مجھے بھی فخر ہوتا تھا۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ خدا کسی کو ظاہری خوبصورتی، ذہانت، صداقت اور کامیابی ایک ساتھ ہی دے دے اور مشعل کے روپ میں ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ اپنے ہر روپ میں یکتا اور باکمال تھی۔ وہ کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی تھی۔ بہت spoken soft تھی۔ کم از کم میں نے اسے کبھی بھی کسی کے ساتھ ترشی سے یا اونچا بولتے نہیں سنا تھا۔

پھر جب میں اس سے اگلے سال واپس پاکستان آیا تو مجھ سے سامنا ہونے پر مہرین ایسے ملی تھی جیسے پہلی دفعہ مل رہی ہو۔ اس کے انداز میں شناسائی کی کوئی جھلک نہیں تھی اور جب ایسا دو تین بار ہوا تو پھر میں نے بھی اسے avoid کرنا شروع کر دیا۔ آخر اپنی انسلٹ کروانا تو کوئی بھی نہیں چاہتا۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے مہرین میرے ساتھ رسمی سلام دعا بھی نہیں رکھنا چاہتی مجھ سے وہ اتنی ہی بیزار نظر آتی تھی۔

ان دنوں اس نے ہمارے گھر آنا بھی ترک کر دیا تھا۔ ہر ایک کو اس سے شکایتیں رہنے لگی تھیں۔ وہ جھگڑالو نہیں تھی مگر وہ کسی کا لحاظ بھی نہیں کیا کرتی تھی۔ ننھیال میں کسی سے بھی اس کی دوستی نہیں تھی۔ وہ ہر ایک سے الگ تھلگ اور کٹی ہوئی رہتی تھی۔

اس کی امی اس کے لیے ماہوار خرچہ بھجوایا کرتی تھیں سو مالی طور پر وہ کسی پر بوجھ نہیں تھی مگر سماجی لحاظ سے اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

مشعل کبھی کبھی اس کے بارے میں بات کرتی تھی اور مہرین کی عادات کے بارے میں سن کر مجھے اس سے چڑ سی ہوگئی تھی۔ بچپن کی وہ ہمدردی یکدم غائب ہوگئی تھی جو مجھے اس سے تھی۔ میرا خیال تھا اور اب بھی ہے کہ جب انسان بڑا ہو جاتا ہے تو اسے اپنی کمزوریوں اور محرومیوں کا خود سدباب کرنا چاہیے۔ ساری زندگی آپ اپنے ماضی کی محرومیوں کے بارے میں رو رو کر تو لوگوں سے مراعات نہیں لے سکتے اور پھر کون ایسا ہے جو اس دنیا میں محروم نہ ہو؟

کوئی نہ کوئی کمی یا خامی تو ہر شخص کے ساتھ لگی رہتی ہے پھر وہ بھی عام انسانوں میں سے تھی ساری مشکلات کو اسے خود ہی face کر کے حل کرنا چاہئے تھا مگر اس نے فرار کے جو راستے تلاش کر لیے تھے۔ وہ دوسروں کے لئے بھی تکلیف کا باعث بن رہے تھے۔

پھر میں لندن واپس چلا گیا تھا اپنی تعلیم مکمل کرتے ہی میں نے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازمت کر لی تھی۔ امی کو میرا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا تھا۔ مگر میں نیان کی خفگی کی زیادہ پروا نہیں کی۔ جو مراعات اور تنخواہ مجھے وہ کمپنی دے رہی تھی ان کا میں پاکستان میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر میری عادات ایسی تھیں کہ پاکستان کا ماحول انہیں سوٹ نہیں کرتا تھا۔ مجھے سچ بولنے اور سننے کی بیماری تھی اور ایسے کسی بندے کو پاکستان میں ٹھوکروں کے سوا

کچھ اور نہیں ملتا۔ لندن میرے لیے ہر لحاظ سے بہتر تھا۔

انہی دنوں میرے والد کا انتقال ہوگیا اور یک دم میری ذمہ داری میں بے حد اضافہ ہوگیا تھا۔ اکلوتا تھا اس لیے ان ذمہ داریوں کے بوجھ کو زیادہ محسوس کر رہا تھا۔ میں نے کوشش کی کہ امی میرے پاس لندن آ جائیں لیکن وہ پاکستان چھوڑنے پر تیار نہیں تھیں سو

مجھے ہی جھکنا پڑا اور میں نے اپنی کمپنی کی پاکستان برانچ میں ٹرانسفر کے لیے کوشش شروع کر دی تھی لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ ہوتے ہوتے بھی اسے ایک دو سال لگ ہی جانے تھے۔

جاب ملنے کے بعد جب بھی میں پاکستان آیا مہرین سے میری ملاقات ایک اجنبی کی طرح ہی ہوئی، یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ میں اسے ناپسند کرنے لگا تھا۔ مگر میرا نہیں خیال کہ میری ناپسندیدگی نے اس پر کوئی اثر کیا تھا۔ ایسا تو نہیں تھا کہ وہ یہ جانتی ہی نہ ہو کہ میں اسے ناپسند کرنے لگا ہوں مگر پھر بھی اس نے اپنا کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

وہ بہت سے کمپلیکسز میں مبتلا لڑکی تھی جن میں پہلا کمپلیکس شاید معمولی شکل کا تھا۔ اور اس کے بعد یقیناً اپنا بیک گراؤنڈ اور مالی حالات کا نمبر آتا ہوگا۔ میں سوچتا رہتا تھا کہ اتنے بہت سے کامپلیکسز کے ساتھ وہ زندہ کیسے ہے اور آئندہ دنیا کو کیسے فیس کرے گی مگر یہ بات میں نے اس سے کبھی کہی نہیں۔ آج بھی اسے دیکھ کر میرے ذہن میں پچھلی ساری باتیں گھوم گئی تھیں۔

اپنے کمرے میں آنے کے بعد میں دیر تک اسی کے بارے میں سوچتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ اسے کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت تھی جو اس کے کمپلیکسز کم کر سکے، جو اس میں تھوڑی سی خود اعتمادی پیدا کر سکے مگر یہ تجویز میں کبھی بھی مہرین کے سامنے پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکا، کسی کو یہ سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے کہ اسے ذہنی علاج کی ضرورت ہے تاکہ وہ ایک متوازی اور نارمل زندگی گزار سکے۔

وہ شام تک ہمارے گھر ہی ٹھہری تھی پھر امی میرے کمرے میں آئی تھیں۔ میں اس وقت کچھ کام کر رہا تھا۔

اسود تم مہرین کو گھر چھوڑ آؤ۔ انہوں نے مجھے کہا میں نے گھڑی پر وقت دیکھا شام کے چھ بجے تھے۔

ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔ میں نے کاغذات سمیٹتے ہوئے کہا۔ وہ چلی گئی تھیں۔

گاڑی کی چابی لے کر میں جب باہر آیا تو وہ امی کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

آؤ میں نے لاؤنج کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔اس کے ساتھ امی بھی باہر پورچ میں آ گئی تھیں۔میں نے کار میں بیٹھ کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا مگر اس نے بیک ڈور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں پیچھے بیٹھوں گی۔

کوئی بات نہیں مہرین آگے بیٹھ جاؤ تم کونسا کسی غیر کے ساتھ جا رہی ہو۔

اس کے چہرے پر ناگواری کی لہر آئی تھی مگر کسی پس وپیش کے بغیر وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

مشعل کبھی ایسا نہ کہتی۔ایک سوچ میرے دماغ میں لہرائی تھی۔کار اسٹارٹ کرتے ہوئے میں نے اس سے کہا تھا۔

بندے کو ہر کام اپنی مرضی سے کرنا چاہیے اگر تم پیچھے بیٹھنا چاہتی تھیں تو تمہیں چاہیے تھا کہ تم پیچھے بیٹھنے پر ہی اصرار کرتیں۔اس نے ایک نظر میرے چہرے پر ڈالی لیکن چپ رہی۔

تمہاری امی کیسی ہیں؟ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا تھا۔

سب ٹھیک ہیں۔ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

مستقل رابطہ رہتا ہے ان کے ساتھ۔

پتا نہیں۔میں اس کے جواب پر حیران نہیں ہوا تھا وہ ایسی ہی تھی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد کیا کرو گی؟

پتا نہیں۔اسنے پھر اسی لہجے میں جواب دیا تھا۔میں جان گیا کہ وہ میرے سوالوں میں دلچسپی لے رہی ہے نہ مجھ میں شاید وہ یہ چاہتی تھی کہ میں چپ رہوں اور میں چپ ہو گیا تھا۔

وہ اتنی اہم نہیں تھی کہ میں اسے بار بار مخاطب کیے جاتا، ہاں مشعل ہوتی تو معاملہ اور ہوتا مجھے اس کی خاموشی چبھتی تھی شاید میں نے اسے کبھی خاموش نہیں دیکھا تھا اس لیے۔

مشعل ہر معاملے میں اس سے بہت مختلف تھی۔ وہ بے حد خوبصورت تھی۔ دراز قد، سفید رنگت، خوبصورت بڑی بڑی آنکھیں جو دراز پلکوں سے سجی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ ہر وقت مسکراہٹ کا تاثر لیے رہتا تھا۔ آنکھوں سے ہم رنگ اس کے سیاہ بال کمر تک لہراتے تھی وہ بہت کم ہی انہیں باندھتی تھی اور مہرین۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھ کر اپنے ذہن میں جیسے اس کے نقوش ابھارنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے چہرے میں کچھ بھی خالہ جیسا نہیں تھا، وہ بالکل اپنے باپ جیسی تھی۔ سانولی رنگت، عام سی آنکھیں، عام سے بال، معمولی شکل وصورت میں کوئی تو ایسی خاص چیز نہیں تھی جو اسے کچھ بہتر کر دیتی پھر اس کی خاموشی، اس کی جلی کٹی باتیں اس کے کمپلیکسز، واقعی کچھ لوگوں کو خدا کچھ بھی نہیں دیتا، پتا نہیں کیوں میں پھر اس کا موازنہ مشعل سے کرنے لگا تھا۔ کتنا مشکل ہوتا ہوگا اس کے لیے یونیورسٹی میں مشعل کا سامنا کرنا وہ جو مستقل لائم لائٹ میں رہتی تھی جو ہر چیز، ہر جگہ، ہر شخص پر چھا جاتی تھی پھر یہ سب مہرین کیسے برداشت کرتی ہوگی اسکی جیلسی حق بجانب ہے وہ اور کر بھی کیا سکتی ہے۔

مجھے مشعل پر فخر محسوس ہوا تھا۔ کیا کوئی اس سے زیادہ مکمل ہوگا؟ کسی کے پاس اس سے زیادہ نعمتیں ہوں گی؟ خوبصورتی، ذہانت، دولت، شہرت، محبت کیا نہیں تھا اس کے پاس اور وہ تو پھر اندر سے بھی خوبصورت تھی۔ اس میں غرور نہیں تھا۔ عاجزی تھی، نرمی ایثار تھا سچائی تھی جو اس کے ہر لفظ میں بولتی تھی اور اس صاف گوئی نے ہی تو مجھے اس کا شیدا کیا تھا۔

اس کا گھر آ گیا تھا۔ گیٹ کھلا ہوا تھا۔ میں گاڑی سیدھی اندر لے گیا۔

میں نے خالہ سے کہا تھا کہ میں خود چلی جاتی ہوں مگر انہوں نے خود ہی اصرار کیا تھا کہ آپ مجھے چھوڑ آئیں گے حالانکہ میں آپ کو زحمت نہیں دینا چاہتی تھی بہر حال آپ کا شکریہ آپ نے اتنی زحمت کی۔

گاڑی کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے پتا نہیں کیوں صفائی پیش کی اس سے پیشتر کہ وہ دروازہ کھول کر اتر جاتی میں نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔

میں نے کوئی زحمت نہیں کی، تم میری کزن ہو اور پہلے بھی تو تمہیں میں ہی چھوڑ کر آتا تھا۔ تب تو تم نے ایسا کبھی کچھ نہیں کہا۔

پہلے کی بات اور تھی۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر اچانک مشعل باہر آئی تھی۔ میں نے ہینڈل سے ہاتھ اٹھا دیا۔ مہرین دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔ مشعل سیدھی میری طرف آئی تھی، بڑی بے تکلفی سے اس نے میری طرف والا دروازہ کھولا اور مہرین کو مخاطب کیا۔

اچھا کیا مہرین تم کسی بہانے سے انہیں لائیں تو ورنہ یہ صاحب تو یہاں آنے پر تیار ہی نہیں ہوتے۔

مہرین نے ایک نظر رک کر ہم دونوں کو دیکھا تھا اور پھر کچھ کہے بغیر اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

اب اندر آؤ تم بھی۔ مشعل نے مجھے کہا تھا۔

نہیں یار مجھے کچھ کام ہے، مجھے واپس جانا ہے، میں ایک دو دنوں تک چکر لگاؤں گا۔

اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر باہر کھینچا۔

مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے تمہارے ایک دو دن بعد کے چکر سے، تم ابھی اترو آخر میں نے بھی دوپہر کے لنچ کا قرض اتارنا ہے۔ اس وقت تو آرام سے چھوڑ کر چلے گئے تھے مگر اب میں کہیں نہیں جانے دوں گی اترو نیچے۔

میں اس کی بات رد نہیں کر سکا اور مسکراتا ہوا نیچے اتر آیا۔ اس کے ساتھ باتیں کرتے

ہوئے میں اندر آ گیا تھا۔

نانی اماں کہاں ہیں۔ میں نے اندر آ کر پوچھا تھا۔

اپنے کمرے میں ہیں ملنا چاہتے ہو؟ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کے ساتھ جب میں نانی کے کمرے میں داخل ہوا تو مہرین وہیں تھی ہمیں دیکھ کر وہ کمرے سے چلی گئی۔

دیکھیں دادی امی آج آپ کے نواسے کو زبردستی پکڑ کر لائی ہوں ورنہ یہ تو آنے پر تیار ہی نہیں تھا۔ مشعل نے جیسے میرا تعارف کروایا تھا۔ میں نانی اماں کے پاس بیٹھ گیا۔ انہوں نے میرا ماتھا چوما۔

ایک ڈیڑھ ماہ کے لئے آتے ہو اور اس میں بھی تمہاری شکل دیکھنے کے لئے پیغام بھجوانا پڑتا ہے۔ میں ان کے شکوے پر شرمندہ ہو گیا تھا۔

نہیں نانی اماں بس مصروفیت ہی اتنی ہوتی ہے کہ کہیں آنے جانے کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔ میں نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

ہاں بھئی بہت مصروف ہیں یہ۔ ہم جیسے فالتو لوگوں سے ملنے لئے وقت کہاں سے نکالیں؟ ان سے ملنا ہو تو باقاعدہ اپائنمنٹ لینی چاہیے کہ بھئی اگر فرصت ہے تو ایک نظر ہم غریبوں پر بھی۔

مشعل کرسی پر جھولتے ہوئے کہہ رہی تھی میں اس کی بات پر صرف مسکرا کر رہ گیا۔

جاؤ مشعل اسود کے لئے کچھ کھانے پینے کو لے کر آؤ۔ وہ نانی اماں کی ہدایت پر سر ہلاتے ہوئے اٹھ گئی۔

تمہاری ماں آئی تھی، کہہ رہی تھی کہ تم اگلے ہفتے جانے والے ہو۔

نانی اماں نے مجھے سے کہا۔

ہاں چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں میری اس لیے۔

اتنی کم چھٹیاں لے کر کیوں آتے ہو؟

نانی یہ اتنی کم چھٹیاں بھی نہیں ہوتیں ایک ماہ گزار کر جا رہا ہوں اس سے زیادہ کیا رہوں؟

میں نے تو تمہاری ماں سے کہا ہے کہ اب تمہاری شادی کا سوچے، ماشا اللہ اب تم اچھا خاصا کمانے لگے ہو۔ اس قابل ہو گئے ہو کہ بیوی اور بچوں کی ذمہ داری اٹھا سکو۔

ایسی بھی کیا جلدی ہے نانی ابھی تو مجھے آزاد رہنے دیں دو چار سال، پھر دیکھا جائے گا اور پھر میں کونسا بوڑھا ہو رہا ہوں؟

تمہاری ماں بھی یہی کہہ رہی تھی دونوں کا دماغ برابر خراب ہے۔

وہ کچھ خفا سی ہو گئی تھیں۔

آپ ناراض نہ ہوں، میں سوچوں گا اس کے بارے میں کچھ۔ میں نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

پہلے تو آپ خاندان کی لڑکیوں کے بارے میں کچھ سوچیں۔

خاندان میں کونسی ڈھیروں ڈھیر لڑکیاں ہیں؟ ابرار کی بچیاں ہیں تو انہیں تو ابرار کی بیوی اپنے خاندان میں بیاہنے کا خیال رکھتی ہیں اور اس کے خاندان والے بھی یہی چاہتے ہیں۔ اصغر اپنی دو بچیاں بیاہ چکا ہے اور تیسری کی باری آنے میں ابھی دیر ہے، باقی رہ گئی مشعل تو اس کے لئے تو رشتوں کے انبار لگے ہوئے ہیں ہر ہفتے ایک دو رشتے آ جاتے ہیں۔

میں کچھ بے چین ہو گیا تھا۔

کیا ماموں ممانی نے اس کے لئے کچھ سوچا ہے۔

ابھی تک تو نہیں، اکلوتی ہے نا اس لئے وہ اتنی جلد شادی نہیں کرنا چاہ رہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تعلیم مکمل کر لے پھر ہی وہ کچھ سوچیں مگر اس کا کوئی اتنا مسئلہ نہیں ہے، اس کے لئے تو اتنے رشتے ہیں کہ انہیں انتخاب کرنے میں دشواری ہو گی۔ وہ بتا رہی تھیں۔

اور مہرین بھی تو ہے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ نے میرے سوال پر نانی

اماں کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔وہ یکدم چپ کر ہو گئیں۔

اس کے بارے میں کیا سوچنا ہے اس نے تو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ کسی کو اس کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے جب اسے شادی کرنی ہو گی وہ بتا دے گی، کیا کیا جتن کر کے میں نے اس کے لئے ایک دو رشتے تلاش کیے تھے مگر اس نے تو صاف انکار کر دیا کہ مجھے ابھی شادی کرنی ہی نہیں ہے۔بالکل باپ پر گئی ہے وہ، نہ اس میں کوئی لحاظ مروت تھا نہ اس میں ہے، بات کرتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچتی کہ کس سے بات کر رہی ہے۔میں نے پال پوس کر جوان کیا ہے۔سوچا تھا یتیم ہے لڑکی ذات ہے، اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں مگر کیا پتا تھا کہ جوان ہو کر وہ ایسی بد لحاظ ہو جائے گی۔بچپن سے یہاں رہتی آئی ہے، یہاں کا کھاتی ہے مگر اب یہ عالم ہے کہ کسی سے بات کرنا تو ایک طرف سلام دعا تک کی زحمت گوارا نہیں کرتی۔کوئی مرے کوئی جیے اس کی بلا سے اسے تو پرواہی نہیں ہے، ساری ساری رات کمرے کی لائٹ جلائے پتا نہیں کیا کرتی رہتی ہے اسے تو میرے پاس آ کر بیٹھنا پسند نہیں ہے حالانکہ یہ میں ہوں جس کی وجہ سے سب لوگ اسے برداشت کیے ہوئے ہیں ورنہ تو سب یہ چاہتے ہیں کہ اس کی ماں اسے لے جائے اور خود ہی اس کی شادی کرے مگر میں نے ان سے کہا ہے کہ جب اتنے سال اپنے پاس رکھا تو پھر دو چار سال اور سہی۔

نانی اس کے ہاتھوں کافی تنگ تھیں اور اس کی یہ شکایتیں کوئی نئی بات نہیں تھی۔

آپ اسے سمجھاتی کیوں نہیں ہیں؟

کیا سمجھاؤں میں اسے، وہ اب کوئی چھوٹی بچی تو نہیں ہے۔آخر مشعل بھی تو ہے۔اسے کون سمجھاتا ہے؟ اس کی ماں میں لاکھ برائیاں سہی مگر بیٹی کی تربیت اس نے اچھی کی ہے، مجال ہے کبھی کسی کو تکلیف پہنچی ہو اس سے یا کبھی وہ کسی سے لڑی ہو۔اللہ نے صورت بھی خوب دی ہے اور سیرت بھی اور یہاں یہ حال ہے کہ نہ صورت اچھی ہے اور نہ سیرت اور لوگ خالی تعلیم کو نہیں دیکھتے، لڑکیوں کے گن دیکھتے ہیں اور اس میں تو اس

قسم کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔

مہرین اچھی ہے، بہت اچھی ہے، دادی تو خوامخواہ ہی پریشان رہتی ہیں۔ جب اس کی شادی ہونی ہوگی تو پتا بھی نہیں چلے گا اور ہو جائے گی۔ کیونکہ رشتے تو آسمانوں پر لکھے ہوتے ہیں۔ مشعل اسی وقت اندر آئی تھی اور اس نے دادی کے آخری جملوں پر تبصرہ کیا تھا۔

ایک یہ ہے دیکھو کیسے پیار سے اس کا تذکرہ کرتی ہے اور ایک وہ ہے کبھی جو میں مشعل کا نام لے لوں تو آگ ہی لگ جاتی ہے اسے۔

میرا نام ہی ایسا ہے دادی اس کا کوئی قصور نہیں ہے مشعل نے ہنس کر کہا تھا۔

اب اسکا ذکر چھوڑیں اور کوئی اور بات کرتے ہیں۔ اس نے ٹرالی سے چائے کے برتن ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

یعنی تمہارے بارے میں بات کریں۔ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

ہاں بالکل میرے بارے میں بھی بات ہوسکتی ہے ویسے یہ کوئی compulsion نہیں ہے جس چیز کے بارے میں چاہیں بات کریں۔

اس نے چائے کا کپ تھماتے ہوئے کہا۔

پھر واقعی باتوں کا رخ مڑ گیا تھا۔ رات کا کھانا میں نے وہیں کھایا تھا۔ مہرین کے علاوہ ڈائننگ ٹیبل پر سب تھے گپ شپ کرتے میں نے اس ڈنر کو واقعی انجوائے کیا تھا، کھانے کے بعد دوبارہ چائے کا دور چلا تھا اور مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ مشعل کی حس مزاح واقعی بہت اچھی تھی، وہ لطیفے سنا رہی تھی اور پورا لونگ روم قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ وہ بڑی زبردست نقال تھی۔

رات کو گیارہ بجے کے قریب میں واپس گھر آیا تھا اور میرے دل و دماغ پر مشعل چھائی ہوئی تھی۔ اس کے ہونے سے ہر چیز بہت مکمل، بہت رنگین نظر آ رہی تھی میں سونے سے پہلے دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا۔

تمہارے گھر والے تمہارے لیے کوئی رشتہ وغیرہ تلاش کر رہے ہیں؟ اگلے دن ہم دوبارہ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں نے اس سے پوچھا تھا۔

یہ افواہ تم نے کہاں سے سنی؟ اس نے بڑے آرام سے جلفریزی لیتے ہوئے کہا۔

نانی اماں نے بتایا ہے۔

اوہ کافی reliable سورسز ہیں تمہارے مگر انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ رشتے ڈھونڈے نہیں جا رہے خود آ رہے ہیں لیکن مجھے اور میرے ماں باپ کو کوئی جلدی نہیں ہے۔؟

نہیں، انہوں نے مجھے بتایا تھا مگر پھر بھی میں نے تم سے بات کرنا مناسب سمجھا۔ یاد رکھنا مشعل جب شادی کے بارے میں سوچو تو سب سے پہلے میرے بارے میں سوچنا۔

میں نے اسے سنجیدگی سے کہا اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

کیا تم مجھے پروپوز کر رہے ہو؟

ہاں میرا خیال ہے کہ میں یہی کہہ رہا ہوں۔

چلو سوچیں گے تمہارے بارے میں بھی۔

اس نے اپنی پلیٹ میں سلاد ڈالتے ہوئے کہا۔

بالکل تمہیں صرف میرے بارے میں ہی سوچنا ہے۔

کوئی زبردستی ہے؟ اس کے چہرے پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

ہاں زبردستی ہی سمجھو۔

بھئی اگر پروپوز کرنا ہے تو باقاعدہ ڈھنگ سے کرو۔ اس نے سلاد کھاتے ہوئے کہا تھا۔

باقاعدہ پروپوز تب کروں گا جب پاکستان ٹرانسفر ہوں گا اس سے پہلے نہیں۔

پہلے کیوں نہیں؟

بس ویسے ہی میں یہ لمبی چوڑی منگنیوں پر یقین نہیں کرتا۔ جب پاکستان ٹرانسفر ہو جاؤں گا تو ایک ماہ پہلے منگنی کروں گا اور پھر شادی، یہ دو دو سال پہلے کی جانے والی منگنیوں میں بڑے چکر پڑتے ہیں۔ بڑے جھگڑے ہوتے ہیں اور میں یہ سب چیزیں نہیں چاہتا۔

میں نے اسے اپنی بات سمجھائی تھی۔

کافی دور کی سوچتے ہو تم۔ وہ میری بات پر مسلسل مسکراتی رہی۔ میں بھی جواب دیے بغیر صرف مسکرا دیا۔

کچھ دیر ہم دونوں خاموشی سے کھانا کھاتے رہے پھر پتا نہیں کیسے مہرین موضوع گفتگو بن گئی اور اکثر ایسا ہی ہوتا تھا۔ مہرین کے لیے ہمیشہ ہماری گفتگو میں کچھ نہ کچھ گنجائش نکل آتی تھی۔ ہمیں پتا بھی نہیں چلتا تھا اور ہم اسی کے بارے میں بات کر رہے ہوتے تھے۔

تمہیں پتا ہے مہرین آج کل کیا کر رہی ہے؟

اس نے اچانک مجھ سے کہا تھا میں اچانک کھانا کھاتے رک گیا۔

دادی اماں پہلے اس کی وجہ سے بہت پریشان رہتی ہیں مگر اب وہ جو کام کر رہی ہے اس کا انہیں پتا چل گیا تو گھر میں طوفان آ جائے گا۔ میں تمہیں بتانا نہیں چاہ رہی تھی مگر صرف اس لیے بتا رہی ہوں کہ تم دونوں کی اچھی خاصی دوستی ہوا کرتی تھی۔ شاید تم ہی اسے کچھ سمجھا سکو۔

اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

کیا کر رہی ہے وہ؟ میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

آج کل یونیورسٹی میں اس کا ایک افیئر بہت مشہور ہے۔ پچھلے کافی عرصے سے وہ کئی لڑکوں کے ساتھ پھرتی رہی ہے مگر اب کافی عرصے سے وہ ایک لڑکے کے ساتھ رہتی

ہے۔ وہ کئی لڑکوں کے ساتھ پھرتی رہی ہے مگر اب کافی عرصے سے وہ ایک لڑکے کے ساتھ رہتی ہے۔ وہ دونوں سارا دن کلاسز اٹینڈ کرنے کی بجائے یونیورسٹی کے لان میں بیٹھے رہتے ہیں یا پھر ہوٹلنگ کرتے رہتے ہیں۔ اس لڑکے کی شہرت بھی اچھی نہیں ہے مگر مہرین کو پتا نہیں اس میں کیا نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے بھی بہت پریشانی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ آخر کو وہ میری کزن ہے اور یونیورسٹی میں یہ بات سب جانتے ہیں۔

میں نے ابھی تک یہ بات دادی سے چھپائی ہے حالانکہ وہ مجھے کہتی رہتی ہیں کہ میں مہرین کے بارے میں سب کچھ انہیں بتاتی رہوں مگر مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں اس کی جاسوسی کرتی پھروں، اس لیے میں دادی کے سامنے تو سب اچھا ہے کا ڈھونگ رچائے رکھتی ہوں مگر درحقیقت بہت پریشان ہوں۔ جلد یا بدیر یہ بات گھر تک پہنچ ہی جائے گی پھر وہاں ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔

مجھے مہرین کی فکر ہے اس کی پروا ہے مگر وہ یہ بات نہیں سمجھتی، پلیز تم ایک بار اس سے اس سلسلے میں بات ضرور کرو۔ اس نے منت بھرے انداز میں کہا تھا۔

لیکن مشعل میں اسے کیا کہوں گا اور پھر ہماری جو تھوڑی بہت دوستی تھی، وہ اب نہیں ہے اب تو وہ مجھ سے زیادہ بات بھی نہیں کرتی۔ میں نے اپنی پوزیشن واضح کی تھی۔

پھر بھی اسود تم اس سے بات تو کرو۔

مشعل تم خود اس سے بات کیوں نہیں کرتیں؟

اسود وہ کبھی بھی میری بات پر عمل نہیں کرے گی وہ تو مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہے۔

ٹھیک ہے پھر تمہیں اس کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے جو آدمی غلطی کرے اسے ٹھوکر لگنی ہی چاہیے اگر اسے خود اپنی عزت کی پروا نہیں ہے تو تم یا میں اسے کیا سمجھائیں؟

میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا مگر وہ میری بات پر بگڑ گئی تھی۔

یعنی تمہارا مطلب ہے کہ ہم اسے کنوئیں میں گرنے دیں، کم از کم میں تو ایسا نہیں ہونے دوں گی اور مجھے تم سے بھی بڑی مایوسی ہوئی ہے اسود، میرا خیال تھا کہ تم اتنی خود غرضی نہیں دکھاؤ گے اور وہ بھی مہرین کے معاملے میں۔

ٹھیک ہے میں اس سے بات کروں گا۔ میں نے ایک دم ہتھیار ڈال دیے تھے۔

وہ مہرین کے لیے پریشان تھی اور یہ پریشانی مجھے اچھی لگی تھی۔

اور لوگ کہتے ہیں اب دنیا میں اچھے لوگ نہیں ہوتے۔ میں نے کھانا شروع کرتے ہوئے سوچا تھا۔

میں نے ابھی تک یہ بات دادی سے چھپائی ھے حالانکہ وہ مجھے کہتی رھتی ھیں کہ میں مہرین کے بارے میں سب کچھ انہیں بتاتی رھوں مگر مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں اس کی جاسوسی کرتی پھروں۔ اس لئے میں دادی کے سامنے تو سب اچھا ھے کا ڈھونگ رچائے رکھتی ھوں مگر درحقیقت بہت پریشان ھوں۔ جلد یا بدیر یہ بات گھر پہنچ ھی جائے گی پھر وھاں ایک ہنگامہ برپا ھو جائیگا۔

مجھے مہرین کی فکر ہے اس کی پروا ھے مگر وہ یہ بات نہیں سمجھتی۔ پلیز تم ایک بار اس سلسلے میں اس سے بات ضرور کرو۔ اس نے منت بھرے انداز میں کہا تھا۔

لیکن مشعل میں اسے کیا کہوں گا اور پھر ھماری جو تھوڑی بہت دوستی تھی وہ اب نہیں ھے اب تو وہ مجھ سے زیادہ بات بھی نہیں کرتی۔ میں نے اپنی پوزیشن واضح کی تھی۔

پھر بھی اسود تم اس سے بات تو کرو۔

مشعل تم خود اس سے بات کیوں نہیں کرتیں؟

اسود وہ کبھی بھی میری بات پر عمل نہیں کریگی وہ تو مجھے اپنا دشمن سمجھتی ھے۔

ٹھیک ھے پھر تمہیں اس کے بارے میں فکرمند ھونے کی ضرورت نہیں ھے جو آدمی غلطی کرے اسے ٹھوکر لگنی چاھیئے اگر اسے خود اپنی عزت کی پروا نہیں ھے تو تم یا میں اسے کیا سمجھائیں؟ میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا مگر وہ میری بات پر بگڑ گئی تھی۔

یعنی تمہارا مطلب ھے کہ ھم اسے کنوئیں میں گرنے دیں۔کم از کم میں تو ایسا نہیں ھونے دونگی اور مجھے تم سے بھی بڑی مایوسی ھوئی ھے اسود،میرا خیال تھا کہ تم اتنی خودغرضی نہیں دکھاؤ گے اور وہ بھی مہرین کے معاملے میں۔

ٹھیک ھے میں اس سے بات کروں گا۔میں نے ایک دم ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

وہ مہرین کے لئے واقعی پریشان تھی اور یہ پریشانی مجھے اچھی لگی تھی۔

اور لوگ کہتے ھیں اب دنیا میں اچھے لوگ نہیں ھوتے۔میں نے کھانا شروع کرتے ھوئے سوچا تھا۔

اگلے چند دن میں واپس جانے کی تیاریوں میں مصروف رھا اور مہرین سے نہیں مل سکا۔جس رات مجھے لندن واپس جانا تھا اس رات میں مشعل کے گھر گیا تھا۔مشعل سے میں ایک دن پہلے ھی مل چکا تھا کیونکہ اسے اپنی خالہ کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لئے کویٹہ جانا تھا۔

نانی اماں سے ملنے کے بعد میں نے ان سے مہرین کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

اپنے کمرے میں ھوگی اور اس کا کون سا ٹھکانہ ھے؟انہوں نے کہا۔

پھر میں ذرا اس سے بھی مل آتا ھوں۔

ہاں جاؤ مل آؤ۔

میں اوپر کی منزل پر چلا آیا۔آہستہ سے میں نے اس کے دروازے پر دستک دی تھی۔چند لمحوں تک خاموشی رھی پھر اس نے دروازہ کھول دیا تھا۔مجھے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔سفید شلوار کرتے میں دوپٹے سے بے نیاز وہ کہنیوں تک آستینیں چڑھائے ھوئے خلاف معمول مجھے اچھی لگی تھی۔

آئیں۔اپنی حیرت پر قابو پاتے ھوئے اس نے مجھے اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔میں اندر چلا گیا۔

سادہ سا بے ترتیب کمرہ اس کی اپنی شخصیت کا عکاس تھا۔کمرے میں ایک کارپٹ

بچھا تھا اور اس پر کشن رکھے ہوئے تھے۔ سائیڈ کی دیوار میں لگے ہوئے ریکس کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ کارپٹ کے اوپر کونے میں کچھ کتابیں پڑی ہوئی تھیں اور کچھ کاغذات اور فائیلیں بھی تھیں۔ کمرے کے وسط میں رکھی ہوئی تپائی پر چائے کا ایک بھرا ہوا مگ پڑا ہوا تھا۔ دیواریں چھوٹی بڑی پینٹنگ سے سجی ہوئی تھیں۔ دیوار کے پاس رکھے ہوئے سٹیریو میں بہت مدھم آواز میں کوئی انگلش سونگ بج رہا تھا۔ میں نے کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

وہ اتنی دیر میں کشنز پر پڑا ہوا دوپٹہ اٹھا چکی تھی۔

اچھا ہے تمہارا کمرہ، کافی عرصے بعد دیکھا ہے میں نے۔

اس نے میرے تبصرے پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

کیا بیٹھنے کے لئے نہیں کہو گی؟

بیٹھیں اس نے ایک کشن اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا۔

میں آج واپس جا رہا ھوں، سوچا کہ تم سے بھی ملتا چلوں۔ کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے میں نے کہا۔ میں جانتا تھا کہ وہ حیران ہو گی کیونکہ پہلے کبھی میں اسے خدا حافظ کہنے نہیں آیا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا اور بہت اچانک ہم دونوں کی نظر ملی تھی۔ بہت عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اس کی نظر بہت اندر تک اتر جانے والی تھی۔ ایسی آنکھوں کو آپ آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتے۔

میں نے دوبارہ اس کی طرف نہیں دیکھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھے دیکھ رہی ھے اور میں اس سے نظر نہیں ملا سکتا تھا۔

کیا مصروفیات ھیں تمہاری؟ میں نے بات شروع کرنے کی کوشش کی۔

کیا یہ بہتر نہیں ھے کہ آپ جو بات کرنے آئے ھیں وہی کریں۔ اس کا قیاس غضب کا تھا۔

تم جانتی ھو میں کیا بات کرنے آیا ھوں؟ مین نے اس سے پوچھا۔

مجھے غیب کا علم نہیں آتا۔ اس نے بے تاثر انداز میں کہا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔

مہرین ھم کبھی اچھے دوست ھوا کرتے تھے اور میں اب بھی تمہیں اچھا دوست ھی سمجھتا ھوں اسی لئے تمہیں ایک نصیحت کر رھا ھوں۔ ایسا کوئی کام مت کرو جس سے تمہاری عزت پر حرف آئے۔ تم بہت اچھی ھو اور میں چاھتا ھوں کہ سب تمہیں اچھا ھی سمجھیں۔

میں جانتی ھوں میں اچھی ھوں اور مجھے اپنی اچھائی ثابت کرنے کے لئے آپ کے یا کسی اور کے سرٹیفیکٹ کی ضرورت نہیں ھے اور میں ایسا کوئی بھی کام نہیں کر رھی جس سے میری عزت پر حرف آئے۔ اس کا انداز بہت پرسکون تھا۔

اور یہ جو تم فضول لڑکوں سے دوستی کئے ھوئے ھو وہ کیا ھے؟ کیا اس سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا؟ میں نے بالآخر دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر اس کے اطمینان میں رتی بھر کمی نہیں آئی وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رھی اور پھر بولی۔

ھر انسان کو حق ھے کہ وہ دوسروں کے بارے میں رائے دے۔ ضروری نہیں ھے جو آپ کو فضول لگے وہ مجھے بھی لگے اور مجھے لوگوں کی کافی پہچان ھے میں اتنی میچور ھو چکی ھوں کہ یہ طے کر لوں کہ کون اچھا ھے کون برا۔

لیکن لڑکوں سے دوستی کیا ضروری ھے؟

اگر لڑکوں سے دوستی ضروری نہیں ھے تو پھر آپ سے بھی نہیں ھونی چاھیئے۔ میں لاجواب ھو گیا تھا۔

دیکھو اگر اس قسم کی کوئی خبر گھر پہنچ گئی تو تمہیں اس سے بہت نقصان ھو سکتا ھے۔ میں نے اسے دھمکایا تھا۔ پہلی دفعہ اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

خبردار کرنے کے لئے شکریہ مگر اسود علی آپ میرے گارڈین ھیں نہ گاڈ فادر اور نہ ھی میں نے آپ سے کوئی مشورہ مانگا ھے، اس لئے آپ یہ مشورے اپنے پاس رکھیں۔

آپ ملنے کے لئے آئے آپ کا شکریہ flightsafeahave

وہ صاف الفاظ میں مجھے جانے کے لئے کہہ رہی تھی۔ میں کھڑا ہو گیا، اس سے زیادہ انسلٹ میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ کہے بغیر میں کمرے سے باہر نکل آیا۔

اس رات پاکستان سے لندن کی فلائیٹ میں، مین مہرین کے بارے میں ہی سوچتا رہا۔ جن لوگوں کو خود اپنی پروا نہیں ہوتی، کوئی دوسرا ان کے لئے کیا کر سکتا ہے؟ یہی غلطی اس کے باپ نے کی تھی۔ یہی غلطی وہ کر رہی تھی اچھا ہوا خالہ نے اس کے لئے اپنی زندگی برباد نہیں کی۔ میں نے سونے کے لئے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا تھا۔

مشعل کو خط کے ذریعے اس سے ہونے والی بات چیت سے آگاہ کر دیا تھا مگر اسیا بھی بھی مجھ سے شکایت تھی۔ اسے لگتا تھا میں نے اسے دل سے سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ مہرین کے بارے میں بہت پریشان رہتی تھی۔ اس کا ہر خط مہرین کے کسی نئے کارنامے کا تذکرہ ضرور لئے ہوتا۔

فی الحال گھر والوں تک مہرین کی کوئی بات نہیں پہنچی تھی مگر اب میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے ابو کو مہرین کے بارے میں بتا دے۔ اس سے پہلے کہ پانی سر سے گزر جائے مگر

اس کا جوابی خط جھڑکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ مجھے ایسا مشورہ دیتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیئے تم مہرین کی زندگی تباہ کرنا چاہتے ہو۔ تم مرد عورت کی کوئی غلطی چھپا کہاں سکتے ہو۔ تم چاہتے ہو میں اپنے ہاتھوں سے اس کے منہ پر سیاہی مل دوں؟

خط میں اور بھی بہت کچھ تھا مگر مجھے اپنے مشورے پر کوئی شرمندگی نہیں ہوئی تھی۔ مشعل جذباتی ہو کر سوچ رہی تھی اور میں حقیقت پسند تھا سو میں نے امی کو فون کر کے پوری صورتحال بتا دی تھی مگر وہ تو اس بات پر یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھیں۔

تمہیں اور مشعل کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے مہرین ایسی ہو ہی نہیں سکتی۔ ان کی ایک ہی

رٹ تھی۔ میں نے انہیں قایئل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام ہوکر موضوع ھی بدل دیا۔

ٹھیک ھے مجھے کیا میں کیوں اپنا وقت اور دماغ ضایئع کروں جب نتیجہ ان کے سامنے آئے گا تو خود ھی انہیں پتا چل جائے گا کہ غلط فہمی کس کو تھی۔ میں نے سوچا تھا۔

چار ماہ بعد اچانک میری پوسٹنگ پاکستان ھوگئی تھی۔ یہ بات خلاف توقع تھی مگر بہر حال میرے لئے خوشی کا باعث تھی کہ اتنی جلدی مجھے پاکستان ٹرانسفر کیا جارھا ھے۔ میں کراچی آ گیا تھا کیونکہ مجھے کمپنی کے ہیڈ آفس میں کام کرنا تھا۔ میں نے اپنے آفس کا چارج لےلیا اور اپنے آپ کو کام میں الجھانا شروع کر دیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں نے اپنے عہدے کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ لندن کی نسبت پاکستان میں کام کا پریشر زیادہ تھا۔ مجھے یہاں زیادہ کام کرنا پڑتا تھا اور رات گئے تک مگر میں پھر بھی امی اور مشعل سے تقریبا روزھی بات کرلیا کرتا تھا اور یہ تو جیسے میرے روٹین میں شامل ھوگیا تھا۔

میں ھر ویک اینڈ پر لاھور کا ایک چکر ضرور لگالیا کرتا تھا۔ ابھی تک میرا قیام ایک ھوٹل میں تھا اور کمپنی کی طرف سے مجھے ابھی باقاعدہ رھایئش گاہ نہیں ملی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ رھایئش گاہ ملتے ھی میں امی کو بھی اپنے ساتھ کراچی لے جاؤں گا۔ ان کی تنہائی بھی دور ھوجایئگی۔ امی نے کراچی شفٹ ھونے کی تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں۔

ایک شام جب میں نے امی کو فون کیا تو رسمی اور معمول کی بات چیت کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔

اسود مجھے آج تم سے بہت اھم اور ضروری بات کرنی ھے اس لئے تم میری بات غور سے سننا۔

امی میں آپ کی ھر بات غور سے سنتا ھوں آپ اس معاملے میں فکر نہ کریں اور بات کریں۔

مجھے تب تک اندازہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے کیا بات کرنا چاھتی ھیں۔مگر ان کے اگلے جملے نے مجھ ہکا بکا کر دیا تھا۔

میں امی سے تمہارے لئے مہرین کا رشتہ مانگنے والی ھوں۔

امی آپ کیا کہہ رھی ھیں؟میرے سر پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

میں ٹھیک کہہ رھی ھوں۔شروع سے ھی میرا ارادہ تھا کہ میں مہرین کو اپنی بہو بناؤں مگر میں چاھتی تھی کہ تم کسی قابل ھو جاؤ تو میں ایسا کچھ کروں اور اب تم اس قابل ھو گئے ھو اور مہرین کی تعلیم بھی مکمل ھونے والی ھے۔

امی میں اسے قطعا پسند نہیں کرتا اور نہ ھی میں نے کبھی اس کے بارے میں ایسا کچھ سوچا ھے وہ میرے لئے ایک کزن ھے اور بس۔میری بیوی کے معیار پر وہ پوری نہیں اترتی۔

میں نے صاف اور سیدھے لفظوں میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔کچھ دیر تک دوسری طرف خاموشی چھائی رھی پھر امی نے کہا تھا۔

بچپن میں تو تمہاری بڑی دوستی ھوتی تھی اس سے۔

بچپن کی بات بچپن میں ختم ھو گئی۔اب ھمارے درمیان اس قسم کا کوئی تعلق نہیں ھے۔

مگر اس میں خرابی کیا ھے؟

آپ مجھے یہ بتائیں کہ اس میں اچھائی کیا ھے؟ مجھے بطور بیوی ایسی لڑکی چاھیئے جو صاف گو اور مضبوط کردار کی مالک ھو۔جو کھلے دل اور اعلٰی ظرف کی مالک ھو۔جو سمجھدار ھو،جس کے ساتھ میری اچھی انڈرسٹینڈنگ ھو اور معاف کیجئے گا آپ کی بھانجی میں ان میں سے ایک بھی کوالٹی نہیں ھے۔

مجھے یہ بات کہتے ھوئے افسوس ھو رھا ھے مگر یہ سچ ھے کہ وہ ایک برے کردار کی لڑکی ھے۔جس کی نہ خاندان میں عزت ھے نہ خاندان کے باھر اور آپ پتا نہیں کس جرم کی

سزا کے طور پر اسے میرے سر تھوپنا چاہ رہی ھیں۔

امی نے میری بات سننے کے بعد کہا تھا۔

تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ تمہیں بہت سی غلط فہمیاں ھیں اس کے بارے میں۔ تمہیں پتا ھی نہیں ھے کہ اس کے لئے کیسے کیسے رشتے آ رھے ھیں تم تو ان کے سامنے کچھ بھی نہیں ھو یہ تو میں ھوں جو ضد کر رھی ھوں کہ اس کی شادی تم سے ھو اور وہ میرے گھر آئے ورنہ امی تو اس کا رشتہ طے کرنے والی ھیں۔

مجھے امی کی غلط بیانی پر ھنسی آئی تھی۔ وہ اگر یہ جانتی ھوتیں کہ نانی امی مہرین کے لئے رشتوں کی کمیابی کا رونا میرے آگے رو چکی ھیں تو وہ شاید کبھی بھی جھوٹ نہ بولتیں۔

ٹھیک ھے اگر اس کے لئے اچھے رشتے ھیں تو مسئلہ ھی کیا ھے۔ آپ نانی امی کو کہیں کہ وہ کوئی بھی اچھا رشتہ اس کے لئے منتخب کر لیں مگر میرا پیچھا چھوڑ دیں میں نے اس سے شادی نہیں کرنی۔ مجھے اپنی مرضی سے شادی کرنی ھے۔

ٹھیک ھے پھر جہاں تمہارا دل چاھے شادی کر لو میرا تمہارا رشتہ آج سے ختم سمجھو۔ انہوں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ میں ان کی اس حرکت پر حیران ھو گیا تھا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس رشتے کو اتنا سنجیدگی سے لے رھی ھیں۔ مجھے مہرین پر بے تحاشہ غصہ آیا تھا۔

پھر میں نے بار بار امی کو فون کیا ھر دفعہ بیل بجتی رھی مگر کسی نے فون نہیں اٹھایا شاید وہ بھی جانتی تھیں کہ میں دوبارہ فون ضرور کروں گا۔ بیس پچیس بار رنگ کرنے کے بعد میں نے تنگ آ کر فون بند کر دیا تھا وہ جانتی تھیں کہ میں انہیں رنگ کر رھا ھوں گا اسی لئے وہ فون نہیں اٹھا رھیں تھیں۔ یہ ایموشنل بلیک میلنگ تھی۔

میں نے کچھ دیر بعد مشعل کو فون کیا تھا اور اسے ساری بات بتا دی تھی۔ وہ سارا قصہ سن کر سکتے میں آ گئی تھی۔ چند منٹ خاموش رھنے کے بعد یک دم اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

مشعل دیکھو تم پریشان مت ہو، کچھ نہیں ہوگا۔ میں امی کو رضامند کرلوں گا مگر پلیز تم رونا بند کر دو۔ میں بے حد پریشان ہوگیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس طرح میرے سامنے روئی تھی۔

پلیز اسود کچھ کرو۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، میں مر جاؤں گی۔ خدا کے لئے کچھ کرو۔ وہ بلکتے ہوئے کہہ رہی تھی اور میرا دل کٹ رہا تھا۔

پہلی دفعہ وہ اظہار محبت کر رہی تھی اور وہ بھی کس انداز میں۔

مشعل کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو میں کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں اور انہیں میری خواہش کا احترام کرنا پڑے گا۔ وہ اگر رضامند نہ بھی ہوئیں تو بھی میں اپنی زندگی کے فیصلے خود کروں گا۔ میں نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

میں مہرین کو سب کچھ دے سکتی ہوں، سب کچھ مگر تمہیں نہیں۔ یہ واحد چیز ہے جس سے میں کسی صورت دستبردار نہیں ہوسکتی۔ تم میرے ہو اور میرے ہی رہو گے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا بولو تم سن رہے ہو نا؟

وہ بے تاب تھی اور میری کوئی تسلی اسے پرسکون نہیں کر رہی تھی پھر بھی میں بہت دیر تک اسے دلاسے دیتا رہا اور جب کچھ نارمل ہوئی تو میں نے فون بند کر دیا۔ مجھے امی پر بے تحاشہ طیش آ رہا تھا۔ وہ پتا نہیں میرے کس گناہ کی سزا مجھے دینا چاہ رہی تھیں۔ میں پوری رات غصے سے کھولتا جاگتا رہا۔

اگلی صبح آفس سے چھٹی منظور کروانے کے بعد میں شام کی فلائیٹ سے لاہور پہنچ گیا تھا۔ امی نے بڑی سرد مہری سے میرا استقبال کیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ میں آج ضرور آؤں گا۔ ایسی قیامت کسی کے سر پر توڑی جائے تو وہ کہاں ایک جگہ ٹک کر رہ سکتا ہے۔ میں آتے ہی امی سے بحث میں الجھ گیا تھا۔ وہ اپنی بات پر قائم تھیں اور قول سے پھرنے والا میں بھی نہیں تھا۔

اسود دیکھو مہرین نے بہت مشکلات دیکھی ہیں۔ کہیں اور بیاہ کر جائے تو پتا نہیں اس

کا نصیب کیسا ھو مگر اپنے گھر بیاہ کر لاتے ھوئے مجھے یہ تسلی تو ھو گی کہ وہ سکھی رھے گی۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔

اس نے اگر مشکلات دیکھی ھیں تو اپنے باپ کی وجہ سے۔ نہ اس کا باپ ایسے کارنامے کرتا نہ اس کے اعمال اس کہ بیٹی کے سامنے آتے مگر آپ مجھے کس گناہ کی سزا دے رھی ھیں۔ میں نے کوئی دارالامان تو نہیں کھولا کہ دوسروں کے سکھ کے لئے اپنی زندگی برباد کر لوں۔ ویسے بھی وہ اپنے باپ کی طرح ھی ھے۔ خودغرض اور بے حس اس لئے آپ کو اس کے بارے میں فکرمند ھونے کی ضرورت نہیں۔ ایسے لوگ اپنی پروا کرنا خوب جانتے ھیں اور یہ بات میں آپ کو صاف صاف بتا دوں کہ اگر میرے ساتھ اس کی شادی ھو بھی گئی تو جان لیجئے گا کہ مجھ سے اس کو کوئی خوشی نہیں ملے گی یہ بات تو طے ھے۔

ھو سکتا ھے کہیں اور شادی کر کے وہ خوشحال زندگی گزارے مگر میرے ساتھ شادی کر کے وہ بھی پچھتائے گی اور آپ بھی۔ مجھے وہ قطعاً پسند نہیں ھے۔

تو پھر تمہیں کون پسند ھے؟

مجھے مشعل پسند ھے اور آپ میرے لئے اس کا رشتہ مانگیں مہرین کا نہیں۔

امی میری بات پر حیران رہ گئی تھیں۔

مشعل..... مشعل..... وہ زیرلب بڑبڑائی تھیں۔ پھر انہوں نے کہا تھا۔

مشعل اچھی ھے مگر مہرین اس سے میں نے بات کاٹ دی تھی۔

میرے سامنے آپ مہرین کا نام بھی نہ لیں۔ جب بھی آپ اس کا ذکر کرتی ھیں، اس سے میری نفرت اور بڑھ جاتی ھے۔

تم اس کے بارے میں بہت غلط سوچتے ھو۔ وہ ویسی نہیں ھے جیسی تم سمجھتے ھو۔

میں اسے کچھ سمجھتا ھی نہیں اور مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ھے کہ وہ کیسی ھے اور کیسی نہیں۔ مجھے بس اس سے شادی نہیں کرنی اور بس۔

ٹھیک ھے اگر تمہیں اس سے شادی نہیں کرنی تو جو چاھے کرو۔ جس سے چاھو شادی کرو مجھے کوئی دلچسپی نہیں ھے۔ انہوں نے خفگی سے کہا۔

امی آپ سمجھتی کیوں نہیں ھیں؟ مہرین ایک بہت ھی مکار اور چالباز لڑکی ھے آپ اسے بہو بنا کر پچھتائیں گی۔

تمہرا دماغ خراب ھے جو تم اس طرح کہہ رھے ھو۔

امی آپ سمجھتی کیوں نہیں جو لڑکی مجھے پسند نہیں ھے میں اس سے شادی کیسے کر سکتا ھوں؟ جس کے ساتھ ایک دن گزارنا مجھے مشکل لگتا ھے اس کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزار سکتا ھوں؟ میں نے بے چارگی سے کہا تھا۔

تمہیں کوئی مجبور نہیں کر رھا۔ جہاں چاھے شادی کرنا اور جب چاھے کر لینا۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ھے۔

امی مشعل بھی تو آپ کی بھتیجی ھے اور وہ ھر لحاظ سے مہرین سے بہتر ھے۔ پھر آپ اس قدر ضد کیوں کر رھی ھیں؟ میں کوئی ایسی بات تو نہیں کر رھا جو نامناسب ھو بہر حال یہ تو طے ھے کہ میں اس سے شادی نہیں کرونگا۔ چاھے آپ ناراض ھی کیوں نہ ھوں اور اگر آپ کی یہ ناراضگی زیادہ دیر تک رھی تو میں واپس لندن چلا جاؤں گا اور وھیں شادی کر لوں گا اور دوبارہ کبھی آپ کو شکل نہیں دکھاؤں گا۔ میں نے انہیں دھمکی دی تھی اور پھر میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

مجھے امی کی ناراضگی کی زیادہ پروا نہیں تھی اس مرحلے پر میں ان کی پروا کر کے اپنی زندگی خراب کرنا نہیں چاھتا تھا۔ مجھے مشعل کی فکر تھی۔ پتا نہیں وہ کس قدر پریشان ھو گی۔ میں نے اسے رنگ کیا اور اپنی آمد اور امی کے ساتھ گفتگو کے بارے میں بتایا۔ وہ واقعی بہت پریشان تھی۔

اسود اب کیا ھوگا؟

کچھ نہیں ھوگا۔ وہ کچھ دیر ناراض رھیں گی اور پھر مان جائیں گی ان کے کون سے دو

چار بیٹے ھیں کہ ایک کو خفا کر دیں تو بھی انہیں کوئی فرق نہ پڑے۔تم بس پریشان نہ ھو اور مجھ پر بھروسہ رکھو۔

میں نے اسے تسلی دی تھی اور پھر کافی دیر تک ھم دونوں باتیں کرتے رھے۔

اگلی دوپہر کو میں امی کو خدا حافظ کہے بغیر واپس کراچی آ گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ امی کی ناراضگی زیادہ دیر نہیں چلے گی اور اب میں ان سے ناراض رھنا چاھتا تھا کہ انہیں اپنے غلط رویے کا احساس ھو۔اس دن میں نے امی کو فون نہیں کیا اور نہ ھی اس سے اگلے دن البتہ میں مشعل کو فون کرتا رھا۔وہ اب پہلے کی طرح فکرمند نہیں تھی البتہ وہ اس بات پر شرمندہ اور پشیمان ضرور تھی کہ میں نے اس کی وجہ سے اپنی امی کو ناراض کیا۔

تیسرے دن میں صبح آفس جانے کی تیاری کر رھا تھا جب کراچی سے ماموں کی کال آئی۔امی کو ھارٹ اٹیک ھوا تھا اور وہ ھاسپٹل میں تھیں۔ مجھے لگا جیسے زمین ھل گئی تھی۔

یہ سب میری وجہ سے ھوا ھے۔پہلی سوچ یہی میرے دماغ میں آئی تھی۔

امی کو دل کی تکلیف کافی عرصے سے تھی مگر ان کی حالت اتنی خراب کبھی نہیں ھوئی تھی کہ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑے۔ یک دم ھر چیز سے میری دلچسپی ختم ھو گئی تھی۔ پہلی فلائیٹ سے میں شام کو لاھور پہنچ گیا تھا اور ایئرپورٹ سے سیدھا ھاسپٹل گیا۔

امی اب آئی سی یو سے باھر تھیں مگر ان کی حالت بہت اچھی نہیں تھی۔تینوں ماموں ھاسپٹل میں ھی تھے۔ میں امی کے کمرے میں گیا تھا۔انہیں ڈرپ لگی ھوئی تھی اور وہ غنودگی کے عالم میں تھیں۔ مین نے ان کا ھاتھ پکڑ لیا مگر انہوں نے آنکھیں نہیں کھولیں وہ اسی طرح بے حس و حرکت رھیں۔ پتا نہیں میں کتنی دیر میں ان کا ھاتھ پکڑے اسی طرح بیٹھا رھا۔کوئی ڈاکٹر میرے پاس آیا تھا اور اس نے مجھے کمرے سے باھر جانے کے لئے کہا۔ میں ایک معمول کی طرح چل کر باھر آ گیا۔

پتا نہیں اسے ھوا کیا ھے۔اچھی بھلی تھی۔چند دن پہلے ھی تو ھماری طرف آئی ھوئی تھی۔بالکل ٹھیک تھی۔ماموں نے مجھے دیکھ کر کہا تھا۔

میں نے مشعل کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مجھے بے تحاشہ خوف نظر آیا۔ میں جانتا تھا وہ کیوں خوفزدہ تھے؟ وہاں وہ بھی تھی۔ وزیٹرز روم کے ایک کونے میں کرسی پر بیٹھی وہ بہت مطمئن نظر آ رہی تھی۔ یہ سب اس کی وجہ سے ہوا تھا۔ نہ وہ ہوتی نہ امی مجھے اس سے شادی کے لئے مجبور کرتیں ہر چیز ٹھیک رہتی۔ مگر سب کچھ اس نے خراب کیا تھا اس کا باپ بھی یہی کرتا تھا۔ دوسروں کی زندگی اپنی حرکتوں سے خراب کرتا تھا وہ بھی یہی کر رہی تھی۔ یہ چیز اس کے خون میں شامل تھی اور امی وہ کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھیں۔ پتا نہیں اس نے ان پر کیا جادو کر دیا تھا۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ سب لوگ وہاں سے چلے گئے تھے مگر میں نہیں گیا۔ میں وہاں بیٹھا دیر تک امی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس رات وہ نیند آور دواؤں کے زیر اثر سوتی رہیں مگر اگلی صبح وہ جاگ گئی تھیں میں ان کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

میرے دل پر گھونسہ سا پڑا۔ میں ہی تو ان کی اس حالت کا ذمہ دار تھا۔ میں ان کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑا، انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے ان کا حال پوچھا انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں پھر بھی وہیں بیٹھا رہا۔

کافی دیر تک ڈھیٹوں کی طرح وہاں بیٹھے رہنے کے بعد میں کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ پھر میں باہر لان میں ایک بینچ پر آ کر بیٹھ گیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اگر مسئلہ مہرین کا نہ ہوتا تو میں امی کی ضد پر ہتھیار ڈال دیتا اور مشعل سے بھی دست بردار ہو جاتا مگر میں مہرین کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے جو نفرت مجھے اس سے ہو گئی تھی وہ اب میرے دل سے ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ پتا نہیں میں اسے اتنا ناپسند کیوں کرنے لگا تھا؟ وجہ جو بھی تھی میں اس سے شادی نہیں کر سکتا تھا اور پھر میں نے دو تین دن بعد امی کی حالت سنبھلنے کے بعد ان سے یہی کہا کہ وہ جس سے چاہیں میری

شادی کر دیں مگر مہرین سے نہیں۔ انہوں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ مجھے لگا، وہ میری بات پر سوچ رہی ہیں۔

ایک ہفتہ کے بعد امی گھر آ گئی تھیں۔ ممانی نے مشعل کو ہمارے گھر بھیج دیا تھا اور وہی امی کی تیمارداری کر رہی تھی۔ امی کو گھر لانے کے دوسرے دن میں واپس کراچی آ گیا تھا اور میں نے رہائش حاصل کرنے کی کوششیں تیز کر دی تھیں۔

ایک ہفتہ کے اندر اندر گھر حاصل کرنے کے بعد میں واپس لاہور گیا تھا اور امی کو کراچی لے آیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ امی نے کراچی جانے کے خلاف مزاحمت نہیں کی اور یہ بات مجھے عجیب لگی تھی مگر میں خوش تھا کہ بہر حال وہ میرے ساتھ آ گئی ہیں۔ امی کی بیماری کے بعد سے میں نے مشعل سے شادی کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی اس نے مجھ سے اس سلسلے میں کوئی بات کرنے کی کوشش کی۔

ہم لوگوں کے درمیان ایک عجیب سی دیوار حائل ہو گئی تھی اور میں اس دیوار کو توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں اسے کوئی فریب نہیں دینا چاہتا تھا۔ میرے جیسے بندے کو عشق نہیں کرنا چاہیئے۔ میں کمزور نہیں تھا مگر امی نے مجھے کمزور کر دیا تھا۔ میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا سو میں نے مشعل نام کی خواہش کو مار دیا تھا۔

کراچی آ کر امی کا رویہ بہت عجیب ہو گیا تھا۔ وہ بالکل چپ ہو کر رہ گئی تھیں۔ ہر چیز میں ان کی دلچسپی جیسے ختم ہو گئی تھی۔ میری ہر بات کا جواب وہ صرف ہوں ہاں سے دیتی تھیں۔ میں بے حد پریشان تھا، میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں کہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں۔ انہیں اب میرا اپنے پاس بیٹھنا بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ میں شام کو آفس سے آ کر ان کے پاس بیٹھنا چاہتا تو وہ سونے کے لیے لیٹ جاتیں۔ میں ان کے لیے کوئی چیز خرید کر لاتا تو وہ یونہی رکھ دیتیں۔ چھٹی کے دن وہ صرف میری وجہ سے کمرے سے باہر نہیں نکلتی تھیں۔

پھر ایک دن میں نے انہیں روتے ہوئے دیکھ لیا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنے آنسو

پونچھ لیے مگر مجھے ایسا لگا تھا کہ میرا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔

آپ کیا چاہتی ہیں، مجھے بتائیں آپ کیا چاہتی ہیں، آپ اس طرح کیوں کر رہی ہیں میرے ساتھ؟

انہوں نے میری بات کا جواب نہیں دیا، چپ بیٹھی رہیں۔

آپ مہرین سے میری شادی کرنا چاہتی ہیں، کر دیں مگر خدا کے لیے یہ سب نہ کریں جو آپ کر رہی ہیں۔

انہوں نے حیرانگی سے مجھے دیکھا تھا مگر میں اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ جو فیصلہ اتنے بہت سے دنوں سے میں نہیں کر پایا، وہ ایک لمحہ میں ہو گیا تھا۔ جب اپنی خوشی نہیں تو ٹھیک ہے امی کی خوشی ہی سہی۔ اگر زندگی مشعل کے بغیر ہی گزارنی تھی تو پھر ٹھیک ہے جو بھی ہوتا اس سے کیا فرق پڑتا۔ ہاں مہرین کے ہونے سے امی کو فرق پڑتا تھا۔

میں ایک دفعہ مشعل سے بات کرنا چاہتا تھا۔ میں ایک دفعہ اسے اپنی مجبوریاں بتانا چاہتا تھا۔ وہی روایتی مجبوریاں جن کا میں چند سال پہلے تک مذاق اڑاتا تھا۔ میں ایک دفعہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ میں نے صرف اس سے محبت کی تھی۔ اسود علی کو صرف اس نے جیتا تھا، صرف اس نے تسخیر کیا تھا۔ وہ میری زندگی میں بے شک نہیں رہے گی مگر دل میں صرف وہی رہے گی۔

مرد کے لیے بہت آسان ہے کسی کو چھوڑنا۔ اس نے ایک بار مجھ سے کہا تھا اور میں نے اس سے کہا تھا۔

ہوتا ہو گا آسان کسی کو چھوڑنا مگر تمہیں نہیں۔ اور اب میں اسے چھوڑ رہا تھا مشعل کو ترک کر رہا تھا اور جب میں اس کے پاس نہیں رہوں گا تو باقی کیا بچے گا؟ اور جب وہ میرے پاس نہیں رہے گی تو میں کیا ہوں گا؟ اور اب اس کی خوبصورت آنکھوں میں ہر وقت نمی تیرتی رہے گی اور اب وہ بھی لوگوں پر اعتماد کرنا چھوڑ دے گی۔

میں دوسروں کے لیے اتنا ایثار اور اتنا کچھ کرتی ہوں کہ مجھے نہیں لگتا، خدا مجھے آنے

والی زندگی میں کسی کے ہاتھوں فریب دلوائے گا۔ ایک بار چمکتی آنکھوں کے ساتھ اس نے مجھ سے کہا تھا اور اب اس کی ساری قربانی اور سارا ایثار دھرا رہ جائے گا۔

میں نے اسے فون کیا اور مجھے اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ جیسے سب جانتی تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیسے بات شروع کروں۔ سو میں چپ تھا اور اس کے پاس شاید کچھ کہنے کے لیے تھا ہی نہیں۔

مشعل میں مہرین سے شادی کر رہا ہوں۔ بہت دیر چپ رہنے کے بعد میں نے کہا تھا۔ دوسری طرف خاموشی رہی۔

میں مجبور ہوں مشعل میں اپنی ماں کو کھونا نہیں چاہتا۔

اور مجھے..... مجھے کھو دو گے؟ اس کی آنسوؤں میں بھیگی آواز گونجی تھی۔

مجھے ایسا کرنا پڑے گا اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

ہاں اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے مگر ایک بات یاد رکھنا تم بھی اتنے سچے اور بہادر نہیں ہو جتنا تم دعوٰی کرتے رہے ہو۔ تم بھی عام سے مرد ہو جو صرف افیئر چلانا جانتا ہے اور شادی کے وقت اسے مجبوریاں یاد آنے لگتی ہیں۔ میرا کیا ہے، میں تو زندگی گزار لوں گی مگر تم کیا کرو گے خود کو اور مہرین کو دھوکا دے کر کیسے رہو گے اسود؟

میں واقعی اتنا سچا اور بہادر نہیں رہا اور ابھی تو مجھے خود کو اور کو بہت فریب دینے ہیں، لیکن میں نے تمہیں کوئی فریب نہیں دیا، پتا نہیں سب کچھ کیسے ہو رہا ہے۔ میرے اختیار میں کچھ باقی رہا ہی نہیں۔

وہ رو رہی تھی، میں اسے چپ نہیں کروا سکتا تھا۔ میں اسے چپ کروانا چاہتا بھی نہیں تھا۔

ٹھیک ہے اسود جو چاہتے ہو کر لو مگر تم یاد رکھنا کہ میں نے تم سے بہت محبت کی تھی۔ میں نے تمہیں اتنا چاہا ہے کہ کوئی اور تمہیں کبھی اتنا نہیں چاہے گا۔ مہرین بھی نہیں، تمہاری

اولاد بھی نہیں۔تم نیمہرین کا انتخاب کیا ہے تو ٹھیک ہے مہرین ہی سہی۔ نہ تم اس پر اپنا ماضی ظاہر کرسکو گے نہ وہ۔مگر وہ پھر بھی تمہارے اور میرے بارے میں جانتی ہے اور تم بھی اس کے بارے میں جانتے ہو پھر بھی تم دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔میری دعا ہے کہ تم دونو خوش رہو، بہت خوش رہو۔حالانکہ تم نے کسی کو برباد کر دیا ہے۔

اس نے فون بند کر دیا تھا۔ میں بہت دیر تک ریسیور ہاتھ میں تھامے بیٹھا رہا جیسیا بھی اس کی آواز اس میں گونج اٹھے گی۔جیسے ابھی وہ کہے گی کہ وہ خوش ہے، وہ ہنس رہی ہے۔مگر میں جانتا تھا کہ اس وقت وہ شاید دھاڑیں مار مار کر رو رہی ہوگی اور خوش تو اب شاید وہ ساری زندگی نہ ہو۔

مشعل کو واقعی میں نے برباد کر دیا تھا۔اسے رونا نہیں آتا تھا اور اب میں نے مستقل طور پر اس کی آنکھوں میں آنسو سجا دیے تھے۔وہ ہر لحاظ سے مکمل تھی اور میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ادھورا کر دیا تھا۔پتا نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہم جسے سب کچھ دے دینا چاہتے ہیں اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہنے دیتے؟ اور میں اور مشعل اب ساری زندگی ایک دوسرے کو لوگوں کے چہروں میں تلاش کرتے پھریں گے۔اور مہرین وہ کیسے ہم دونوں کے درمیان آ گئی تھی۔ہم لوگوں نے تو کبھی اس کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی تھی۔ہم دونوں نے تو ہمیشہ اس کا بھلا ہی چاہا تھا پھر بھی۔

☆

زندگی یک دم بدل گئی تھی۔امی لاہور گئی تھیں اور پندرہ دن وہاں رہنے کے بعد جب وہ واپس آئی تھیں تو مہرین اور میں ایک دوسرے سے منسوب ہو چکے تھے۔وہ بہت خوش تھیں۔ان کی ساری اداسی، ساری پریشانی ختم ہو چکی تھی اور میں ان پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا کہ میں مطمئن ہوں۔اپنی اداسی ظاہر کرنے کا فائدہ بھی کیا تھا؟ جب قربانی دے رہا تھا تو پھر دل سے دینا چاہتا تھا۔

وہ مجھے مہرین کے بارے میں بتاتی رہتی تھیں۔ وہ ایسی تھی، وہ یہ کہہ رہی تھی، میں نے اسے یوں کہا، میں اسے وہاں لے کر گئی۔ ایک بار بھی ان کی زبان پر مشعل کا نام نہیں آیا۔ حالانکہ میں پوچھنا چاہ رہا تھا کہ وہ کیسی تھی؟ منگنی کی تصویروں میں مہرین کے ساتھ بیٹھی وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی اور مہرین کے چہرے پر مسکراہٹ کا نام و نشان نہیں تھا۔ اسے خوش ہونا چاہیے تھا۔ اس نے مشعل کو مجھ سے چھین لیا تھا اور مشعل..... سو وہ اب دنیا کو دھوکا دینا سیکھ رہی تھی۔ اپنی مسکراہٹ سے وہ مجھے اور سب کو یہ دکھانا چاہتی تھی کہ وہ خوش ہے اسے کوئی دکھ نہیں ہے۔

میں ان تصویروں میں صرف مشعل کو دیکھتا رہا تھا۔ وہ سب سے منفرد، سب سے ممتاز نظر آتی تھی اور واقعی وہ ایسی تھی۔

اس دوپہر امی نے مجھے آفس فون کیا تھا مجھے ان کی آواز سے اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے مگر میرے اصرار پر بھی انہوں نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ معاملہ کیا ہے بس وہ مجھے یہی کہتی رہیں کہ میں آفس سے لاہور جانے کے لئے چھٹی لے کر گھر آ جاؤں پھر وہ مجھے سب کچھ بتا دیں گی۔

میں انتہائی پریشانی کے عالم میں گھر پہنچا۔ امی کا چہرہ دیکھ کر میں دھک سے رہ گیا تھا ان کی آنکھیں رو رو کر سوج چکی تھیں۔

مشعل کی طبیعت خراب ہے اسے ہاسپٹل لے کر گئے ہیں۔

انہوں نے میرا دل دہلا دیا تھا۔ مجھ میں اتنی ہمت بھی نہیں رہی تھی کہ ان سے کچھ اور پوچھتا۔ میں فون اٹھا کر لاہور جانے کے لیے سیٹوں کی بکنگ کے انتظامات میں لگ گیا تھا۔ امی بس رو جا رہی تھیں اور چپ ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھیں۔ میں جانتا تھا یہ پچھتاوے کے آنسو تھے۔ انہیں بہنا ہی چاہیے تھا اس لیے میں نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔

فلائیٹ میں بیٹھے ہو بھی ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی بس ایک

خاموشی تھی جو ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ پتا نہیں امی کیا سوچ رہی تھیں مگر میں، میں تو صرف اس کے لیے دعائیں کر رہا تھا۔ میں جانتا تھا اسے ہاسپٹل میں پہنچانے والا میں ہی تھا ورنہ مشعل کو کیا ہو سکتا تھا۔

لاہور ایئر پورٹ پر اتر کر امی کے آنسوؤں میں اور روانی آ گئی تھی۔ شاید وہ سوچتی ہوں گی کہ وہ کس منہ سے مشعل کا سامنا کریں گی۔ آخر وہ بھی تو اس کی اس حالت کی ذمہ دار

تھیں۔ نہ وہ ضد کرتیں نہ مہرین سے میری منگنی ہوتی اور نہ مشعل کی یہ حالت ہوتی۔

اس وقت شام کے چھ بجے تھے جب ہم لاہور پہنچے تھے۔ ایئر پورٹ سے ٹیکسی لے کر ہم مشعل کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ امی کی سسکیاں پہلے سے بڑھ گئی تھیں اور میں اب بھی خود پر قابو رکھے ہوئے تھا۔

آخر مرد تھا رو تو نہیں سکتا تھا ہاں مگر جوں جوں ٹیکسی اس کے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں اور پھر ایک موڑ کاٹتے ہی اس کا گھر سامنے آ گیا تھا۔ اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اس کے گھر کے سامنے سڑک پر گاڑیوں کی لمبی قطار نظر آ رہی تھی اور جا بجا لوگ بھی تھے۔ ایک دم میرے ساتھ بیٹھی ہوئی امی ہچکیاں لے کر بلند آواز میں رونے لگی تھیں۔

میں نے وحشت بھری نظروں سے انہیں دیکھا تھا وہ یقیناً مجھ سے بہت کچھ چھپائے ہوئے تھیں اور وہ کیا چھپا ہوا تھیں اب میں جاننا نہیں چاہتا تھا۔ ٹیکسی اس کے گھر کے کھلے دروازے کے سامنے رکی تھی۔ ایک معمول کی طرح میں نے نیچے اتر کر ڈرائیور کو کرایہ دیا۔ امی اب بلند آواز میں رو رہی تھیں۔ میں نے انہیں چپ کروانے کی کوشش نہیں کی۔ میں کیوں انہیں چپ کرواتا۔ گھر کے اندر سے رونے کی مدھم آوازیں گیٹ تک آ رہی تھیں۔

اکبر ماموں مجھے گیٹ پر ہی مل گئے تھے۔ امی ان سے لپٹ گئی تھیں اور وہ دھاڑیں

مار کر رونے لگے تھے۔ میں وہاں نہیں رکا لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اندرونی دروازے تک آ گیا۔ پتا نہیں وہاں کون کون تھا۔ میں دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ رونے کی آوازیں ہال سے آ رہی تھیں مگر پورا گھر آہوں اور سسکیوں سے گونج رہا تھا۔ میں میکانکی انداز میں چلتا ہوا ہال میں آ گیا۔ کافور، لوبان اور گلاب کی ملی جلی خوشبو میری ناک سے ٹکرائی تھی اور میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔

ہال کے وسط میں سفید کفن میں چھپا ہوا جسم اس کا تھا۔ اس کے جسم کے اوپر بیشمار گلاب کے پھول رکھے ہوتھے۔ میں آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ وہیں ہال کے دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی امی وہاں نہیں تھیں اور جو وہاں تھے وہ بھی شاید

وہاں نہیں تھے۔ میں بھی وہاں نہیں تھا، اور میں کہاں تھا؟ یہ میں نہیں جانتا تھا۔

کچھ عورتیں اس کے سرہانے بلند آواز میں سورہ یسین کی تلاوت کر رہی تھیں۔ نانی امی سر کو ہاتھوں میں پکڑے بلند آواز میں رو رہی تھی۔ اس کے ننھیال سے بھی سب لوگ وہاں آئے ہوئے تھے اور اس کی نانی بار بار غش کھا رہی تھیں۔ اس کی خالہ اس کے پاس بیٹھی ہوئی بار بار اس کا منہ چومتی تھیں اور پھر دھاڑیں مار مار کر رونا شروع ہو جاتیں۔ جو نہیں رو رہے تھے وہ سکتے کے عالم میں تھے۔ میری طرح، جیسے انہیں یقین نہیں آیا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا تھا۔

وہاں ایک کونے میں وہ بھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے نہ چہرے پر کوئی پریشانی یا پچھتاوا۔ وہ بس ایک پارہ پڑھ رہی تھی۔ جو لوگ مکمل ہوتے ہیں وہ مر جاتے ہیں اور جن لوگوں کی ذات نامکمل اور خامیوں کا مجموعہ ہوتی ہے وہ زندہ رہ جاتے ہیں، جیسے مہرین۔ میرا دل چاہا تھا میں دھکے دے کر اسے وہاں سے نکال دوں۔ آخر وہاں اس کا کیا کام تھا؟ وہ تماشائی بن کر مشعل کو زندگی ہارتے دیکھنے آئی تھی۔ اور ساری زندگی وہ تماشا ہی تو دیکھتی رہی تھی۔

یک دم میرا سانس گھٹنے لگا تھا۔ آخر میں بھی وہاں کیا لینے آیا تھا؟ مجھے لگا ابھی وہ آنکھیں کھولے گی اور مجھ سے کہے گی کہ اب میں کیا چاہتا ہوں میں اس کا پیچھے کیوں نہیں چھوڑ دیتا؟ میں گھر سے باہر نکل آیا تھا اس کا بڑا بھائی اشعر مجھے دیکھ کر میری طرف آ گیا اور میرے گلے لگ کر رونے لگا۔ میں اسے کوئی دلاسا نہیں دے سکا۔ میں کیا کہتا یہ سب میری وجہ سے ہی تو ہوا تھا۔

ایک مشین کی طرح میں اس شام لوگوں سے ملتا رہا۔ رات کے آٹھ بجے ہم اس کا جنازہ لے کر قبرستان آ تھے اسے ہمیشہ کے لیے وہاں چھوڑنے۔ اس کے جنازے کو کندھا دیتے ہو میں کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا، میں اس قابل کہاں تھا؟ لیکن اسے قبر میں دفن ہوتے دیکھ کر میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں اسے لے کر کہیں بھاگ جاؤں۔ وہ اکیلی کیسے رہ سکتی تھی۔ وہ یہاں کیوں آ گئی تھی؟ پھر اس کی قبر پر سب نے مٹی ڈالی تھی۔ میں بھی مٹی ڈالنے والوں میں شامل تھا۔ تو مشعل نام کی کہانی ختم ہوگئی تھی۔ اس کی مسکراہٹ، اس کے قہقہے، اس کی جگمگاتی آنکھیں، اس کی خوبصورت آواز اب کبھی کسی کو نظر نہیں آ گی اور میں..... میری نظر سے یہ سب کبھی اوجھل نہیں ہوگا۔

کتنا عذاب ہوتا ہے کسی کا کبھی نظر نہ آنا اور کتنا عذاب ہوتا ہے کسی کا ہر وقت نظر آتے رہنا۔ ہم سب اسے وہاں چھوڑ کر واپس آ گ تھے اور میں نے تو اسے پہلے ہی چھوڑ دیا تھا۔ شاید تب بھی اس نے زندہ ہوتے ہوئے بھی خود کو قبر میں دفن ہوتا ہوا محسوس کیا ہوگا۔ ممانی مسلسل غشی کے عالم میں تھیں۔ انہیں ہوش ہی نہیں آ رہا تھا اور جو ہوش میں تھے وہ بھی ہوش میں کہاں تھے۔

پتا نہیں تعزیت کے لیے کون کون آیا تھا؟ اس کی پوری یونیورسٹی جیسے وہاں آ گئی تھی۔ وہ جو یونیورسٹی کی جان تھی اب سب کو ہی اس کے بغیر رہنا پڑے گا۔ مہرین یونیورسٹی سے آنے والے اسٹوڈنٹس اور ٹیچرز سے ملتی رہی، اور میں سوچتا رہا تھا کہ اس کی راہ کا سب سے بڑا کانٹا دور ہونے پر وہ کتنی مسرور ہوگی۔ اب کوئی یہ نہیں کہے گا کہ مشعل نے یہ کیا

ہے یا مشعل ایسا ہے اب وہ ہمیشہ اس کے نام کے ساتھ ماضی کا صیغہ استعمال کریں گے۔اور وہ جسے اس کی شہرت اور کامیابی سے نفرت تھی اب اس کی فکر ختم ہو جائے گی۔ دیر سے سہی پر خدا نے اس کی سن لی تھی۔

تمام رات گھر کا کوئی فرد سو نہیں پایا اور صبح، صبح میں اس وقت سکتے میں رہ گیا تھا جب اکبر ماموں نے میرے پاس بیٹھ کر کہا تھا۔

پتا نہیں اس نے ایسا کیوں کیا؟ اسے کیا چاہیئے تھا جو اس نے خودکشی کر لی؟

مجھے لگا تھا جیسے میرے پاس کوئی بم پھٹا تھا اور میرے پرخچے اڑ گئے تھے۔

وہ مجھے کہتی اگر اسے کچھ چاہیئے تھا مگر اس طرح بغیر کچھ کہے، کچھ بتائے۔اس نے ایسا کیوں کیا؟ اب میں کیا کروں گا؟ میرا تو گھر ویران ہو گیا۔وہ بات کرتے کرتے رونے لگے تھے۔اور مجھے لگا تھا کسی نے میرے گلے میں وزنی زنجیروں کا ایک ایسا گچھا ڈال دیا تھا جو اب مجھے کبھی سر اٹھانے نہیں دے گا۔

ماموں کچھ دیر بعد مجھے اس کی موت کی تفصیلات بتانے لگے تھے۔وہ لوگ اس رات کسی دعوت میں گئے ہوتے تھے۔گھر میں صرف نانی امی، مہرین، مشعل اور ملازم تھے۔ رات دیر گئے جب وہ لوگ گھر واپس آئے تو مشعل کا کمرہ بند تھا۔ممانی ایک بار اس کے کمرے کی طرف گئی تھیں مگر اس کا کمرہ بند تھا اور لائیٹ بھی آف تھی۔انہوں نے سوچا وہ سو چکی ہو گی۔اس لیے انہوں نے اسے ڈسٹرب نہیں کیا اور واپس چلی گئیں مگر صبح جب وہ اسے اٹھانے آئیں اور بار بار دروازہ بجانے کے باوجود بھی اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ پریشان ہو گئی تھیں۔انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں اور ماموں کو بلوایا تھا۔وہ چاروں مل کر دروازہ پیٹتے رہے مگر تب بھی اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔

شور کی آوازوں پر باقی ماموں بھی جمع ہو گئے تھے۔پھر اشعر نے دروازے کا لاک توڑ دیا تھا اور جب وہ اندر داخل ہو تو وہ غنودگی کے عالم میں پڑی ہوئی بمشکل سانس لے رہی تھی۔وہ سب اسے لے کر ہاسپٹل گئے تھے مگر وہ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی مر چکی تھی۔

ڈاکٹر نے اسے دیکھتے ہی اس کی موت کی تصدیق کردی تھی۔ ماموں نے اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کرکے ڈیتھ سرٹیفکیٹ پر اس کی موت کا سبب ہارٹ اٹیک لکھوا دیا اور پولیس کیس نہیں بننے دیا۔

سب لوگوں کو بھی یہی بتایا گیا تھا۔صرف گھر کے لوگوں کو اس کی موت کی اصل وجہ کا علم تھا اور شاید یہ چیز ہی ان کے لیے زیادہ تکلیف دہ تھی کہ اس نے اپنے ہاتھوں اپنی جان لے لی تھی۔

سوئیم تک ممانی کی حالت پہلے سے بہتر ہو چکی تھی اور سب لوگوں نے اس کی موت کو ذہنی طور پر قبول کرنا شروع کر دیا تھا مگر شاید ابھی بہت کچھ باقی تھا۔گھر کی ملازمہ نے مشعل کو گھر والوں کے جانے کے تھوڑی دیر بعد مہرین کے کمرے میں جاتے دیکھا تھا۔ وہ دیر تک وہاں رہی تھی اور اس دوران کمرے سے ان دونوں کے جھگڑنے کی آوازیں آتی رہی تھیں۔ ملازمہ نے کمرے کے پاس جا کر باتیں سننے کی کوشش نہیں کی مگر اس نے ماموں کو کہا تھا کہ مشعل جب زور زور سے بول رہی تھی تو مہرین بی بی بہت ہنس رہی تھیں اور ان کے ہنسنے پر مشعل بی بی کو اور غصہ آیا تھا۔وہ اور زیادہ بلند آواز سے بولنے لگی تھیں۔پھر کافی دیر کے بعد جب وہ کمرے سے نکلیں تو ان کا چہرہ غصہ سے سرخ تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ ابھی رونے لگیں گی۔اپنے کمرے میں جانے کے کچھ دیر بعد وہ نیچے آئی تھیں اور انہوں نے چوکیدار کو کچھ خط گھر کے پاس لگے لیٹر باکس میں ڈالنے کے لیے دیے تھے اور پھر وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں کہ کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے وہ سونے جا رہی ہیں۔

ماموں نے اسی وقت مہرین کو بلوایا تھا۔اور اس سے پوچھا تھا کہ مشعل کی موت والی رات ان دونوں کے درمیان کس بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ پہلے تو اس نے سرے سے اس بات سے انکار کیا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوا تھا مگر جب ماموں نے ملازمہ کو ساری باتیں بتانے کو کہا تو وہ بیحد پریشان ہو گئی تھی وہ کچھ بھی نہیں بتا سکی

تھی۔

سب لوگ یک دم اس کے خلاف ہو گئے تھے۔ وہ سب اسے اصل بات بتانے پر مجبور کر رہے تھے مگر وہ کچھ بھی نہیں بتا رہی تھی۔ وہ صرف یہ کہہ رہی تھی کہ مشعل اس سے ناراض تھی مگر کیوں ناراض تھی یہ اس نے نہیں بتایا۔ میں جانتا تھا کہ مشعل اس سے کیوں ناراض تھی مگر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس بات پر اپنے غصے کا اظہار کرنے کے لیے منگنی کے ایک ہفتے کے بعد اس سے لڑنے گئی ہو گی۔ بات یقیناً کچھ اور ہو گی اور بات کیا تھی وہ یہ نہیں بتا رہی تھی۔

اشعر نے چوکیدار سے ان خطوں کے بارے میں پوچھا تھا مگر وہ بھی ان کے پتے کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا۔ لیٹر باکس میں خط بھی نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ انہیں پوسٹ کیے تیسرا دن ہو چکا تھا۔ اشعر نے اس کے کمرے کی تلاشی لی تھی مگر وہاں سے صرف اس کی جلی ہوئی ڈائری برآمد ہوئی تھی اور میں جانتا تھا کہ اس نے اپنی ڈائری کیوں جلائی ہو گی صرف مجھے بچانے کے لیے تاکہ کوئی مجھے اس کی موت کا ذمہ دار نہ ٹھہرا سکے۔

کسی کو یہ علم نہ ہو سکے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی۔

اگر وہ مہرین سے ناراض ہوتی تو وہ کبھی بھی یہ منگنی نہ ہونے دیتی۔ وہ اپنے باپ سے میرے لیے پسندیدگی کا اظہار کرتی تو اکبر ماموں میری امی کو مجبور کر سکتے تھے کہ وہ مہرین کو بہو نہ بنائیں اور اس کی جگہ مشعل سے میری شادی کریں مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ یقیناً مہرین جھوٹ بول رہی تھی۔ سب کے اصرار کے باوجود اس نے بتانے سے انکار کر دیا تھا اور اشعر، وہ اس قدر طیش میں آ گیا تھا کہ وہ اسے شوٹ کر دینا چاہتا تھا۔ سب نے اسے پکڑ لیا اور میرا دل چاہا تھا کہ کوئی اسے نہ پکڑتا، وہ اسے شوٹ کرنے دیتے۔

مہرین مر جاتی تو کیا فرق پڑتا؟

اگر دنیا کو مشعل کے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا تو مہرین کے نہ ہونے سے کیا

ہو جاتا؟

اگر تم نہیں بتاؤ گی کہ تم نے مشعل سے کیا کہا تھا تو میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔

اشعر نے دھمکی دی تھی لیکن وہ اسی طرح چپ رہی تھی اور پھر اچانک اشعر نے تیزی سے جا کر اس کا گلا پکڑ لیا تھا۔ وہ اس کا گلا دبا رہا تھا سب اسے چھڑانے کے لئے بھاگے تھے مگر میں نہیں اٹھا تھا میں اسے کیوں بچاتا، کیا اس نے مشعل کو بچایا تھا؟ ماموں اشعر کو کھینچ کر باہر لے گئے تھے مگر وہ اسے گالیاں دے رہا تھا۔ وہ بار بار کہتا جا رہا تھا۔

میں اس کتیا کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، یہ ناگن ہے، ساری عمر یہ ہمارا کھاتی رہی اور اس نے میری بہن ہی کو ڈس لیا، میں اسے مار دوں گا۔

میں کمرے سے باہر نکل گیا اور اس رات میں نے امی سے کہا تھا۔

میں مہرین سے شادی نہیں کروں گا، کبھی نہیں۔

انہوں نے اس کی صفائی دینے کی کوشش کی تھی۔

اسود اس بیچاری کا کیا قصور ہے، سب اس کے دشمن ہو رہے ہیں، اگر تم بھی۔۔۔

میں نے ان کی بات کاٹ دی۔

مشعل کا کیا قصور تھا۔ اسے کس بات کی سزا ملی ہے۔ اس نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا پھر بھی وہ مر گئی اور یہ تو زندہ ہے۔ اسے کیا فرق پڑا ہے لوگوں کے دشمن ہونے سے۔ میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔ یہ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔

میں ان سے یہ کہنے کے بعد سیدھا مہرین کے پاس گیا تھا۔ اس کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ میں دستک دیے بغیر اندر داخل ہو گیا۔ وہ ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھی۔

میں تم سے یہ پوچھنے نہیں آیا ہوں کہ تم نے اسے کیسے مارا میں صرف وہ انگوٹھی لینے آیا ہوں جو تمہارے ہاتھ میں ہے، اور یہ بتانے آیا ہوں کہ اب تمہارے اور میرے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔ تم کسی اور کو ڈھونڈ لو جو تمہارے اس بھیانک چہرے اور کردار کو

برداشت کر سکے۔ لوگ ٹھیک کہتے ہیں باہر سے خوبصورت وہی ہوتے ہیں جو اندر سے خوبصورت ہوں اور جو اندر سے خوبصورت نہ ہوں خدا انہیں ظاہری خوبصورتی بھی نہیں دیتا جیسے تم۔

ایک لمحہ کے لیے اس کے چہرے کا رنگ بدلا تھا مگر پھر اس نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر میری طرف بڑھا دی، ایک جھٹکے سے اس سے انگوٹھی لے کر میں باہر نکل آیا تھا۔

یہ وہی

کمرہ تھا جس میں اس نے مشعل کو مرنے پر مجبور کیا تھا جہاں اس نے مشعل کو کچھ ایسا کہا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

اگلی صبح میں واپس کراچی لوٹ آیا تھا۔ وہاں رہ کر اب کرنا بھی کیا، وہاں بچا ہی کیا تھا؟ امی ابھی ماموں کے گھر پر ہی تھیں۔ انہیں مشعل کے دسویں کے بعد آنا تھا۔ اس شہر سے واپس آ کر آزادی کا احساس ہوا تھا۔ ورنہ مجھے لگتا تھا جیسے ہر وقت کوئی چیز مجھے گھیرے رکھتی ہے۔ جیسے ہر وقت کوئی مجھ پر ہنستا رہتا ہے، اور یہاں آ کر مجھے لگا تھا جیسے اب میں سانس لے سکتا ہوں۔

واپس آنے کے اگلے دن بعد میں نے آفس جوائن کر لیا تھا۔ پورا دن آفس گزارنے کے بعد میں شام کو واپس آیا تھا۔

اسٹڈی میں آنے کے بعد میں اسٹڈی ٹیبل پر رکھی ہوئی گزشتہ دنوں کی ڈاک دیکھ رہا تھا۔ ایک لفافے پر نظر پڑتے ہی میرا سانس رک گیا تھا۔ میں اس تحریر کو لاکھوں میں پہچان سکتا تھا وہ مشعل کے ہاتھ سے لکھا ہوا پتا تھا میں نے بیتابی سے لفافہ کھولا ایک رقعہ نکل کر ٹیبل پر گر پڑا میں نے اسے اٹھایا اس کی آخری تحریر میرے سامنے تھی:

اسود علی

میں جو ہمیشہ تمہارے لیے دعائیں کرتی رہی ہوں، آج پہلی بار تمہیں کوئی دعا نہیں

دوں گی نہ یہ کہوں گی کہ تم ہمیشہ سلامت رہو اور نہ یہ کہ تم خوش بھی رہو اور لمبے عرصے تک جیو بھی۔ میں تو صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ میں نے تم پر اعتبار کیا کیسے؟ میں تو کبھی کسی سے دھوکا نہیں کھاتی تھی، مجھے تو بہت فخر تھا کہ مجھے لوگوں کی پہچان ہے، میں چہرے سے انہیں جان لینے کا دعوی کرتی تھی۔ پر مجھے پتا ہی نہیں چلا میں نے کب تمہارے جیسا سانپ اپنی آستین میں پال لیا۔

مانتی ہوں زندگی میں پہلی بار اعتراف کر رہی ہوں کہ میں بیوقوف ہوں بلکہ پاگل ہوں اور یہ جو سچائی اور اچھائی کے پھندے میں نے اپنے گلے میں ڈال رکھے تھے نا اب یہ ہی مجھے مار ڈالیں گے۔ میری سچائی کہاں میرے کام آئی ہے اور میری اچھائیوں نے کب مجھے

نقصان سے بچایا ہے۔ میں نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا، میں نے تو کبھی کسی کو فریب نہیں دیا پھر میری زندگی میں تم کیوں آ گئے آخر تمہیں میں نے کیا تکلیف پہنچائی تھی؟

آج مہرین نے مجھے بتایا تھا کہ تم شروع سے ہی اس سے محبت کرتے تھے۔ میرے ساتھ صرف اسے خوش کرنے کے لیے افیئر چلا رہے تھے۔ اس نے مجھے تمہارے ہاتھ سے لکھے گئے خطوط دکھائے تھے جن میں تم نے میرا مذاق اڑایا تھا۔ تم نے لکھا تھا کہ مجھے تماشا بنا کر تمہیں اس لیے خوشی ہو رہی ہے کیونکہ تم نے مہرین کو خوش کر دیا ہے۔ ہاں واقعی تم نے مجھے تماشا بنا دیا ہے مگر تم خود بھی ایک دن تماشا بن جاؤ گے کیونکہ جس مہرین کے لیے تم نے میرے ساتھ یہ فراڈ کیا وہ بھی تم سے فراڈ کر رہی ہے اس نے منگنی تمہارے ساتھ ضرور کی ہے مگر شادی وہ تمہارے ساتھ نہیں کرے گی۔ وہ شادی اسفند سے کرے گی جس سے وہ محبت کرتی ہے اور پھر تم بھی میری طرح خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔

اسود تم دونوں نے میرے ساتھ یہ سب کیوں کیا؟ آخر کیوں؟ میں نے تو کبھی تم دونوں کا برا نہیں چاہا کبھی تم دونوں کو نقصان نہیں پہنچایا۔ تم جانتے ہو میں مہرین سے کتنی

محبت کرتی تھی۔ میں نے اسے ہر نقصان، ہر مصیبت سے بچانے کی کوشش کی تھی مگر اس نے مجھے ہی اپنی ضد اور حسد کی بھٹی میں جھونک دیا۔

کیا میرا گناہ یہ تھا کہ میں خوبصورت ہوں اور وہ معمولی صورت کی مالک ہے۔ جو خوبصورت ہوتے ہیں کیا انہیں میری طرح صلیب پر چڑھا دیا جاتا ہے؟ کیا اچھے لوگوں کے مقدر میں صرف دھوکا کھانا ہوتا ہے۔ شاید ایسا ہی ہوتا ہے۔

تم دونوں ساری زندگی خوش رہو گے۔ مہرین کسی اور سے شادی کرے گی تب بھی خوش رہے گی تم سے شادی کرے گی تب بھی اسے سب کچھ مل جا گا۔ شوہر کی محبت، عزت، دولت، اولاد، سکون، خوشیاں چاہے وہ اس کی مستحق ہو یا نہ ہو پر کاش اسے یہ سب کچھ نہ مل پا، تم سے شادی کر کے بھی وہ ہر چیز سے محروم رہے جیسے آج میں محروم ہوں لیکن اللہ کیا میری اس آخری خواہش کو پورا کرے گا؟

ہاں آخری خواہش کو کیونکہ میں اب تم دونوں کے سامنے نظر اٹھانے کے قابل نہیں رہی ہوں اور میں تو کسی کے سامنے بھی اب نظر نہیں اٹھا پاؤں گی۔ وہ ہر ایک کو بتا دے گی کہ

اس نے کس طرح مجھے بیوقوف بنایا ہے اور لوگ مجھ پر ہنسیں گے پورے خاندان والے میرا مذاق اڑائیں گے پھر میں کیا کروں گی؟

میرے لیے یہی بہتر ہے کہ میں مر جاؤں۔ مشعل کو اب مر ہی جانا چاہیے اور تم اسود علی تم وہ تھے جسے میں نے چاہا تھا اور تم نے میرے ساتھ کیا کیا؟

میرے ہاتھ سے کاغذ چھوٹ گیا تھا۔ میں کرسی سے گر پڑا، سو وہ اس لیے مر گئی کہ اسے لگا کہ میں نے اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے اور یہ بات اسے مہرین نے کہی تھی۔ تو مشعل کی زندگی کی اس آخری رات کو اسے یہ کہا گیا تھا۔ میں سر کو ہاتھوں میں تھامے وہاں بیٹھا رہا۔

میری زندگی میں مہرین کتنی بار شب خون مارے گی، آخر کتنی بار، اسے یہ جھوٹ بول

کر کیا ملا؟ کیوں اس نے مشعل کو مرنے پر مجبور کر دیا؟ میرا دماغ سوالوں سے پھٹ رہا تھا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں مہرین کو ایسے دہکتے ہوئے الاؤ میں پھینک دوں جہاں وہ جلتی رہے، اتنی دیر تک جلتی رہے جب تک اسے اپنی زندگی کے سارے گناہ یاد نہ آ جائیں۔

اس نے پتا نہیں اپنی کس کس محرومی کا بدلہ لیا تھا۔ مگر کیا اس کی محرومیوں کی ذمہ دار مشعل تھی یا کیا میں اس کا ذمہ دار تھا؟ اگر میری زندگی میں مشعل کو نہیں آنا تھا تو اب مہرین کی زندگی میں بھی کوئی اسفند نہیں آ گا۔ اگر مشعل زندگی کی ہر چیز سے محروم ہو گئی تھی تو وہ بھی ہو جا گی مشعل تو ایک بار مری تھی مگر مہرین بار بار مرے گی۔

میں نے امی کو لاہور فون کیا تھا اور انہیں کہا تھا کہ میں منگنی برقرار رکھنا چاہتا ہوں وہ میرے فیصلے پر حیران رہ گئی تھیں۔ ابھی کل ہی تو میں انہیں منگنی کی انگوٹھی دے کر آیا تھا اور آج میں انہیں کہہ رہا تھا کہ میں اس سے منگنی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کچھ بول نہیں پائی تھیں۔ میں نے انہیں اس کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ میں نے فون بند کر دیا تھا۔ پھر میں نے انہیں فون نہیں کیا۔

مشعل کے دسویں کے بعد وہ کراچی آ گئی تھیں۔ میں دسویں پر نہیں گیا۔ میں اب وہاں صرف ایک بار جانا چاہتا تھا، صرف ایک بار۔

امی نے ابھی مہرین سے منگنی کی بات نہیں کی تھی۔ وہ یہ بات مشعل کے چہلم کے بعد کرنا چاہتی تھیں۔ میں نے کوئی اصرار نہیں کیا تھا جلدی مجھے بھی نہیں تھی۔ مشعل کے چہلم پر امی لاہور گئی تھیں اور چند دن وہ وہیں رہیں پھر انہوں نے مجھے وہاں سے فون کر کے کہا تھا کہ

مہرین اب منگنی پر رضامند نہیں ہو رہی۔

ایک آگ تھی جو میرے اندر بھڑک رہی تھی میں نے انہیں کہا تھا۔

وہ رضامند ہو رہی ہے یا نہیں اب مجھے اس سے شادی کرنا ہے ہر قیمت پر چاہے

مجھے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے اور اگر مجھ سے اسکی شادی نہیں ہوئی تو پھر کہیں بھی نہیں ہوگی۔

تم کیسی باتیں کر رہے ہو اسود تم اس سے کون سا بدلہ لینا چاہتے ہو؟

میں کوئی بدلہ لینا نہیں چاہتا مجھے صرف اس سے شادی کرنا ہے اور اگر یہ شادی نہ ہوئی تو میں بھی مشعل کی طرح خود کو شوٹ کرلوں گا مگر اس کو بچنے نہیں دوں گا میں یہ لکھ کر رکھ جاؤں گا کہ میری موت کی ذمہ دار وہ ہے پھر میں دیکھ لوں گا وہ خود کو کیسے بچا گی؟

میں نے فون کا ریسیور پٹخ دیا تھا۔

میں نہیں جانتا کہ امی نے اسے کیا کہا تھا، کیا واسطہ دیا تھا، کون سی دھمکی کا استعمال کیا تھا؟ مگر جب وہ واپس آئی تھیں تو رضامندی کی خبر لائی تھیں۔

مشعل کے گھر والے اس خبر سے برہم تھے اور انہوں نے ہم سے قطع تعلق کرلیا تھا مہرین اپنی امی کے پاس چلی گئی تھی اور پورے تین ماہ بعد میں اسے بہت سادگی سے بیاہ لایا تھا۔ میں نے امی کی ساری التجائیں رد کردی تھیں۔ وہ اس کی شادی بہت دھوم دھام سے کرنا چاہتی تھیں مگر مجھے کسی دھوم دھام کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ سب خوشی کے اہتمام ہوتے ہیں اور میں خوش نہیں تھا۔

شادی کی رات اپنے کمرے میں جانے سے پہلے امی نے مجھے کہا تھا۔

مہرین بےقصور ہے اسود، اس کی کوئی غلطی نہیں ہے، اس نے کچھ نہیں کیا۔ تم اس پر کوئی زیادتی مت کرنا، جو ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ، اب وہ تمہاری بیوی ہے۔ اس کی عزت اور محبت کرنا تمہارا فرض ہے۔ میں نے اسے رضامند کرنے کے لیے اسے بہت وعدے دیے تھے۔ اب میری زبان کا پاس رکھنا۔

مجھ پر ان کی کسی التجا کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

ہاں میں جانتا ہوں کہ وہ میری بیوی ہے اور مجھے دیکھنا ہے کہ وہ کتنی اچھی بیوی ہے۔ بےقصور تو کوئی اور بھی تھا پھر بھی کیا ہوا؟

اسود۔امی نے میرا بازو پکڑ کر پتا نہیں مجھے کیا یا دلانے کی کوشش کی تھی۔

آپ فکر نہ کریں امی وہ زندہ رہے گی، اسے کچھ نہیں ہوگا میں اسے قتل کرنے کی حماقت نہیں کروں گا۔میں نے ان کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹاتے ہوانہیں تسلی دی تھی۔

پھر میں کمرے میں آ گیا تھا۔

وہ سر جھکا عروسی لباس میں اس جگہ بیٹھی ہوئی تھی جہاں میں مشعل کو دیکھنا چاہتا تھا اور مشعل اس وقت قبر میں تھی۔میرا خون کھول رہا تھا اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس کے گھر میں پھندہ ڈال کر اسے چھت سے لٹکا دوں تب تک جب تک اس کا سانس بند نہ ہو جا مگر مجھے کچھ اور کرنا تھا۔

یہ وہ کمرہ ہے جہاں آنے کی خواہش شاید تم نے کبھی نہ کی ہو پر جسے یہاں آنے کی خواہش تھی تم نے اسے قبر میں پہنچا دیا۔

میں نے اس کے سر سے دوپٹہ اتار کر دور پھینک دیا تھا۔اس نے مجھے دیکھا تھا۔اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

میری جگہ تم شاید اسفند کو دیکھنا چاہ رہی تھیں یا شاید کسی اور کو، کچھ پتا نہیں ہوتا تم جیسی لڑکیوں کا، کب کس پر فدا ہو جائیں۔اس نے نظریں جھکا لیں۔

اس خط کو پڑھو یہ اس نے مجھے اس رات کو لکھا تھا جب تم نے اسے یہ کہا تھا کہ میں نے اسے فریب دیا۔اس کے ساتھ دھوکا کیا۔

میں نے اس خط کو جیب سے نکال کر اس کے چہرے کے سامنے کر دیا۔اس نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر خط کو دیکھنے لگی۔اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔

میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔چند لمحوں کے بعد اس نے کہا تھا۔

کتنا جھوٹ بولو گی آخر کتنا جھوٹ بولو گی؟ کیا تمہیں خود سے گھن نہیں آتی؟ کوئی ایک خوبی بھی نہیں ہے تم میں بلکہ خامیوں کا مرقع ہو۔صرف چہرہ بدصورت نہیں ہے،تمہارا دل اس سے بھی زیادہ گھناؤنا ہے۔دماغ اس سے بھی زیادہ مکروہ ہے اور

زبان اس سے بھی زیادہ گھٹیا ہے اور تمہارا ہر جھوٹ تمہارے چہرے کی بدصورتی میں اضافہ کرتا جاتا ہے۔ کبھی زندگی

میں سچ بولا ہے تم نے جیسے مشعل بولتی تھی؟ لیکن سچ نے اگر مشعل کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا تو اب جھوٹ بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔

میں تمہارے اس بھیانک چہرے کو لوگوں کے سامنے ظاہر کروں گا، انہیں تمہاری اصلیت بتاؤں گا اور ایک وقت ایسا آ گا کہ لوگ تم پر تھوکیں گے بالکل اسی طرح۔

میں نے اس کے چہرے پر تھوک دیا اس نے آنکھیں بند کرلیں اور آنکھیں بند کیے ہوہاتھ سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ میں بیڈ سے کھڑا ہوگیا۔

اسود اس کی موت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے، اس رات میں نے اسے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

وہ اب میری طرف نہیں دیکھ رہی تھی بلکہ اپنے ہاتھوں کی پشت پر نظریں جمائے ہوتھی۔

آج آخری بار تم نے میرا نام لیا ہے۔ آئندہ تم اپنی گندی زبان سے میرا نام نہیں لوگی۔ جو بات مشعل نے کہی ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں ہوسکتی، کبھی نہیں اور تمہاری تو پوری ذات ہی جھوٹ سے بنی ہے۔ تمہارا باپ بھی یونہی جھوٹ بولتا تھا، اپنا نشہ پورا کرنے کے لیے وہ کس طرح گھر گھر جا کر کہانیاں گھڑ کر سناتا تھا۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں اور تم بھی اس کی اولاد ہو۔ یاد ہے ناں اس کی لاش ایک گندی نالی میں پڑی پائی گئی تھی اور تم بھی ایک دن اسی طرح کسی سڑک کے کنارے پائی جاؤ گی۔ تمہارے باپ کو تو نشہ نے مارا تھا مگر تمہیں تمہارا جھوٹ مارے گا۔

اس زیور اور لباس کو اتار دو۔ آج کے بعد تم کبھی کوئی زیور نہیں پہنو گی، کبھی کوئی اچھا لباس نہیں پہنو گی۔ تمہارے جسم پر وہ لباس ہونا چاہیے جو تمہیں تمہاری اوقات یاد دلاتا رہے۔ اپنی ماں کو بتا دینا کہ اب نہ وہ تم سے ملے نہ تم اس سے ملنے جاؤ گی۔ تمہیں میرے گھر سے صرف اتنا رزق ملے گا جس سے تم زندہ رہ سکو اور تمہارا جسم ڈھکا رہے اور

کسی چیز پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔

وہ میرے خاموش ہونے پر بیڈ سے اٹھ گئی تھی۔ کمرے کے ایک کونے میں جا کر اس نے کارپٹ پر پڑا ہوا دوپٹہ اٹھایا اور ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔

میں نے فریج میں سے پانی کا گلاس لے کر پیا مگر میرے غصے کی آگ ابھی بھی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی۔

وہ کچھ دیر بعد ایک سادہ سوٹ میں ملبوس ڈریسنگ سے باہر آئی تھی۔ بہت خاموشی سے بیڈ کے دوسری طرف جا کر تکیہ لیے بغیر کارپٹ پر لیٹ گئی تھی۔ میں نے لائٹ آف کر دی بستر پر لیٹ کر میں اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر میں آنکھیں بند کر کے سو گیا۔ اگلی صبح پانچ بجے الارم کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے کمرے کی لائٹ جلا دی۔ وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

چھ بجے کی فلائیٹ سے تم میرے ساتھ کراچی جا رہی ہو۔ میں اسے اطلاع دے کر واش روم میں جلا گیا۔ بیس منٹ میں نہانے کے بعد میں کپڑے پہن کر تیار ہو چکا تھا۔ ڈریسنگ روم میں آ کر میں نے ایک بیگ میں اپنی چیزیں رکھیں اور کمرے میں آ گیا وہ اسی طرح کارپٹ پر بیٹھی تھی۔

صرف منہ دھوؤ اور اپنا بیگ لے کر باہر آ جاؤ۔ میں اسے ہدایات دے کر باہر آ گیا۔ ملازم کو اٹھا کر میں نے اپنے جانے کی اطلاع دی تھی اور اسے کہا تھا کہ وہ ہمیں گاڑی پر ایئر پورٹ چھوڑ آ۔

وہ بیحد حیران تھا مگر اس نے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کی۔ وہ میرا بیگ گاڑی میں رکھ رہا تھا جب وہ باہر آئی تھی۔ ملازم نے اس کا بیگ پکڑنا چاہا مگر میں نے اسے روک دیا۔ یہ خود رکھ لے گی۔ مہرین نے گاڑی میں اپنا بیگ رکھ دیا۔ پھر ملازم ہمیں ایئر پورٹ چھوڑ آیا تھا۔

کراچی پہنچنے کے بعد میں اسے گھر چھوڑنے کے بعد سیدھا آفس چلا آیا تھا۔ شام کو

جب میں گھر واپس پہنچا تو امی کا فون آیا تھا۔ وہ صبح سے بار بار فون کر رہی تھیں مگر آفس میں، میں نے اپنے پی اے کو ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ لاہور کی کوئی بھی کال میرے فون سے کنیکٹ نہ کرے۔

یہ کیا حرکت کی ہے تم نے کسی کے سامنے مجھے نظر اٹھانے کے قابل نہیں رکھا۔ اس طرح اسے لے کر کراچی چلے گئے ہو، تمہیں شرم نہیں آئی کہ میں اس کی ماں کو کیا منہ دکھاؤں گی؟

اس میں شرمندگی والی کوئی بات نہیں ہے میں اپنی بیوی کو لے کر یہاں آیا ہوں۔ ویسے بھی ولیمہ کی کوئی دعوت میں نے ارینج نہیں کی تھی اور جہاں تک مہرین کی امی کی بات ہے تو آپ ان سے کہہ دیں کہ اب وہ اپنی بیٹی کو بھول جائیں۔ اب مہرین کبھی ان سے نہیں ملے گی۔ آپ نے جب کراچی آنا ہو مجھے فون کر دیں میں ٹکٹ کا بندوبست کر دوں گا۔ ویسے پرسوں کی ایک فلائیٹ کا ٹکٹ ملازم کو دے کر آیا تھا وہ اس نے آپ کو دے دی ہوگی باقی سب کچھ ٹھیک ہے مہرین بھی یہاں بہت خوش ہے اور میں بھی خدا حافظ۔

میں نے فون بند کر دیا اور پھر ریسیور اٹھا کر نیچے رکھ دیا۔

اس گھر میں ملازم ہیں اور رہیں گے بھی مگر ان میں سے کوئی بھی ملازم تمہارے لیے نہیں ہے۔ تم کبھی ان سے اپنا کوئی کام نہیں کراؤ گی تم اپنا ہر کام خود کرو گی۔ اپنے لیے کھانا الگ بناؤ گی، تمہارے استعمال کے برتن بھی الگ ہوں گے۔ تم میری کسی چیز کو میری اجازت کے بغیر ہاتھ نہیں لگاؤ گی چاہے وہ کارنس پر پڑا ہوا وہ کرسٹل باؤل ہی کیوں نہ ہو۔ میں کبھی بھی تمہیں کوئی روپے نہیں دوں گا۔ زندہ رہنے کے لئے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تمہیں مل جا گا۔ باقی چیزیں بہت غیر اہم ہیں۔

تم کبھی کوئی فون ریسیو نہیں کرو گی۔ چاہے گھر میں کوئی بھی نہ ہو تب بھی تم فون کے پاس نہیں جاؤ گی۔ اس نے سر جھکا میری ہدایات سنی تھیں میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔

حسب توقع امی اگلے دن ہی چلی آئی تھیں انہوں نے مجھے بیحد ڈانٹا تھا۔ میں نے بڑے پرسکون انداز میں ان کی جھاڑ سنی تھی اور مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ میں اب بھی اپنی بات پر قائم تھا کہ میں اب مہرین کو کسی سے ملنے نہیں دوں گا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ میں نے انہیں مہرین پر عائد کی جانے والی پابندیوں کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ گنگ بیٹھی رہیں پھر انہوں نے کہا تھا۔

تم یہ سب کرنے کے لیے اس سے شادی کرنا چاہتے تھے؟

ہاں یہی سب کرنے کے لیے اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

میں نے کرسی پر جھولتے ہو کہا۔

یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے میں نے ہی اسے اس شادی پر تیار کیا تھا نہ میں اس سے اصرار کرتی نہ وہ اس جہنم میں آتی۔ میں نے ان کی بات پر کرسی پر جھولنا بند کر دیا۔

آپ اس پچھتاوے سے باہر نکل آئیں۔ وہ آپ کی بات نہ مانتی تب بھی مجھے شادی اس سے ہی کرنا تھی چاہے زبردستی سہی اور میں اسکے لیے ہر حربہ استعمال کرتا چاہے مجھے اسے کڈنیپ ہی کیوں نہ کروانا پڑتا مگر اسے آنا اسی گھر میں تھا۔ سو آپ کے اصرار نے اسے اس جہنم میں آنے پر مجبور نہیں کیا۔ اس کا کردار اسے یہاں لایا ہے اور اسے یہیں آنا تھا۔

اسود، تم یہ سب مت کرو، تمہیں کیا پتا غلطی کس کی تھی کس کی نہیں؟ تم باز آ جاؤ سزا اور جزا تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ صرف ایک ہی برتر ذات کے ہاتھ میں ہے۔ تم انسان ہو اپنی حدود کو جان لو اس کی طاقت اس کے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کرو۔

مجھے سب پتا ہے، مجھے نصیحت نہ کریں۔ کون سچا ہے، کون جھوٹا، کسے سزا ملنی چاہیے کسے انعام، اس کا فیصلہ یہیں ہو جانا چاہیے۔ ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور سر کا بدلہ سر، یہ بھی ہمارے ہی مذہب میں ہے میں تو پھر اس کی جان نہیں لے رہا ہوں۔

مگر معاف کر دینے والا عظیم ہوتا ہے اور معاف کر دینا سب سے افضل عمل ہے۔

مجھے عظیم بننا ہے نہ کوئی افضل عمل کرنا ہے۔ جو عظیم ہوتے ہیں اور افضل عمل کرتے ہیں ان کا حال مشعل جیسا ہوتا ہے، کم سے کم رسوائی اور زیادہ سے زیادہ موت۔ ان دونوں چیزوں میں سے ایک ان کا مقدر ضرور بنتی ہے۔ سو آپ مجھے یہ بیکار کی نصیحتیں نہ کریں۔ میں نے ایک بار پھر کرسی کو جھلانا شروع کر دیا تھا۔

کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد امی نے مجھے کہا تھا۔

تم یہ سب کرنے کی بجائے اسے طلاق دے دو۔ میں ان کی بات پر بیاختیار ہنسا تھا۔

طلاق بھی دوں گا، یہ کام بھی کروں گا مگر ابھی نہیں، بیس سال بعد جب کوئی اس پر دوسری نگاہ نہیں ڈالے گا۔ جب وہ دوبارہ اپنا گھر آباد کرنے کے قابل نہیں ہوگی تب میں اسے خالی ہاتھ دھکے دے کر اپنے گھر سے نکال دوں گا اور اسے کہوں گا کہ جاؤ اب دوبارہ سے اپنے لیے کوئی ٹھکانہ تلاش کرو، ڈھونڈو اب دنیا میں تمہارے لیے کیا ہے؟ اگر کچھ نہیں ملتا تو پھر تم بھی

مشعل کی طرح مر جاؤ۔

اسود میں اسے تم سے خلع دلوا دوں گی میں اسے تمہارے ساتھ نہیں رہنے دوں گی۔

امی کیا وہ مجھ سے خلع لے سکتی ہے کیا اس قابل ہے وہ؟ لے جائیے گا کبھی عدالت میں اسے اپنا شوق پورا کرنے کے لیے پھر دیکھیے گا کتنے سال وہ ان عدالتوں کے چکر کاٹتی ہے اور میں جو اس پر ایسے الزام لگاؤں گا کہ دنیا تو کیا وہ خود بھی اپنا چہرہ دیکھنے کے قابل نہیں رہے گی۔

میں عدالت میں ایک چھوڑ سو ایسے گواہ پیش کر دوں گا جو اس سے اپنے تعلقات کا دعوی کریں گے، وہ بھی تمام ثبوتوں کیساتھ پھر آپ کیا کریں گی اور وہ کیا کرے گی؟ اور میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ ان سب باتوں کے باوجود ایک اچھے شوہر کی طرح میں اس بدکردار بیوی کو بھی اپنے گھر میں آباد کرنا چاہتا ہوں۔۔ سب میری عظمت کے گن گاتے ہوا سے واپس میرے ہی گھر بھیج دیں گے اور بالفرض اگر وہ خلع

لینے میں کامیاب ہو بھی جاتی ہے تو بھی تیزاب کی ایک بوتل اسے اس قابل نہیں چھوڑے گی کہ وہ دوبارہ کبھی اپنا گھر بسانے کا سوچے پھر آپ بھی اس کی مدد نہیں کر پائیں گی چاہے جتنا بھی چاہیں۔

تو مان لیں امی کہ وہ سب سے زیادہ محفوظ اور خوش یہیں رہے گی، اس چار دیواری کے اندر اور اسے یہیں رہنا ہے چاہے آپ کو پسند آیا نہیں، چاہے وہ ایسا چاہے یا نہیں۔

امی خوف کے عالم میں مجھے دیکھتی رہیں۔

تم ایسے نہیں تھے اسود تم کبھی بھی ایسے نہیں تھے۔

ہاں ایسا نہیں تھا مگر اب ہو گیا ہوں۔ میں وہاں سے اٹھ کر باہر آ گیا۔

پھر سب کچھ ویسا ہی ہونے لگا تھا جیسا میں چاہتا تھا۔ وہ بالکل میری ہدایات کے مطابق چلتی تھی۔ اسے ہر حال میں صبح چار بجے اٹھ جانا ہوتا تھا اور رات کو وہ بارہ بجے سے پہلے نہیں سو سکتی تھی چاہے وہ اپنے سب کام نپٹا چکی ہوتی تب بھی، یہ میری ہدایات تھیں۔

وہ صرف گھر کے اندر پھر سکتی تھی، چھت پر، لان میں یا پورچ میں نکلنے کی اجازت اسے نہیں تھی۔ وہ صرف صبح یا رات کے وقت کھانا کھا سکتی تھی اور وہ بھی صرف دال یا سبزی اس کے علاوہ کسے کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔

امی اسے دیکھ کر بعض دفعہ رونے لگتیں اور مجھے بددعائیں دینا شروع ہو جاتیں یا خود کو کوسنے لگتیں مگر مجھے ان چیزوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ تو زندہ تھی اور مشعل وہ تو مر گئی تھی پھر بھی انہیں مہرین کا زیادہ خیال تھا مشعل کا نہیں۔

دن گزرنے لگے تھے امی آہستہ آہستہ نارمل ہوتی چلی گئی تھیں یا کم از کم مجھے نارمل لگنے لگیں۔ مہرین نے بھی شاید اپنی سزا کو قبول کر لیا تھا۔ وہ کسی شکوے شکایت کے بغیر میرا ہر ہدایت پر عمل کرتی۔ اسے اور کرنا بھی کیا تھا۔

بعض دفعہ میرا دل چاہتا وہ روگڑگڑا، مجھ سے فریاد کرے، مجھ سے معاف کرنے کی

بھیک مانگے اور میں، میں اس کی بیبسی پر قہقہے لگاؤں اور پھر ایسا موقع مجھے مل ہی گیا تھا۔

ایک دن میں رات کو اسٹڈی میں کام کر رہا تھا جب وہ میرے پاس آئی تھی۔

مجھے آپ سے ایک بات کرنا ہے۔اس نے اسٹڈی ٹیبل کے پاس کھڑے ہو کر کہا تھا۔

کرو۔

میرے فائنل ایئر کے پیپرز شروع ہونے والے ہیں اگلے ہفتے سے، میں پیپرز دینے کے لیے لاہور جانا چاہتی ہوں۔ میں نے اس کی بات کے ختم ہونے پر نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

تم نہیں جاؤ گی۔اس کے چہرے کا رنگ میری بات پر بدل گیا تھا۔

پلیز مجھے جانے دیں، میں نے دو سال محنت کی ہے، میری محنت ضائع ہو جا گی۔پلیز مجھے امتحان دینے دیں۔

پہلی دفعہ اس کا لہجہ التجائیہ تھا۔

مشعل نے بھی تو بہت محنت کی ہو گی مگر وہ بھی یہ امتحان نہیں دے رہی ہے اور جب وہ یہ امتحان نہیں دے رہی تو تم بھی نہیں دو گی۔

میں کبھی آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی، کبھی کوئی شکایت نہیں کروں گی بس صرف میری یہ بات مان لیں مجھے پیپرز دینے دیں۔

ایک بار نہیں سو بار نہیں، میں کبھی بھی تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔ نہ آج نہ آئندہ کبھی۔وہ چند لمحے خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی پھر یک دم رونے لگی۔

آپ مجھے ایسے جرم کی سزا دے رہے ہیں جو میں نے نہیں کیا۔میرے لیے میری تعلیم کیا ہے آپ نہیں جانتے۔

میرے لیے مشعل کیا تھی تم تو جانتی تھیں پھر تم نے اسے اور مجھے کس چیز کی سزا دی

تھی۔ تعلیم تو کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کے بغیر نہ رہا جا سکے۔ اگر میں مشعل کے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں تو تم بھی تعلیم کے بغیر رہ سکتی ہو۔

وہ میری بات پر روتے ہوا سٹڈی سے چلی گئی تھی۔ بہت سکون ملا تھا مجھے اس کے آنسوؤں سے۔ یوں لگا تھا جیسے میرے اندر کی بھڑکتی ہوئی آگ کچھ مدھم ہو گئی تھی۔

پھر امی نے بھی مجھے مجبور کرنے کی کوشش کی تھی کہ میں اسے امتحان دینے کے لیے لاہور جانے دوں مگر میں وہ بات کیسے مان سکتا تھا جس سے اسے کوئی relief ملتا، سو میں نے امی کی ساری منت سماجت کو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا۔ ہماری شادی کو ایک سال ہونے والا تھا۔ اب اسے جانے دوں مگر اس نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ امی مجھ سے لڑتی رہیں، مجھے بددعائیں دیتی رہی تھیں، اسے ساتھ لے جانے پر اصرار کرتی رہی تھیں مگر وہ بالکل چپ تھی۔ اس نے امی سے کہا تھا:

خالہ آپ اصرار نہ کریں، مجھے کہیں نہیں جانا ہے۔ یہ سب میری سزا ہے مجھے برداشت کرنا ہے آخر میں نے مشعل کو مارا تھا۔

تو تمہیں احساس ہونا شروع ہو گیا کہ تم نے مشعل کو مارا تھا۔ میں نے سوچا۔ امی اکیلی لاہور چلی گئی تھیں۔ وہاں سے نانی امی نے فون کر کے مجھے کہا تھا کہ میں اسے بھیج دوں سب چاہتے تھے کہ ایک بار وہ اپنی امی کا چہرہ دیکھ لے پھر ہی انہیں دفن کیا جا۔ مگر میں نے اسے جانے نہیں دیا۔ اس نے مجھے کہا بھی نہیں۔ پھر میں اس پر اتنی سخاوت کیوں دکھاتا۔

امی خالہ کے دسویں کے بعد واپس کراچی آئی تھیں اور کتنی ہی دیر وہ اس سے لپٹ کر روتی رہیں مگر اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں آ وہ انہیں چپ کرواتی رہی جیسے مرنے والی سے صرف امی کا تعلق تھا اس کا نہیں۔

خالہ کے مرنے کے بعد امی نے مجھ سے بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔ انہیں اگر مجھ سے کوئی

کام ہوتا تب بھی وہ میرے بجا ملازم کو کہتیں۔ میری کسی بات کا جواب وہ نہیں دیا کرتیں اور مجھے اب اس کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ ایک بار میں نے ان کی پروا کی تھی اور تب مشعل زندگی ہار گئی تھی اب کس چیز سے محروم ہوتا میں۔

مجھے یاد ہے اس ماہ جب میں انہیں مہینے کے آغاز میں کچھ روپے دینے گیا تھا تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے منع کر دیا تھا۔

نہیں اسود اب مجھے تمہاری کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، اس روپے کا میں نے کیا کرنا ہے۔

جو پہلے کرتی تھیں وہی کیا کریں۔ وہ کتنی دیر بہت عجیب نظروں سے مجھے دیکھتی رہی تھیں۔ مجھے پہلی بار ان کی آنکھوں سے خوف آیا تھا۔ انہوں نے اپنے تکیے کے نیچے سے چابی نکال کر میری طرف اچھال دی۔

اس الماری کی دراز کھول کر دیکھو کتنا روپیہ بھرا ہے اس میں، اوپر سے نیچے تک تمہیں نوٹ ہی نوٹ نظر آئیں گے مگر میں ان نوٹوں کا کیا کروں جو روپیہ خرچ کر سکتی ہے وہ پیسے پیسے کے لیے ترستی ہے۔ میں کوئی زیور، کوئی کپڑا، کوئی چیز اس کے لیے نہیں لا سکتی تو میں اس روپے کا کیا۔ وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔ میں ان کے کمرے سے باہر آ گیا تھا۔

مشعل بھی تو خود پر کچھ خرچ نہیں کر سکتی پھر اس پر کسی کو ترس کیوں نہیں آتا کیا صرف اس لیے کہ وہ قبر میں ہے اور جو دوسروں کو قبر میں پہنچا دیتے ہیں ان پر کتنی جلد رحم آتا ہے لوگوں کو۔ میں نے اپنے دل میں سوچا تھا۔

کچھ وقت اور گزر گیا تھا۔ مہرین اب بالکل ایک مشین کی طرح کام کرتی تھی۔ اب وہ خود ہی پورے گھر کا کام کرنے لگی تھی۔ چھٹی کے دن وہ ماربل کے فرش کو دھونے بیٹھتی اور گھنٹوں اسی میں لگی رہتی اگر چیزوں کو صاف کرنے لگتی تو بہت سا وقت اسی میں لگا دیتی۔ میرے جوتے پالش کرنے لگتی تو پوری الماری جوتوں سے خالی کر کے انہیں چمکاتی

رہتی۔

ہم دونوں کے درمیان بہت سرسری سی بات ہوتی تھی۔وہ بھی صرف اس وقت جب مجھے کسی چیز کی ضرورت ہوتی تھی۔ورنہ کئی کئی دن ہم دونوں میں کوئی گفتگو نہیں ہوتی تھی۔میں اس سے کوئی بات کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔اس کے پاس جھوٹ اور منافقت کے علاوہ اور تھا بھی کیا؟

پھر انہیں دنوں وہ بیمار رہنے لگی تھی۔شروع میں، میں نے اس بات کی پروا بھی نہیں کی۔مگر ایک دن وہ صبح اٹھی ہی نہیں۔سات بجے جب میں اٹھا تو وہ تب بھی اپنی جگہ پر سو رہی تھی۔مجھے کچھ حیرت ہوئی۔پچھلے دو سال میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ میرے جاگنے سے پہلے نہ اٹھ چکی ہو مگر اس دن وہ نہیں اٹھی تب ہی میں نے اسے آواز دی تھی مگر کوئی جواب نہیں آیا تھا۔پھر میں نے اسے کتنی بار پکارا تھا مگر تب بھی اس میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

میں نے اس کے پاس جا کر اس کے منہ پر سے کمبل ہٹایا تھا۔اس کا چہرہ آگ کی طرح سرخ تھا۔

میں نے دوبارہ اسے اٹھانے کی کوشش نہیں کی اور تیار ہو کر آفس چلا گیا۔

شام کو جب میں آفس سے آیا تو امی نے مجھے دیکھتے ہی کہا تھا۔

مہرین کو نمونیہ ہو گیا ہے۔میں نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

میں نے ڈاکٹر کو بلایا تھا۔اس نے کچھ دوائیاں لکھ کر دی ہیں۔وہ کہتا ہے اسے آرام اور اچھی خوراک کی ضرورت ہے۔میں اب بھی چپ رہا تھا۔

تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟

کیا بولوں لاکھوں لوگوں کو نمونیہ ہو جاتا ہے اور وہ ٹھیک بھی ہو جاتے ہیں۔ہاں کچھ مر بھی جاتے ہیں مگر مہرین ان لوگوں میں شامل نہیں، ٹھیک ہو جا گی۔وہ بہت ڈھیٹ ہے اسے تو صرف مارنا آتا ہے۔

میں یہ کہہ کر بریف کیس اٹھا کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ ابھی بھی سو رہی تھی۔ میں خاموشی سے لباس تبدیل کرنے کے لیے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

جب کچھ دیر بعد میں ڈریسنگ روم سے نکلا تھا تو امی اس کے پاس کارپٹ پر سوپ کا پیالہ لیے بیٹھی تھیں۔ وہ اس سے کہہ رہی تھیں:

تم پیو سوپ میں کون سا اسود سے چوری پلا رہی ہوں اس کے سامنے لے کر آئی ہوں۔ پیو تم تمہیں اس کی ضرورت ہے۔

میرا دل نہیں چاہ رہا، میں سچ کہہ رہی ہوں میرا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ وہ کمزور سے آواز میں ان سے کہہ رہی تھی۔

میں چند لمحے خاموشی سے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنتا رہا پھر میں نے امی سے کہا:

کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو سوپ کے پیالے یہاں اٹھا کر لانے کی، اسے بھوک لگے گی تو یہ خود کچن میں جا کر کھانا کھا لے گی، آپ اس کی ملازمہ نہیں ہیں اور نہ ہی یہ مر رہی ہے۔

اس نے میری بات پر کمبل سے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ امی ملامت بھری نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

پھر روز یہ ہی ہوتا تھا۔ امی اسے کھانے کے لیے اصرار کرتیں اور وہ کھانا کھانے سے انکار کر دیتی۔ اگر کھاتی تھی تو صرف وہی چیزیں جو وہ پہلے کھایا کرتی تھی۔

ہاں بہت خوددار ہو تم مہرین بہت خوددار ہو، تم کہاں کوئی بد دیانتی کر سکتی ہو چاہے وہ چند پھلوں کی ہو یا سوپ کے پیالے کی۔ مگر مجھ پر تمہارے ان ڈراموں کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔

میں سے دیکھ کر سوچا کرتا تھا۔

اسے ٹھیک ہونے میں ایک ماہ لگ گیا تھا اور ٹھیک ہونے کے بعد وہ ایک بار پھر اپنی

روٹین پر واپس آ گئی تھی ۔مگر اب وہ پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہوگئی تھی ۔اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اب بہت نمایاں ہو گئے تھے اور اس کے چہرے کی ہڈیاں زیادہ ابھر آئی تھیں ۔

انہی دنوں مجھے اپنی کمپنی کی طرف سے امریکہ جانا پڑا تھا۔ دو ماہ کے لیے مجھے وہاں رہنا تھا اور ابھی مجھے وہاں آ صرف ایک ہفتہ ہوا تھا کہ مجھے اچانک امی کے انتقال کی خبر ملی تھی ۔ مجھے یقین نہیں آیا ۔ میں تو انہیں بالکل صحیح سلامت جھوڑ کر آیا تھا۔ پھر انہیں اچانک کیا ہو گیا ؟

میں نے فوراً واپس آنے کے لیے فلائیٹ کی تلاش شروع کر دی مگر مجھے جس فلائیٹ میں سیٹ مل رہی تھی وہ پانچ دن کے بعد تھی ۔ پانچ دن کے بعد جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ میں ان کا چہرہ نہ دیکھ پاتا ۔ میں نے دوسرے دن کی فلائیٹ میں سیٹ حاصل کرنے کے لیے بیانتہا کوشش کی تھی مگر میں ناکام رہا۔فون پر روتے ہو میں نے بڑے ماموں کو امی کو دفنانے کی اجازت دے دی تھی ۔

اور اس رات جب میں امی کو یاد کرتے ہو پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا تو مجھے یاد آیا تھا کہ میں نے مہرین کو بھی اس کی امی کا چہرہ دیکھنے نہیں دیا تھا اور جب میں اسے لاہور جانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا تو امی نے روتے ہو مجھے کہا تھا ۔

کل کو جب میں مر جاؤں گی تو پھر خدا تمہیں بھی میرا چہرہ دیکھنے نہیں دے گا۔ یہ کیوں بھول رہے ہو؟ اسود اتنا ظلم نہ کرو کہ تمہارے ساتھ ساتھ میری بھی بخشش نہ ہو۔

اور میں ان کی بات یاد آنے پر یک دم ساکت ہو گیا تھا۔ ہاں واقعی ان کی بات سچ ثابت ہوگئی تھی ۔ میں بھی ان کا چہرہ نہیں دیکھ نہیں پایا تھا۔

پانچ دن کے بعد جب میں کراچی آیا تھا۔تو گھر میں ایک عجیب سی ویرانی تھی ، نانی اماں اور ماموں بھی یہیں تھے مگر پھر بھی لگتا تھا جیسے گھر میں کوئی نہیں ہے ۔ امی کے دسویں تک

سب لوگ یہیں رہے تھے پھر سب واپس چلے گئے تھے۔ مشعل کی امی بھی امی کی موت پر آئی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے تعزیت کی تھی اور مجھے دلاسا بھی دیا تھا لیکن مہرین سے انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔

پھر جتنے دن وہ یہاں رہیں، مہرین اور وہ، دونوں ایک دوسرے کو نظر انداز کرتی رہیں مگر اکبر ماموں مہرین کے ساتھ نارمل طریقے سے ملے تھے، مجھے لگا تھا جیسے انہیں ماضی بھول چکا تھا ورنہ وہ کیسے مہرین سے اس طرح مل سکتے تھے۔

دسویں کے بعد ایک دن میں امی کے کمرے میں گیا تھا۔ میں نے امی کی الماری کھولی تھی اور وہاں رکھے ہوئے کاغذات دیکھنے لگا اس میں لاہور کے گھر اور زمینوں کے کاغذات تھے اور میں ان کاغذات کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا تھا۔ انہوں نے وہ گھر اور زمینیں مہرین کے نام کر دی تھیں۔ اپنا ایک اکاؤنٹ بھی انہوں نے اس کے نام ٹرانسفر کر دیا تھا۔ لاہور میں موجود دو پلاٹ انہوں نے میرے نام کر دیے تھے اور باقی سارے اکاؤنٹس اور لاکرز بھی انہوں نے میرے نام چھوڑے تھے۔

میں خاموشی سے کاغذات کو دیکھتا رہا۔ پھر میرے ہاتھ ایک لفافہ آیا تھا۔ میں نے اسے کھول لیا۔ وہ خط میرے ہی نام تھا میں بھیگی آنکھوں سے اسے پڑھنے لگا:

میرے پیارے بیٹے اسود علی

یہ خط جب تمہیں ملے گا تب میں زندہ نہیں رہوں گی پچھلے کچھ عرصہ سے مجھے لگ رہا ہے جیسے اب میری زندگی کے دن بہت تھوڑے رہ گئے۔ دل میں آیا کہ پتا نہیں آخری وقت میں تم سے بات کر بھی سکوں گی یا نہیں۔ اس لیے سوچا کہ تمہارے نام ایک خط لکھ دوں۔ شاید جو بات میری زبان تمہیں نہیں سمجھا سکتی، میری تحریر سمجھا دے، مجھے اب موت سے خوف نہیں آ رہا بلکہ اس کا تصور کر کے عجیب سا سکون ملتا ہے۔ جو زندگی میں گزار رہی ہوں اس سے موت بہر حال بہتر ہے۔ زندہ رہ کر مجھے کیا دیکھنا ہے، مہرین کو جس کی زندگی میں نے تباہ کر دی یا تم کو جو اپنی زندگی خود برباد کر رہے ہو۔

اسود تم تو اعلیٰ ظرف تھے، بہت بڑے دل کے مالک تھے، تم تو لوگوں کو معاف کر دیا کرتے تھے پر اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں نے تو تمہیں بدلہ لینا کبھی نہیں سکھایا تھا تم یہ سب

کہاں سے سیکھ گئے۔ یہ بغض یہ تنگ دلی، یہ بدلہ لینے کا جذبہ، یہ سب تم میں کہاں سے آ گیا ہے؟ یہ میری تربیت تو نہیں تھی۔

جانتی ہوں میں نے تمہیں بھی بہت تکلیف پہنچائی ہے۔ یہ سب میری ضد کا نتیجہ ہے پر اس ایک غلطی کی اتنی بڑی سزا ملے گی یہ مجھے پتہ نہیں تھا۔ میں پچھتا رہی ہوں۔ بہت پچھتا رہی ہوں مگر میں نہیں چاہتی کہ پچھتاوے تمہارا مقدر بھی بنیں۔ مہرین کو معاف کر دو۔ وہ اتنی سزا کی مستحق نہیں ہے۔

مشعل تو مر چکی ہے وہ کبھی واپس نہیں آ سکتی مگر جو زندہ ہے، تم اسے مت مارو اسے معاف کر دو، یہ تم سے میرا آخری مطالبہ ہے اگر یہ پورا کر دو گے تو زندگی میں نہیں مگر مرنے کے بعد میں سکون سے رہوں گی۔

امید کرتی ہوں تم اپنی ماں کی یہ آخری خواہش ضرور پوری کر دو گے۔

خدا تمہیں اپنی امان میں رکھے۔

تمہاری ماں۔

پتا نہیں میں نے کتنی بار اس خط کو پڑھا اور کتنی ہی دیر میں وہاں بیٹھا رہا پھر امی کی الماری بند کرنے کے بعد میں کاغذات لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ ملازم کو میں نے مہرین کو بھیجنے کے لیے کہا۔ وہ تھوڑی دیر بعد آئی اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے کاغذات اس کی طرف بڑھا دیے۔

یہ کیا ہے؟ اس نے انہیں نہیں پکڑا تھا۔

امی نے لاہور والا گھر اور زمین تمہارے نام کر دی تھی یہ اسی کے کاغذات ہیں۔

مگر مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔

بہر حال یہ تمہارے ہیں چاہے تمہیں ان کی ضرورت ہے یا نہیں۔ میں نے اس پیپرز کو ٹیبل پر پھینکتے ہو کہا تھا۔ وہ خاموش رہی۔

بیٹھ جاؤ۔ میں نے اسے کہا وہ حیرانگی سے مجھے دیکھتے ہو صوفے پر بیٹھ گئی۔

جب میں نے تم سے شادی کی تھی تو میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ساری زندگی میں تمہیں سکون نہیں دوں گا، تمہیں کچھ بھی نہیں دوں گا لیکن میری ماں کی آخری خواہش یہ ہے کہ میں تمہیں معاف کر دوں۔ سو مہرین میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ حالانکہ یہ میرے لیے بہت مشکل ہے۔ میرے دل میں تمہارے لیے نفرت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے پھر بھی میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ جو پابندیاں میں نے تم پر لگائی تھیں وہ آج سے ہٹا رہا ہوں۔ اب تمہیں حق دے رہا ہوں کہ تم جو چاہے کرو، جیسے چاہے ویسے رہو، جس سے چاہو ملو۔

وہ بیتاثر چہرے کے ساتھ مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا:

لیکن مجھے معافی نہیں چاہیے۔ میں جیسے رہ رہی ہوں، میں خوش ہوں، میں ایسے ہی رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سزا میرے لیے ٹھیک ہے۔ بہت مناسب ہے۔ اب مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میں کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

میں نے کہا نا تم جیسے چاہو رہ سکتی ہو، تم آزاد ہو۔ وہ میری بات ختم ہونے پر اٹھ کر کمرے سے چلی گئی تھی۔

مشعل ٹھیک کہتی تھی میں کہاں بہادر ہوں۔ میں تو بہت بزدل ہوں۔ جو بھی کہتا ہوں وہ نہیں کر پاتا۔ ایک بار پھر میں نے امی کی آخری خواہش کو مشعل کی آخری خواہش پر ترجیح دی تھی اور میں پھر بھی کہتا تھا کہ مجھے مشعل سے محبت ہے۔

مہرین نے اپنی روٹین نہیں بدلی تھی۔ وہ اسی طرح رہتی تھی جیسے وہ پہلے رہتی تھی۔ پہلے کی طرح وہ اپنا کھانا الگ پکاتی تھی۔ انہی کپڑوں میں ملبوس رہتی تھی جو وہ پہلے پہنتی تھی۔ اسی طرح کارپٹ پر سویا کرتی تھی۔ ویسے ہی سارا دن گھر کا کام کرتی رہتی تھی اور

اگر کسی جگہ بیٹھ جاتی تو کئی کئی گھنٹے وہیں بیٹھی رہتی۔

میں نے اس کی کسی حرکت پر اعتراض نہیں کیا تھا میں اب ایسا کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ پھر ڈھائی سالوں میں پہلی بار میں نے اسے جیب خرچ کے لیے کچھ رقم دینے کی کوشش کی تھی۔

لیکن ان مجھے روپوں کی ضرورت نہیں ہے۔ پتا نہیں وہ روپے دیکھ کر کیوں خوفزدہ ہوگئی تھی۔

جب ضرورت پڑے تب انہیں خرچ کر لینا۔ میں نے روپے اس کے ہاتھ میں تھما دیے تھے۔

وہ عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔ پھر وہ کتنی دیر انہیں مٹھی میں لے کر صوفے پر بیٹھی رہی۔

اس رات میں اسٹڈی میں بیٹھا کچھ فائلیں دیکھ رہا تھا۔ جب اچانک مجھے کافی کی طلب ہونے لگی تھی۔ ملازم دو گھنٹے پہلے مجھے کافی دے کر گیا تھا اور عام طور پر میں رات کو کافی کا صرف ایک کپ ہی پیا کرتا تھا مگر اس رات مجھے بہت کام کرنا تھا۔ اس لیے میں کافی بنانے کے لیے خود کچن میں چلا گیا۔

ملازم اس وقت اپنے کوارٹرز میں جا چکے تھے مگر کچن کی لائٹ آن تھی۔ مجھے یاد آیا کہ مہرین اس وقت کچن میں ہوگی۔ وہ رات کو کچن خود صاف کرنے کے بعد ہی کمرے میں جایا کرتی تھی۔ میں نے سوچا کہ میں اسے کافی بنانے کے لیے کہہ دوں گا۔ میں کچن میں داخل ہوا تو پہلی نظر میں وہ مجھے وہاں نظر نہیں آئی۔ مگر گردن گھمانے پر وہ مجھے نظر آ گئی تھی۔

ڈائننگ ٹیبل کے دوسری طرف وہ دیوار سے ٹیک لگا زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔

میں دبے قدموں سے اس کی طرف گیا تھا وہ کچھ بولتے ہوئے فرش پر انگلی سے کچھ لکھ رہی تھی۔ لکھتے لکھتے رک کر وہ دوسرے ہاتھ سے جیسے اپنی لکھی ہوئی تحریر کو مٹا رہی تھی۔

کبھی وہ لکھتے لکھتے رک کر اپنی دائیں جانب یوں دیکھ کر یوں بات کرنے لگتی جیسے وہاں اس کے پاس کوئی بیٹھا ہوا ہو۔ پھر بات کرتے کرتے وہ مسکرائی اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

میں اس کی باتیں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ وہ مدھم آواز میں بات کر رہی تھی۔ میں بہت دیر تک وہاں کھڑا رہا مگر اسے احساس نہیں ہوا کہ میں اس کے پاس کھڑا ہوں۔ وہ اسی طرح فرش پر لکھتی، مٹاتی، دائیں جانب دیکھ کر باتیں کرتی رہی۔ میں بیقینی کے عالم میں وہاں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے اسے آواز دی تھی۔

پہلی آواز پر وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوئی مگر دوسرے آواز پر وہ یک دم ہڑبڑا گئی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا تھا اور پھر فق چہرے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

مجھے فوری طور پر سمجھ نہیں آیا کہ میں اسے کیا کہوں، اس سے کیا پوچھوں۔

مجھے کافی چاہیے۔ کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد میں نے اسے کہا تھا۔

وہ سر ہلا کر خاموشی سے کوکنگ رینج کی طرف بڑھ گئی۔ مجھے حیرت ہوئی تھی وہ پانی بوائیل کرنے کے لیے کافی میکر کی طرف نہیں گئی تھی۔ میں وہیں کھڑا بازو لپیٹے اسے دیکھتا رہا۔

وہ کچھ دیر۔۔۔ معنی خیز انداز میں کوکنگ رینج کو آن آف کرتی رہی پھر وہ مڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت تھی۔

مجھے کافی چاہیے۔ اس بار میں نے بلند آواز میں کہا تھا اور اس بار وہ سر ہلا کر کافی میکر کی طرف ہی گئی تھی۔ اسے نکال کر وہ سوئچ بورڈ کے پاس slab پر لے گئی تھی۔ پھر کچھ دیر تک وہ جیسے یاد کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ پھر وہ sink کے پاس لگے فلٹر سے پانی لینے کی بجائے فریج کے پاس گئی تھی اور وہیں سے اس نے پانی کی بوتل نکال لی تھی پھر اس نے اس بوتل سے کافی میکر میں پانی انڈیلا تھا۔ اس نے کافی میکر کو پانی سے تقریباً بھر دیا تھا۔ پھر اس نے کافی کا جار اور ایک کپ لا کر ڈائیننگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ مگر اس نے کافی میکر کو آن نہیں کیا اور اس کے پاس کھڑی رہی۔

مہرین تم نے کافی میکر کا سوئچ آن نہیں کیا۔

اس نے میری ہدایت پر فوراً سوئچ بورڈ پر لگا کر سوئچ آن کر دیا تھا۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس نے کافی میکر کا پلگ بھی ابھی تک ساکٹ میں نہیں لگایا تھا۔

رہنے دو مجھے کافی نہیں چاہیے۔ میں اسے یہ کہہ کر کچن سے واپس آ گیا تھا۔ وہ غائب دماغی کی حالت میں تھی اور ایسا میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔

اسٹڈی میں آ کر میں کافی دیر تک پریشانی کے عالم میں بیٹھا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ میرے ذہن سے فائیلیں نکل چکی تھیں۔ کافی دیر تک اسٹڈی میں بیٹھے رہنے کے بعد میں جب اپنے کمرے میں آیا تو وہ سو چکی تھی۔ میں بھی خاموشی سے بیڈ پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا صبح وہ بالکل نارمل تھی۔ میں اس کی ہر حرکت کو بڑے غور سے دیکھتا رہا مگر اس کے کسی بھی کام میں رات والی غائب دماغی کی جھلک نہیں تھی۔ وہ اسی طرح کام کر رہی تھی جس طرح پہلے کیا کرتی تھی۔

میں کافی مطمئین ہو کر آفس گیا تھا۔ شاید وہ ایک وقتی کیفیت تھی، میں نے خود کو تسلی دی تھی۔ مگر وہ وقتی کیفیت نہیں تھی، وہ جب بھی اکیلی ہوتی تھی، وہ خود سے باتیں کرنا شروع ہو جاتی تھی۔ یا اگر خاموش بیٹھی ہوتی تو کئی کئی گھنٹے وہ ایک ہی چیز پر نظر جما بیٹھی رہتی۔ پھر یک دم اسے چیزیں بھولنے لگی تھیں۔ وہ سامنے رکھی ہوئی چیز کو بھی تلاش نہیں کر پاتی تھی اور

اسے کونے کھدروں میں ڈھونڈتی رہتی تھی۔

میری پریشانی میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسے معاف کر دینے سے پہلے اس کا یہ حال ہوتا تو میں بہت خوش ہوتا، بہت سکون ملتا مجھے کیونکہ یہی مکافات عمل تھا مگر اب اسے اس حالت میں دیکھ کر مجھے خوشی نہیں ہوئی تھی۔ میں اب اسے مصروف رکھنے کے لیے کسی نہ کسی بہانے اسے مخاطب کرتا رہتا تھا۔ تاکہ اس کا ذہن مصروف رہے۔

پھر ایک دن میں اس کے لیے کچھ کپڑے لے کر آیا تھا اور میں نے اسے کہا تھا کہ وہ

ن میں سے کوئی لباس پہن لے۔اس نے خاموشی سے میرے حکم کی تعمیل کی تھی اور ایک لباس بدل کر آ گئی۔ڈھائی سال بعد پہلی بار اس نے کوئی نیا لباس پہنا تھا۔پھر مجھے اسے کچھ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔وہ پتا نہیں کہاں سے کچھ زیور نکال لائی تھی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر انہیں پہننے لگی۔انہیں پہننے کے بعد وہ برش سے اپنے بال سلجھانے لگی تھی۔یک دم جیسے وہ کمرے میں میری موجودگی سے بینیاز ہوگئی تھی۔وہ بس بالوں میں برش کرتے ہوآئینے میں اپنے عکس کو دیکھے جارہی تھی۔

پھر پتا نہیں کیا سوچ کر اس نے باری باری وہ زیورات اتار دیے اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے اٹھ کھڑی ہوئی میں نے اسے کہا تھا۔

انہیں کیوں اتار دیا پہنی رہتیں۔

اس نے ایک نظر زیورات کو دیکھا پھر میری طرف دیکھ کر کہا:

زیورات تو صرف مشعل کو اچھے لگتے ہیں۔

کسی نے میرے سینے میں خنجر گاڑ دیا تھا۔میں تیزی سے دروازہ کھول کر کمرے سے نکل آیا۔

مشعل کو تو سب کچھ اچھا لگتا تھا سب کچھ۔لاؤنج میں آ کر میں نے سوچا تھا۔

اس رات میری کمپنی کی togather get annual ہورہی تھی۔فنکشن couples کے لیے تھا۔پتا نہیں کیا سوچ کر میں نے اسے ساتھ چلنے کے لیے کہہ دیا۔جب وہ تیار ہوکر میرے سامنے آئی تو کچھ دیر کے لیے میں اسے دیکھ کر حیران ہوگیا تھا۔وہ بہت اچھی لگ

رہی تھی۔شاید میں نے شادی کی رات کے بعد پہلی دفعہ اسے میک اپ میں دیکھا تھا۔

فنکشن میں پہنچنے تک ہم میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔فنکشن میں تقریباً سب ہی لوگ

اپنی بیویوں کے ساتھ تھے۔ وہ اس چمک دمک کے سامنے بہت ماند ہوگئی تھی۔ شاید وہ زندگی میں پہلی بار اتنے بڑے فنکشن میں آئی تھی۔ اس لیے نروس تھی۔

میں نے اپنے کچھ دوستوں، کولیگز اور باس سے اس کا تعارف کروایا تھا۔ وہ ایک بہت ہی نروس سی مسکراہٹ کے ساتھ ان سے ملی تھی۔ فنکشن میں چیف گیسٹ کے طور پر ایک وفاقی وزیر کو بلوایا گیا تھا اور ان کی فارمل speech کے بعد کچھ گیمز کروائے گئے تھے جن میں کمپنی کے کچھ لوگوں نے اپنی بیویوں کے ساتھ شرکت کی تھی۔

میں خاموشی سے سوفٹ ڈرنک کے سپ لیتا ہوا اپنی ٹیبل پر کچھ دوسرے کولیگز کے ساتھ بیٹھا اس ہنگامے کو دیکھتا رہا۔ ڈنر شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے فنکشن کے چیف آرگنائزر جاوید احمد میری طرف آئے تھے۔

سر آپ اور آپ کی مسز کی سیٹ چینج کر دی گئی ہے اب آپ منسٹر صاحب والی ٹیبل پر بیٹھیں گے اس لیے پلیز میرے ساتھ آ جائیں۔

میں اس کی بات پر بیحد حیران ہوا تھا ایک دم اتنی بڑی نوازش کس لیے کی گئی تھی مجھ پر؟ یہ میں سمجھ نہیں پایا۔ اپنی کمپنی کے جی ایم اور منسٹر آف انفارمیشن کے ساتھ ایک ٹیبل پر ڈنر کرنا یقیناً اعزاز کی بات تھی۔

میں اور مہرین، جاوید کے ساتھ چل پڑے تھے۔ ان کی ٹیبل کی طرف جاتے ہو میں نے جی ایم اور منسٹر کو اپنی طرف ہی دیکھتے پایا۔ جب ہم ان کی ٹیبل کے پاس پہنچے تو منسٹر صاحب اپنی کرسی سے کھڑے ہو گئے۔

دیکھ لیں مہرین میں نے آپ کی ایک غلط فہمی تو دور کر دی ہے کہ ہم سیاستدان صرف الیکشنز کے دنوں میں لوگوں کو پہچانتے ہیں۔ سال کے باقی گیارہ مہینے ہماری یادداشت خراب رہتی ہے مگر مجھے نہ صرف آپ کا چہرہ یاد ہے بلکہ آپ کا نام بھی۔ وہ مہرین سے مخاطب ہوتے میرے سر پر جیسے حیرت کا پہاڑ گر پڑا تھا۔

the and forward straightspoken, outmostthe isshe

life.myinacrosscomeeverhaveigirlwittiest

منسٹر صاحب نے جن الفاظ میں اس کا تعارف ہمارے جی ایم کرنیلسن شیفل سے کیا تھا انہوں نے مجھے مزید گنگ کر دیا تھا۔

interesting.seemsreallyoh

ہمارے جی ایم نے مسکراتے ہو کہا تھا۔ میں نے مہرین کو دیکھا وہ اڑی ہوئی رنگت کیساتھ کھڑی تھی۔

آپ ان کے شوہر ہیں۔

منسٹر صاحب نے مسکراتے ہو میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

یس سر میرا نام اسود علی ہے۔

ہاں جانتا ہوں چند لمحے پہلے آپ کے جی ایم نے ہی آپ کے بارے میں بتایا ہے، پلیز بیٹھیے۔

انہوں نے مجھ سے بات کرتے کرتے اچانک مہرین کو مخاطب کیا تھا۔ مہرین کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ ہم دونوں نے بھی اس کی پیروی کی۔

newspapertheforwritingstopyoudidwhy

انہوں نے بیٹھتے ہی مہرین سے پوچھا تھا۔

میں نے پھر چونک کر اسے دیکھا۔ آج کا دن انکشافات کا دن تھا۔

it.ininterestlostibecausesimply

daysthesedoingyouarewhatso

housewife.aimnothing.

مہرین نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔

میں نے پہلی بار اسے انگلش بولتے سنا تھا۔

کیوں اسود صاحب آپ ان کا ٹیلنٹ کیوں ضائع کر رہے ہیں؟

میرا جواب سننے سے پہلے ہی منسٹر صاحب نے اچانک ہمارے جی ایم سے کہا:

companyyourwithheremployyoudontwhy

wonders.dowouldsheofficer.relationspublicaas

you.assurei

interested.notim

مہرین نے ہمارے جی ایم کے کچھ کہنے سے پہلے ہی منسٹر صاحب کی آفر رد کر دی تھی۔

ٹھیک ہے جیسے آپ چاہیں مگر پھر بھی آپ جیسے لوگوں کو خدا گھر بیٹھ کر ضائع ہونے کے لیے نہیں بناتا۔

وہ ان کی بات پر چپ ہی رہی تھی۔ گفتگو کا سلسلہ ایک بار پھر منسٹر صاحب نے ہی جوڑا تھا۔ ڈنر کے دوران بھی ان دونوں کے درمیان بات چیت ہوتی رہی۔ اگرچہ زیادہ باتیں منسٹر صاحب ہی کرتے رہے۔ میں خاموشی سے اس سارے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔

مجھے حیرت ہوئی تھی جب انہوں نے کہا تھا کہ وہ مہرین کے فین ہیں۔ وہ سب مہرین کی بات کر رہے تھے۔ کیا میرے ساتھ بیٹھی مہری وہی تھی وہ اس کی جن خوبیوں کو سراہ رہے تھے کیا وہ اس میں تھیں؟ میرا دماغ سوالوں میں الجھا ہوا تھا۔

ڈنر کے بعد فنکشن سے جانے سے پہلے منسٹر صاحب نے مجھے اپنا وزیٹنگ کارڈ اپنے دستخط کیساتھ یہ کہہ کر دیا تھا کہ انہیں ہمارا کوئی بھی کام کر کے خوشی ہوگی۔

اس رات فنکشن سے واپسی پر میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ وہ منسٹر مہرین سے ایک بار کالج میں ملے تھے۔ کس حیثیت میں؟ کیا صرف ایک بار ملنے پر ویسی ہیلپ کالی ہو سکتی ہے جیسی وہ ظاہر کر رہے تھے؟ مہرین کے فین کیوں تھے وہ اس کی کن صفات کا بار بار تذکرہ کر رہے تھے؟ میں نے گھر آ کر مہرین سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں

تھی ۔کپڑے چینج کرنے کے بدع میں بیڈ پر آ کر لیٹ گیا تھا۔وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جیولری تارنے بیٹھی تھی مگر جیولری اتارنے کے بعد بھی وہ وہیں بیٹھی رہی ۔وہ مسلسل آئینے پر نظریں جما بیٹھی تھی ۔

میں کچھ دیر تک اس کے اٹھنے کا انتظار کرتا رہا مگر جب کافی دیر تک وہ اسی حالت میں بیحس وحرکت وہاں بیٹھی رہی تو میں نے اس کا نام پکارا مگر وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوئی میں نے دوبارہ اس کا نام لیا مگر اس نے تب بھی میری طرف نہیں دیکھا۔میں اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔بہت اچانک اس کے جسم میں حرکت ہوئی تھی۔اس نے آئینے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا پھر اپنا

ہاتھ اس طرح عکس پر پھیرنا شروع کر دیا جیسے وہ اسے محسوس کرنا چاہ رہی ہو پھر اس نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی آئینے پر رکھ دیا وہ کچھ بڑبڑا رہی تھی ۔

مہرین ،مہرین؟

میں نے ایک بار پھر اسے بلایا تھا مگر وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوئی ۔پہلی دفعہ میری موجودگی میں وہ خود سے باتیں کرنا شروع ہوگئی تھی ورنہ اس سے پہلے وہ صرف اکیلے میں ایسا کرتی تھی ۔میں بیڈ سے اٹھ کر اس کے پاس چلا گیا۔اس کے چہرے کی کیفیت نارمل نہیں تھی ۔چند گھنٹے پہلے کی مہرین نہیں تھی وہ ۔میں نے اس کے بازو کو پکڑ کر اسے زور سے جھنجھوڑا تھا۔یک دم وہ جیسے کسی جادو کے اثر سے باہر آ گئی تھی ۔میں الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

کیا کر رہی تھیں تم؟ میں نے اس سے پوچھا تھا۔

اس نے پلٹ کر ایک نظر آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا پھر الجھی ہوئی نظروں سے ایسے مجھے دیکھا جیسے وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا کر رہی تھی ۔

میں۔۔۔وہ ایک لفظ کہہ کر سوچ میں پڑ گئی تھی ۔

جاؤ کپڑے بدلو۔میں بیدلی سے اسے کہہ کر واپس اپنے بیڈ پر آ گیا تھا۔

وہ کچھ دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔

مجھے اسے کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھانا چاہیے۔ میں نے پہلی بار اس کی اس حالت کے بارے میں سوچنا شروع کیا تھا۔

مگر اس سے پہلے کہ میں اسے کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھا پاتا ایک اور عجیب واقعہ ہوا تھا۔ اس فنکشن کے چند دن بعد لاہور سے میرے ایک دوست کا چھوٹا بھائی اپنے ایک کاروباری معاملے کے سلسلے میں مجھ سے ملنے آیا تھا۔ آفس میں اس معاملے پر بات چیت کرنے کے بعد میں نے اس لنچ پر پھر انوائیٹ کیا تھا۔

اس دن خانساماں چھٹی پر تھا اور ملازم کچھ سامان لینے گیا ہوا تھا۔ میں نے مہرین کو چا تیار کر کے لانے کے لیے کہا آدھ گھنٹے بعد جب وہ چا کی ٹرالی کے ہمراہ ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی تو عدنان اسے دیکھ کر یکدم کھڑا ہو گیا تھا۔

مہرین آپ؟

اس کے منہ سے بیاختیار نکلا تھا۔ مہرین نے ایک نظر اس پر ڈالی۔

سوری میں آپ کو نہیں جانتی۔ اس نے ٹرالی پاس لا کر کھڑی کرتے ہو کہا۔

میں عدنان ناصر ہوں آپ کا کلاس فیلو۔

وہ اسے دیکھے بغیر چا بناتے ہو بولی تھی۔

مجھے یاد نہیں ہے۔ عدنان اس کی بات پر کچھ خجل ہو گیا تھا۔ ڈرائینگ روم میں بالکل خاموشی تھی عدنان شرمندہ سا ہو کر بیٹھ گیا تھا اور وہ کچھ عجلت میں چا بنا رہی تھی۔ یوں جیسے وہ جلد از جلد وہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہو۔

میں خاموشی سے صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ چا سرو کرنے کے بعد باہر چلی گئی تھی۔

آپ مہرین کے کلاس فیلو ہیں۔ میں نے عدنان سے پوچھا تھا۔

ہاں میں ان کا کلاس فیلو تھا۔ وہ کچھ کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

پھر اس نے آپ کو پہچانا کیوں نہیں۔

پتا نہیں شاید میری شکل پہلے سے بہت بدل گئی ہے اس لیے آپ سے کیا رشتہ ہے مہرین کا۔

میری بیوی ہے۔اس کے چہرے پر ایک رنگ سا لہرایا تھا کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

بہت لکی ہیں آپ۔

کیوں؟

مہرین آپ کی بوی ہیں اس لیے، یہ ہماری یونیورسٹی کی سپر اسٹار تھی۔آدھی یونیورسٹی ان کی فین تھی۔ بہت ٹیلنٹڈ تھیں بہت زبردست personality تھی ان کی میں بھی ان کے admirers میں سے ہوں اور ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا کوئی بندہ آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو مہرین سے ملا ہو اور ان سے امپریس نہ ہو۔

میں حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا وہ کیا کہہ رہا تھا۔

مگر مہرین نے تو کبھی کسی activity میں حصہ نہیں لیا وہ تو بہت shy اور reserve ہوتی تھی یونیورسٹی میں۔اس پر وہ حیران ہوا تھا۔

نہیں وہ تو یونیورسٹی کی سب سے پر اعتماد لڑکی تھی اور ایسی کوئی activity نہیں تھی جس میں اس نے کوئی کارنامہ نہ کیا ہو۔

اسے کوئی بہت بڑی غلط فہمی تھی میں نے اسے کہا۔

نہیں مہرین یہ کام نہیں کرتی تھی ہاں میری ایک اور کزن تھی مشعل وہ بہت outstanding تھی ان چیزوں میں۔

ہاں مہرین کی ایک کزن مشعل تھی جس کی ڈیتھ ہوگئی تھی اور ہم لوگ تعزیت کے لیے گئے بھی تھے ان کے گھر مگر مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے کسی قسم کی سرگرمی میں کبھی حصہ لیا ہو ویسے ہوسکتا ہے کبھی حصہ لیا بھی ہو پر مجھے یاد نہ ہو۔

آپ کیا کہہ رہے ہیں مشعل یونیورسٹی کے میگزین کی ایڈیٹر تھیں۔

وہ الجھی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

مہرین ایڈیٹر تھیں مشعل تو نہیں تھیں آپ پوچھ سکتے ہیں مہرین سے بلکہ میرے پاس تو میگزین کی چند کاپیز بھی ہیں۔ مجھے یاد ہے وہاں بھی ایڈیٹر کا نام مہرین ہی لکھا ہے۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ کہیں کوئی چیز غلط تھی مگر کیا۔

اور لٹریری سوسائٹی کی پریذیڈنٹ؟

ہاں وہ بھی مہرین تھیں بلکہ ڈیبیٹنگ سوسائٹی کی بھی اور چند اور بھی ایسی سوسائٹی اور کلب تھے جنہیں مہرین ہی preside کرتی تھیں۔ بہت ہولڈ تھا ان کا ہر چیز پر۔

میرے سر پر کسی نے بہت بڑا پہاڑ گرا دیا تھا۔ میں کچھ بول نہیں پایا وہ خاموشی سے چا پیتا رہا اور میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

اسے یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے خود کو تسلی دی تھی اور اس کے جانے کے بعد میں واپس کھانے کی ٹیبل پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ مہرین وہاں سے برتن اٹھا رہی تھی، میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا، میں نے عدنان کی باتوں کی تصدیق کروانا چاہی تھی اس سے مگر اس کا

ایک ہی جواب تھا۔

مجھے یاد نہیں ہے مجھے پتا نہیں اتنی پرانی بات کیسے یاد رہ سکتی ہے۔

اسے ڈھائی تین سال پہلے کی باتیں یاد نہیں تھیں، اسے کیا یاد تھا؟

2221983

آج میں بہت اداس ہوں، آج اسود تعلیم کے سلسلے میں باہر چلا گیا ہے۔ وہ میرا سب سے اچھا دوست تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب میں کیا کروں گی، صرف وہی تھا جو میری بات غور سے سنتا تھا، جو مجھے ٹھیک مشورے دیا کرتا تھا، جو مجھ سے ہمدردی

کرتا تھا مگر مجھ پر ترس نہیں کھاتا تھا اور تو کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھے اس کی طرح سمجھتا ہو، پتا نہیں مجھے کیوں لگتا ہے جیسے وہ میرے بارے میں بنا بتا سب کچھ جانتا ہے، میں کیا سوچتی ہوں، میں کیا چاہتی ہوں، میرے دل میں کیا ہے، میں کیوں خوش ہوں، میں کیوں اداس ہوں؟ مجھے لگتا ہے جیسے اسے سب پتا ہوتا ہے، اور اب سے نہیں، شروع سے ہی، مجھے اس کے بارے میں یونہی لگتا تھا۔

مجھے یاد ہے بچپن میں، میں اس سے بہت ڈرتی تھی، اپنی ساری کزنز کی طرح کیونکہ اس کے جسم پر بھی بہت مہنگے کپڑے ہوتے تھے۔ وہ بہت خوبصورت تھا میرے سب کزنز کی طرح اور میں۔۔۔۔ میں تو بہت بری ہوں۔ امی ہمیشہ بچے ہو کپڑوں کے ٹکڑے جوڑ کر اپنی طرف سے بہت ڈیزائیٹنگ کر کے میری فراک بناتی تھیں۔ مگر وہ فراک میرے کزنز کے کپڑوں کے سامنے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا مجھے یوں لگتا تھا جیسے اس فراک کے ہر کونے میں لکھا ہے کہ میں بچا ہوا کپڑا ہوں۔

امی کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہوتے تھے کہ وہ میرے لیے کوئی اچھا جوتا ہی خرید لیں۔ ویسا جلتی بجھتی لائٹوں والا جوتا جیسے اسود اور میری کزنز پہنتی تھیں، وہ تو بس میرے لیے پانچ روپے والی چپل ہی خرید سکتی ہیں پر امی کے پاس تو اپنے لیے بھی جوتا خریدنے کے لیے پیسے نہیں ہوتے تھے میں ضد بھی نہیں کرتی تھی۔

جب بھی نانی کے گھر جانا ہوتا امی میرے بالوں کو اچھی طرح کپڑے دھونے والے صابن سے دھوتیں اور پھر چھوٹی سی چٹیا بنا دیتیں۔ جب ہم نانی کے گھر آتے تو اپنی کزنز کے کھلے ہو چمکدار خوشبو سے مہکتے ہوئے بالوں کو دیکھ کر میں سوچتی کہ امی میرے بالوں کو شیمپو سے کیوں نہیں دھوتیں اسی لیے تو یہ اتنے برے لگتے ہیں۔

مجھے کبھی بھی نانی کے گھر جانا اچھا نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ وہاں جو لوگ رہتے تھے وہ ہم سب سے بہت برتر تھے۔ مالی لحاظ سے بھی اور شکل وصورت کے اعتبار سے بھی۔ پھر کسی کو ہماری زیادہ پروا بھی نہیں ہوتی تھی۔ امی سے تو پھر بھی کوئی بات کر لیتا مگر مجھ کو تو سب

نظر انداز کرتے تب مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ ایسا کیوں ہے؟ بس میں یہ سنتی رہتی تھی کہ امی، نانی یا ماموں، ممانی کے سامنے میرے باپ کی شکایتیں کرتی رہتی تھیں اور پھر کئی بار وہ رونا شروع ہو جاتیں تب مجھے ڈر لگتا تھا کہ کہیں وہ سب مل کر مجھے نہ ماریں کیونکہ میرے ابو امی کو تنگ کرتے تھے۔

میرا دل چاہتا تھا، میں امی سے کہوں وہ ابو کی بات نہ کیا کریں، وہ اس طرح نہ روئیں کیونکہ مجھے ڈر لگتا ہے، مجھے شرم آتی ہے، سب بچے کیا سوچتے ہوں گے کہ میرے ابو کیسے ہیں مگر مجھے یہ سب کہنا نہیں آتا تھا میں بس سوچتی تھی۔

میں جب بھی وہاں جاتی، امی سے چپک کر بیٹھی رہتی۔ نانی مجھے بسکٹ یا مٹھائی کا ایک ٹکڑا دے دیتیں جو واپسی تک میرے ہاتھ میں دبا ہی رہتا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آتا تھا میں اسے کیسے کھاؤں یا شاید میں کمرے میں رکھی ہوئی چیزوں کو دیکھنے میں ہی اتنی مگن ہوتی تھی کہ میرا دھیان کھانے پر جاتا ہی نہیں تھا۔

پھر ایک بار جب ہم نانی کے گھر گئے تھے تو وہاں ایک عورت بیٹھی تھی بالکل امی جیسی تھی، پر اس کے کپڑے بہت خوبصورت تھے اور اس نے بہت سا زیور بھی پہنا ہوا تھا۔ امی نے بتایا کہ وہ عفی خالہ ہیں۔ وہ ملک سے باہر رہتی تھیں۔ اب پاکستان آ گئی تھیں۔ عفی خالہ نے

امی سے گلے ملنے کے بعد مجھے گود میں اٹھالیا تھا اور بہت بار میرا منہ چوما تھا۔ مجھے بہت ڈر لگا تھا۔ پہلی بار کسی نے میرا منہ چوما تھا اور مجھے گود میں اٹھایا تھا۔ حالانکہ مجھ پر کسی کو پیار نہیں آتا تھا۔ وہ مجھے اسی طرح گود میں لیے بیٹھی رہیں پھر ایک بہت پیارا سا بچہ کمرے میں آیا تھا۔ عفی خالہ نے اس سے میرا تعارف کروایا۔

یہ اسود ہے میرا بیٹا، کلاس ٹو میں پڑھتا ہے اور اسودیہ مہرین ہے تمہاری حبیبہ خالہ کی بیٹی۔

اسود نے مسکراتے ہو میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا

کروں؟ مگر عفی خالہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں گھبرا گئی تھی۔ اس کا ہاتھ اتنا سفید اور نرم تھا اور میرا اتنا سانولا اور پتلا سا۔ عفی خالہ نے مجھے نیچے اتارتے ہو کہا۔

اسود اسے ساتھ لے جاؤ اور جا کر کھیلو۔

اسود نے بلا تامل کے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے باہر لان میں لے گیا۔ میں کسی معمول کی طرح اس کے ساتھ باہر آ گئی۔ بڑے ماموں کی بیٹی عالیہ نے مجھے دیکھ کر کہا تھا۔

اب تم مہرین کو کھیلنے کے لئے لے آ ہو مگر ٹیم تو پوری ہے۔ میں اس کی بات پر بیحد شرمندہ ہوئی تھی۔

کوئی بات نہیں ہم کچھ اور کھیل لیتے ہیں۔ اسود نے بڑے اطمینان سے کہا تھا۔

نہیں ہم تو یہی کھیلیں گے اتنا مزا آ رہا ہے اور مہرین تو پہلے بھی کبھی نہیں کھیلتی۔

عالیہ نے کہا تھا میں نے اسود کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

مجھے کھیلنا نہیں آتا۔ مجھے نہیں کھیلنا۔

تم کھیلو گی تو کھیلنا آ گا، ایسے کیسے آ گا؟ اس نے مجھے کہا تھا مگر میں بھاگتی ہوئی اندر امی کے پاس چلی گئی تھی۔

یہ اسود سے میری پہلی ملاقات تھی۔ امی کے ساتھ گھر جانے کے بعد بھی مجھے وہ بہت دیر تک یاد آتا رہا۔ عفی خالہ نے مجھے ڈھیروں کھلونے اور کچھ چاکلیٹس اور سویٹس دی تھیں۔ گھر جا کر میں سارا دن ان کھلونوں سے کھیلتی رہی۔ میرے پاس چابی سے چلنے والا کوئی کھلونا نہیں تھا اور جو کھلونے تھے وہ بھی بہت سستے تھے۔ بہت دنوں تک میں گھر میں ہر آنے جانے والے کے سامنے وہ کھلونے لیے پھرتی عفی خالہ مجھے بہت اچھی لگنے لگی تھیں۔

پھر ان ہی دنوں ابو کی ڈیتھ ہو گئی تھی تب میں شاید سات سال کی تھی۔ جب ایک دن دوپہر کے وقت کچھ لوگ ابو کو ایک چارپائی پر ڈال کر لا تھے۔ ان کے سارے کپڑے

کیچڑ سے بھرے ہوتے اور ان کے بال بھی کیچڑ سے اٹے تھے۔ وہ نشہ کر کے کسی نالی میں گر گئے تھے اور پھر زیادہ مدہوش ہونے کی وجہ سے وہیں مر گئے تھے۔ گھر میں ایک دم کہرام مچ گیا تھا، میری دادی، پھوپھو، چچا اور امی سب دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے، مرنا کیا ہوتا ہے، مرنے اور سونے میں کیا فرق ہوتا ہے؟

ابو سے بہت اجنبیت تھی وہ عام طور پر نشے میں ہوتے تھے، جب مدہوش ہوتے تھے تو گھر کے کسی کونے میں پڑے ہوتے تھے اور جب پرسکون حالت میں ہوتے تھے تو یا امی سے جھگڑتے تھے یا گھر کے کسی اور فرد سے، انہیں میرا خیال ہی نہیں آتا تھا۔

ان کا پیار بس یہ ہوتا تھا کہ کبھی کھانا کھاتے ہوئے کچھ اور کھاتے ہوئے مجھے کچھ نہ کچھ دے دیتے تھے اور میں اس پر ہی بہت خوش ہو جاتی تھی پر جب وہ لڑتے یا نشہ کر کے لیٹے ہوتے تو مجھے ان سے بہت ڈر لگتا تھا۔

ان کی موت پر بس مجھے یہ پتا تھا کہ وہ نالی میں گر کر مرے ہیں اور نالی گندی جگہ ہوتی ہے پھر وہ کیچڑ میں لتھڑے ہوتے اور کیچڑ کوئی اچھی چیز تو نہیں ہوتا اور سب لوگ بھی بار بار یہ کہتے تھے کہ خدا ایسا موت سے بچا۔

میں اندر ایک کمرے میں جا کر بیڈ کے نیچے چھپ گئی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ ننھیال سے سب آئیں گے تو وہ ابو کو دیکھ کر کیا کہیں گے کہ وہ کتنے گندے ہیں، میری کزنز میری مذاق اڑائیں گی، میں ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی پھر پتا نہیں کتنی دیر میں بیڈ کے نیچے رہی۔ میں وہاں سو گئی تھی۔ جب میں جاگی اور باہر نکلی تو شام ہو رہی تھی، ابو کو دفنایا جا چکا تھا۔ میں باہر آئی تو وہاں زیادہ لوگ نہیں تھے اور ابو بھی نہیں تھے۔ میرے ننھیال والے امی کے پاس بیٹھے تھے۔

میں خوش تھی کہ ابو وہاں نہیں ہیں اور انہوں نے ابو کو اس حالت میں نہیں دیکھا مگر پتا نہیں انہیں پھر بھی ان کے نالی میں گرنے کا کیسے پتا چل گیا تھا۔

ایک ماہ بعد امی مجھے لے کر ننھیال آ گئی تھی ہمیشہ کے لیے۔ میں پہلے سے بھی زیادہ ڈرنے لگی تھی ان سب سے، کئی دنوں تک سب ابو کا ذکر کرتے رہے ان کے جھگڑوں کا، ان کی بری عادات کا، ان کی موت کا اور نالی کا، نانی میرے امی سے کہا کرتی تھیں:

شکر کرو اللہ نے جان چھڑا دی ایسے شوہر کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میرا دل چاہتا تھا میں بھی نظر اٹھا کر کسی کو نہ دیکھوں، مجھے سب سے بہت شرم محسوس ہوتی تھی۔

ننھیال آنے کے بعد امی نے میرا اسکول بدل دیا تھا، اب میں بھی اپنی کزنز کے ساتھ بہت بڑے اسکول میں جاتی تھی میرا پہلا چار کمرے کا اسکول اس اسکول کے ایک بلاک کے برابر بھی نہیں تھا۔ سب کچھ بہت ڈراؤنا لگتا تھا مجھے، یہاں کوئی بھی میرا دوست نہیں تھا۔

پھر کچھ ماہ بعد ایک دن امی مجھے عفی خالہ کے گھر لے گئی تھیں۔ اسود کا گھر تو نانی کے گھر سے بھی بڑا تھا۔ عفی خالہ نے مجھے دیکھ کر پھر اٹھا لیا تھا، وہ مجھے اندر لے گئی تھیں۔ پھر انہوں نے اسود کو آواز دی تھی۔ میں ڈرائنگ روم میں آ کر اور بھی حیران ہوئی تھی، وہاں ایسی ایسی چیزیں تھیں جو میں نے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ عفی خالہ نے مجھے صوفے پر بٹھا دیا تب ہی اسود اندر آیا تھا۔

دیکھو اسود مہرین آئی ہے تم اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ کھیلو اس کے ساتھ اور فریج سے چاکلیٹ نکال کر دو اسے۔

انہوں نے اسود سے کہا تھا۔ میں جانا نہیں چاہتی تھی مگر اسود مجھے زبردستی لے گیا تھا۔ اس کا کمرہ دیکھ کر میں دنگ رہ گئی تھی۔ وہاں اتنے کھلونے تھے کہ وہ کمرہ ایک۔۔۔ٹوا شاپ لگتا تھا۔ اس کے کمرے میں ٹی وی اور وی سی آر بھی تھا۔ وہ اس وقت ایک ویڈیو گیم

کھیل رہا تھا۔ وہ مجھے بھی ٹی وی کے پاس لے گیا۔ میں ٹی وی اسکرین پر بھاگتے دوڑتے tutles کو دیکھ کر بہت حیران تھی۔

تمہیں گیم کھیلنی آتی ہے؟ اس نے کنٹرولر ہاتھ میں لیتے ہو پوچھا تھا۔

نہیں۔۔۔۔

میں نے جھجکتے ہوے کہا۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے کھیلتا رہا میں کنٹرولر پر حرکت کرتی اس کی انگلیوں کو دیکھتی رہی۔ پھر اچانک اس نے کنٹرولر میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

تم کھیلو ذرا یہ اتنا بھی مشکل نہیں ہے۔ میں گھبرا گئی تھی۔

نہیں مجھے کھیلنا نہیں آتا۔ میں خوفزدہ تھی کہ کسی بٹن کو پریس کرنے سے کہیں گیم خراب نہ ہو جا۔

بہت آسان ہے یہ، ایسے کھیلتے ہیں۔ اس نے کنٹرول پر ہاتھ چلا کر مجھے دکھایا تھا۔

لو اب تم کرو۔ میں نے جھجکتے ہو بٹن دبایا تھا، اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر گیم کھیلنا شروع کر دیا بالکل ویسے جیسے کوئی بچے کا ہاتھ پکڑ کر اسے لکھنا سکھاتا ہے۔ کچھ دیر تک میں ڈری رہی مگر وہ بڑی مہارت سے میرا ہاتھ پکڑ کر بٹنوں کو آگے پیچھے کرتا رہا۔ اسکرین پر نمبر بڑھ رہے تھے۔ میں مسکرانے لگی تھی۔ شاید بہت عرصے کے بعد میں تب مسکرائی تھی۔

وہ گیم کھیلتے ہو چیخیں مارتا، اسکور کرنے پر منہ سے آوازیں نکالتا، نعرے لگاتا، چانس لوز کرنے پر خود کو ڈانٹتا، مجھے گیم سکھا رہا تھا۔ ایک گیم کھیلنے کے بعد اس نے مجھے کنٹرولر دے دیا تھا۔

اب تم خود کھیلو۔ اس نے مجھے کہا تھا۔ میں نے انکار کیے بغیر کنٹرولر تھام لیا۔ اس نے گیم اسٹارٹ کر دی پھر مجھے ہدایات دینے لگا میں اس کی ہدایات کے مطابق لرزتے ہاتھوں سے بٹن دباتی رہی۔ وہ میرے اور اپنے لیے کیا ٹرے میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے کر آیا۔ پہلی دفعہ مجھے کسی کے گھر کچھ کھاتے ہو جھجک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

میں اس سے باتیں کرتی رہی، بیکار، بےمعنی باتیں مگر وہ اسی طرح سنتا رہا جیسے وہ بہت کما کی گفتگو تھی۔ پھر وہ مجھے اپنے کھلونے دکھاتا رہا۔ اس رات وہاں سے واپسی پر میں بہت خوش تھی۔ میں نے

امی سے کہا تھا۔

امی پھر کب جائیں گے؟

اور پھر میں ان کے گھر جانے کا انتظار کرتی رہتی تھی۔ ہم دونوں کھیلتے تھے، باتیں کرتے تھے۔ وہ میرے کہے بغیر کوئی بھی کھلونا اٹھا کر مجھے دے دیتا یا کہتا اچھا تم یہ کھیلنے کے لیے لے جاؤ۔ جب میں آؤں گا تو واپس لے جاؤں گا مگر وہ جب بھی آتا تو کبھی بھی اپنا کھلونا واپس لے کر نہیں جاتا بلکہ کہتا کہ میں نے اور لے لیا ہے اب وہ تم لے لو۔

رفتہ رفتہ میری الماری کھلونوں سے بھر گئی تھی۔ وہ جب بھی ننھیال آتا تو سب سے زیادہ میرے ساتھ کھیلتا اور اگر کبھی کوئی مجھے اپنے ساتھ کھلانے سے انکار کرتا تو وہ خود بھی کھیلنے سے انکار کر دیتا۔ میں اسے اپنی کاپیوں پر ٹیچرز کے دیے ہوا سٹارز دکھاتی تو وہ خود بھی اپنی جیب میں رکھے ہوپین سے ان پر اسٹارز بناتا یا ٹیچرز کے ریمارکس کے نیچے وہی ریمارکس لکھ دیتا۔

میں ہمیشہ اپنی چیزیں اسے دکھانے کے لیے اس کا انتظار کرتی رہتی۔ اپنے بیگ میں کچھ نہ کچھ سویٹس جمع کرتی رہتی کہ جب وہ آ گا تو مل کر کھائیں گے۔ پھر ہم دونوں مل کر وہ سویٹس اور دوسری چیزیں کھاتے مجھے بہت فخر محسوس ہوتا تھا کہ میں نے بھی اسے کچھ کھلایا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم دونوں کی دوستی بہت مضبوط ہوتی گئی تھی۔ وہ بہت صاف گو، بہت سچا تھا۔ اسے جھوٹ اور منافقت سے نفرت تھی۔ مجھے باقی چیزوں کے ساتھ یہ بات بھی پسند تھی۔ میں اپنے جذبات اور احساسات کے بارے میں اس سے کبھی بات نہیں کرتی تھی۔ میں کبھی اسے اپنے کمپلیکسز کے بارے میں نہیں بتاتی تھی۔

کیونکہ میں شرمندہ ہونا نہیں چاہتی تھی ۔ مجھے لگتا تھا وہ مجھے بہت بہادر بہت مضبوط دیکھنا چاہتا ہے میں یہی ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ میں ایسی ہی ہوں ۔

اب ہماری ملاقاتیں پہلے کی طرح زیادہ تو نہیں ہوتی تھیں مگر پھر بھی ہفتے میں ہم ایک بار تو مل ہی لیتے تھے ۔کبھی وہ یہاں آتا تھا کبھی میں ان کے گھر چلی جاتی تھی اور کبھی وہ فون کرلیا کرتا تھا ۔ اب ہم کھلونوں سے نہیں کھیلتے تھے ۔ اب ہم دوسری چیزوں کے بارے میں باتیں کرتے تھے، وہ اپنے پلان بتاتا رہتا تھا ۔ مجھے اس سال یہ کرنا ہے، اس سال یہ اور اس سال یہ ۔ اس کے پاس اپنے اگلے بیس سالوں کی پلاننگ موجود تھی ۔ وہ اتنا ذہین تھا کہ مجھے اس پر رشک آتا تھا ۔ ہر بات کا اسے پتا ہوتا تھا، ہر مسیلہ کا حل اس کے پاس ہوتا تھا ۔ میرا دل چاہتا تھا میں ہر وقت اس کی باتیں سنتی رہوں ۔ اس نے کبھی مجھے میری کم مائیگی کا احساس نہیں دلایا، کبھی یہ نہیں جتایا کہ میری شکل وصورت کتنی عام ہے یا یہ کہ مجھ میں کوئی بھی خاص بات نہیں ہے ۔

وہ معمولی بات پر بھی میری تعریف کرتا تھا ۔ ایسے کام کی بھی جس پر شاید کوئی بات کرنا بھی گوارا نہ کرتا ۔ میرا دل چاہتا تھا میں اسے بتاؤں کہ میں اسکول میں کن کن چیزوں میں حصہ لیتی رہی ہوں، کون کون سے کام کرتی رہتی تھی مگر میں اسے کبھی بھی یہ بتانے کی ہمت نہیں کر پائی ۔ وہ غیر نصابی سرگرمیوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا تھا اور مجھے لگتا تھا کہ شاید ان چیزوں میں میری achievements کو وہ زیادہ اہمیت نہیں دے گا سو میں نے کبھی اسے نہیں بتایا کہ میں شاعری کرتی ہوں یا تقریریں کرتی ہوں یا کمپیئرنگ کرتی ہوں، مجھے لگتا تھا وہ ہنس پڑے گا کبھی یقین نہیں کرے گا کہ میں بولنے والا کوئی کام بھی کرسکتی ہوں ۔ کیونکہ وہ کہتا تھا:

تم بہت کم بولتی ہو حالانکہ زیادہ بولنا چاہیے کم از کم اتنا تو بولنا چاہیے کہ مقابل آپ کو جاہل نہ سمجھے ۔

مگر پھر بھی ہم دونوں میں بہت اچھی دوستی تھی میرے علاوہ خاندان میں کسی کے

ساتھ اس کی اتنی نہیں بنتی تھی، وہ جھگڑالو نہیں تھا مگر بڑا ہو کر کافی ریزرو ہو گیا تھا۔ مجھے بہت اچھا لگتا تھا کہ کوئی تو ہے جو خاندان میں صرف مجھے اہمیت دیتا ہے کسی اور کو نہیں جتی کی مشعل کو بھی نہیں۔

وہ ہر سال میری برتھ ڈے پر مجھے کارڈ اور تحفہ ضرور بھیجتا تھا اور یہ واحد کارڈ اور گفٹ ہوتا تھا جو مجھے ملتا تھا، میں نے کبھی بھی ان تحفے میں ملے ہوئے پرفیومز یا دوسری چیزوں کو استعمال نہیں کیا، مجھے ڈر لگتا تھا کہ کہیں وہ ختم نہ ہو جائیں اور میں انہیں ہمیشہ پاس رکھنا چاہتی تھی اور اب وہ باہر چلا گیا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ سب سے ملنے آیا تھا۔ مجھ سے بھی ملا تھا۔ میرا دل چاہا تھا میں رونے لگوں، پتا نہیں اب میں اسے کب دیکھوں گی، پتا نہیں اب یہ دوستی رہے گی بھی یا نہیں۔

اس نے مجھے کہا تھا کہ میں اسے خط لکھا کروں اور وہ بھی مجھے خط لکھے گا۔ لیکن خط لکھنے سے کیا ہوگا۔ میں اسے دیکھ تو نہیں سکوں گی نا اور نہ ہی اس سے بات کر سکوں گی۔ مجھے اپنا آپ بہت تنہا لگ رہا ہے۔ مجھے بہت رونا آ رہا ہے۔

20021983

آج اسکول میں میرا آخری دن تھا۔ اب میں پہلے کی طرح دوبارہ کبھی وہاں نہیں جا پاؤں گی۔ میں 8th کے بعد اس اسکول میں آئی تھی وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ میں مشعل وغیرہ کی گاڑی میں ان کیساتھ اسکول جانا نہیں چاہتی تھی پھر مشعل بھی میری کلاس میں تھی۔ میں ہمیشہ اس خوف میں رہتی تھی کہ وہ میرے بارے میں کسی کو کچھ بتا نہ دے۔ میں کچھ بھی نہیں کر پائی تھی ٹیچر بھی مجھ پہ اتنی توجہ نہیں دیتے تھے۔ جتنی وہ مشعل پر دیتے تھے کیونکہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ اتنی خوبصورت کہ مجھے لگتا اللہ نے دنیا میں اور کسی کو اتنا خوبصورت نہیں بنایا، پھر اس کے پاس جو چیز بھی ہوتی تھی وہ کلاس میں کسی

کے پاس بھی نہیں ہوتی تھی۔

ماموں اور ممانی اس کے لیے بہت خوبصورت چیزیں لایا کرتے تھے۔وہ پوری کلاس کو اپنی چیزیں دکھاتی رہتی تھی اور میں ڈرتی تھی کہ کہیں کوئی کلاس فیلو مجھ سے نہ پوچھ لے کہ وہ میری کزن ہے پھر میرے پاس ویسی چیزیں کیوں نہیں پھر اگر مجھے چھٹی کے وقت گیٹ پر آنے میں ذرا بھی دیر ہوجاتی تو سب مجھے بری طرح جھڑکتے تھے۔ ڈرائیور بھی،گھر آ کر ڈانٹ الگ پڑتی تھی کبھی نانی سے کبھی ممانی سے۔

مشعل کی بات پر سب ایک لمحے کا انتظار کیے بغیر یقین کر لیتے تھے۔حالانکہ وہ بہت جھوٹ بولتی ہے مگر وہ اتنی خوبصورت، اتنی معصوم ہے کہ ہر شخص فوراً اس پر یقین کر لیتا ہے اور میں اگر چیخ چیخ کر بھی سچ کہوں تو کسی کو یقین نہیں آتا،میری ٹیچر کو بھی نہیں آیا تھا جب ایک دن کلاس کے دروازے کے پاس رکھا ہوا گملا مشعل سے ٹوٹ گیا تھا۔

ہم لوگ اس روز سب سے پہلے آ تھے۔مشعل مجھ سے آگے چل رہی تھی کلاس میں داخل ہوتے ہوا چانک اس کے بازو سے بیگ سیدھا گملے پر گرا تھا۔اور گملا زمین پر گر گیا تھا اس نے فوراً بیٹھ کر اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی مگر وہ ایک کنارے سے ٹوٹ چکا تھا۔مشعل نے میری طرف دیکھا میں خاموشی سے اندر چلی گئی وہ بھی اندر آ گئی۔

ٹیچر بیل بجنے پر اندر آئی تھیں اور انہوں نے آتے ہی گملے کے بارے میں پوچھا تھا۔کلاس میں خاموشی رہی تھی۔کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ گملا کس نے توڑا ہے۔سوا میرے اور مشعل کے،ٹیچر نے دوبارہ کہا تھا۔

میں آپ سے پوچھ رہی ہوں کہ یہ گملا کس نے توڑا ہے؟ یک دم میں نے سچ بولنے کا فیصلہ کرلیا۔

ٹیچر یہ مشعل کا بیگ گرنے کی وجہ سے ٹوٹا ہے۔

مشعل نے میرے جملے پر مڑ کر مجھے دیکھا تھا۔

تم جھوٹ بول رہی ہو،یہ گملا میں نے نہیں توڑا،اگر مجھ سے ٹوٹتا تو میں بتا دیتی۔

اس نے مجھے کہا تھا۔مگر اس وقت مجھے شدید صدمہ ہوا تھا جب ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر ٹیچر نے کہا تھا۔

مہرین اپ کو شرم آنی چاہیے۔آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔وہ بھی اپنی کزن کے بارے میں،آپ کی سزا یہ ہے کہ آپ میرے پیریڈ میں کھڑی رہیں۔

میں ایک لفظ بھی اپنی صفائی میں نہیں کہہ سکی تھی۔وہ چالیس منٹ میرے لیے بہت انسلٹنگ تھے۔میں اگلے کئی دن اپنی کلاس فیلوز اور مشعل سے نظریں چراتی پھری۔

مشعل نے گھر آ کر ممانی کو بھی یہ بات بتائی تھی اور ممانی کے ساتھ ساتھ ماموں نے بھی مجھے جھڑکا تھا اور رہی سہی کسر نانی نے پوری کر دی تھی۔

میرا دل اس اسکول سے اچاٹ ہو گیا تھا۔میں وہاں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔وہاں میری شناخت مشعل کی کزن کی حیثیت سے ہوتی تھی،خوبصورت مشعل کی عام صورت کی کزن اور 8th کلاس کا امتحان پاس کرنے کے بعد میں نے نانی سے کہا تھا کہ مجھے اس اسکول میں

نہیں پڑھنا۔مجھے چاہے کسی گورنمنٹ اسکول میں داخل کروا دیں مگر میرا اسکول بدل دیں میری خواہش بہت آرام سے پوری کر دی گئی۔مشعل کی امی پہلے ہی چاہتی تھی کہ مجھے لانے اور لے جانے کی ذمہ داری سے ان کی جان چھوٹ جا،سو انہوں نے اس خواہش کی تکمیل میں اہم رول ادا کیا تھا۔

امی نے پتا چلنے پر مجھے ڈانٹا تھا مگر مجھے ان کی پروا نہیں تھی۔وہ میرا مسئلہ نہیں سمجھ سکتی تھیں۔مجھے لانے لے جانے کے لیے ایک وین لگا دی گئی تھی اور ایک گورنمنٹ اسکول میں میرا داخلہ کروا دیا گیا لیکن میں بیحد خوش تھی یوں لگتا تھا جیسے میں ایک قید خانے سے چھوٹ کر آئی تھی۔یہاں میری جیسی لڑکیاں تھیں،ان کے گھروں میں بھی ویسے ہی مسایل تھے جیسے میرے گھر میں تھے،یہاں مجھے خوبصوت لڑکیوں سے ڈر نہیں لگتا تھا،یہاں کوئی مشعل نہیں تھی۔میں اسٹڈیز میں اچھی تھی اور بہت جلد اپنی اہمیت منوالی تھی۔

پھر آہستہ آہستہ میں نے غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اپنا پہلا ہی تقریری مقابلہ میں نے جیت لیا تھا پھر میں نے ہر چیز میں حصہ لینا شروع کر دیا اور جس چیز میں حصہ لیتی تھی اس میں باقی لڑکیاں حصہ لینے سے گھبراتی تھیں اگر وہ مقابلہ کرتیں بھی تو دوسری یا تیسری پوزیشن کے لیے۔

میں اسکول میں لائم لائٹ رہتی تھی۔ وہ اہمیت ملی تھی یہاں مجھے جو پہلے کبھی نہیں ملی تھی۔ لڑکیاں مجھ سے دوستی کرنے کے لیے بیتاب رہتی تھیں۔ بعض کلاسز کی لڑکیاں مجھے عشقیہ خط لکھا کرتی تھیں۔ بعض مجھے تحفے بھیجا کرتی تھیں۔ ٹیچرز کے لیے میری بات حرف آخر ہوتی تھی آدھا اسکول مجھ سے خائف تھا اور باقی آدھا میرا فین۔ یہی وجہ تھی کہ آج ہیڈ مسٹریس نے الوداعی تقریب میں خاص طور پر میرے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا۔ بیتحاشا لڑکیاں مجھ سے ملتے ہو رو رہی تھیں ان میں چھوٹی کلاسز کی لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔

میں آج کچھ اداس تو ہوں مگر مجھے پتا ہے اب مجھے آگے کیا کرنا ہے۔ مجھے آگے کالج کی دنیا فتح کرنی ہے۔ میں چاہتی ہوں جب میں کالج چھوڑوں تو وہاں کے لوگ بھی ایسے ہی مجھے یاد کریں۔ انہیں یاد رہے کہ ہاں کسی زمانے میں یہاں ایک مہرین منصور ہوتی تھی اور مجھے اب اسی کالج میں جانا ہے جہاں مشعل جا گی۔ پہلے میں اس کا سامنا کرنے سے

گھبراتی تھی مگر اب مجھے اس کا سامنا کرنا ہے۔ مجھے اسے بتانا ہے کہ میں مہرین منصور اس جیسی شکل وصورت نہ رکھنے کے باوجود کچھ ہوں، اس سے بہتر نہ سہی اس سے بدتر بھی نہیں ہوں۔

12121984

آج ایک طویل عرصے کے بعد اسود سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن یہ ملاقات

ویسی نہیں تھی جیسی پہلے ہوتی تھی۔ وہ بہت بدل چکا تھا بلکہ مکمل بدل چکا ہے اس کی آنکھوں میں میرے لیے وہ نرمی وہ انس نہیں رہا جس سے میں آشنا تھی۔ شاید اس لیے کہ اب میرے بارے میں اس کی رائے بدل چکی ہے اور شاید ترجیحات بھی

میری جگہ اب مشعل نے لے لی ہے۔ ہمیشہ کی طرح یہاں بھی اس نے مجھے replace کر دیا ہے۔ کافی مشکل ہوتا ہے کسی ایسے بندے کے سامنے بیٹھ کر بات کرنا جس کے بارے میں آپ جانتے ہوں کہ وہ آپ کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتا جو شاید آپ سے بات تک کرنا پسند نہیں کرتا مگر اخلاقیات کے ہاتھوں مجبور ہے مگر مجھے اسود علی سے پھر بھی نفرت نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ بندہ ہے جس نے مجھے خوف کے کنوئیں سے نکالا تھا۔

میں مہرین منصور جو کسی کے ایک بار بیا عتنائی دکھانے پر دوبارہ اس کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتی، میں اب بھی اس کی عزت کرتی ہوں، آج میں عفی خالہ کی طرف گئی تھی اور وہاں وہ تھا، خالہ گھر پر نہیں تھیں۔ میں واپس جانے کی بجائے لاؤنج میں بیٹھ گئی تھی۔ تبھی وہ مشعل کے ساتھ اندر آیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا تھا۔

کیسی ہو مہرین؟ اس نے بہت سرسری انداز میں پوچھا تھا۔

ٹھیک ہوں، میں خالہ سے ملنے آئی تھی۔

وہ مارکیٹ گئی ہیں بس آنے والی ہیں تم انتظار کر لو۔ آؤ مشعل۔ اس نے میری بات کا جواب دے کر مشعل کو مخاطب کیا تھا۔

ہاں چلو ارے مہرین آؤ نا تم بھی یہاں تنہا بیٹھ کر کیا کرو گی آ جاؤ تم بھی۔ مشعل نے مجھے کہا تھا، اسود کے سامنے وہ مجھے اس طرح مخاطب کرتی تھی جیسے میں اس کی بہترین دوست ہوں اور ویسے کئی کئی ماہ ہم دونوں آپس میں بات نہیں کرتے تھے اگر بات کرتے بھی تو وہ کوئی اتنی خوشگوار نہیں ہوتی تھی۔

نو تھینک یو۔ میں نے انکار کر دیا۔ وہ دونوں اندر کی طرف چلے گئے میں ان کی پشت

کو دیکھتی رہی۔ چند سال پہلے تک وہ صرف مجھے اس طرح اپنے کمرے میں لے جایا کرتا تھا اور اب میں کہیں بھی نہیں تھی۔ زندگی کوئی تقریری مقابلہ نہیں ہے جسے میں اپنے الفاظ اور بیان سے جیت لوں اور کسی ہتھیار کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ میں وہاں سے آ گئی تھی خالہ سے ملے بغیر، جانتی تھی اب چند دن مشعل بات بے بات میرے سامنے قہقہے لگاتی پھرے گی اور سب سمجھیں گے کہ وہ آج کل موڈ میں ہے مگر اس کا یہ اچھا موڈ کس چیز کا مرہون منت ہوگا یہ صرف میں جانتی ہوں۔ مجھ سے کچھ چھیننا بہت اچھا لگتا ہے اسے، چاہے وہ کسی کی توجہ ہی کیوں نہ ہو اور سب لوگ سمجھتے ہیں وہ بہت مہربان، بہت فیاض بہت ایثار پسند ہے۔ شاید باقی سب کے لیے وہ ایسی ہی ہے مگر اس کی ساری کمینگی میرے لیے ہے، صرف میرے لیے اور نانی کہتی ہیں:

تم سو بار بھی پیدا ہو جاؤ تو مشعل کی طرح نہیں ہو سکتیں۔

ہاں میں اس کی طرح نہیں ہو سکتی نہ آج نہ آئندہ نہ کبھی۔

10111986

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ لوگوں کو مجھ میں کیا نظر آتا ہے جس سے وہ متاثر ہو جاتے ہیں؟ کیوں لوگ مجھ سے ایک بار ملنے کے بعد بار بار ملنا چاہتے ہیں۔ میں جب بھی اندازہ لگانے کی کوشش کرتی ہوں میں ناکام ہو جاتی ہوں۔

کتنے مزے کی بات ہے مجھے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بناؤ سنگھار کا سہارا لینا پڑتا ہے نہ اداؤں کے تیر چلانے پڑتے ہیں۔ میں صرف بولتی ہوں اور وہ کروا لیتی ہوں جو میں چاہتی ہوں۔

آج منسٹر آف انفارمیشن انوائیٹڈ تھے۔ کالج میں گورنمنٹ کے انڈر کنٹرول میڈیا یوتھ کے لیے کام کر رہا ہے۔ یہ مذاکرے کا موضوع تھا اور منسٹر صاحب کی زبردست کھنچائی ہوئی تھی۔ آدمی ذہین اور پڑھے لکھے ہیں مگر اپنے ڈیپارٹمنٹ کی نااہلی

کو کسی طور بھی وہ خوبصورت الفاظ کے الٹ پھیر میں نہیں چھپا سکے تھے۔

مذاکرے کے اختتام پر گروپ فوٹو کے لیے سب مہمان اور شرکا اکٹھے ہو تھے۔ میں نے تصاویر لیے جانے کے بعد منسٹر صاحب سے آٹوگراف کے لیے درخواست کی تھی مگر انہوں نے ہنستے ہوا اپنا والٹ نکالا اور اس میں سے ایک چھوٹی سی ڈائری کھول کر میری طرف بڑھاتے ہو کہا۔

آٹوگراف تو آپ سے لینے چاہئیں۔

میں نے بلا تامل ڈائری تھام لی۔ اپنے سائن کرنے کے بعد میں نے لکھا تھا۔

weakhaswhichclassatobelongswhoministersirfor

memory.

پھر میں نے ڈائری ان کی طرف بڑھادی۔ وہ میری تحریر پڑھ کر بہت خوبصورت انداز میں ہنسے تھے۔

پھر انہوں نے میری اٹوگراف بک لی تھی اور مسکراتے ہو کچھ تحریر کر کے میری طرف بڑھایا تھا۔ میں نے آٹوگراف بک لیلی تو انہوں نے اپنا ایک وزیٹنگ کارڈ میری طرف بڑھادیا۔

جب بھی آپ کو میری مدد کی ضرورت ہو بلا تکلف آ جایئے گا۔ انہوں نے کارڈ میری طرف بڑھاتے ہو کہا۔ میں نے کارڈ لیے بغیر اطمینان سے ان سے کہا:

سر آپ کو کیا لگتا ہے کہ مجھے کبھی آپ کی مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے؟

نہیں، لیکن ہو سکتا ہے کبھی مجھے آپ کی مدد کی ضرورت پڑ جا۔

انہوں نے برجستہ کہا تھا میں مسکرائی۔

تو سر پھر تو آپ کو میرا وزیٹنگ کارڈ مانگنا چاہیے مگر چونکہ میں ابھی بڑے لوگوں کی فہرست میں نہیں آئی اس لیے میرا کوئی وزیٹنگ کارڈ نہیں ہے۔ بہر حال شکریہ مجھے وزیٹنگ کارڈ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر مجھے کبھی آپ کی مدد کی ضرورت ہوئی تو میں فون

کرلوں گی کیا

آپ میرا کام ایک فون پر نہیں کر دیں گے۔

وہ اس پر ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنسے۔ پھر میری آٹوگراف بک لے کر انہوں نے اس پر اپنا فون نمبر تحریر کر دیا۔

آپ یقین رکھیں آپ کا کام ایک فون کال پر ہی ہو جا گا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد مجھے مختلف لڑکیوں نے گھیر لیا تھا۔ وقتاً فوقتاً ٹیچرز بھی مجھے مبارکباد دینے آ رہی تھیں۔

میرے لیے یہ ہنگامہ نیا نہیں تھا۔ ہر فنکشن کے بعد ایسا ہی ہوتا تھا۔ مبارکبادیں، تعریفیں، تالیاں۔ یہ سب چیزیں اب میری زندگی کا ایک حصہ بن چکی تھیں۔ اپنی فرینڈز کے ساتھ جب میں کچھ کھانے پینے کے لیے کیفے ٹیریا جا کر بیٹھی تھی تو مجھے آٹو گراف بک کا خیال آیا تھا۔ میں نے اسے کھولا۔

any require not dose who man so or mehre en for

win.todestinedisshesuccessful,betowishesgood

میرے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ اچھے ریمارکس تھے۔ میں نے آٹوگراف بک اپنی فرینڈز کی طرف بڑھا دی وہ بھی اسے پڑھ کر مسکرائی تھیں۔

تمہارے لیے نیا کیا ہے اس میں یار ایسے ریمارکس تو تمہیں ملتے ہی رہتے ہیں۔

سارہ نے آٹوگراف بک بند کر کے میری طرف بڑھائی تھی۔ میں کوک کے سپ لیتی رہی۔ مجھے مشعل نظر آئی تھی کیفے ٹیریا میں۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا، پتا نہیں کیوں میں اس پر نظریں جما رہی۔ وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک خالی ٹیبل پر اپنی دوستوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ میں اسے دیکھتی رہی، اس نے بھی بیٹھنے کے بعد ایک بار پھر میری طرف دیکھا تھا مگر مجھے پہلے سے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس نے نظر ہٹا لی۔

کھاؤ یار یہ سینڈوچ ختم کرو کہاں گم ہو؟ رخشی نے پلیٹ میرے آگے سرکائی تھی۔

میں نے سینڈوچ اٹھا کر کھاتے ہو دوبارہ مشعل کو دیکھنا شروع کر دیا۔ مجھے لگا جیسے وہ نروس ہوگئی تھی شاید میرے اس طرح دیکھنے سے۔

ایسا ہی ہوتا تھا کالج میں جب بھی کہیں وہ ملتی میں اسے دیکھنا شروع کر دیتی تھی اور وہ نروس ہو جاتی تھی۔ مجھے صرف پانچ گھنٹے کی زندگی ملتی تھی ہر روز پانچ گھنٹے کے لیے میں زندہ ہوتی تھی۔ جب میں کالج میں ہوتی تھی، کیونکہ یہاں پر مہرین منصور کو بہت لوگ جانتے تھے اور جو نہیں جانتے تھے، وہ جاننا چاہتے تھے، بات کرنا چاہتے تھے اور جب میں گھر پر ہوتی تو میں کچھ بھی نہیں ہوتی تھی۔ دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والی ایک یتیم لڑکی جو مشعل کے باپ، چچاؤں اور دادی کے گھر پناہ لی ہوئی تھی۔

گھر میں سب مشعل کو جانتے تھے اسی سے بات کرنا چاہتے تھے۔ وہاں مہرین سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتا تھا نہ اس سے ملنا پسند کرتا تھا اور اگر کبھی وہ مہرین کے بارے میں بات کرتے تھے تو وہ بھی اس کے ماضی کے حوالوں سے۔ اس کے باپ کے سابقے کے ساتھ۔ گندی نالی میں مرنے والے نشئی کی بیٹی جسے کچھ عظیم لوگوں نے ترس کھا کر سہارا دے دیا تھا اس پر کرم کر دیا تھا اور ان عظیم لوگوں میں وہ بھی شامل تھی مشعل اکبر۔

اسے بہت شوق تھا۔ نشے کے عادی لوگوں کے بارے میں بات کرنے کا۔ یہ بتانے کا کہ ایسے لوگ کتنے گھٹیا اور غلیظ ہوتے ہیں۔ ان کے لیے کیا سزائیں ہونی چاہئیں۔ ایسے لوگ نسانیت کے نام پر کتنا بڑا دھبہ ہوتے ہیں۔ مکروہ لوگ جن کا مرنا ان کے جینے سے بہتر ہوتا ہے۔ وہ اکثر گھر میں یہ گفتگو کرتی رہتی تھی خاص طور پر تب جب میں کالج میں کوئی مقابلہ جیتتی تھی۔ تب وہ گھر پر میرا استقبال اسی قسم کی گفتگو سے کرتی تھی۔ وہ یہ ذکر شروع کرتی تھی اور بات چلتے چلتے میرے باپ کے تذکرے اور مثالوں پر آ جاتی تھی۔ وہی نشئی، وہی نالی، وہی کیچڑ۔

کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں پوری دنیا کو آگ لگا دوں۔ میرا ماضی، میرا خاندان، میرا باپ یہ سب حوالے کیوں ضروری ہیں میری پہچان کے لیے؟ میں ان کے

بغیر بھی کچھ ہوں وہ سب یہ کیوں نہیں مان لیتے۔ مجھے وہ بار بار میرا باپ کیوں یاد دلاتے رہتے ہیں۔ مجھے وہ بھولا ہی کب ہے۔ میرے ذہن سے کیچڑ میں لتھڑی ہوئی وہ لاش کب فراموش ہوئی ہے۔ اگر وہ لاش میرے باپ کی تھی تو اس میں میرا کیا قصور تھا؟ کیا میں نے خود اسے چنا تھا؟

اگر وہ نشہ کرتا تھا تو کیا یہ میری غلطی تھی؟ اگر مشعل کا باپ نشہ نہیں کرتا تھا تو اس میں اس کا کیا کمال تھا؟ وہ میری جگہ پر بھی تو ہو سکتی تھی، پھر وہ کیا کرتی۔ تب اس کی خوبصورتی بھی اس کے کسی کام نہ آتی۔ جیسے میری کوئی خوبی ان کا منہ بند نہیں رکھ سکتی۔ میری ذہانت، قابلیت، صلاحیتیں مل کر ایک بہت بڑا زیرو بن جاتی ہیں۔

چودہ سال پہلے کا وہ واقعہ لوگوں کے ذہن پر ایسے نقش ہے کہ ان کے دل میں میرے لیے جگہ ہی نہیں بنتی۔ میں اسی لیے نانی کے پاس نہیں بیٹھتی۔ ان کے پاس میرے لیے لفظ نہیں خنجر ہوتے ہیں پھر وہ چاہتی ہیں کہ جب وہ یہ خنجر میرے جسم میں اتاریں تو میں آہ تک نہ کروں۔ وہ بھی مجھے اچھی نہیں لگتیں، وہ سب کے لیے اچھی ہیں بس میرے لیے نہیں، انہیں ہر وقت یہ زعم رہتا ہے کہ انہوں نے مجھے پال کر اپنی عاقبت سنوار لی ہے۔

کون ہے جو اس دور میں کسی بیسہارا کو سہارا دیتا ہے۔ اے بی بی شکر کرو خدا کا اور احسان مانتی رہا کرو میری اس نیک اولاد کا جنہوں نے تمہیں اپنی اولاد کی طرح پالا ورنہ پتا نہیں اپنے باپ کی طرح تم کہاں کہاں رلتی رہتیں۔

کیا احسان کیا ہے آپ نے اور آپ کی اولاد نے مجھ پر؟ میں نیا نہیں کہا تھا مجھے یہاں لا کر پالیں؟ آپ اپنی مرضی سے لائے تھے پھر میری ماں کی شادی کر دی اور مجھے یہاں رکھ لیا۔ جانے دیتے مجھے میری ماں کے ساتھ، احسانوں کے جتنے تذکرے یہاں سنتی ہوں وہاں بھی سن لیتی۔ مگر آپ کو اپنی دریا دلی اور ایثار دکھانے کے لیے ایک زندہ مثال چاہیے تھی سو آپ مجھے کیسے جانے دیتے؟

یہ جو اتنے سالوں میں اپ نے اپنا نام بنالیا ہے۔ لوگوں کو بتا کر کہ آپ نے کیسی

خداترسی دکھائی ہے کہ ایک یتیم بچی کو پالا ہے وہ نام کیسے گنوا دیتے؟ اپنی نیک نامی اور خداترسی کی یہ مفت کی پبلسٹی آپ کیسے اپنے ہی ہاتھوں سے کھو دیتے؟ بہت کمال کیا آپ نے مجھے پال کر، بہت احسان کیا۔ ایسا کارنامہ تو دنیا میں اور کوئی نہیں کرتا۔ نہ پہلے کبھی کسی نے ایسا کچھ کیا نہ آئندہ ایسا کچھ کرے گا۔ آپ کے گھر کے ہر فرد کو تو نوبل پرائز ملنا چاہیے۔

بلکہ خداترسی کی یہ داستان میری تصویر کیساتھ ایک کتبے پر کندہ کر کے باہر گیٹ پر لگا دیں۔

آج میں پھر نانی سے الجھ پڑی تھی۔ جو ایک معمولی سی بات پر مجھے پھر احسان یاد دلانے بیٹھ گئیں۔

نہ تمہاری شکل اچھی ہے نہ زبان۔ انہوں نے پھر ایک طعنہ دیا تھا۔ میں ہنس پڑی۔

ہاں کچھ لوگوں کی شکل اچھی اور زبان خوفناک ہوتی ہے اور کچھ کا دل اور دماغ۔ وہ میری بات پر سلگ اٹھی تھیں۔

مشعل کو دیکھو اور خود کو دیکھو، وہ کیا ہے اور تم کیا ہو؟ کوئی ایک خوبی نہیں تم میں جسے تم گنوا سکو۔ انہوں نے پھر مشعل کی مثال پیش کی تھی۔

مشعل کی کیا بات ہے وہ بہت عظیم ہے۔ میرا اور اس کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے پھر ایسے موازنے نہ کریں۔ میں پہلے ہی بہت متاثر ہوں اس سے اور کتنا متاثر ہوں؟

میں یہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہی مشعل، وہی مقابلے، وہی موازنے، میرے لیے عذاب کوئی ایک نہیں ہے۔

04031987

آج بہت عجیب بات ہوئی تھی۔ کالج سے چھٹی ہونے پر میں سارہ کے ساتھ اس کی گاڑی کی طرف جا رہی تھی۔ وہی مجھے کالج پک اینڈ ڈراپ کیا کرتی تھی۔ کالج کے کار

کی پارکنگ تک ہم ابھی پہنچے تھے کہ سترہ اٹھارہ سال کی ایک بہت خوبصورت سی لڑکی میرا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی تھی۔اس طرح روکے جانے پر مجھے حیرت نہیں ہوئی تھی۔ لڑکیاں اکثر مجھے روک کر باتیں کیا کرتی تھیں۔

مہرین میرا نام لینا ہے، مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔

ٹھیک ہے کریں۔میں نے مسکراتے ہوا سے کہا تھا۔

نہیں مجھے یہاں نہیں کرنی آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیں۔

دیکھیں لینا میں کسی کے گھر نہیں جاتی۔پھر آپ سے تو ویسے بھی میں پہلی بار ملی ہوں۔

میں نے اسے نرمی سے سمجھایا تھا۔

ٹھیک ہے آپ میرے گھر نہ آئیں،میرے ساتھ آئیں میں آپ کو ڈراپ کر دوں گی۔

تھینک یو لیکن میں کسی سے لفٹ نہیں لیتی۔وہ کچھ مایوس ہوئی تھی۔

مہرین آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔آپ میرا آئیڈیل ہیں۔میں آپ کو اپنی دوست بنانا چاہتی ہوں۔

اس نے گھبرا ہو لہجہ میں کہا تھا۔ایسا مطالبہ بھی میرے لیے نیا نہیں تھا۔لمبی سانس لے کر میں نے اس سے کہا تھا۔

آپ سمجھ لیں کہ آج سے آپ میری دوست ہیں۔

میں نے وہی فقرہ دہرایا تھا جو میں اکثر ایسی صورتحال میں کہتی تھی اور اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔مگر اس نے مجھ سے ہاتھ ملانے کی بجا یک دم رونا شروع کر دیا۔

نہیں آپ یہ بات سب سے کہتی ہیں مگر میں آپ کی بیسٹ فرینڈ بننا چاہتی ہوں۔ میرا کوئی دوست نہیں ہے آپ کو نہیں پتا میں آپ سے کتنی محبت کرتی ہوں، میں ساری رات آپ کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔میرے کانوں میں ہر وقت آپ کی آواز

گونجتی رہتی ہے۔میرے پاس سینکڑوں کی تعداد میں آپ کی تصویریں ہیں۔ ہر فنکشن میں میں صرف آپ کی تصویریں بنانے کے لیے کیمرہ لاتی ہوں۔میرا دل چاہتا ہے میں ہر وقت آپ سے باتیں کرتی رہوں۔ میں کالج بھی صرف آپ کے لیے آتی ہوں۔

میں اس کی باتوں سے زیادہ اس کے رونے پر چکرا گئی تھی۔اسے چپ کروانے کی کوشش کرتے ہو میں نے کہا:

اچھا لینا دیکھو اگر تم واقعی مجھ سے محبت کرتی ہو تو چپ ہو جاؤ۔

میری بات پر واقعی اس کے بہتے آنسو تھمنے لگے تھے۔

ٹھیک ہے میں تمہاری دوست بن جاتی ہوں۔ہم روز ملا کریں گے۔کبھی تم میرے پاس آ جانا کبھی میں تمہارے پاس آ جایا کروں گی اور اب یہ نہ سمجھا کہ یہ میں سب سے ہی کہتی ہوں۔ مجھے واقعی تم اچھی لگی ہو۔

اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک لہرانے لگی تھی۔اس نے ہاتھ ملا کر میرا شکریہ ادا کیا۔

اب میں جاؤں مجھے دیر ہو گئی ہے۔میں نے اس سے اجازت طلب کی تھی۔

sureoh وہ کہہ کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

اف یہ تمہارے فین بھی کیا چیز ہوتے ہیں۔

سارہ نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہو کہا۔

کس کس کو شکار کرو گی ظالم؟ میں اب بھی چپ رہی تھی۔پتا نہیں لینا کے بہتے آنسو دیکھ کر مجھے کیوں اتنی تکلیف ہوئی تھی۔ اس کے نزدیک میں آئیڈیل تھی میں مہرین منصور اور جو کبھی وہ مشعل سے مل لیتی تو پھر میں اس کے نزدیک آئیڈیل نہ رہتی پھر میں شاید اس کے نزدیک کچھ بھی نہ رہتی۔

پتا ہے میں جب گھر میں بھائی کو تمہارے مداحوں کی حالت زار کے بارے میں بتاتی

ہوں تو انہیں یقین نہیں آتا کہ کوئی لڑکی بھی لوگوں کو اس طرح پاگل بنا سکتی ہے۔ مگر میں انہیں کہتی ہوں جناب یہ کوئی لڑکی نہیں ہے یہ مہرین منصور ہے جسے لوگوں کے دلوں کو جیتنا آتا ہے۔ اس کی آواز میں بھی میری ذات پر فخر موجود تھا۔ اسے بھی لگتا تھا کہ میں بہت perfect ہوں۔

تم کیوں مذاق اڑاتی ہو ان لوگوں کا۔ یہ اس لیے نہیں کہ تم اور تمہارا بھائی انہیں گوسپ کا موضوع سمجھیں۔

میں نے کچھ خفگی سے اسے ڈانٹا تھا۔

اوہ یار کبھی انجوا بھی کیا کرو ان باتوں کو، ان لوگوں کو، ہر وقت اتنی loyalty اچھی نہیں ہوتی۔ مانا کہ تم بہت مخلص، بہت نرم دل، بہت اچھی ہو مگر زندگی میں ہر شخص، ہر بات، ہر کام اتنی سنجیدگی سے لینے والا نہیں ہوتا۔ اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے ہو کہا۔

بہت فضول اور بیکار نصیحت ہے۔ یہ میں یقین دلاتی ہوں کہ کبھی بھی اس پر عمل نہیں کروں گی۔

میں نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکاتے ہو کہا۔

میں نے کب یہ سوچا ہے کہ محترمہ میری باتوں پر عمل کریں گی۔ جانتی ہوں آپ کی اپنی values ہیں اور آپ وہی کرتی ہیں جو سوچتی ہیں۔ ہم پھر بھی بکتے رہتے ہیں کہ چلو شاید کبھی کوئی اور ہی اس پر عمل کر لے۔ میں خاموش رہی۔

پھر میں نہیں آ رہی ہوں صبح، لیلی کو میں نے کہہ دیا ہے وہ تمہیں پک کر لے گی۔

اس نے گھر کے آگے گاڑی روکتے ہو کہا۔

نہیں یار لیلی کو کیوں کہا ہے وہ تو ہمیشہ لیٹ آتی ہے میں خود چلی جاؤں گی۔ کبھی کبھی بندے کو اپنے وسائل بھی استعمال کرنے چاہئیں۔

ارے لیلی کو میں نے کب کہا ہے وہ تو میں اسے بتا رہی تھی کہ میں کل کالج نہیں آ رہی

تو اس نے خود ہی کہا تھا کہ سارہ پھر مہرین کو میں پک کرلوں گی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ تم بی بی اپنے بناؤ سنگھار سے فرصت پا کر بہت لیٹ گھر سے روانہ ہوتی ہو اور مس مہرین منصور اس قسم کی سپر وائی پسند نہیں کرتیں مگر اس نے کہا تھا کہ کم از کم وہ صبح بالکل ٹھیک وقت پر پہنچے گی۔ میں ایک دفعہ پھر فون کر کے اس کی ٹائمنگ کنفرم کرلوں گی ورنہ پھر میں صبح ڈرائیور کو بھیج دوں گی۔

اس نے خود ہی سارا پروگرام سیٹ کر دیا تھا۔

نہیں سارہ اب تم اس قسم کے تکلفات میں مت پڑو، میں آ جاؤں گی صبح، ایک دن ہی کی تو بات ہے۔ میں نے گاڑی سے اترتے ہو کہا تھا۔ تکلفات میں تم پڑ رہی ہو اگر مجھے یہ سب کرتے ہو کوئی تکلیف نہیں ہو رہی تو تمہیں کیوں ہو رہی ہے۔ خدا حافظ۔ وہ گاڑی اڑاتے ہو لے گئی۔ میں کچھ دیر تک دور جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھتی رہی۔

میری فرینڈز ایسی ہی تھیں انہیں مجھ سے زیادہ میری پروا ہوتی تھی۔ میری ذمہ داریوں کو وہ خود ہی آپس میں بانٹتی رہتی تھیں۔ عام طور پر سارہ مجھے پک اور ڈراپ کیا کرتی

تھی مگر کبھی جب اس کو نہیں آنا ہوتا تو وہ خود ہی یہ ذمہ داری کسی کو سونپ دیا کرتی تھی اور مجھے انفارم کر دیا کرتی تھی۔ میں اخبار میں جتنے بھی آرٹیکلز لکھتی تھی، رخشی اس کی پروف ریڈنگ کا کام کر دیتی تھی۔ وہ کمپیوٹر پر ان کا پرنٹ تیار کرتی اور پھر انہیں پوسٹ کر دیا کرتی تھی۔ اخبارات سے ان آرٹیکلز سے ملنے والی رقم اسی کے پتے پر آتی تھی اور میری باقی ڈاک بھی وہیں آتی ہے۔

لیلی فنکشنز کے لیے میرا لباس اور دوسرے لوازمات کا انتخاب کیا کرتی تھی۔ اس کی چوائس بہت اعلیٰ ہوتی تھی۔ وہی ہر فنکشن کے لیے مجھے تیار کیا کرتی تھی۔ شیبا فنکشنز کے لیے مختلف چیزیں تیار کرنے میں میری مدد کرتی تھی۔ debates میں اکثر وہی میری پارٹنر ہوتی تھی جب وہ ان چیزوں میں حصہ نہیں بھی لے رہی ہوتی تھی تب بھی وہ

نامکمل رہ جانے والی فائلز وہی مکمل کیا کرتی تھی۔اور سارہ۔۔۔وہ تو پتا نہیں میرے لیے کیا کیا کرنا چاہتی تھی۔اخبارت میں چھپنے والی تصویریں اور آرٹیکلز وہی کاٹ کاٹ کر جمع کر کے مجھے دیتی رہتی تھی۔وہ میرے ہر فنکشن کی وڈیو بنایا کرتی تھی اور میں۔۔۔میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر پاتی تھی۔جو واحد جو میں ان کے لیے کر سکتی تھی،وہ اسٹڈیز میں ان کی مدد تھی۔نوٹس میں تیار کیا کرتی تھی اور پورا گروپ وہی نوٹس استعمال کیا کرتا تھا اور وہ اس پر ہی بہت مشکور رہتی تھیں حالانکہ یہ کچھ بھی نہیں تھا۔وہ میرے لیے جو کیا کرتی تھیں وہ بہت زیادہ تھا۔

گھر کے اندر آ کر سیڑھیاں چڑھتے ہو میری ملاقات اسود سے ہوئی تھی وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا۔مجھے دیکھ کر رک گیا۔

کیسی ہو مہرین؟

میں ٹھیک ہوں۔میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں فوراً وہاں سے بھاگ جاؤں۔اس کی مسکراہٹ مجھے بہت اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔

تم ہماری طرف آؤ نا کبھی۔امی کہتی ہیں کہ اب تم آتی نہیں ہو۔پرسوں ایک دعوت کر رہی ہیں امی۔مجھے جاب ملنے کی خوشی میں تم بھی آنا۔

میں نے پہلی دفعہ سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔بہت عرصے کے بعد میں نے اتنے قریب سے اتنے غور سے دیکھا تھا۔بلیک جینز کے ساتھ وہ سفید ہاف بازوؤں والی ٹی شرٹ پہنے بہت اچھا لگ رہا تھا۔خوبصورت تو وہ شروع سے ہی تھا مگر آج وہ پہلے سے زیادہ اچھا لگا تھا مجھے،شاید بہت عرصے بعد وہ میرے لیے مسکرایا تھا اس لیے۔

پھر اسی لمحے اوپر سیڑھیوں سے مشعل نیچے آئی تھی۔وہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

othereachformade میرے ذہن میں ایک سوچ ابھری تھی۔کیا اس سے

زیادہ پرفیکٹ کپل کوئی ہوسکتا ہے۔

پرسوں میری دوست کی برتھ ڈے ہے۔ مجھے وہاں جانا ہے اس لیے میں نہیں آسکوں گی۔ انویٹیشن کے لیے شکریہ۔ میں یہ کہہ کر اوپر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

کسی فرینڈ کی برتھ ڈے نہیں تھی پرسوں مگر میں وہاں جا کر فرسٹریشن کے ایک نئے دورے کا شکار ہونا نہیں چاہتی تھی۔ وہاں مشعل ہوگی اور میں ہوں گی اور جہاں ہم دونوں ہوتے ہیں وہاں مقابلے ہوتے ہیں، موازنے ہوتے ہیں۔ شکل وصوت کے، خوبیوں کے، کردار کے اور خاندان کے اور میں ہر موازنے میں ہارتی۔ سو نہ جانا بہتر تھا۔

پھر اسود علی جو تبصرے میرے کردار کے بارے میں کرتا رہتا ہے وہ میں مشعل سے اکثر سنتی رہتی ہوں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے اس پر۔ یہ وہ بندہ ہے جو منافق نہ ہونے کا دعوی کرتا تھا۔ جسے منافقت سے نفرت تھی اور اب کیا وہ منافقت نہیں کر رہا تھا؟ اگر وہ مجھے برا سمجھتا ہے بو باقی سب کی طرح مجھ سے قطع تعلق کر لے اور اگر وہ ایسا نہیں سمجھتا تو پھر میری پیٹھ پیچھے تبصرے نہ کرے۔

اس نے مشعل سے میرے بارے میں کہا تھا:

مہرین جیسی لڑکیوں کے کمپلیکسیز دلدل کی طرح ہوتے ہین، وہ جتنا ان سے باہر نکلنے کی کوشش کرتی ہیں اتنا ہی اندر دھنس جاتی ہیں۔

میں چند دن پہلے مشعل سے یہ بات سن کر ہنس پڑی تھی حالانکہ میں جانتی تھی کہ میرے چہرے کا رنگ دھواں دھواں ہوگا۔

اور کیا کہتا ہے وہ میرے بارے میں؟

کیا کیا سنو گی؟ بہت شرم آ گی تمہیں اپنے بیسٹ فرینڈ کے ریمارکس سن کر۔ وہ فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہو کہہ رہی تھی۔

وہ میرا بیسٹ فرینڈ نہیں ہے۔

چلو جو بھی ہے، پتا ہے وہ مجھے کہتا ہے میں تمہارے ساتھ زیادہ میل جول نہ رکھوں۔ وہ نہیں چاہتا کہ میرا کردار بھی تمہارے جیسا ہو جا۔ گھٹیا اور تھرڈ کلاس۔

بہت اچھی بات ہے، عمل کیا کرو اس کی نصیحتوں پر۔ میں نے کھانا کھاتے ہوا اپنا طمینان ظاہر کیا تھا۔ وہ کچھ دیر میرے سر پر کھڑی مجھے دیکھتی رہی تھی پھر پاؤں پٹختے ہو اندر چلی گئی اور اب اسود کہہ رہا تھا کہ میں اس کے گھر جاتی نہیں ہوں۔

05121989

مجھے لگتا ہے مجھے اسفند سے محبت ہوگئی ہے یا شاید عشق یا پتا نہیں کیا مگر پتا نہیں کیوں اس کا چہرہ دیکھے بغیر اس کی آواز سنے بغیر میں زیادہ دن نہیں رہ سکتی۔ وہ کہتا ہے، مجھے دنیا میں اس سے زیادہ کوئی نہیں چاہ سکتا، نہ اب نہ پھر کبھی اور پتا نہیں کیوں مگر اس کے ہر لفظ پر مجھے اعتبار آ جاتا ہے۔

مجھے آج بھی اس سے اپنی پہلی ملاقات یاد ہے۔ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیے مجھے صرف چند دن ہوتے تھے جب ایک سہ پہر میں شیبا کے ساتھ اس کے گھر گئی تھی۔ اس کی لائبریری میں کچھ کتابیں دیکھنی تھیں مجھے۔

تم چلو لائبریری میں، میں ذرا کپڑے بدل کر اور کچھ کھانے پینے کا کہہ کر آتی ہوں ملازم کو۔ شیبا نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہی مجھے کہا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور میں اس کی امی سے ملنے کے بعد لائبریری کی طرف چلی گئی تھی۔ میں اس کے گھر آتی جاتی رہتی تھی اس لیے لائبریری میں بھی میرا کافی آنا جانا رہتا تھا۔ لائبریری میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ لیکن وہاں موجود کمپیوٹر آن تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کچھ دیر پہلے کوئی وہاں بیٹھ کر کام کر رہا تھا۔ میں نے لائبریری میں ان بکس کو دیکھنا شروع کر

دیا جن کی مجھے ضرورت تھی۔

وہاں مجھے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ دروازہ کھول کر بلیو جینز اور اسی کلر کی شرٹ میں ملبوس ایک اونچا لمبا بندہ اندر آیا تھا۔

ہیلو

مجھے دیکھ کر اس نے اس طرح گریٹ کیا تھا جیسے وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہو۔ میرے پاس رکے بغیر وہ کمپیوٹر کی طرف بڑھ گیا تھا اور وہاں چیئر پر بیٹھ کر اس نے کمپیوٹر کو آپریٹ کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں کچھ لمحے اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ مجھے رکنا چاہیے یا چلے جانا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ میں وہاں سے جانے کا فیصلہ کرتی اس نے کہا تھا۔

آپ کیسی ہیں مہرین؟

اس کے منہ سے اپنا نام سن کر میں حیران رہ گئی تھی۔ اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی کتابیں شیلف پر رکھ کر میں اس کی طرف چلی گئی۔ وہ اسکرین پر نظریں جما کی بورڈ پر ہاتھ چل رہا تھا۔

آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں؟ میرے سوال پر کمپیوٹر سے نظر ہٹا بغیر اس نے کہا۔

بیٹھ جائیں۔ میں اس کے پاس پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

پانی پئیں گی؟ میرے بیٹھتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

نہیں۔

تو پلیز مجھے گلاس میں ڈال دیں۔

میں اس کے مطالبے پر حیران ہوئی تھی مگر میں نے سامنے پڑے ہوجگ سے ایک گلاس بھر کر کمپیوٹر کے پاس رکھ دیا۔ اس نے کمپیوٹر پرنٹر سے کچھ کاغذ باہر نکالتے ہوبائیں ہاتھ سے پانی کا وہ گلاس اٹھا کر پینا شروع کر دیا۔

تھینک یو، آپ نے پوچھا تھا کہ میں آپ کا نام کیسے جانتا ہوں، میں آپ کا نام نہیں اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔

گلاس رکھ کر اس نے ایک بار پھر کی بورڈ پر ہاتھ چلاتے ہو کہا تھا۔

مثلاً؟ میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہو کہا۔

مثلاً یہ کہ آپ شیبا کی دوست ہیں۔ بہت intelligent ہیں۔ بہت زبردست قسم کی orator ہیں۔ forward straight ہیں۔ نرم دل کی مالک ہیں، انگریزی میں شاعری کرتی ہیں۔ آرٹیکلز لکھتی ہیں۔ بہت بہادر ہیں، اصول پرست ہیں، لوگوں کے بہت کام آتی ہیں۔ آپ کو لوگوں کا دل جیتنا آتا ہے، بقول شیبا کے جادو آتا ہے۔ لوگوں کو اکثر لاجواب کر دیتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وہ کمپیوٹر کی اسکرین پر نظریں جما دھیمی آواز میں بولتا گیا تھا جیسے یہ سب اسکرین پر لکھا ہوا تھا۔

کچھ دیر تک میں چپ بیٹھی رہی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں۔

آپ کون ہیں اور میرے بارے میں یہ سب کیسے جانتے ہیں؟ میں نے پوچھا تھا۔

میں شیبا کا کزن ہوں اسفند عثمان اور اس گھر میں کون ہے جو آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا؟ کچھ شیبا بتاتی رہتی ہے۔ کچھ آپ کی وڈیوز دیکھ کر پتا چلتا رہتا ہے۔ میں خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

آپ کچھ نہیں پوچھیں گی میرے بارے میں؟

یک دم اس نے کہا تھا۔

مثلاً کیا؟

مثلاً یہ کہ میں کیا کرتا ہوں، کیا مشاغل ہیں میرے؟

نہیں۔ پہلی دفعہ اس نے کمپیوٹر اسکرین سے مسکراتے ہو نظر ہٹائی تھی۔

کیوں نہیں پوچھیں گی؟

کیونکہ مجھے دلچسپی نہیں ہے۔ میں کرسی سے کھڑی ہو گئی تھی۔ یک دم میرا جی اچاٹ ہو گیا تھا ہر چیز سے، اس کے منہ سیا پنا یہ تفصیلی تعارف مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔

میں لائبریری سے نکل آئی تھی۔ شیبا مجھے کاریڈور میں ملی تھی۔

میں نے کتابیں لے لی ہیں۔ میں نے اسے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتابیں دکھاتے ہو کہا۔ پھر میں شیبا کیساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی تھی۔

اس سے میری دوسری ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی تھی جب شیبا نے اس سے میرا تعارف کروایا تھا اس نے بھی لٹریچر میں ماسٹرز کرنے کے لیے ایڈمیشن لیا تھا۔ وہ انگلینڈ سے آیا تھا وہاں وہ شروع ہی سے کمپیوٹر سائنس پڑھتا آ رہا تھا۔ اب یک دم لٹریچر کی طرف رجحان سمجھ میں نہ آنے والی چیز تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

لٹریچر میں انٹرسٹ ہے؟

exactlynot

تب پھر ٹائم ویسٹ کیوں کر رہے ہیں۔ ویسے بھی جو کتابیں ہم ماسٹرز میں پڑھ رہے ہیں آپ تو یہ ہائی اسکول میں پڑھ چکے ہیں۔ شیبا نے بتایا تھا مجھے اور ویسے بھی کمپیوٹر سائنسز میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ اباؤٹ ٹرن کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آفٹر آل انگلش کوئی پروفیشنل سبجیکٹ تو ہے نہیں۔

ہاں مگر میں لٹریچر کسی اور مقصد کے لیے پڑھ رہا ہوں۔ اس وقت اس نے مجھے نہیں بتایا کہ وہ لٹریچر کس اور مقصد کے لیے پڑھ رہا ہے مگر چند ہفتوں کے بعد اس کے مقصد کا پتا مجھے چل گیا تھا۔ جب ایک دن میں لائبریری میں بیٹھی کچھ نوٹس بنا رہی تھی۔

ایکسکیوزمی مہرین، میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہ رہا ہوں۔

اسفند نے میرے قریب آ کر کہا تھا۔ میں اپنی فرینڈز سے ایکسکیوز کرتے ہو اس کے ساتھ لائبریری سے باہر آ گئی تھی۔

کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟ باہر آتے ہی اس نے مجھ سے کہا تھا میں اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

میں اپنے پیرنٹس کو آپ کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں مگر سوچا پہلے آپ سے بات کرلوں۔ وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

دیکھیں اسفند آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور پھر میں نے ابھی شادی کے بارے میں نہیں سوچا کم از کم اپنی تعلیم مکمل کرنے تک تو میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں نے اپنے حواسوں پر قابو پالیا تھا۔

میں آپ کے بارے میں جتنا جانتا ہوں کافی ہے۔ ہاں آپ کی دوسری بات کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ دیکھیں مجھے کوئی جلدی نہیں ہے آپ جتنا سوچنا چاہتی ہیں سوچ لیں اگر تعلیم مکمل کرنے کے بعد شادی کرنا چاہتی ہیں تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں صرف فارملی طور پر ایک بار اپنا پرپوزل آپ کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ اس کے بارے میں سوچ لیجیے گا۔ وہ یہ کہہ کر چلا گیا تھا۔

بہت دنوں تک میں حیران رہی تھی پھر میں نے شیبا سے بات کی تھی وہ اس پرپوزل سے بیخبر نہیں تھی۔ اسفند نے مجھے پرپوز کرنے سے پہلے اس سے بھی بات کی تھی۔

دیکھو مہرین اسفند ایسا بندہ ہے کہ جو مجھے پرپوز کرتا تو میں آنکھیں بند کر کے اس پرپوزل کو قبول کر لیتی۔ وہ پڑھا لکھا ہے دولت مند ہے بہت خوبصورت ہے مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کردار بہت اچھا ہے اس کا۔ امریکہ میں رہنے کے باوجود اس نے وہاں کی کوئی برائی نہیں اپنائی، نہ ہی اس پر انگلینڈ میں رہنے کا کوئی اثر ہوا ہے۔ تم سے پہلے اس نے کبھی کسی لڑکی میں دلچسپی نہیں لی اس کا واحد passion کمپیوٹر تھا مگر جب سے وہ ہمارے گھر ہے اور جب سے اس نے تمہارے بارے میں جاننا شروع کیا تھا۔ وہ بہت دلچسپی لینے لگا تھا تم میں۔ بہت کرید کرید کر پوچھتا تھا تمہارے بارے میں۔

اور یہ جو اس نے ماسٹرز میں ایڈمیشن لیا ہے نا یہ بھی صرف اس لیے کہ وہ تمہیں قریب سے جاننا چاہتا ہے۔ میں نہیں سمجھتی اس سے match perfect کوئی اور تمہیں مل سکتا ہے۔ شیبا نے اس کے حق میں ایک تقریر کر دی تھی۔ میں خاموش ہو گئی تھی۔

کچھ دن بعد اسفند نے دوبارہ مجھ سے اس سلسلے میں بات کی تھی اور میں نے اسے کہا

تھا کہ وہ ابھی اپنا پروپوزل نہ بھیجے۔ ابھی کچھ ماہ میں اس سلسلے میں سوچنا نہیں چاہتی۔ اس نے میرے مطالبے کو قبول کرلیا تھا۔

اور پھر میرے اور اس کے درمیان بہت عجیب طریقے سے انڈر اسٹینڈنگ ہونا شروع ہوگئی تھی۔ وہ بہت نائس بندہ ہے بہت کم بولتا ہے۔ وہ بہت مددگار قسم کا انسان ہے میں نے آج تک اسے کسی کی مدد کرنے سے انکار کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور مجھے یہ سب پسند

ہے۔ میرے لیے وہ بہت protective ہے۔

بہت سے لوگ مجھ پر توجہ دیتے ہیں، میری پروا کرتے ہیں جیسے میری فرینڈز مگر اسفند کے انداز میں کوئی اور بات ہے۔ میرے لیے اس کا رویہ کچھ خاص ہوتا ہے۔ وہ میرے لیے جان دینے کے دعوے نہیں کرتا مگر مجھے لگتا ہے وہ میرے لیے جان دے سکتا ہے۔ میں چاہتی ہوں مجھے ساری دنیا اس کی آنکھوں سے دیکھے اس محبت، اس مانوسیت، اس عزت کے ساتھ جس کے ساتھ وہ مجھے دیکھتا ہے۔

جب میں اس کے بارے میں سوچتی ہوں تو پوری دنیا مجھے خوبصورت نظر آنے لگتی ہے۔ کچھ بھی بھیانک کچھ بھی بدصورت نظر نہیں آتا۔ نہ اپنا ماضی نہ اپنے حالات نہ لوگ، کچھ بھی نہیں۔ وہ مجھے کبھی نہیں کہتا کہ میں اس کے ساتھ کہیں باہر پھرنے کے لیے جاؤں۔ کسی پارک میں، کسی کیفے میں، کسی ریسٹورنٹ میں۔ وہ کبھی یہ بھی نہیں کہتا کہ میں اسے فون کروں یا وہ مجھے فون کرے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا میں اس کیساتھ سارا دن یونیورسٹی کے لان، کیفے ٹیریا یا لائبریری میں بیٹھی رہوں۔ ہم روز صرف دس پندرہ منٹ کے لیے ملتے ہیں کبھی ایک دو گھنٹہ بھی ہو جاتا ہے اور عجیب بات ہے ہمیں اپنی بات ایک دوسرے تک پہنچانے کے لیے تنہائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

دوستوں کے پاس بیٹھے ہو بھی یہ احساس کہ اسفند میرے سامنے بیٹھا ہے میرے لیے کافی ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے چہرے کو بیس منٹ میں ایک لمحہ کے لیے بھی دیکھ

لینا ایسا لگتا ہے جیسے ہم بیس منٹ سے ایک دوسرے پر نظریں جما بیٹھے ہیں۔ پتا نہیں اس کے سامنے میں بولنا کیوں نہیں چاہتی میں صرف سنتے رہنا چاہتی ہوں اس کی باتیں، اس کی آواز۔ وہ سارہ سے باتیں کرے یا رخشی سے مجھے لگتا ہے جیسے وہ مجھ سے مخاطب ہے۔ اور کیا محبت اس کے سوا کوئی چیز ہے،

اور بعض دفعہ اس کا چہرہ دیکھتے ہو میں سوچتی ہوں اگر یہ جان جا کہ مہرین منصور کا باپ کون تھا تو کیا پھر بھی اس کی آنکھوں میں میرے لیے یہی عزت محبت ہو گی؟ نہیں، کبھی نہیں اور میں ہمیشہ اس سے یہ بات چھپاؤں گی ورنہ میں کیسے برداشت کروں گی کہ میں

جس کے لیے سب کچھ ہوں اس کے لیے کچھ بھی نہ رہوں۔ کوئی مجھے یوں پھینک دے جیسے میں استعمال شدہ کاغذ ہوں جیسے اسود نے کیا تھا اور اگر اسفند نے ایسا کیا تو میں کیسے زندہ رہوں گی؟ پر وہ ایسا کیوں کرے گا میں جانتی ہوں وہ کبھی بھی ایسا نہیں کرے گا۔

اور کبھی جب وہ کہتا ہے کہ مجھے اس سے زیادہ کوئی نہیں چاہ سکتا تو میرا دل چاہتا ہے میں اس سے کہوں کیا تمہیں بھی مجھ سے زیادہ کوئی چاہے گا؟ پر میں یہ نہیں کہتی۔ اس کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اور اب میری سمجھ میں آتا ہے کہ لینا گردیزی میرے لیے کس طرح بیقرار رہتی ہے وہ جو مجھ سے کہتی ہے۔ پتا ہے میں آپ کو نہ دیکھوں تو مجھے لگتا ہے جیسے کچھ missing ہے جیسے ہر چیز نامکمل ہے اور میں اس link missing کو ڈھونڈنے کے لیے یونیورسٹی آئی ہوں۔

مجھے اس کی باتوں پر کچھ یقین آتا تھا کچھ نہیں پر اب اس کی بات مجھے وحی لگنے لگتی ہے۔ ہاں ایسا ہی ہوتا ہے، میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے جب میں اسفند کو نہ دیکھوں میرا دل چاہتا ہے میں اسفند سے یہ سب کہوں وہ مجھے کہتی ہے۔

میرا جی چاہتا ہے کبھی آپ مجھ سے کوئی ایسی چیز مانگیں جس کا حصول بہت مشکل ہو

اور پھر میں حاتم طائی کی طرح پوری دنیا میں اسے ڈھونڈتی پھروں۔وہ مل جاتو اسے لے آؤں نہ ملےتو کبھی آپ کے پاس نہ آؤں مگر آپ تو کچھ کہتی ہی نہیں ہیں۔

میری آنکھیں اس کی باتیں سن کر بھیگنے لگتی ہیں۔ہاں میرا بھی دل چاہتا ہے کبھی اسفند مجھ سے کچھ مانگے تو میں بھی اس چیز کونگر نگر ڈھونڈتی پھروں۔

اپ چلتی ہیں نا تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ کو کبھی کوئی گرا نہیں سکتا۔کوئی آپ کا راستہ نہیں روک سکتا۔آپ دیکھتی ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے سامنے والے کے بارے میں سب کچھ جانتی ہیں۔آپ بولتی ہیں تو جی چاہتا ہے دنیا میں صرف آپ کی آواز گونجے باقی ہر آواز ختم ہو جا۔

وہ اپنی باتوں سے مجھے دہلا دیا کرتی ہے۔مجھے خوف آنے لگتا ہے اس کی محبت،اس کی عقیدت سے اور اب جب میں اسفند کو دیکھتی ہوں تو مجھے لینا کی باتیں یاد آنے لگتی ہیں،پھر

میں اسفند کے چہرے سے نظر ہٹا لیتی ہوں ہاں مجھے لگتا ہے مجھے اسفند سے محبت ہوگئی ہے۔

02011990

پچھلے چھ سال کے دوران آج پہلی مرتبہ سارہ مجھ سے ناراض ہوگئی ہے اور آج کل تو ہر ایک ہی مجھ سے خفا ہے پر اسے تو سمجھنا چاہیے جو چیز وہ مجھ سے چاہتی ہے وہ بہت زیادہ ہے میں اس کے بھائی سے شادی نہیں کر سکتی اب جب میری زندگی میں اسفند ہے اور وہ تو کچھ سننے پر تیار نہیں ہے۔

مہرین تم جانتی ہو عارفین بھائی تمہیں پسند کرتے ہیں اور آج سے نہیں پچھلے کئی سالوں سے۔

میں نے اس کی امی کی طرف سے اچانک اس کے بھائی کا پرپوزل لانے پر اسے

فون کیا تھا اور اس نے مجھے یہ جواب دیا تھا۔

ہاں میں جانتی ہوں وہ مجھے پسند کرتے ہیں مگر ہم بہت سے لوگوں کو پسند کرتے ہیں لیکن سب سے شادی تو نہیں کرتے اور پھر میں نہیں جانتی تھی کہ وہ مجھے اس لحاظ سے پسند کرتے تھے میرے لیے تو وہ بھائی جیسے ہیں میں نے کبھی ان کے بارے میں ایسے نہیں سوچا۔

پہلے نہیں سوچا تو اب سوچ لو بہر حال تمہیں میری بات ماننی ہے۔

سارہ تم مجھے پریشان مت کرو میں پہلے ہی لینا گردیزی کی وجہ سے بہت پریشان ہوں اور اب تم بھی وہی حرکت کر رہی ہو۔

میں تمہیں لینا گردیزی والے مسئلے سے نجات دلوانے کے لیے ہی اپنے بھائی کا پرپوزل دے رہی ہوں شاید وہ اپنے بھائی کا پرپوزل نہ لاتی تو میں اتنی جلدی یہ پرپوزل نہ بھجواتی مگر اب تمہیں ہاں کرنی ہی ہے۔

وہ بڑے یقین سے کہہ رہی تھی۔ میں نے اس سے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اور اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ میں کسی اور میں انٹرسٹڈ ہوں۔

سارہ میرے اور اسفند کے بارے میں نہیں جانتی تھی سو اس نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔

it.believecanti

لیکن یہ سچ ہے میں نے اسے کہا تھا اور پھر اپنے اور اسفند کے بارے میں بتا دیا وہ بہت دیر تک چپ رہی تھی۔ اتنی چپ کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید وہ فون رکھ کر چلی گئی ہے مگر پھر وہ یکدم بول اٹھی تھی۔

مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم میری دوست ہو تمہیں بھی باتیں چھپانا آ گیا ہے اور وہ بھی مجھ سے اور اتنی اہم بات اور میں واقعی بیوقوف ہوں مجھے جان لینا چاہیے تھا کہ یہ بندہ جو

روز تمہارے پاس آن وارد ہوتا تھا یہ شیبا کا کزن ہونے کی وجہ سے نہیں تھا وہ تمہیں پھانس رہا تھا۔ اچھا کیا تم نے مجھے اتنے اہم معاملے سے دور رکھا کم از کم مجھے اپنی اہمیت کا اندازہ تو ہو گیا ہے بہر حال اب اگر تمہیں میری ضرورت محسوس ہو تو میرے بھائی کا پرپوزل قبول کر لینا اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو مہرین پھر ہمارے درمیان دوستی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ اس نے میرا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا تھا اور چار دن پہلے اسی طرح لینا گردیزی نے مجھے کہا تھا۔

آپ نے بھی مجھے دوسروں کی طرح downlet کر دیا ہے۔ میری محبت ابھی تک آپ پر کوئی اثر نہیں کر سکی۔ آپ نہیں جانتیں میں نے کتنی ضد، کتنی لڑائی کر کے بھائی اور بابا کو اس رشتہ کے لیے تیار کیا تھا اور اب میں ان کے سامنے کس منہ سے جاؤں گی انہیں کیا کہوں گی؟ میں انہیں یہی کہتی رہی ہوں کہ آپ مجھ سے بیتحاشا محبت کرتی ہیں اور میری بات کو کبھی رد نہیں کریں گی۔

میں نے بہت غلط کیا آپ سے دوستی کر کے، آپ سے محبت کر کے، آپ کی نظر میں تو میری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔

اس نے بھی سارہ کی طرح میری بات سنے بغیر فون رکھ دیا تھا۔ وہ اور سارہ چاہتی ہیں کہ میں اسفند کو چھوڑ دوں، میں ان کی بات مان لوں لیکن میں کیسے ان کی بات مان لوں

میں کیسے اپنی آنکھوں کی روشنی کو ختم کر دوں؟ وہ جس کی وجہ سے مجھے اپنے ہونے کا یقین آیا ہے میں کیسے اس یقین کو گنوا دوں جس کے بارے میں سوچنے سے مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرے اردگرد تک سبزہ ہی سبزہ پھیل گیا ہے اور میں ننگے پاؤں بیلے ڈانسر کی طرح اس سبزے پر رقص کرتی جا رہی ہوں اور کسی ماضی کا کوئی حوالہ میری راہ میں پتھر بن کر نہیں آ رہا۔

میں اسفند کے بغیر نہیں رہ سکتی، اور جو یہ سکون سا میرے اندر ہے یہ بھی اس کی

بدولت ہے۔ اب کوئی مشعل مجھے بری نہیں لگتی، مجھے اس سے نفرت محسوس نہیں ہوتی، مجھے کسی سے بھی نفرت محسوس نہیں ہوتی اور میں ایسی ہی رہنا چاہتی ہوں، سراپا محبت بن کر اور یہ سب ہوسکتا ہے صرف ایک شخص کے میری زندگی میں شامل ہوجانے سے، میں سب کچھ پیچھے چھوڑ آئی ہوں، وہ کیچڑ سے بھری ہوئی لاش بھی اب مجھے رات کو ڈراتی نہیں ہے، نہ میرے رگ و پے میں یہ خوف دوڑتا رہتا ہے کہ اگر کہیں جو کسی کو یہ پتا چل گیا کہ میرا باپ کون تھا تو کیا ہوگا، لوگ میرے بارے میں کیا سوچیں گے کیا کہیں گے؟

میں سارے کمپلیکسز کو بہت پیچھے چھوڑ آئی ہوں، خود کو حوالوں کی دلدل سے نکالنے کے لیے میں نے بہت جدوجہد کی ہے، اب مہرین کو اپنی پہچان کے لیے کسی دوسرے کے نام کی ضرورت نہیں پڑتی۔ نہ نام و نسب کا کانٹا میرے پیر کو زخمی کرتا ہے نہ عام شکل و صورت کا طوق مجھے وزنی لگتا ہے۔

میں نے خود کو اپنی محنت سے excel کیا ہے۔ ان سے جن کے چہرے دیکھ کر دنیا خوبصورت لگنے لگتی ہے، ان سے جن کا شجرہ نسب دیکھ کر جی ان کا غلام بن جانے کو چاہتا ہے، ان سجن کی دولت دیکھ کر حسد محسوس ہونے لگتا ہے اور مہرین منصور نے ان سب سے ستائش پائی ہے اور اسفند عثمان اس مہرین منصور کی واحد خواہش ہے اور سارہ چاہتی ہے میں اسے بھول جاؤں اسفند عثمان کو۔

اور اس دن جب میں نے کیفے ٹیریا میں بیٹھے بیٹھے یک دم رابعہ کے آگے ہاتھ پھیلا دیا تو وہ چونک پڑا۔

ذرا دیکھو رابعہ میرا فیوچر کیسا ہے؟

میں جو کبھی بھی پامسٹری پر یقین نہیں رکھتی تھی پتا نہیں کیوں میرا دل چاہا تھا اپنے کل کے بارے میں جاننے کا۔

کیا جاننا چاہتی ہیں آپ؟ رابعہ کی بجائے اس نے مجھ سے کہا تھا۔

بس یہ کہ کیا میں آئندہ زندگی میں خوش رہوں گی۔ وہ میری بات پر مسکرا دیا تھا رابعہ

نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

یار ہاتھ دکھانے کی ضرورت ہم جیسے لوگوں کو پڑتی ہے، تم جیسے نامی گرامی لوگوں کو اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے؟ تم لوگ تو مقدر کے سکندر ہو اور پھر تم تو ویسے ہی بہت ہاتھ دکھاتی رہتی ہو۔ شیبا نے مجھ سے کہا تھا۔

میں چپ رہی تھی۔ صرف رابعہ کے چہرے کو دیکھتی رہی جو بہت غور سے میرا ہاتھ دیکھ رہی تھی۔

بھئی اتنی دیر کیوں؟ کیا کوئی خزانے کا نقشہ نظر آ گیا ہے ہاتھ پر؟

اس بار رخشی سے کہا تھا۔

نہیں خزانے کا نقشہ نہیں مگر یہ ہاتھ بہت عجیب ہے۔ بہت مشکل، شاید میں کوئی صحیح پیش گوئی نہ کر پاؤں کیونکہ میں اسے سمجھ نہیں پا رہی۔ مہرین کی زندگی کو دیکھتے ہو یہ جیسا ہونا چاہیے ویسا نہیں ہے بہر حال کوشش کرتی ہوں کہ کچھ بتاؤں، کوئی کرائسس آنے والا ہے تمہاری زندگی میں بہت بڑا کرائسس ایک دم سے تم گمنامی کی زندگی میں چلی جاؤ گی، بہت سے لوگوں تم سے قطع تعلق کریں گے شاید تم disordermental کا شکار ہو جاؤ شاید تعلیم کا سلسلہ بھی جاری نہ رہے۔

وہ اٹکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

اسفند نے اچانک بہت نرمی سے میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔

کیا بکواس ہے بھئی، چھوڑو اس قسم کی باتوں کو، کوئی ڈھنگ کی بات کرو۔ اس نے کہا تھا۔

شاید سورج مشرق سے نکلنا بند کر دے، شاید تارے نظر آنا بند ہو جائیں شاید ایک کی بجا پانچ چاند نظر آنے لگیں، شاید انسان سانس لیے بغیر زندہ رہنا شروع کر دے۔ آپ کے اگلے جملے یقیناً یہی ہونے چاہئیں مس رابعہ قدیر۔

رخشی نے چپس کھاتے ہو کہا۔

ویسے بی بی یہ خاتون دوسروں کا مینٹل بیلنس خراب کرتی ہیں اپنا نہیں۔ ویسے گمنامی میں جانے پر غور ہوسکتا ہے اور تعلیم چھوڑنے پر بھی کیونکہ ان دونوں کاموں سے ہمارا تو بہت بھلا ہوگا چار بندے ہمیں بھی جان لیں گے۔

سارہ واضح طور پر رابعہ کا مذاق اڑا رہی تھی۔

ویسے بھئی میں تو کل صبح تک کے لیے تم سے قطع تعلق کر رہی ہوں مجھے آج ذرا جلدی گھر جانا ہے، خیر رابعہ بی بی بہت دل خوش کیا آپ نے ہمارا۔ ملتی رہا کیجیے اللہ آپ کے علم میں اور اضافہ کرے۔ شیبا نے اٹھتے ہو کہا تھا۔

بھئی میں نے کہا تھا کہ مجھے اس کے ہاتھ کی سمجھ نہیں آ رہی اور ویسے بھی ضروری نہیں جو میں نے کہا وہی ہو جا مجھے تو خود بھی ایسا ہوتا نہیں لگ رہا مگر ہاتھ کی لکیریں کچھ اسی قسم کی ہیں۔ رابعہ نے جھینپتے ہو کہا تھا۔

اور اس دن کیفے ٹیریا سے باہر نکلتے ہوا سفند نے کہا تھا۔

ان باتوں کو سنجیدگی سے مت لینا۔ ایسی باتیں صرف انجوا کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔

کیوں کیا سچ نہیں ہوسکتیں؟ میں نے اس سے پوچھا تھا۔

کم از کم تمہارے لیے نہیں، مہرین تم لوگوں پر اس قدر مہربان اتنی to down earth ہو کہ یہ چیزیں تمہارے لیے کبھی سچ نہیں ہوسکتیں۔ تم نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی تو خدا تمہیں ایسی تکلیف کیسے پہنچا سکتا ہے؟

اور میں نے سوچا تھا کہ ہاں واقعی یہ سب کیسے ہوسکتا ہے، میں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا تو کوئی میرے راستے میں کانٹے کیسے بچھا سکتا ہے؟

اور اب جب سارہ اور لینا مجھ سے ناراض ہیں تب بھی کوئی واہمہ مجھے پریشان نہیں کر رہا، ابھی کوئی بھی چیز میرے بس سے باہر نہیں ہوئی ہے۔ میں انہیں منالوں گی۔ آخر وہ میری فرینڈز ہیں وہ میری بات کیوں نہیں؟؟؟؟؟ گی۔

17011990

اور آج مجھے اسود علی سے منسوب کر دیا گیا ہے اور اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنائی گئی انگوٹھی مجھے ایک ننھا سا سانپ لگ رہی ہے جو بار بار مجھے ڈس رہا ہے اور میں اسے جھٹک نہیں سکتی، میں کچھ بھی نہیں کر سکتی، اور اسفند عثمان جو دو دن پہلے تک مجھے روکنے کی کوشش کرتا رہا تھا آج اس نے مجھے فون پر کہا تھا۔

جب تمہاری کزن مشعل مجھے خبردار کرنے آیا کرتی تھی تو میں اسے بیوقوف سمجھتا تھا۔ میں سوچتا تھا وہ حسد کا شکار ہے مگر اب مجھے احساس ہوا ہے کہ ایسا نہیں تھا وہ سچ کہتی تھی۔ تم ایک فراڈ، ایک selfish لڑکی ہو، اور میں جو پچھلے دو سال سے اس الوژن کا شکار تھا کہ میں جس سے محبت کرتا ہوں وہ سب سے منفرد، سب سے مختلف لڑکی ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بولتی، وہ دھوکا نہیں دیتی مگر تم مہرین منصور، تم تو شاید جھوٹ کے علاوہ کچھ بولتی ہی نہیں ہو، اور میں کتنے بڑے فریب کا شکار رہا ہوں مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب میرے ساتھ تم نے کیا ہے۔

میں نے فون بند کر دیا تھا اس سے زیادہ مجھے کیا سننا تھا اور میرا دل چاہا تھا میں اس سے کہوں، میں نے تمہیں دھوکا نہیں دیا۔ یہ کام اگر مجھے آ جاتا تو میں ہمیشہ خوش رہتی اور میں جسے یہ گمان تھا کہ میں سب کچھ کر سکتی ہوں جو یہ سمجھتی تھی کہ پوری دنیا میرے ہاتھ میں ہے غلط تھی۔

میں نے آج بھی وہی کی تھا جو میں نے سترہ سال پہلے اپنے باپ کی لاش دیکھنے پر کیا تھا۔ تب میں بیڈ کے نیچے چھپ گئی تھی اور اب میں نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ میرے ہاتھ میں انگوٹھی پہناتے ہوئے عفی خالہ بہت خوش تھیں۔ امی بہت مسرور تھیں اور میں سوچ رہی تھی ہر ایک نے مجھ سے اپنی نوازشوں اپنے احسانوں کی قیمت وصول کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے اور عفی خالہ نے مجھ سے بات کیے بغیر امی سے میرا رشتہ مانگا اور امی نے میری مرضی جانے

بغیر ہاں کر دی تھی اور جب انہوں نے مجھے یہاں آ کر یہ بات بتائی تھی تو میں بہت

دیر تک انہیں دیکھتی رہی تھی۔

ان کے ہاتھ اسی طرح سونے کی چوڑیوں سے بھرے ہوتے تھے جیسے میری ممانیوں یا عفی خالہ کے ہوتے تھے اور ان چوڑیوں کے لیے وہ سولہ سال پہلے مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں لیکن مجھے ان سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ انہوں نے اچھا کیا، بہت اچھا کیا، میرے لیے اپنی زندگی خراب نہیں کی اور اب وہ میری زندگی خراب کرنا چاہتی تھیں۔

عفی تم سے بہت پیار کرتی ہے اور پھر اسود تو لاکھوں میں ایک ہے۔ میں تو عفی کو انکار کر ہی نہیں سکی۔ اس نے اتنے پیار سے تمہارا رشتہ مانگا ہے میں نے اسے کہا کہ تم سمجھو مہر و تمہاری بیٹی ہے جب چاہو اسے بیاہ کر لے جاؤ۔

انہوں نے مجھے بتایا تھا میرے حلق میں بہت سے کانٹے اگ آتے تھے۔

میں نے عفی کو کہا ہے جمعہ کو تمہیں انگوٹھی پہنانے آجا، ٹھیک ہے نا؟

ہاں ٹھیک ہے۔

وہ میرا ماتھا چوم کر کمرے سے نکل گئی تھیں اور اسفند ایک پل میں میری زندگی سے نکل گیا تھا اور مجھے لگا تھا جیسے کوئی میرا گلا گھونٹ رہا ہے، جیسے کسی نے میرے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی تھی۔ میں جیسے خلا میں معلق تھی۔ میں نے تو کبھی کسی کے لیے بد دعا نہیں کی پھر مجھے کس کی بد دعا لگ گئی تھی۔

اور وہ اسود علی جسے میرے کردار پر شبہ ہے، جسے میرے رویے سے بہت سی شکایات ہیں اب وہ مجھ سے شادی کر رہا ہے اور وہ کیا چاہتا ہے میں نہیں جانتی اور میں جانتی بھی کیا ہوں؟ میں جو سوچتی تھی میری زندگی میں اسفند عثمان نہیں رہے گا تو کچھ بھی نہیں رہے گا، تو اب کیا میں ختم ہو جاؤں گی اور کیا رابعہ کی ہر پیشن گوئی صحیح ثابت ہوتی رہے گی؟

نہیں میں اتنی آسانی سے ہار نہیں مانوں گی۔ مجھے اس طرح ختم نہیں ہونا ہے، مجھے خود کو بچانا ہے۔ پچھلے سترہ سال میں بنائی جانے والی شناخت کو یوں ختم نہیں ہونے دینا

ہے مہرین منصور کو سرینڈر نہیں کرنا ہے، میں خوش رہوں گی اسفند کے بغیر، اسود کے ساتھ رہ کر میں

گمنامی میں جاؤں گی۔ disordermental کا شکار ہوں گی، میں کچھ نہیں چھوڑوں گی نہ تعلیم نہ زندگی پر اپنا حق۔ مجھے اپنی ذات کو ایک دفعہ پھر سے ڈھونڈنا ہے۔ میں مہرین منصوریوں ختم ہونے کے لیے پیدا نہیں ہوئی۔

29011990

کچھ دیر پہلے اسود علی میری ذات، میرے وجود کے پرخچے اڑا کر گیا ہے۔

لوگ ٹھیک کہتے ہیں باہر سے وہی خوبصورت ہوتے ہیں جو اندر سے خوبصوت ہوں جیسے مشعل اور جو اندر سے خوبصورت نہ ہوں انہیں خدا ظاہری خوبصورتی بھی نہیں دیتا جیسے تم۔

اس نے کہا تھا اور پچھلے سترہ سالوں میں جن پتھروں کو تراش کر جوڑ کر میں نے اپنا وجود بنایا تھا وہ یک دم گر پڑے تھے۔ بھیانک چہرہ اور کردار، ہاں شاید مجھے یہی القاب چاہیے تھے اور وہ جس چہرے کی پرستش کر رہا ہے وہ کتنا بھیانک تھا یہ شاید وہ کبھی جان نہیں پا گا۔

مشعل کتنی خوبصورت تھی یہ سب جانتے ہیں مگر وہ کتنی بدصورت تھی یہ صرف میں جانتی ہوں۔ اور وہ جاننا نہیں چاہتا تھا کہ میں نے اس رات مشعل کو کیا کہا تھا مگر اسے پوچھنا چاہیے تھا وہ پوچھتا تو میں اسے بتا دیتی کہ میں نے اس رات مشعل کو کیا کہا تھا۔

یہ اسود تو نہیں تھا جو چند لمحے پہلے میرے سامنے تھا۔ یہ تو کوئی اور تھا، اسود کے لہجے میں اتنا زہر تو نہیں ہوتا تھا۔ وہ مشعل کی طرح بات کرنے کیوں لگا ہے؟ وہ جو مر گئی ہے وہ قابل رحم نہیں ہے، میں ہوں، پر سب مجھے مجرم سمجھ رہے ہیں جیسے مشعل نے خودکشی نہیں کیا، میں نے اسے مارا ہے۔

تم نے اسے کیا کہا ہے؟تم نے اسے کیا کہا ہے؟

ہر کوئی ایک ہی بات کہتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے میں چیخ چیخ کر انہیں بتاؤں کہ وہ مجھ سے کچھ کہنے آئی تھی، میں نہیں اور اگر میں انہیں بتادوں کہ وہ میرے ساتھ کیا کرتی رہی ہے تو کیا انہیں یقین آ گا، کبھی بھی نہیں، مشعل کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی اور میں۔۔۔۔۔میں

میرا کیا اعتبار وہ خوبصورت تھی مگر وہ سچ نہیں بولتی تھی اور اس نے مجھ سے بدلہ لے لیا تھا۔ مجھے اسفند سے محروم کر کے اس رات جب وہ میرے کمرے میں آئی تھی تو وہ یہی کہنے آئی تھی۔

میں چاہتی ہوں تم اسفند سیکہو کہ وہ مجھ سے شادی کر لے۔

میں اس کے مطالبے پر حیران رہ گئی تھی۔

مجھے اسود سے کبھی بھی محبت نہیں رہی، میں صرف تمہیں تکلیف پہنچانے کے لیے اسے تم سے الگ کرتی رہی ہوں لیکن اسفند سے مجھے محبت ہے۔چلو ایک ڈیل کر لیتے ہیں،تم اسفند کو مجھ سے شادی پر رضامند کرو۔ میں اسود کو بتا دیتی ہوں کہ میں اس سے محبت نہیں کرتی صرف ایک مذاق تھا وہ۔۔۔۔

وہ بہت اطمینان سے میرے سامنے بیٹھ کر کہہ رہی تھی۔

مشعل تم پاگل ہو چکی ہے،تمہیں پتا ہے تم کتنے لوگوں کی زندگی برباد کر رہی ہو،میری اسود کی، اسفند کی اور اپنی؟

میں اس کی بات پر چلا اٹھی تھی۔

تم تینوں کا تو مجھے پتا نہیں مگر میں اپنی زندگی برباد نہیں کر رہی ہوں۔محبت مجھے صرف اسفند سے ہوئی تھی اور میں اسے حاصل کرنا چاہتی ہوں۔

اور تمہیں لگتا ہے میں اس میں تمہاری مدد کروں گی۔

تمہیں کرنی پڑے گی۔کیا تم نہیں چاہتیں کہ تم اسود کیساتھ ایک اچھی زندگی گزارو اور

یہ صرف میرے ہاتھ میں ہے۔

مشعل کیا کرو گی تم اسفند سے شادی کر کے۔ وہ تمہیں محبت نہیں دے گا خالی نام کیا کرو گی؟

تمہیں غلط فہمی ہے کہ وہ ساری عمر تمہاری محبت میں گرفتار رہے گا۔ تمہارے ساتھ اس نے محبت نہیں افیئر چلایا تھا۔ مرد ایسے افیئر کرتے ہی رہتے ہیں۔ جب اسے میری جیسی بیوی ملے گی تو اسے تم بھول جاؤ گی پھر اسے مہرین نام کے ہجے بھی یاد نہیں رہیں گے۔ اس کی بات مجھے گالی کی طرح لگی تھی۔

اگر خود پر اتنا یقین ہے تو میری مدد کے لیے کیوں آئی ہو جاؤ اور خود اسفند کو فتح کر لو جیسے تم نے اسود کو کیا تھا۔

وہ چند لمحے تیز نظروں سے مجھے گھورتی رہی۔

تمہیں ہم نے بچپن سے پالا ہے، بہت خرچ کیا ہے تم پر، بہت احسان کیے ہیں۔ اب احسان کرنے کی تمہاری باری ہے بلکہ یہ کہوں تو زیادہ بہتر ہے کہ اب نمک حلالی کرنے کا وقت آیا ہے۔ تم ثابت کرو کہ تم اپنے گھٹیا خاندان اور باپ کی کوئی گھٹیا صفات اپنے اندر نہیں رکھتی ہو۔

میرا دل چاہا تھا میں اس کے منہ پر بہت زور سے تھپڑ ماروں مگر میں نے اسے تھپڑ نہیں مارا تھا۔ میں ہنسنے لگی تھی، بہت زیادہ، اتنا زیادہ کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

مجھے افسوس ہے مشعل کہ میں اپنے گھٹیا خاندان اور باپ کی ساری صفات اپنے اندر رکھتی ہوں۔ اب جبکہ میں جان گئی ہوں کہ تم اسفند سے محبت کرتی ہو تو پھر یہ یقین رکھو کہ کبھی بھی تمہاری شادی اس سے نہیں ہوگی۔ اگر اسفند مجھے نہیں ملا تو وہ کبھی بھی تمہیں بھی نہیں ملے گا۔

اور جہاں تک میرا اور اسود کا تعلق ہے تو ٹھیک ہے کچھ انتظار تو مجھے کرنا پڑے گا مگر میں بہر حال اسود کی محبت حاصل کر لوں گی۔ آفٹر آل کسی زمانے میں وہ میرا بیسٹ فرینڈ

رہا ہے اور ویسے بھی تم نے خود ہی کہا ہے کہ مرد ایسے افیئرز کرتے ہی رہتے ہیں۔ میں سمجھوں گی اسود نے بھی تم سے ایک افیئر چلایا تھا۔

بہت ترس آ رہا ہے مجھے تم پر۔ مجھے اسود مل جا گا جو کسی زمانے میں مجھ سے بہت ہمدردی، بہت دوستی رکھتا ہے اور اس کی یادداشت ٹھیک کرنے میں مجھے زیادہ وقت تو نہیں لگے گا اور اگر اسود نہیں ملتا تو اسفند تو مل جا گا جس سے میں محبت کرتی ہوں اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے مگر تمہیں کیا ملے گا؟ اسود کو تم حاصل کرنا نہیں چاہتیں اور اسفند تمہیں ملے گا نہیں اور اس تک جانے کا واحد راستہ میں جانتی ہوں اور میں تمہیں وہاں سے گزرنے نہیں دوں گی۔ تم پچھلے چھ سال سے ہر جگہ مجھ سے ہارتی آ رہی ہو اب اور کہاں کہاں ہارو گی؟ مجھ سے مقابلہ کرنا چھوڑ دو یہ خوبصورتی کا ہتھیار ہر جگہ تمہارے کام نہیں آ گا۔

وہ میری باتوں پر بپھر گئی تھی۔

میں تمہیں جیتنے نہیں دوں گی مہرین کبھی نہیں، تمہاری جگہ میرے قدموں میں ہے اور وہیں رہے گی۔ تم کیا جیتو گی اسود کو اور کیا پاؤ گی اسفند کو؟ میں تمہیں اس قابل رکھوں گی تو پھر نا، تم سمجھے پاگل کہا ہے نا میں تمہیں بتاؤں گی پاگل کیا ہوتے ہیں۔ میں دیکھوں گی تم اب زندگی میں کیا پاتی ہو، کون سے جھنڈے گاڑتی ہو؟ مجھے تمہارے وجود، تمہارے چہرے، تمہاری آواز، تمہاری ذات سے نفرت ہے۔ تم اپنے باپ کی طرح گندی نالی میں گر کر مرنے کے لیے پیدا ہوئی ہو لیکن تمہیں زندہ رہنا چاہیے بہت دیر تک زندہ رہنا چاہیے میں تمہیں تمہاری زندگی میں ہی جہنم دکھا دوں گی میں تمہیں۔۔۔

میرے کمرے سے نکل جاؤ ابھی اسی وقت۔

میں نے کھڑے ہوتے ہو اس کی بات کاٹ دی تھی۔

یہ تمہارے باپ کا کمرہ نہیں ہے۔ یہ میرا گھر ہے میں جب تک چاہوں گی یہاں رہوں گی۔

اس نے اپنے سامنے پڑی ہوئی تپائی کو ٹھوکر مار کر الٹا دیا۔ میرا دل چاہا تھا مگر میں ایسا نہیں کر سکتی تھی مجھے ایک عجیب سی وحشت ہو رہی تھی اگر یہ میرا گھر ہوتا تو میں اسے دھکے دے کر نکال دیتی مگر یہ میرا گھر نہیں تھا یہاں کچھ بھی میرا نہیں تھا۔

وہ کچھ دیر تیز تیز سانس لیتے ہو وہاں کھڑی رہی پھر میرے کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے بند کر کے چلی گئی تھی اور اس رات میں نے طے کیا تھا کہ ایک بار یہاں سے جانے کے بعد چاہے میرے ساتھ جو بھی ہو مجھے واپس یہاں نہیں آنا ہے۔ اسود دوسری شادی کرے تب بھی اور میرے ساتھ برا سلوک کرے تب بھی۔ مجھے کبھی ان لوگوں کے سامنے یہ ظاہر نہیں کرنا ہے مجھے ان کے سامنے یہی ظاہر کرنا ہے کہ میں خوش ہوں، بہت خوش ہوں اور مجھے مشعل کو یہی بتانا ہے کہ وہ اس طرح تو کبھی مجھے جھکا نہیں سکتی میں اسے اسود کیساتھ خوش رہ کر دکھاؤں گی۔

اور اب اسود میرے ہاتھ میں لپٹا ہوا سانپ لے گیا ہے اور اب مشعل بھی مر چکی ہے اور میں ایک بار پھر دوراہے پر کھڑی ہوں۔ ایک بار پھر مجھے خود کو بچانا ہے مجھے بچانے کے لیے میری مدد کے لیے کوئی نہیں آ گا سوا میرے۔

اے خدا مجھے بچا لینا، مجھے محفوظ رکھنا، میری مدد کرنا۔ کوئی راستہ، کوئی راہ، مجھے دکھا کہ میں اس برزخ سے نکل جاؤں۔

مجھ پر ہر دروازہ بند ہوتا جا رہا ہے اور مجھے لگ رہا ہے جیسے میں مر جاؤں گی۔ میں نے تو کبھی کسی کے لیے گڑھے نہیں کھودے۔ مشعل نے ٹھیک کہا تھا، اس نے واقعی میرے لیے زمین تنگ کر دی ہے اور اب میں کیا کروں گی؟ اسفند نے آج مجھ سے شادی سے انکار کر دیا ہے اور میں جو پچھلے ہفتے سے سوچ رہی تھی کہ شاید میں اس گرداب سے نکل جاؤں گی ایک بار پھر اس میں پھنس گئی ہوں اور اب مجھے رہائی کا کوئی راستہ باہر نظر نہیں آ رہا۔

نہیں مہرین منصور اب میں تمہارے ہاتھ کا ہتھیار بننا نہیں چاہتا اگر تمہاری کزن کا

خط مجھے نہ ملا ہوتا تو شاید میں ایک بار پھر تمہاری باتوں میں آ کر وہی حماقت کر بیٹھتا لیکن اب میں نہیں کروں گا۔تم نے اپنے کزن کی زندگی برباد کر دی اسود اس سے محبت کرتا تھا لیکن تم نے اسود کو اس سے چھین لیا۔

اسفند، ایسا نہیں تھا میں۔۔۔

اس نے میری بات کاٹ دی تھی۔

مہرین آج تم کچھ نہیں کہو گی صرف سنو گی مجھے تمہاری کسی بات پر اب کبھی یقین نہیں آ گا۔تمہاری کزن نے مجھے اسود کے وہ خط بھیجے ہیں۔جن میں اسود اس سے اظہار محبت کر چکا ہے۔تمہیں معلوم تھا کہ مشعل کی موت کے بعد اسود کبھی تم سے شادی نہیں کرے گا اس لیے اب تم چاہتی ہو کہ میں تم سے شادی کر لوں اور میں اتنا احمق ہوں کہ شاید کر بھی لیتا اگر تمہاری کزن کا خط مجھے نہ ملا ہوتا۔مگر اب نہیں۔

تم نے مشعل کو مرنے پر مجبور کر دیا۔مگر میں مشعل نہیں ہوں۔تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اسی طرح رہو، نہ تمہیں میں ملوں نہ اسود۔بہت دھوکا کھایا میں نے تم سے۔اگر تب میں مشعل کی بات سن لیتا جب وہ میرے پاس آ آ کر مجھے تمہارے اور اسود کے بارے میں بتایا کرتی

تھی تو شاید میں اتنا بڑا دھوکا نہ کھاتا مگر تب میں اسے جھڑک دیتا تھا مگر وہ سچی تھی شاید اس لیے اسے اپنی جان گنوانی پڑی ہے۔خدا حافظ۔

اج کے بعد تم کبھی مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرنا۔

میں بہت دیر تک ریسیور تھامے کھڑی رہی تھی تو اس رات جو خط مشعل نے پوسٹ کروا تھے وہ اسفند کو کروا تھے اور یہ خط اسے امریکہ سے واپس آنے کے بعد ملے تھے ورنہ شاید وہ دوبارہ کبھی میرے لیے پرپوزل بھیجتا ہی نہیں اور میں جو چند دن پہلے شیبا سے بات کرنے کے بعد مطمئن تھی کہ سب کچھ ٹھیک ہو جا گا اور اسکی امی کی طرف سے پرپوزل لانے کے بعد سوچ رہی تھی کہ اب میری زندگی خوبصورت ہو جا گی اب پھر

وہیں تھی اور میرا دل چاہتا ہے میں بھی خودکشی کرلوں۔

مشعل نے مجھے ایک جلتے ہوئے برزخ میں ڈال دیا ہے اور میں کسی طور پر بھی اس کو سرد نہیں کرسکتی۔ ایک ایک کرکے میں سب کو گنوا چکی ہوں۔ لینا گردیزی، سارہ، اسود اور اب اسفند بھی۔ میں واقعی ایک تماشا بن گئی ہوں اور پتا نہیں میری کہانی ٹریجڈی ہے یا کامیڈی۔ شاید کامیڈی اور اگر مشعل زندہ ہوتی تو وہ مجھ پر قہقہے لگا کر ہنستی۔

تو مہرین منصور لاؤ اب اپنے لفظ، اپنے حرف جن سے تم لوگوں کے دلوں کو جیتتی تھیں، جاؤ اب روسٹرم پر کھڑی ہوجاؤ اور میں دیکھتی ہوں کتنے لوگ تمہاری بات سنتے ہیں اور کتنے تم پر یقین کرتے ہیں۔ اب کوئی تمہاری بات نہیں سنے گا یقین تو دور کی بات ہے اور تم سوچتی تھیں کہ تم مجھے ہرا دیا۔

ہاں وہ مجھے یہی کہتی اور یہ ٹھیک تھا۔ میرا دل چاہتا ہے، میں کہیں بھاگ جاؤں میں جو لوگوں سے کہا کرتی تھی کہ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت کبھی نہیں پڑے گی اور اب۔۔۔ اب وہ وقت ہے جب کوئی میرے مدد کرنے کو تیار نہیں ہے۔ میرے لیے دنیا کیا ہے؟ امی مجھے اپنے گھر نہیں رکھ سکتیں۔ دودھیال والے بہت پہلے رشتہ توڑ چکے ہیں اور اب نانی اور ماموں بھی جان چھڑانا چاہتے ہیں۔

میں درخت کی سب سے اوپر والی شاخ پر چڑھ گئی تھی اور اب جب میں وہاں سے گری ہوں تو جس شاخ کو پکڑنے کی کوشش کررہی ہوں۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی ٹوٹ کر نیچے گر رہی ہے اور بہت عرصہ پہلے میں نے ایک مشاعرے کے لیے ایک نظم لکھی تھی تب میں نے اس نظم کی وجہ سے وہ مشاعرہ جیت لیا تھا لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ ایک وقت ایسا آ گا جب یہ نظم میری کہانی بن جا گی:

leaveburiedarewhopeople

memories.theirbehind

andthemforsadfeelpeople

man, livingtheforbutworry,

sorry.neverarethey

sufferer,theiswhoperson,this

withstand,toablebeneverwill

him.fromsnatchedchancesthe

banaunderiamthinks, he

isworldtheanddies, heso

debtinforever

faced.whomanthefor

death.hisbeforedeath

ڈائری کا آخری صفحہ خالی تھا، میں نے اسے بند کر دیا۔ میری آنکھوں میں چبھن ہو رہی تھی اور میں تھا بیسویں صدی کا سچا جسے گمان تھا کہ اس سے زیادہ سچ کوئی کیا بولتا ہوگا اور جسے یقین تھا کہ اس سے بڑھ کر چہرہ شناس کوئی ہو نہیں سکتا اور آج میں منہ کے بل گرا تھا اپنے سارے دعوؤں اور اندازوں کے ساتھ۔ سو سچا کون تھا مشعل اکبر، معصوم خوبصورت جسے دیکھتے ہی اس کی بات پر یقین کر لینے کو جی چاہتا تھا۔۔۔ اور میں۔۔۔ اور بہت سے لوگ یہی کرتے تھے یا پھر مہرین منصور۔۔۔ جس کے سامنے اب میں کیسے جاؤں گا میں نہیں جانتا اور میں تھا جو پچھلے کئی سالوں سے جھوٹ کو وحی مان کر جی رہا تھا اور آئندہ کس پر اعتبار کر پاؤں گا

یہ بھی نہیں جانتا۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا بیگ میں وڈیو کیسٹس نکال کر میں باری باری وی سی پی میں لگانے لگا کوئی شبہ میرے ذہن میں باقی نہیں رہا تھا پھر بھی اپنے اندر کے چہرہ شناس اور

حق پرست کو کچھ اور آئینہ دکھانا تھا۔

مختلف فنکشنز کی ویڈیوز تھی۔ کسی میں وہ کمپیئرنگ کر رہی تھی، کسی میں کوئی مذاکرہ کنڈکٹ کروا رہی تھی۔ کہیں کوئی تقریری مقابلہ تھا اور کہیں کوئی مشاعرہ۔ کہیں وہ بہت سنجیدگی سے issues ڈسکس کرتے ہوا اپنی opinion دے رہی تھی اور کہیں وہ پورے ہال کو اپنی باتوں سے کشت زعفران بنا ہوتھی۔

وہ مہرین منصور جسے پچھلے تین سال سے میں نے اپنے گھر کے ملازم کی اہمیت بھی نہیں دی تھی۔ وہ بہت سوں کے لیے بہت اہم تھی اور وہ جو بات کرتے ہو بار بار مختلف ریفرنسز دے رہی تھی اب میرے گھر میں تھی اور اسے سامنے رکھی ہوئی چیزیں بھی ڈھونڈنا پڑتی تھیں۔

وہ مہرین منصور جو ہر جگہ بنا رکے، بنا اٹکے بلا کی روانی سے بات کرتی تھی، بار بار اٹک جاتی تھی بار بار اسے لفظ ڈھونڈنے پڑتے تھے۔ میں کہتا تھا وہ خامیوں کا مرقع ہے، میں کہتا تھا اسے بولنا نہیں آتا، میں کہتا تھا یہ اس طرح دنیا کا مقابلہ کیسے کرے گی؟ پر وہ جب اسٹیج پر چلتی ہوئی روسٹرم پر آتی تھی تو ہال میں سکوت چھا جاتا تھا لیکن میں اسے کہتا تھا:

تم بات نہ کرو، تم جھوٹی ہو، تم مکار ہو، تم اس قابل نہیں ہو کہ بات کر سکو۔

میں نے ٹی وی بند کر دیا۔ کمرے میں ہر جانب فائلیں بکھری ہوئی تھیں۔ اخبارات میں چھپنے والے اس کے مختلف آرٹیکلز کی کٹنگز مختلف سرٹیفکیٹس۔ مختلف اخبارات میں چھپنے والی اس کی تصویریں۔ مختلف لوگوں کی طرف سے آنے والے خط، کارڈز، کا ایک ڈھیر۔ ہر فائل کو دیکھنے پر میں ایک نئے عذاب سے دوچار ہوتا جا رہا تھا اور اگر میں اس کی بات سن لیتا تو۔۔۔

میں اب سچ جاننے کے لیے لاہور آیا تھا اور لاہور آنے کے بعد میں نخیال گیا تھا میں ایک نظر مہرین کے کمرے کو دیکھ لینا چاہتا تھا وہاں رکھی ہوئی چیزوں کو دیکھنا چاہتا

تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ مہرین منصور کون ہے؟ میں نے نانی سے مہرین کے کمرے کی چابی مانگی تھی۔

اس کے کمرے کی چابی تو اس کے پاس ہے وہ یہاں سے جانے سے پہلے کمرہ لاک کر کے چابی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

نانی امی نے مجھے بتایا تھا میں کچھ مایوس ہوا تھا۔

پھر میں کسی لاک میکر کو لے کر آتا ہوں۔

میں انہیں بتا کر کمرے سے باہر آ گیا تھا اور آدھ گھنٹہ بعد جب میں لاک میکر کو لے کر گھر میں داخل ہوا تو میرا سامنا اشعر کی بیوی سنبل سے ہوا تھا۔ اشعر کی شادی مشعل کی موت کے ڈیڑھ سال بعد ہوئی تھی اور اس شادی پر مجھے اور امی کو نہیں بلایا گیا تھا سو سنبل سے میری پہلی ملاقات تھی۔

میں لاک میکر کو لایا ہوں دروازہ کھلوانے کے لیے۔ میں نے رسمی گفتگو کے بعد اسے بتایا تھا۔

مہرین کے کمر کا دروازہ کھلوانے کے لئے۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا۔

ہاں۔۔۔

آپ کو اس کی ضرورت نہیں پڑے گی میں ایک بار مشعل کا کمرہ صاف کر رہی تھی تو اس کی دراز میں سے کچھ چابیاں نکلی تھیں۔ میں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ وہ کس چیز کی چابیاں ہیں کیونکہ وہ مشعل کی کسی دراز وغیرہ کے چابیاں نہیں تھیں۔ وہ چابیاں پھر گھر کے کسی اور دروازے یا الماری میں بھی نہیں لگیں پھر اتفاقاً مجھے خیال آیا تو میں نے انہیں مہرین کے کمرے پر ٹرائی کیا تو وہ اسی کے کمرے اور الماری اور درازوں کی چابیاں تھیں۔

میں سنبل کی بات پر حیران ہر گیا تھا شاید ممانی ہوتیں تو وہ یہ بات اسے کبھی بتانے نہ دیتیں مگر وہ اس دن گھر میں نہیں تھیں۔

پھر میں اوپر مہرین کے کمرے میں آ گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھولتے ہی میں رک گیا تھا۔ کمرے میں بیحد حبس تھا۔ ہر چیز پر گرد کی ایک موٹی تہ جمی ہوئی تھی۔ کمرے میں جا بجا جالے لگے ہوتے تھے۔ میں دروازہ کھلا چھوڑ کر اندر چلا گیا۔

مجھے یاد تھا شادی کی اگلی صبح میں اسے لے کر کراچی چلا گیا تھا اور پھر میں نے اسے دوبارہ واپس آنے نہیں دیا تھا۔ اس کی سب چیزیں وہیں تھیں۔ میں نے وہ چابیاں مختلف درازوں اور الماریوں میں لگانا شروع کی تھیں اور وہاں کوئی ایسا دراز نہیں تھا جس کی چابی اس کی رنگ کے اندر نہیں۔۔۔۔تھی۔ یعنی مشعل جب چاہتی وہاں آ سکتی تھی۔ اس کی جو چیز دیکھنا چاہتی تھی دیکھ سکتی تھی اور مہرین وہ یہ بات کبھی بھی جانتی نہیں ہوگی۔

میرا دل ڈوبنے لگا تھا۔ میں دعائیں کرتا آیا تھا کہ جسے میں حقیقت سمجھتا رہا تھا وہی حقیقت رہے مگر اس بار میری دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔ ان درازوں اور الماریوں سے نکلنے والی چیزیں میرا منہ چڑا رہی تھیں۔ میں ان سب چیزوں کو بیگ میں بند کر کے گھر لے آیا تھا اور اب ان پچھلے کئی سالوں کی ڈائریوں کو پڑھنے اور ان چیزوں کو دیکھنے کے بعد اب مجھے اس کا سامنا کرنا تھا، اس مہرین منصور کا جس کے سامنے میں بونا تھا۔

05061990

کل رات اس نے میرے چہرے پر تھوک دیا۔ ایسا استقبال آج تک کسی اور دلہن کا نہیں ہوا ہوگا۔ مشعل نے ٹھیک کہا تھا میں واقعی اپنی زندگی سے تنگ آ گئی ہوں۔ اسود علی نے میرے سر سے دوپٹہ اتار کر پھینک دیا تھا۔ میرا دل چاہا تھا میں پھوٹ پھوٹ کر روؤں اور پھر مشعل کا وہ خط۔۔۔۔۔

اور پتا نہیں کیوں لیکن اب میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں مشعل کی باتوں پر اعتبار کر لوں، اس کے حرفوں کا یقین کروں یہ جو ساری دنیا اس کی ہمنوا ہے تو ضرور اس کی باتوں میں کچھ تو سچائی ہوگی ورنہ دنیا اس طرح اس کا ساتھ کیوں دے؟ اور اسود علی نے مجھے پھر

اس لاش کے پاس پہنچا دیا ہے اور کل میں نے سرینڈر کر دیا ہے۔ میں اپنی زندگی بدل نہیں سکتی چاہے

میں کچھ بھی کر لوں۔ وہ کیچڑ سے بھری ہوئی لاش میرا باپ ہی رہے گا اور میں نشہ کرنے والے کی بیٹی ہی کہلاؤں گی۔

سترہ سال پہلے شروع کی جانے والی جدوجہد میں ختم کرتی ہوں۔ میں کبھی بھی زندگی کا یہ جوا نہیں جیت سکتی۔ میں دنیا کے لیے عیسیٰ بن جاؤں تب بھی وہ مجھے صلیب پر ضرور چڑھا گی۔ میں جان گئی ہوں میں اس لاش سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکتی۔

سترہ سال پہلے اسود نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے وڈیو گیم کھیلنا سکھایا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ میں سب کچھ سیکھ سکتی ہوں۔ وہ تب ہاتھ نہ پکڑتا تو میں آج بہت خوش ہوتی اور اب سترہ سال بعد اس نے مجھے دھکا دے کر اسی کنوئیں میں پھینک دیا ہے۔ بہت غلط کیا تھا میں نے یہ شناخت کی لڑائی شروع کر کے۔ بینشان رہنا زیادہ اچھا ہوتا ہے اور اگر میں ویسی ہی رہتی جیسی میں سترہ سال پہلے تھی، خوفزدہ، سہمی، احساس کمتری کا شکار، دوسروں سے مرعوب تو بہت اچھا ہوتا۔

میں سب کی خدمتیں کرتی زندگی گزارتی، کبھی کسی جگہ مقابلہ کا خیال مرے دل میں نہ آتا، جب بڑی ہوتی تو کسی مڈل کلاس فیملی میں مجھے بیاہ دیا جاتا اور اس وقت میں دو تین بچوں کے ساتھ شعور کے عذاب کے بغیر بہت پرمسرت زندگی گزارتی۔ اس زندگی میں کوئی اسفند ہوتا نہ اسود نہ کوئی مشعل۔ مگر میں نے تو برابری کی ٹھان لی تھی اور اب منہ کے بل گرنے کے بعد مجھے پتا چلا تھا کہ میرے پاس تو اڑنے کے لیے پر بھی نہیں تھے مجھے اڑنا کیسے آتا؟

میں سوچتی تھی میرے پاس خوبصورتی نہیں، دولت نہیں، اچھا خاندان نہیں تو پھر مشعل جیسے لوگوں کو ہرانے کے لیے میرے پاس کیا ہے؟ اور تب اچانک پتا چلا تھا کہ ذہن ہے اور تب میں نے سوچا تھا میں دنیا کو اس ذہن سے فتح کروں گی اور میں کرتی

رہی مگر کب تک؟ یہ ہر جگہ کام نہیں آتا۔ اب اس کا جادو ختم ہو گیا ہے اور اب میرے پاس ایسا کچھ نہیں جس سے میں لوگوں کے دل جیت لوں۔ اب میرا سچ لوگوں کو جھوٹ لگنے لگا ہے اور اب مجھے

زوال کا سامنا ہے اور میں ڈوب جاؤں گی۔ میرا دل چاہا تھا میں اسود سے کہوں، تمہاری یہ پابندیاں مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گی تکلیف تو صرف تمہاری زیان پہنچا گی میں بہت گر گئی ہوں بہت زیادہ۔

وہ ٹھیک کہتا ہے ایک وقت ایسا آ گا جب لوگ مجھ پر تھوکیں گے اور شاید میں خود بھی مہرین منصور پر تھوک دوں۔

02011992

آج امی کے مرنے کی اطلاع ملی ہے مجھے اور حسب توقع اسود علی نے مجھے جانے نہیں دیا۔ شاید وہ جانے دیتا تب بھی میں نہ جاتی۔ وہاں جا کر کرنا بھی کیا تھا مجھے؟ آٹھ سال کی عمر میں جب وہ مجھے چھوڑ کر دوسری شادی کر کے چلی گئی تھیں تو بہت دنوں تک میں انہیں ڈھونڈتی رہی تھی۔ نانی سے پوچھنے سے میں ڈرتی تھی۔ مجھے ڈر تھا وہ یہ پوچھنے پر کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔ وہ ان کی بیٹی تھیں اور میری تو صرف ماں تھیں اور پھر کئی دن بعد میں نے انہیں ایک آدمی کے ساتھ میرے ہم عمر ایک بچے کی انگلی تھامے دیکھا تھا اور میں سمجھ گئی تھی میری جگہ کسی اور نے لے لی ہے۔ پھر ان کے اصرار کے باوجود میں ان کے پاس نہیں گئی تھی۔ میں باہر جا کر کھیلنے لگی تھی۔

پھر وہ کچھ ہفتوں بعد اپنے شوہر کے ساتھ باہر چلی گئی تھیں۔ پر ان کی طرف سے میرے لیے ہر ماہ کچھ رقم اور چیزیں ضرور آتی تھیں پھر چیزیں آنا بند ہو گئیں اور صرف چیک آتا رہا اور میرے کندھوں پر ہر ماہ آنے والی اس رقم کا بہت قرض تھا۔ اسی قرض نے مجھے اسفند کوٹھکرا کر اسود کے لیے ہاں کرنے پر مجبور کیا تھا کیونکہ یہ امی کی خواہش تھی

اور میں نمک حرام نہیں تھی۔ محبت وہ مجھ سے کرتی تھیں مگر ان کے گھر میں میرے لیے کبھی جگہ نہیں بن سکی تھی پر مجھے اس کی شکایت نہیں تھی میں ان کی مجبوری جانتی تھی۔

میرے اردگرد تو ہر فرد ہی مجبور تھا۔ اور پھر مشعل کے مرنے پر انہوں نے بھی میری طرفداری نہیں کی تھی۔ وہ بھی سب کے ساتھ مل کر مجھ سے یہی پوچھتی رہی تھیں کہ میں نے مشعل

سے کیا کہا تھا؟ مجھے تب بھی ان سے کوئی شکوہ نہیں ہوا تھا۔ ان کے بھائی کے بہت احسان تھے ان پر، وہ احسان فراموشی کیسے کرتیں؟ پھر اسود سے میری شادی کے بعد انہوں نے بہت بار خط لکھے، فون کیے مگر میں ان کا ہر خط واپس بھجواتی رہی ان کی آواز سن کر فون بند کرتی رہی۔ میں دھوکا نہیں دے سکتی تھی اسود کو۔ عفی خالہ اس بات پر ناراض ہو جاتی تھیں مگر میں انہیں کیسے بتاتی کہ میرے کردار پر اتنے داغ پڑ چکے ہیں کہ اب اور کسی داغ کی جگہ ہی نہیں ہے۔

اور اب جب وہ ہمیشہ کے لیے چلی گئی ہیں تو مجھے ان سے صرف ایک شکوہ ہے۔ انہوں نے مجھے پیدا کیوں کیا؟ آخر میری زندگی کا مقصد کیا تھا؟ عفی خالہ نے جانے سے پہلے مجھے کہا تھا:

مہر وتم میرے بیٹے کو بد دعا نہ دینا، اللہ کے واسطے اسے کوئی بد دعا نہ دینا۔ اور میں نے ان سے کہا تھا:

عفی خالہ میری تو کسی کو دعا نہیں لگتی بد دعا کیا لگے گی؟

اور یہ سچ تھا میں تو گناہ گار ہوں بہت سے لوگوں کی، مشعل کی، لینا گردیزی کی، سارہ کی، اسفند کی، اسود کی، ہر ایک کی ضرور، میں نے ہی کچھ غلط کیا ہوگا جو مجھے یہ سب بھگتنا پڑ رہا ہے۔

عفی خالہ چاہتی تھیں میں روؤں، بہت روؤں پر میں آنسو کہاں سے لاتی؟ رونا بھی تو ہر ایک کے مقدر میں نہیں ہوتا۔ پھر میرے پاس آنسو کہاں رہے ہیں اور فرق بھی کیا

پڑے گا؟ پہلے بھی ہم لوگوں کے درمیان رابطہ کم تھا۔ ڈیڑھ سال سے وہ مکمل ختم ہو چکا ہے اور آئندہ آنے والے سالوں میں بھی اسود ایسا کوئی رابطہ ہونے نہیں دیتا یہ رشتہ تو میں ڈیڑھ سال پہلے ہی قبر میں دفن کر کے سو چکی ہوں اب اس پر آنسو کیا بہاؤں؟

14121992

عفی خالہ نے آج مجھے کہا تھا:

تم بہت صبر والی ہو مہرین دیکھنا تمہیں اس کا کتنا اجر ملے گا۔

یہ صبر میری مجبوری ہے۔ مرضی نہیں اور ایسے صبر کا کوئی اجر نہیں ہوتا عفی خالہ۔

میں نے ان سے کہا تھا پتا نہیں کیوں وہ مجھے دیکھ کر رونے لگتی ہیں؟ وہ اپنے آپ کو میرا مجرم سمجھتی ہیں۔ حالانکہ مجرم تو میں ہوں ان کی، سب کی۔

مجھے مشعل کہتی رہتی تھی پھوپھو مہرین اسود کو بہت پیار کرتی ہے بہت پسند کرتی ہے آپ خدا کے لیے مہرین کی شادی اسود سے کروا دیں، وہ دونوں بہت خوش رہیں گے۔ پھر مجھے کیا پتا تھا کہ تمہیں اس طرح زندگی گزارنی پڑے گی۔

میں کسی اچنبھے کے بغیر ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔ مشعل کا بھی کیا قصور تھا۔ اس نے بھی کچھ سوچ کر ہی کہا ہوگا۔ اسے میری اتنی پروا رہتی تھی اور میں۔ میں پتا نہیں کیا ہوں کہ اسے مرنے پر مجبور کر دیا؟ پتا نہیں مشعل مجھے کبھی معاف کرے گی یا نہیں۔

میرا دل چاہتا ہے وہ ایک بار زندہ ہو جاتو میں ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگوں۔ وہ اتنی خوبصورت اتنی محصوم تھی اور میں۔ پتا نہیں میں نے ایسا کیوں کیا؟

01041993

آج عفی خالہ بھی مر گئیں پھر کسی دن میں بھی مر جاؤں گی پھر اسود بھی۔ یہ پورا گھر خالی ہو جا گا اور اسود سوچتا ہوگا کہ اسے میری بد دعا لگی ہے جو وہ اپنی ماں کا چہرہ آخری بار

نہیں دیکھ سکے گا۔ مگر ایسا تو نہیں تھا۔ میں بد دعا نہیں دے سکتی۔ بد دعا دینے سے کیا ہوگا؟

گزرا ہوا وقت واپس آ جا گا؟ امی واپس آ جائیں گی؟ سب کچھ ٹھیک ہو جا گا؟ نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا تو پھر بد دعا دینے کا فائیدہ۔

پھر عفی خالہ سے تو میں بہت پیار کرتی تھی۔ ان کے ہونے سے مجھے تنہائی کا احساس نہیں ہوتا تھا پر آج کے بعد مجھے تنہائی کا عذاب بھی جھیلنا پڑے گا۔ مجھے اور عفی خالہ دونوں کو پتا تھا کہ اب وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہیں گی۔ ان کی آنکھوں میں زندگی کی چمک بہت دنوں

سے ختم ہو گئی تھی۔ انہوں نے مجھ سے بھی بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔ بات کرتیں بھی تو ہر وقت معافی مانگتی رہتیں۔ انہیں لگتا تھا یہ سب ان کی وجہ سے ہوا ہے، نہ وہ مجھے شادی پر مجبور کرتیں نہ میرے ساتھ یہ ہوتا مگر میں انہیں کہتی رہتی ہوں کہ یہ ان کی وجہ سے نہیں ہوا میرے گناہوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ اگر کوئی ذمہ دار تھا تو میں تھی پھر بھی وہ رونے لگتی تھیں اور جب رونا بند کرتیں تو گھنٹوں چپ لیٹی رہتیں۔

پتا نہیں اسود کو کیوں پتا نہیں چلا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ مر رہی ہیں اور جب وہ دو ماہ کے لیے باہر جا رہا تھا تو میرا دل چاہا تھا میں اسے بتاؤں کہ اب شاید واپسی پر اسے عفی خالہ کی صورت نظر نہیں آ گی مگر میں نے اسے نہیں بتایا۔ میں کون سی ولی تھی پھر عفی خالہ تو مجھے بہت پیار کرتی تھیں۔

آج گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس وقت کچھ جاگ رہے ہوں گے کچھ سو رہے ہوں گے اور ہاسپٹل میں رکھی ہوئی عفی خالہ کو صبح دفن کر دیا جا گا اور پتا نہیں اسود اس وقت امریکہ میں بیٹھا کیا سوچ رہا ہوگا شاید رو رہا ہوگا۔ پر میں تو نہیں روئی تھی پھر اسے رونے کی کیا ضرورت ہے۔ بھلا رونے سے کیا ہوتا ہے پھر لوگوں کو تو مرنا ہی ہے، کیا ہم انہیں روک سکتے ہیں؟

کل اسود نے مجھ سے کہا کہ اس نے خالہ کی آخری خواہش کے احترام میں مجھے معاف کردیا۔ پر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اب معاف کرنے سے کیا ہوگا؟ اس نے تو معاف کردیا پر کیا اللہ معاف کردے گا، کیا لوگ معاف کردیں گے، کیا مشعل معاف کردے گی، کیا اسفند معاف کردے گا، کیا لینا معاف کردے گی، کیا سارہ معاف کردے گی، کیا نانی معاف کردیں گی، کیا مشعل کے گھر والے معاف کردیں گے؟

ایک معافی سے کیا ہوتا ہے میں نے پتا نہیں کس کس کا دل دکھایا ہے، کس کس کو دھوکا دیا ہے، کس کس سے جھوٹ بولا ہے پھر ایک کے معاف کردینے سے کیا ہوتا ہے؟

اسود نے کہا اب مجھ پر کوئی پابندی نہیں ہے، چاہوں تو جہاں مرضی جاسکتی ہوں۔ اب مجھے الگ کھانا پکانا نہیں پڑے گا، ہمیشہ سبزی اور دال نہیں کھانی پڑے گی۔ جو لباس چاہوں میں پہن سکتی ہوں۔ نئے زیور بھی پہن سکتی ہوں اور کارپٹ کی بجا بیڈ پر سوسکتی ہوں، اور میں باہر لان میں، اوپر چھت پر بھی جاسکتی ہوں، پر میں یہ سب کیسے کروں گی اور ان سب کا فائدہ کیا ہوگا؟ مجھے تو دالوں اور سبزیوں کے علاوہ ہر چیز کا ذائقہ بھول چکا ہے پھر میں ان چیزوں کو کیسے کھاؤں گی اور نئے کپڑے اور زیور پہننے سے کیا ہوگا، انہیں پہن کر میں کیا کروں گی؟ جو کپڑے میں اب پہنتی ہوں یہ اچھے ہیں، مجھے ان سے پیار ہے پھر میں انہیں کیسے چھوڑ دوں اور بیڈ پر سونے سے کیا ہوگا مجھے بیڈ پر نیند آ گی؟

اور مجھے کہاں جانا ہے، کس سے ملنا ہے؟ باہر کوئی بھی تو ایسا نہیں جو مجھ سے ملنا چاہتا ہو میری جیسی لڑکی سے کون ملنا چاہے گا جو بدصورت ہے، جھوٹی ہے اور ہر ایک کو دھوکا دیتی ہے اور پھر میں جہاں جاؤں گی لوگوں کو پتا چل جا گا کہ میں کتنی بری ہوں پھر ہوسکتا ہے وہ بھی مجھ پر تھوکنے لگیں یا مجھے پتھر ماریں۔

میں اب باہر جانا نہیں چاہتی ہاں مگر لان میں جانا چاہتی ہوں میرا دل چاہتا ہے میں

وہاں جا کر گہرے گہرے سانس لوں، میں کھلی ہوا کو ہاتھ لگاؤں، میں پھولوں کو پیار کروں، میں پرندوں کو دیکھوں، میرا دل چاہتا ہے میں گھاس پر بھاگوں اتنا بھاگوں اتنا بھاگوں کہ میرے پاؤں تھک جائیں، مجھ سے سانس نہ لیا جا پھر میں گھاس پر گر جاؤں اور آنکھیں بند کر کے وہیں سو جاؤں پھر بارش ہونے لگے پر میں آنکھیں نہ کھولوں۔ ویسے ہی آنکھیں بند کیے چت لیٹی رہوں اور بارش کا پانی میرے چہرے کی ساری بدصورتی، ساری مکاری، ساری خباثت صاف کر دے پھر میرا تو چہرہ ہی ختم ہو جا گا یہ تو بنا ہی جھوٹ اور فریب سے ہے پھر بارش کا پانی تو اسے گھلا دے گا پھر بھی میرا دل چاہتا ہے میں کھڑکی سے باہر نظر آنے والے آسمان کے نیچے چلی جاؤں وہاں سب کتنا خوبصورت ۔۔۔۔

---- ---- ---- ---- ----------

15051993

پتا نہیں روپوں کو کیسے خرچ کرتے ہیں اور زیادہ روپوں کو کیسے خرچ کرتے ہیں؟ مجھے یاد نہیں آ رہا ہے بھول گیا ہے شاید۔ اب جب مشعل یا سارہ یا شیبا یا لینا یا رخشی یا لیلی آئیں گی تو میں پوچھ لوں گی پر روپے بہت خوجھوت ہوتے ہیں۔

صبح جب اسود نے مجھے روپے دیے تھے تو میں ڈر ہی گئی تھی، بھلا روپے مجھے کیا کرنے تھے؟ سب کچھ تو مل جاتا تھا۔ پھر اتنے سالوں بعد مجھے تو نوٹوں کی شکل بھی بھول گئی تھی۔ اس نے کہا تھا انہیں خرچ کر لینا۔ میں بہت دیر تک انہیں پکڑے سوچتی رہی تھی کہ خرچ کیسے کرنا چاہیے؟ پھر میں نے سوچا خرچ نہیں کرنا چاہیے رکھ لینے چاہئیں کبھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ پھر میں نے وہ گنے تو وہ بہت سارے تھے، میں نے انہیں الگ الگ کیا، ان کے حصے بنا اب میں سوچتی ہوں کہ کچھ روپوں سے میں کتابیں لوں گی کچھ میں رخشی کے پاس رکھوا دوں گی، کچھ میں یونیورسٹی میں خرچ کرنے کے لیے رکھوں

گی، کچھ میں بنک میں رکھوں گی، کچھ میں کسی کو دے دوں گی، کچھ میں اپنے پاس رکھوں گی، کچھ میں کپڑوں پر خرچ کروں گی، کچھ میں امی کو دے دوں گی۔ لیکن پتا نہیں میں جب کپڑے دھونے گئی تھی تو میں نے انہیں کہاں رکھ دیا تھا۔

ابھی میں نے انہیں ہر جگہ ڈھونڈا ہے مگر وہ مجھے ملے ہی نہیں۔ میں نے سوچا ہے سارہ سے کہوں گی کہ وہ انہیں ڈھونڈ دے، اسے ہر چیز بڑی آسانی سے ملتی ہے۔ پھر مجھے لگتا ہے کہ شاید اسود نے انہیں لے لیا ہے۔ اسے نہیں لینا چاہیے تھا، وہ میرے روپے تھے، اسے میری چیز نہیں لینی چاہیے تھی۔ لیکن میں نے اس کے درازوں میں اس کے تکیے کے نیچے اس کے کپڑوں کی جیبوں میں تلاش کیا تھا۔ وہاں اور والے روپے تھے۔ لیکن میرے نہیں تھے شاید اس نے انہیں چھپا دیا ہے۔ لیکن ابھی جب سارہ آ گی تو میں اس سے کہوں گی وہ مجھے ڈھونڈ دے گی۔ میری اکثر چیزیں وہی ڈھونڈتی ہے مجھے تو ملتی ہی نہیں ہیں۔

27051993

پتا نہیں میں مشعل جیسی خوبصوت کیوں نہیں ہوں؟ اتنے اچھے کپڑے پہنے ہیں میں نے اور زیور بھی مگر بہت بدصورت لگ رہی ہوں بلکہ زیور اور کپڑے پہن کر پہلے سے بھی زیادہ بری لگ رہی ہوں۔ میں نے مشعل سے کہا تھا کہ وہ مجھے تیار کرے پھر میں بھی خوبصورت لگوں گی پر مشعل کے پاس وقت نہیں تھا۔ اس نے یونیورسٹی جانا تھا۔ اس نے مجھے کہا ہے کہ اگلی بار وہ مجھے خود تیار کرے گی پھر میں خوبصورت ہو جاؤں کی مشعل کی طرح پھر سب لوگ مجھ سے بھی مشعل کی طرح محبت کریں گے۔

ابھی جب میں یونیورسٹی جاؤں گی تو میں مشعل کے پاس ہی جا کر بیٹھوں گی آخر وہ اتنی پیاری ہے حالانکہ سارہ مجھے کہتی ہے کہ میں بہت پیاری ہوں پر مجھے یقین ہی نہیں آتا۔ وہ بھی میری طرح بہت جھوٹ بولتی ہے۔ ویسے وہ اچھی بھی بہت ہے میرے

بہت کام آتی ہے، میں نے انہیں کہا ہے وہ میرے گھر آیا کریں۔ ہم مل کر پیپرز کی تیاری کریں گے۔ ویسے میں نے انہیں کہا ہے کہ جب اسود آ جایا کوئی اور تو وہ سب چلی جایا کریں اسود پسند نہیں کرتا نا اس لیے۔ مگر اب کیا اسود کی وجہ سے میں اپنے دوستوں سے ملنا چھوڑ دوں؟ اب میں گھر سے باہر تو جاتی نہیں ہوں تو پھر میری دوستوں کو تو یہاں آنا ہی چاہیے نا ورنہ میں ان سے کہاں ملوں؟

میں نے اسفند سے کہا ہے کہ وہ مجھے کچھ بکس گفٹ کرے۔ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے آیا تھا تو میں نے اسے کہا تھا کہ وہ جلدی مجھ سے ملنے آیا کرے، اتنی بار اس سے کہتی ہوں پھر وہ آتا ہے لیکن اسے بہت کام ہوتے ہیں، پھر مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں اس سے اتنا اصرار کروں۔ وہ سمجھے گا کہ پتا نہیں کیوں میں اسے بار بار بلا رہی ہوں حالانکہ میں تو بس اس سے اسٹڈیز کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔

وہ نوٹس اچھے بناتا ہے۔ میں بھی اچھے نوٹس بناتی ہوں مگر مجھے لگتا ہے کہ اس بار میں اس سے اچھے مارکس نہیں لیسکوں گی۔ اس کی تیاری بہت اچھی ہے۔ ایک اور بات بھی کہی تھی میں نے اسفند سے پتا نہیں یاد نہیں آ رہی، میں بہت سوچ رہی ہوں مگر وہ بات بھول گئی

ہے جب مجھے یاد آ گی تو میں ڈائری میں لکھ دوں گی۔

20061992

کل اسود مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اسے مجھ سے بہت محبت ہے۔ آج اسفند بھی یہی کہہ رہا تھا، مشعل بھی، سارہ بھی، شیبا بھی، رخشی بھی، لیلی بھی، سب کہتے ہیں کہ وہ مجھ سے بیحد محبت۔۔۔ ابھی جب میں نے سب کو پارٹی میں بلایا تھا تو سب بہت خوش تھے۔ ہم نے گانے گا۔ میں نے سب کے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا پکایا۔ سب بہت تعریف کر رہے تھے پھر اسود آ گیا۔ سب چپ ہو گئے، پریشان ہو گئے۔ اسود پسند نہیں کرتا کہ

سب یہاں پر آئیں پر اس نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ مجھے برا لگا مگر پھر میں نے۔۔۔۔

عفی خالہ آج اصرار کر رہی تھیں کہ میں زیور پہنوں، انہوں نے بار بار ضد کی پھر مشعل نے بھی ضد کی تو میں نے مشعل سے کہا کہ تم زیور پہن لو تو پھر اس نے پہن لیے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ سارہ نے مجھے ایک گفٹ دیا تھا پر یاد نہیں کہ وہ کیا۔۔۔۔

061992

آج یونیورسٹی میں سب کہہ رہے تھے کہ میں بہت اچھی ہوں، تعریف کر رہے تھے پتا نہیں کس نے کہا تھا کہ میری آواز بہت اچھی ہے میں نے کہا تھا۔۔۔ میرا دل نہیں چاہا آج کہیں جانے کو مجھے بخار تھا میں سارا دن سوتی رہی۔ دوپہر کو شیبا آ گئی تھی وہ مجھے اپنے گھر لے جانا چاہتی تھی میں نے کہا کہ آج میں مصروف ہوں، مجھے پڑھنا ہے ایگزام سر پر آ گئے ہیں پھر میں سارا دن پڑھتی رہی۔ میں روز پڑھتی ہوں۔ اب میں کہیں نہیں جاتی، پارٹی میں بھی نہیں۔ میرے ایگزام ہیں میں نے اسی لیے صبح سے پڑھنا شروع کیا تھا۔

شام کو اسود ایک ہوٹل میں کھانے پر لے گیا۔ وہاں مشعل بھی تھی وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی لیکن میں زیادہ خوبصورت۔۔۔۔۔۔

ابھی مجھے بہت کام کرنا ہے رات کا کھانا بنانا ہے، ابھی میں بہت مصروف۔۔۔

1993

ڈر لگ رہا۔۔۔ تھا آج مجھے امی یاد آ رہی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا وہ صبح آ۔۔۔ اسفند کو میں نے آنے کو کہا تھا اس نے کہا تھا:

یونیورسٹی میں آج سب نے مجھ سے آٹوگراف لیے۔ میں نے اپنا نام لکھا اور۔۔۔

mansoor, mehreen mansoor, mehreen mansoor, ۔

mehreenmansoor, mehreen mansoormehreen

mansoor سارہ آج ناراض تھی پر مان گئی میں نے اسے۔۔۔صبح عفی خالہ بھی مجھ سے ناراض۔۔۔اسود مجھے کہہ رہا تھا اسے مجھ سے بہت محبت۔۔۔آج میں مشعل کے لیے ایک گفٹ خریدوں گی اسے۔۔ابو کو نشہ نہیں کرنا چاہیے میں نے انہیں کتنی بار۔۔۔

آخری بار ڈائیری پر لکھی گئی تحریر پر تاریخ نہیں تھی اور جو آخری تاریخ ڈائیری پر لکھی تھی وہ ڈیڑھ ماہ پہلے کی تھی اس کے بعد چند صفحات لکھے گئے تھے اور اس کے بعد کیا ہوا تھا کیا وہ ڈائیری لکھنا بھول چکی تھی یا ڈائیری ڈھونڈ نہیں سکی تھی؟

اس لفافے کے اندر صرف ایک ڈائیری تھی اور اس ڈائیری کے ختم ہونے کے بعد اس نے کاغذات کو اسٹیپلر کے ساتھ اسٹیپل کر کے چھوٹی چھوٹی ڈائیریاں بنائی ہوئی تھیں۔ لاہور سے واپس آنے کے بعد میں نے اس کی اگلی ڈائیری ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی اور مجھے زیادہ دقت نہیں ہوئی تھی۔ڈریسنگ ٹیبل کی ایک دراز میں وہ لفافہ مل گیا تھا جس میں ڈائیریاں تھیں۔

وہ اس وقت سو رہی تھی۔ بہت دیر تک ڈائیریاں ہاتھ میں لیے بیٹھے رہنے کے بعد پتا نہیں کیوں میرا دل چاہا کہ میں مہرین منصور کا چہرہ دیکھوں۔ اس مہرین منصور کا جس سے میں واقف نہیں تھا اور جس کے سامنے ہم سب کیڑے تھے، میں، مشعل، خاندان کے سب لوگ۔

میں نے ٹیبل لیمپ بجھا کر کمرے کی لائیٹ آن کی۔ بیڈ کے دوسری طرف جا کر میں پنجوں کے بل اس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ سینے تک چادر اوڑھے سو رہی تھی۔ میں نے اس کا چہرہ دیکھا۔ زرد رنگت اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں والا چہرہ۔ یہ وہ چہرہ تو نہیں تھا جسے میں نے تصویروں اور وڈیوز میں دیکھا تھا۔ مجھے سات سال کی وہ بچی یاد

آ گئی جسے میں اپنے ساتھ لیے پھرا کرتا تھا۔تب میں صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ ہنسے، یوں چپ نہ رہے اور جب اس نے یہ دونوں باتیں سیکھ لیں تو میں نے بڑی بیرحمی سے انہیں چھین لیا تھا۔

بیرون ملک جانے تک وہ میری بیسٹ فرینڈ تھی میں مانگے بغیر ہی اسے اپنی ہر چیز دے سکتا تھا اور دے دیتا تھا مجھے لگتا تھا کہ اگر میں مہرین سے دوستی نہیں رکھوں گا تو اور کون رکھے گا؟ امی مجھے اس کا خیال رکھنے کو کہتی تھیں وہ نہ بھی کہتیں تب بھی پتا نہیں مجھے کیوں اس سے انس تھا۔

وہ مجھے اپنے اسکول کی باتیں بتایا کرتی تھی اور میں دلچسپی نہ ہوتے ہو بھی دلچسپی لینے کی کوشش کیا کرتا تھا میں اسے جو کچھ سنایا کرتا تھا اور وہ ہر جوک پر ہنستی تھی، اس جوک پر بھی جس پر کوئی اور نہیں ہنستا تھا۔لیکن پتا نہیں باہر جانے کے بعد کیا ہوا تھا کہ ہماری دوستی ختم ہوگئی اور اب مجھے پتا چلا تھا کہ ہوا کیا تھا۔

مشعل کے پاس مہرین کے کمرے اور درازوں کی چابیاں تھیں وہ مہرین کی عدم موجودگی میں وہاں جاتی ہوگی۔اس کی ڈائری پڑھتی ہوگی۔مہرین میرے لیے کیا فیلنگز رکھتی ہے یہ اس نے وہیں سے جانا ہوگا اور پھر اس نے بڑی مہارت سے ہم دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔وہ مہرین سے مجھ سے منسوب ایسی باتیں کہتی رہی تھی جو میں نے کبھی نہیں کہی تھیں اور مجھ سے مہرین کی ہمدرد بن کر اس کے بارے میں ایسی باتیں کہتی رہی تھی کہ میں مہرین سے برگشتہ ہو گیا تھا۔

ہر دفعہ میری اور مشعل کی باتوں میں مہرین کہاں سے آ جاتی تھی یہ بھی میں نے اب جانا تھا۔یہ مشعل تھی جو کسی نہ کسی حوالے سے مہرین کا تذکرہ شروع کیا کرتی تھی۔لیکن مشعل مہرین سے جیلس کیوں ہوگئی تھی شاید اس اہمیت کی وجہ سے جو یک دم مہرین کو ملنے لگی تھی، وہ مہرین جسے آج تک مشعل کے سامنے fiddle 2nd کی حیثیت حاصل تھی۔

یک دم ہی اس

نے مشعل کو nobody سے somebody کر دیا تھا۔ پھر مہرین کی ڈائری پڑھ کر وہ جانتی رہتی تھی کہ مہرین اسے ہرانا چاہتی ہے، اسے نیچا دکھانا چاہتی ہے، اس سے آگے بڑھنا چاہتی ہے اور مہرین کی نفرت نے مشعل کو اور برہم کر دیا تھا۔

مجھے مشعل نے ایک ہتھیار کی طرح استعمال کیا تھا لیکن جب اسے یہ پتا چلا کہ اب مہرین کی زندگی میں میری اہمیت نہیں رہی اب وہاں کوئی اسفند آ چکا ہے تو وہ مجھ سے جان چھڑانے کا سوچنے لگی۔ وہ میرے سامنے رو رو کر یہی ظاہر کرتی رہی کہ وہ میرے بغیر مر جائے گی اور میری امی زیادتی کر رہی ہیں لیکن در پردہ وہ میری امی کو بتاتی رہی کہ مہرین مجھے بہت پسند کرتی ہے اور مجد سے شادی کرنا چاہتی ہے۔

میں بڑے آرام سے ایک احمق کی طرح اس کے ہاتھوں بیوقوف بنتا رہا اور مجھے کبھی اس کا احساس نہیں ہوا اور پھر مشعل نے اسفند کے پاس جا جا کر اسے مہرین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ بیوقوف نہیں تھا اس لیے اس نے ان باتوں پر دھیان نہیں دیا اور پھر پتا نہیں کیسے مشعل خود اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی اور اس رات شدید غصے میں آ کر اس نے خودکشی کر لی شاید اس نے سوچا تھا کہ مجھے اور اسفند کو مہرین کے بارے میں خط لکھ کر وہ اس کی زندگی بھی برباد کر دے گی اور ایسا ہی ہوا تھا، مشعل کی قربانی بیکار نہیں گئی تھی۔ مین نے اور اسفند نے بالکل وہی کیا تھا جو اس نے سوچا تھا۔ کیوں مشعل اس سے اتنی نفرت کرنے لگی کہ وہ اپنی جان پر کھیل گئی صرف مہرین کو تباہ کرنے کے لیے۔

شاید تب تک حسد اور صدمے نے اسے بہت حد تک ذہنی طور پر ابنارمل کر دیا تھا۔ وہ شعوری اور لاشعوری طور پر خود کو مہرین سمجھنے لگی تھی۔ وہ جانتی تھی میں ملک سے باہر رہتا ہوں اس لیے کبھی بھی اس کی باتوں کی حقیقت نہیں جان سکوں گا۔ اس لیے وہ مہرین کی ہر کامیابی پر اپنے نام کا ٹھپہ لگا کر میرے سامنے پیش کر دیتی تھی اور میں اس پر یقین کر لیتا تھا شاید ذہنی طور پر مشعل بھی مہرین سے متاثر تھی پر وہ یہ بات ماننے پر تیار نہیں تھی

لیکن لاشعوری طور پر اس کے رویے مہرین کی طرح ہو گئے تھے۔

مہرین کی ڈائریوں میں بہت جگہ ایسے جملے لکھے تھے جو میں مشعل کے منہ سے سن چکا تھا اور اسے داد بھی دے چکا تھا پر اب مجھے پتا چلا ہے کہ مشعل کے پاس تو لفظ تک اپنے نہیں تھے وہ شاید میرے سامنے لاشعوری طور پر مہرین بن جاتی تھی۔ اس کی طرح باتیں کرتی تھی اس کی کامیابیوں کو اپنے نام سے پیش کرتی تھی اور مجھ سے ملنے والی داد اس کی انا کو تسکین پہنچاتی ہو گی کیونکہ میں وہ واحد آدمی تھا جو اس کی ان خوبیوں، ان صلاحیتوں کی تعریف کرتا تھا جو اس میں تھیں ہی نہیں اور مشعل اپنی ساری خوبصورتی، ساری مکاری، ساری چالاکی کے ساتھ اس وقت اپنے ہاتھوں کھودی ہوئی قبر میں تھی، یہ سوچتے ہو کہ اس نے مہرین کو شکست دے دی ہے اور مہرین منصور اپنی عام صورت، اپنی ذہانت، اپنے سچ، اپنے حوصلے کے ساتھ ابھی بھی زمین کے اوپر تھی، زندہ تھی، یہ سوچتے ہو کہ وہ ہار چکی ہے اور میں تھا جو اپنی ساری ذہانت، صاف گوئی اور سچ کے ساتھ ایا جھوٹ کو پروان چڑھاتا رہا یہاں تک کہ یہ جھوٹ اتنا طاقتور بن گیا کہ اس نے سچ کو ہڑپ کر لینے کی کوشش کی مگر سچ پھر بھی جیت گیا تھا اور میرا کردار ایک preacher ایک reformer سے گھٹ کر صرف ایک تماشائی کا رہ گیا تھا۔

جنہیں سچ سے محبت ہوتی ہے اور جو سچے ہوتے ہیں وہ میرے اور مشعل کی طرح چلاتے نہیں پھرتے۔ خود کو اصول پرست، صاف گو، کھرے اور پتا نہیں کس کس لیبل کے ساتھ پیش نہیں کرتے، وہ مہرین کی طرح ہوتے ہیں جنہیں خود اپنی پہچان نہیں کروانی پڑتی نہ اپنا تعارف کروانا پڑتا ہے، لوگ جان جاتے ہیں کہ وہ کون ہیں اور جو نہیں جان پاتا وہ اسود علی ہوتا ہے خود ساختہ سچا اور reformer self جسے پھر اپنے کیے پر ساری عمر پچھتانا ہوتا ہے۔

اور یہ پچھتاوا تو اب ساری عمر میرے ساتھ رہے گا کیونکہ مہرین منصور کو ہمیشہ میرے سامنے رہنا تھا اور مجھے اس سے نظر بھی ملانی تھی بات بھی کرنی تھی اور یہ سب ساری عمر

ہونا تھا اور میں اب کیسے اسے کبھی کہہ پاؤں گا کہ مجھے سچ سے محبت ہے اور جھوٹ سے بیپناہ نفرت؟ وہ میری بات پر اتنا ہنسے گی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں گے۔

میں نے ایک بار پھر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ میرا دل چاہا میں اس کے چہرے کو ہاتھ لگاؤں۔ ہت نرمی سے میں نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

سب کچھ ٹھیک ہو جا گا مہرین، سب کچھ ٹھیک ہو جا گا۔ میں تمہارے لیے اس ملک کے سب سے بہترین سائیکاٹرسٹ کا انتظام کروں گا۔ میں تمہارے سب دوستوں کو واپس لاؤں گا۔ میں تمہیں وہ سب واپس دلاؤں گا جو تم نے خود حاصل کیا۔ اور پھر میں تم سے کہوں گا کہ تم مجھے معاف کر دو۔ اور مجھے وہ پرانا اسود علی بن جانے دو جس کی زندگی میں مشعل اکبر نہیں تھی اور جو لوگوں سے بدلہ نہیں لیا کرتا تھا۔

میں نے اس سے سرگوشی کی تھی۔ یک دم اس کا چہرہ میری آنکھوں میں دھندلا گیا اور پتا نہیں کہاں سے پانی آ گیا تھا۔

تم جزا سزا کا اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش مت کرو۔ تمہیں کیا پتا کون گناہگار ہے کون بیگناہ؟ یہ علم تو اللہ کے پاس ہے اور یہ اختیار بھی اس کے پاس رہنے دو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں پچھتانا پڑے۔

میرے کانوں میں بہت عرصے پہلے امی کی کہی ہوئی بات گونجی تھی۔ میں نے اس کا چہرہ دیکھتے ہو آنکھوں کی نمی کو صاف کرنے کی کوشش کی مگر پانی تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

The End---- --- --- -------اختتام

درامید کے دریوزہ گر

از

آسیہ مرزا

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

انتساب

سچے برحق سائیں

کے نام

اس بہتی ریت کے دریا پار

کیا جانے ہیں کیا کیا اسرار

تم آقا چاروں طرفوں کے

اور میرے چار طرف دیوار

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

پیش رفت

غم دکھ ہر حالت میں زہر ہے، چاہے یہ دکھ اجتماعی ہو یا انفرادی۔ کسی کا رونا ایک حساس شخص کا رونا بھی بن جاتا ہے، اور حساس شخص اگر ادیب ہو،تو وہ یہ غم لفظوں کے قالب میں ڈھالتا ہے۔

جنگ اپنی یا دوسروں کی، اگر حق کی ہے تو اس کا ساتھ ضرور دیجئے۔ یہ نہ سوچیں کہ ہم نہ رہیں گے یہ سوچیں غم بھی نہ رہیں گے۔

اس کتاب کے حوالے سے میں صرف یہ کہوں گی کہ ہوسکتا ہے کہ اس میں ایک قاری کی تسکین کا سامان نہ ہو مگر نہ جانے کیوں خوش گمان سا یقین ہے کہ اسے پڑھ کر آپ بھی میرے ساتھ اس جنگ میں شامل ہو جائیں گے۔ رواج، روایتیں، رسمیں اگر پھول جیسی ہوں تو ان کی ڈور تھامے کوئی نہیں تھکتا، خوشبو کا سفر محسوس ہوتا ہے مگر یہی روایتیں خنجر کی نوکوں اور ببول جیسی ہوں تو ان پر چلنے والوں کے پیر لہولہان ہو جاتے ہیں۔ روح جھلس جاتی ہے۔

اور یہ بھی سچ ہے کہ روشنی کی منزل خود چل کر کبھی نہیں آتی۔ منزل کے لئے سفر کا شعور ضروری ہے کوئی روزن، در، کھولنا ضروری ہے، اک ذرا سی روشنی کی لکیر دبیز اندھیرے کا سینہ چیر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اور یہی شعور میں اس کہانی میں پیدا کرنے کی ادنیٰ سی کوشش کی ہے۔

معروف شاعر امجد اسلام امجد صاحب نے اس حوالے سے بڑی خوبصورت بات کہی ہے۔

بشارتوں کا ورد ان کے لئے نہیں ہے جو منتظر ہیں
سکوں کی منزل خود آپ چل کر قریب آئے
حصول منزل بنا سفر کے نہ ہو سکا ہے کبھی نہ ہوگا
مسافروں کے لئے سفر کا شعور لازم

درِامید کے دریوزہ گر ماہنامہ کرن کراچی میں قسط وار شائع ہونے والا ناولٹ جس کو پہلی بار کتابی شکل میں محترم مبین خٹک صاحب شائع کرر ہے ہیں۔ میں نے اپنی ہر تحریر کو پوری دیانت، محنت اور توجہ سے لکھا ہے۔ مجھے آپ کے تبصروں اور تعمیری تنقید کا بڑی شدت سے (معرفت ناشر) انتظار رہے گا۔

مخلص

درامید آسیہ مرزا

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ناول کا آغاز

شیشوں اور اون کے بنے جگمگ کرتے گلے اس کے سامنے رکھے تھے اس کی آنکھیں تشکر سے بلقیس پر اٹھیں۔

اتنی محنت کیوں کرتی ہے تو میرے لئے بلقیس۔اس کی نازک سفید انگلیاں بلقیس کے گندمی ہاتھوں پر جم گئیں۔تیرے یہ ہاتھ دکھ نہیں جاتے۔

حویلی کے باغیچے کے آخری گوشے میں کھجور کے درخت کے نیچے وہ یہ لمحات بلقیس کے ساتھ گزار کر مسرور ہوتی تھی۔بلقیس آج بڑے خوبصورت گلے اور گلا پٹی اس کے لئے بنا کر لائی تھی۔

سائیڑن تم جب ایسا بولتی ہو نا تو میں خود کو کوئی بہت وڈی شے سمجھنے لگتی ہوں۔یہ کون سا مشکل کام ہے کہ ہاتھ پیر دکھیں۔بس تم پہن لو،تو سمجھوں میری محنت وصول ہوگئی۔

کتنی دفعہ کہا ہے سائیڑن نہ کہا کر مجھے،صرف زیمل بولا کر۔اس نے پیار بھری سرزنش کی۔بلقیس مسکرا دی۔

ادی زیمل میرے کہنے نہ کہنے سے فاصلے تو اتنے ہی رہیں گے نا۔

فاصلے صرف سوچ اور احساس سے جنم لیتے ہیں،نہ سوچو تو کوئی فاصلہ نہیں۔اس بڑی حویلی میں زیورات سے لدکر بھی میں ایک لڑکی ہی ہوں۔تمہاری جیسی،بے اختیار،بے حیثیت۔بس میرے پاس اچھے کپڑے،بہت سے زیورات اور بہت زیادہ فراغت ہے۔چھوڑ یہ بتا تو یہ سارا کام کس وقت کرتی ہے۔سچل ادا تجھے روپیہ پیسہ نہیں دیتا کیا۔

نہ سائیڑن،ادا سچل تو میرا بڑا خیال رکھتا ہے۔یہ تو بس میرا اپنا شوق ہے۔ادی زیمل اک بات پوچھوں۔

ہوں۔

پرسوں رات حویلی میں بڑا چراغاں ہوا تھا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھنا چاہا۔ زیمل نے سر اٹھایا۔

اور یہ بھی پتا ہوگا کیوں؟ اس کا چہرہ اداسی میں ڈھل گیا مگر لبوں پر نرم مسکراہٹ بدستور رہی۔ بلقیس کو حوصلہ ہوا۔

مالکن کیسی ہیں؟ اس کی آنکھوں اور لہجے میں بے پناہ تجسس ٹپک رہا تھا جو فطری تھا۔

حویلی میں وڈیرہ حق نواز کی تیسری بیوی نے قدم رنجہ فرمایا تھا۔ کہنے کو بڑی سادگی سے عقد ہوا تھا مگر وڈیرے کی سادگی یہی تھی کہ حویلی کے طاقچوں کو دیوں سے سجایا گیا، گاؤں کے غریبوں میں دیگوں کے چاول تقسیم ہوئے، پٹاخے چھوڑے گئے تھے، ہوائی فائرنگ ہوئی تھی۔

ہاں بہت اچھی ہے، زینت تیری میری عمر سے بس چند سال ہی بڑی ہوگی۔

اس نے دھیرے سے کہا (اگر ادامہران کی زال بن کر آتی تو اچھا بھی لگتا)

ہائے رب۔ بلقیس کا ہاتھ بے اختیار سینے پر آیا مگر دوسرے لمحے کھسیا کر سر ہلانے لگی۔

سٹھی ہوگی۔

ہوں بہت زیادہ۔ وہ جیسے کسی خیال سے چونک کر بولی۔ اس کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹیں گھل گئیں۔ وہ بلقیس کو دیکھ رہی تھی۔

میں نے سنا ہے تیرا رشتہ آیا ہوا ہے آج کل۔ یہ سوال کرتے ہوئے اس نے بلقیس کے رخساروں پر سرخی آتی محسوس کی۔ وہ بیچاری اس غیر متوقع سوال پر شرما کر گلے تہہ کرنے لگی۔

بس جہاں بیری ہوتی ہے وہاں پتھر تو آتے ہی ہیں نا سائیڑن۔ چھوریاں (لڑکیاں) بیری ہی ہوتی ہیں نا۔ یہ بہت سادہ سا جملہ تھا مگر زیمل حق نواز کے سینے کے اندر دھڑکتے جواں دل کو چھید کر گزر گیا۔

لڑکیوں بالیوں کے لئے بیری کی تشبیہ بہت پرانی تھی اور ان پر پتھر آنے کی مثل بھی

اس نے سن رکھی تھی مگر اسے یہ سوچ زخمی کر رہی تھی کہ۔۔۔۔۔

وہ اور ادی عابدہ بھی تو لڑکیاں ہی تھیں، بیری تھیں ان پر پتھر کیوں نہیں آتے، وہ کیوں درخت سے نہیں جدا ہوتیں۔

مگر نہیں۔

آئے تو تھے، ادی عابدہ جب نوخیز تتلی جیسی رنگین ہوا کرتی تھیں۔ شباب کی کرنوں سے جگمگ جگمگ کرتی تھیں، تب بہت سے پتھر آئے تھے۔ مگر سب حویلی کی ریت روایتوں کی دیواروں سے ٹکرا کر پلٹ گئے، مارنے والے ہاتھ بھی تھک گئے۔ اور ادی عابدہ کی کرنیں

بھی ماند پڑ گئیں۔ تتلی کے رنگ بھی عمر کی سورج سے مرجھانے لگے اور وہ سرخ بیری ایک کمرے کے اندر محصور ہو کر خاموش احتجاج کرتے کرتے تھک گئی۔

رواج، روایتیں، رسمیں پھولوں جیسی ہوں تو ان کی ڈور تھامے کوئی نہیں تھکتا، خوشبو کا سفر محسوس ہوتا ہے۔ مگر یہی روایتیں خنجر کی نوکوں اور ببول کے کانٹوں جیسی ہوں تو ان پر چلنے والے کے پیر لہولہان ہو جاتے ہیں، روح جھلس جاتی ہے۔ ستم یہ ہے کہ ان روایتوں کی سلگتی بھٹی کو گرم رکھنے کے لئے عورت ذات ہمیشہ سے ایندھن کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے۔ اس کے دم سے روایتیں زندہ ہیں، اسی کے وجود سے مرد ذات کا فخر قائم ہے اور جانے کب تک قائم رہے گا۔

ابھی تو ابا سوچ بچار کر رہے ہیں۔ بلقیس کو لطف بھی آ رہا تھا اس موضوع سے، اور شرم سے کٹ بھی رہی تھی۔

اپنے گوٹھ کے ہی ہیں؟

مجھے کیا خبر۔ وہ بیر بہوٹی بن سی گئی۔ زیمل زور سے ہنس پڑی وہ بھی کھسیا کر ہنسنے لگی۔

اسے تو ادھر کو کیا کر رہی ہے؟ سچل کی آواز پر بلقیس کی قل قل یوں بند ہو گئی جیسے کسی نے ہنسی کی پھوار کے آگے ہاتھ رکھ دیا ہو۔ وہ گھاس کے فرش پر سے گھڑی ہو گئی۔

ہزار دفعہ کہا ہے، بابا اپنی اوقات دیکھ، مالکن سے یوں پڑ پڑ نہ شروع ہو جایا کر، یہ تیرے بھیجے میں کوئی بات سماتی ہی نہیں۔ جا گھر جا۔

سچل زیمل حق نواز جے تنبیہی انداز میں سچل کی طرف دیکھا اور اپنی نفیس اجرک کو شانوں پر پھیلا کر بنچ سے کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ لال ہو گیا، آنکھوں میں خفگی چھلک رہی تھی۔ اسے سچل کا یہ لب ولہجہ سخت ناگوار گزرا۔

سائیڑن مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی۔ وہ جلدی سے ہاتھ جوڑ بیٹھا۔

ہاں، میں نے تمہیں پہلے بھی منع کیا تھا کہ بلقیس کو یہاں آنے سے مت روکا کر، نہ مجھ سے باتیں کرنے سے، یہ میری مرضی سے یہاں آتی جاتی ہے۔

ہاں ادا آج تو میں یہ گلے دینے آئی تھی۔ بلقیس کو اسے اپنی حمایت میں بولتے دیکھ کر تقویت ملی۔ اس نے سارے گلے جو ایک صاف ستھرے کپڑے میں بندھ لئے تھے، زیمل حق نواز کی طرف بڑھا دیئے۔

میں اب چلوں گی، اماں راہ دیکھ رہی ہو گی۔ وہ اس سے اجازے لے کر چلی گئی۔

وڈیری نے رخ موڑ کر سچل کو دیکھا جو مجرمانہ انداز میں ایک طرف کھڑا تھا۔

یہ میری ہم عمر ہے، ہم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کر کے خوش ہوتے ہیں، تم نے اس بیچاری کا دل توڑ دیا۔

سائیڑن معافی چاہتا ہوں، ہم کم ہاری لوگ اور آپ رئیس لوگ، کہاں مٹی کہاں آسمان کا جوڑ۔ کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو ہم غریب لوگ مارے جائیں گے۔

سچل تم بابا سائیں کے ملازم ہو، کام کرتے ہو تب بدلے میں پیشہ ملتا ہے۔ کوئی خیرات تم بھی نہیں لیتے۔

یہ آپ برے لوگوں کی مہربانی ہے سائیڑن، کہ آپ ہم کو عزت دیتے ہیں۔ پرادی یہ بڑی اونگی بونگی ہے، اور ایک وہ چریا سجاول ہے جس نے دو چار جماعتیں پڑھ کر خود کو نجانے کیا سمجھ لیا ہے۔ میں ان دونوں سے بڑا ڈرتا ہوں، وہ سجاول تو چلو گوٹھ کم ہی آتا

ہے تو اچھا ہے۔ زیمل حق نواز کے قدم لمحہ بھر کو ٹھٹکے۔ دل سینے کی دیوار سے ٹکرا کر ایک نئی کیفیت سے دوچار رہوا۔

وڈیری آپ ناراض تو نہیں ہونا؟

ناراض تو نہیں ہوں، پر آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔ بلقیس کو یہاں آنے جانے سے نہ روکنا۔ وہ پلٹ کر بولی۔ اس کا لہجہ درشت نہیں تھا، مگر مضبوط اور آن بان والا تھا۔ وہ یہ کہہ کر بڑے بڑے قدم بڑھاتی رہائشی حصے کی طرف بڑھ گئی۔

☆

اسیں گرورر امور یلا کا کر

پیٹ پراں

رت آئی نہ بولاں

توہسیڑی پھاٹ مراں

تھر کی گلوکارہ کی آواز کا سوز اسے جکڑے ہوئے تھا۔ وہ بیڈ پر چت لیٹی اس آواز کی لے میں ڈوب اور ابھر رہی تھی کہ بھاگل نے آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

روشنی کی باریک لکیر نے آن واحد میں گھپ اندھیرے کا سینہ چیر ڈالا۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا اور پھر اٹھ بیٹھی۔

ہوں کیا بات ہے بھاگل اندر آجا۔ اس نے دائیں طرف جھک کر ہاتھ بڑھا کر ٹیپ ریکارڈر کا بٹن بند کر دیا۔

سٹھی خبر لے کر آئی ہوں سائیڑن۔ بھاگل نے اندر آ کر بتی جلائی۔ اس کے ہاتھ میں پلیٹ تھی جس میں لڈو تھے۔

نڈھے (چھوٹے) رئیس جی کی سگائی کی خبر لائی ہوں اور یہ لڈو بھی اسی خوشی کے ہیں۔ اس نے لڈو پلیٹ سے اٹھا کر زیمل کے منہ کی طرف بڑھایا۔

کیا۔۔۔۔۔ادامہران شاہ کا رشتہ چاچا سائیں نے قبول کرلیا۔اس نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے احساس کے ساتھ بیڈ سے نیچے چھلانگ لگائی۔

ارے چری بھاگی کیا میں صرف چپ چاپ ایک لڈو کھالوں گی۔اس نے بھاگل کے ہاتھ سے لڈو اٹھا کر منہ میں رکھا۔اس کے انگ انگ سے خوشی جھلک رہی تھی۔اس نے مسکراتے ہوئے بیڈ کی دراز سے سو کا نوٹ نکال کر بھاگل کی پلیٹ میں رکھ دیا۔

اتنی اچھی خبر لائی ہے،موتیوں سے تیرا منہ بھر دینے کو جی چاہتا ہے،چل نیچے آ تو بھی۔وہ ہنستی کھلکھلاتی اس خوش آئند خبر سے سرشار کمرے سے باہر بھاگی۔اس کے پیچھے بھاگل لپکی۔

بڑے کمرے میں حویلی کی خواتین جمع تھیں۔بڑی اماں ایک طرف مٹھائیوں سے بھرے تھال ملازمہ سے رکھوا رہی تھیں۔وہ سیدھی ان کی طرف ہی آئی۔

مبارک ہو اماں۔اس کی کھنکتی آواز میں خوشی کی چھاجن بج رہی تھی۔اماں نے اپنا چہرہ اس کی سمت موڑا اور پھر بڑی محبت سے اس کے جھکے سر پر ہاتھ پھیرا۔

خیر مبارک،اللہ ان خوشیوں کو نظر بد سے بچائے رکھے۔یہ پہلی خوشی تھی جو حویلی کی خواتین کے چہروں سے بھی ظاہر وہ رہی تھی۔وہ عابدہ اور زینت کے درمیاں کی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔اسی دم وڈیرہ حق نواز اندر داخل ہوئے ان کے ہمراہ مہران شاہ بھی تھا۔

بابا یہ مٹھائی وٹھائی ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی؟ وہ اپنی مخصوص کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے مٹھائیوں سے بھرے ٹوکروں کو دیکھتے ہوئے بولے۔

بس ابھی رحیم اور بھاگی کو یہ کام سونپا ہے۔اماں نے جواب دیا۔

ادا،گوٹھ والوں کو اس خوشی میں مٹھائی ملے گی،اور ہمیں کیا ملے گا؟ زیمل اپنی جگہ سے اٹھ کر مہران شاہ کی طرف آئی جس کا چہرہ نئے جذبوں سے چمک رہا تھا۔اس کے لب آپوں آپ دھیمی مسکراہٹ سے وا تھے۔

تم بھی مٹھائی کھالو جتنا دل چاہے۔

یہ کیا بات ہوئی، کچھ جیب ویب خالی کریں، ایسے کام نہیں چلے گا ادا۔

مجھے خبر تھی تو ضرور کچھ مانگے گی، مگر پہلے وڈی ادی کا حق ہے۔ اسے دیکھ کیسی صابر ہے۔ رئیس مہران شاہ نے ازراہ مذاق اسے چھیڑا مگر جانے کیوں دل پر کھٹ سے کوئی وذنی شے آ لگی۔ دوسری طرف اون سلائیوں میں الجھی عابدہ حق نواز کا جھکا ہوا سر اوپر اٹھا۔

ان کے لبوں پر ایک موہوم سی مسکراہٹ آ کر غائب ہوگئی مگر مسکراہٹ ان کے سپاٹ چہرے پر کوئی رمق پیدا نہ کر سکی۔

چلو تو پہلے ادی کا حق دے دو پھر مجھے۔ وہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کھڑی ہوگئی۔

عابدہ جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ گئیں۔

کیا کر رہی ہے زیبے، چڑی ہے بھلا پیسوں کا میں کیا کروں گی۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر اسے سرزنش کرتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

خوشیاں چھڑکتے دل کی سرزمین سے پھوٹتی ہیں۔ جذبے دل کی زندہ زمین سے ابھرتے ہیں۔ مردہ دل، بنجر زمین پر صرف ویرانی اور سناٹے کے ببول اگتے ہیں۔ جن کی چبھن صرف اس کو چھونے والا ہی نہیں بلکہ اس زمین کا سینہ بھی محسوس کرتا رہتا ہے جس کی سطح کو پھاڑ کر وہ اگتے ہیں۔

عابدہ حق نواز کے دل کی زمین بھی ایسی ہی کھردری، بنجر اور سیم زدہ ہو چلی تھی جس میں اب کوئی خوشی کی کونپل نہیں پھوٹ سکتی تھی۔ بس سم تھی وہ وہ سب میں بیٹھ کر نبھا چکی تھیں۔ رشتوں کے تقاضے تھے جو وہ پورے کر رہی تھیں۔ وڈی اماں کی خوشی کے احساس کا پاس تھا جو ادا کر رہی تھیں۔

☆

ادی خفا ہو گئیں تم ؟ وہ رات اپنی اور اس کی مشترکہ خوابگاہ میں وسیع بیڈ پر بیٹھ کر اس کی گردن میں بازو حمائل کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

نہ ماں میں، کیوں تجھ سے خفا ہونے لگی۔ عابدہ نے سے خود سے لپٹا لیا۔ حویلی میں ایک زیمل ہی تھی جسے وہ ٹوٹ کر چاہتی تھیں۔ شاید اس لئے کہ۔۔۔۔۔ اس کے اور زیمل کے دکھ سانجھے تھے۔ وہ بھی بے حیثیت، بے اختیار دھی تھی اس کی طرح۔

محبت کا جذبہ ہمدردی سے گلے مل کر اور بھی شوریدہ اور مضبوط ہو جاتا ہے۔

بلقیس نے بہت خوبصورت گلے بنائے ہیں، بڑی محنتی لڑکی ہے۔ اس نے اس کے اگلے کسی سوال سے پہلے ہی حفظ ماتقدم کے طور پر موضوع کو نیا موڑ دے دیا۔

ہاں ادی وہ خود بھی بہت اچھی ہے، ایک اور بھیجے گی۔ اس نے کہا تھا، کل شام تک بھیج دے گی۔ آپ کو پسند آئے ؟ وہ اس سے الگ ہو کر پوچھنے لگی۔

ہاں پسند کیوں نہ آئیں گے، اتنی محنت سے بنائے ہیں اس نے۔ انہوں نے تکیہ اونچا کر کے اس پر پشت ٹکالی اور بڑے بڑے چمکتے سنہری آویزے دوپٹے کے کنارے سے نکال کر ٹھیک کر کے دوپٹہ کان کے پیچھے ڈال لیا۔ پھر گوری کلائیوں میں کھنکتی درجن بھر چوڑیوں میں سے ایک چوڑی اتار کر زیمل کی طرف بڑھائی۔

یہ اسے دے دینا۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں زیمل کہ ہم بھی غریب ہوتے، آزاد اپنی منشا اپنی صلاح سے زندگی گزارنے والے، ذرا ذرا سی بات پر خوش ہونے والے۔ پر کہاں، اتنے بھاری بھاری طوق ہمارے گلے میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ ان کی انگلیاں اپنی کلائیوں منیں بجتی چوڑیوں پر پھرنے لگیں۔

تم بھی ادی ایسے ہی سوچتی ہو، میرے طرح سے۔ پر سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ دل جلتا ہے، روح کڑھتی ہے۔ وہ ان کے ہاتھ سے چوڑی لے کر اٹھ گئی۔

ہاں تو ٹھیک کہتی ہے، روح جلی ہے بس۔ انہوں نے گھٹنے پر ٹھوڑی ٹکالی۔

میں نے بلقیس کے لئے کچھ اور چیزیں بھی نکال رکھی ہیں۔ وہ ایسے نہیں لے گی، اس

کی بات پکی ہونے والی ہے اسی بہانے دے دوں گی۔

عابدہ نے موندی پلکیں کھول کر اسے دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔ وہ کمرے سے چلی گئی تو انہوں نے دوبارہ سابقہ انداز میں جھگٹنے پر جھکا لیا اور سلگتی پلکیں موند لیں۔

قضائے دل پر اداسی بکھرتی جاتی ہے
افسردگی ہے کہ جاں تک اترتی جاتی ہے
فریب زیست سے قدرت کا مدعا معلوم
یہ ہوش ہے کہ جوانی گزرتی جاتی ہے

☆

شام کو اس نے بھاگل کے ہاتھ سے کرتا لیتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

بلقیس آئی اور ایسے ہی چلی گئی تو نے روکا نہیں اسے۔ اس نے جھک کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔

نہ سائیڑن، بلقیس خود تو نہیں آئی وہ نیچے تو۔۔۔۔۔

ارے تو کیا ماسی سکینہ خود آئی ہیں۔ کمال کرتی ہو تم، روکو نا انہیں۔ ٹھہرو میں دیکھتی ہوں ابھی گئی نہیں ہوں گی۔ وہ سیڑھیوں سے نیچے بھاگی۔

وہ تو نہیں آئی زیمل بی بی۔ بھاگل نے سیڑھیاں اتر کر اسے پکارا مگر وہ ساری سیڑھیاں پھلانگ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ پوری لابی خالی تھی۔ وہ باہر کی جانب بھاگی مگر پھر ٹھٹھک گئی۔ اس کے ہاتھوں میں بلقیس کا بھیجا ہوا جگمگ کرتا،

کُرتا لرز کر رہ گیا۔ وہ پلٹ کر جا رہا تھا۔ چوڑیوں کی چھن چھن، آویزوں کے چھوٹے چھوٹے گھنگھروؤں کی آواز پر رک کر پلٹا اور جیسے زیمل حق نواز کے سامنے کا ئنات کا رقص تھم گیا۔ ساری آوازیں دم توڑ گئیں۔ بس صرف دل کے دھڑکنے کی آواز سنائی دیتی رہی۔ اس کا جوان کڑیل وجود اس کی نگاہوں کے سامنے تھا جس کی صرف

جھلک دیکھ دیکھ کر وہ میٹھے میٹھے جذبوں کے دریا میں بہنے لگی تھی۔ آج روبرو دیکھ کر دیکھتے رہ جانا بالکل لاشعوری فعل تھا۔

وہ اپنے قد کاٹھ کی وجہ سے ہی سچل سے مختلف نہ تھا بلکہ وہ تو ہر انداز، ہر طور سے اس سے مختلف تھا۔

بلقیس خود نہیں آئی؟ اس نے جیسے بہت بھاری سماعتوں کا بوجھ اٹھاتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔ وہ مدہوشی کے عالم سے نہ نکلتی تو شاید وہ دبے پاؤں یوں ہی چلا جاتا۔

نہیں۔ مختصر جواب میں کوئی عاجزی یا جی حضوری نہیں تھی۔ وہ ایسا ہی تھا، اڑیل، تند خو، کم آمیز اور متکبر۔ بقول سچل کے چار جماعتیں پڑھ کر دماغ خراب ہو گیا ہے۔ شہر کے کالج میں پڑھ کر خود کو منسٹر سمجھنے لگا ہے۔

بڑا پیار کرتا ہے، بلقیس کو شکریہ کہہ دینا۔ اس نے صاف جھوٹ بول دیا، حالانکہ ابھی کرتا ہوں ہی تہہ کیا ہوا اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ تو بس ان لمحات کو طول دینا چاہتی تھی۔

اسے میرا سلام کہنا۔ وہ جانے کے لئے رخ موڑ چکا تھا۔ اس آواز پر لمحہ بھر رکا اور بغیر پلٹے سر کو ذرا سی جنبش دے دی۔

وہ سچل نہیں تھا نہ ہی اس حویلی کا کوئی ملازم کہ ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑا رہتا جب تک وہ خود اسے جانے کا اشارہ نہ کرتی یا خود پلٹ کر وہاں سے نہ چلی جاتی۔ وہ اسے اپنی بہن کی سہیلی ہی سمجھ کر اس کی امانت دینے آیا تھا اور دے کر اب جا رہا تھا۔

وڈیری زیمل حق نواز کو بھی اس کے رویے کا قلق نہ تھا۔ اسے کب جھکے ہوئے سر اور حویلی کے رئیسوں کے سامنے جڑتے اور لرزتے ہاتھ پسند تھے۔

وہ اسے جاتا دیکھ رہی تھی کہ اچانک مہران شاہ کی پجیرو اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ پھاٹک کا گیٹ کھلا اور پجیرو اندر آن رکی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ سے سچل اور فرنٹ سیٹ سے رئیس مہران شاہ اترے۔ وہ بھی وہیں ٹھہر گیا جبکہ زیمل مہران شاہ کو دیکھ کر

کسی وحشی ہرنی کی طرح چھلانگیں مارتی اندر بھاگ لی۔

عجیب پیاسی زمینیں ہوگئی تھیں آنکھ کی۔وہ اپنے کمرے میں آئی اور دریچہ کھول کر نیچے دیکھنے لگی۔مہران شاہ اب وہاں نہیں تھا البتہ سچل اور وہ دونوں آنے سامنے کھڑے باتیں کررہے تھے۔دونوں ایک ہی خون تھے مگر دونوں کا مزاج مختلف تھا۔دونوں بھائی تھے مگر بالکل علیحدہ شخصیات کے مالک۔ایک گھر کا ملازم تو دوسرا اس کے دل کا مالک بن گیا تھا۔

سچل اوطاق کی طرف بڑھ گیا۔وہ جلدی سے پردہ پورا سرکا کر اسے پورچ سے نکلتے دیکھتی رہی کہ بالکل اچانک موڑ کاٹتے ہوئے وہ ٹھٹھک کر تھما اور سر اوپر اٹھا کر اسی جانب دیکھا۔

زیمل حق نواز کے ہاتھ سے پردہ چھوٹ گیا۔اس کا دل سینے کی دیوار سے زور سے ٹکرایا۔چہرہ یوں لال ہوگیا جیسے سجاول سومرو نے اسے چھولیا ہو۔دوبارہ پردہ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوسکی۔وہ چلتی ہوئی بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔اس نے محسوس کیا اس کا دل انجانی راہوں پر چلنے لگا ہے،اس کی ہستی غیر محسوس طریقے سے ایک انقلاب سے دوچار ہوگئی ہے۔

اسے کہو بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

☆

میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے تو یہ وڈیری زیمل تھوڑی تھوڑی پاگل لگتی ہے۔اس نے مسکراہٹ دبا کر پھر کہا۔بلقیس نے خفگی بھرے انداز میں احتجاجاً اس کے آگے روٹیوں کی تھالی پٹخنے والے انداز میں رکھ دی۔

ایسی کونسی پاگلوں والی حرکت کی ہے اس نے؟وہ اس کے سامنے چوکی پر منہ پھلا کر

بیٹھ گئی۔ پاگل لوگ ایسے ہوتے ہیں کیا؟

ایسے ہی تو ہوتے ہیں۔ وہ سر جھکا کر مسکراتے ہوئے روٹی توڑنے لگا۔ چشم تصور میں اس کا بے خود سا انداز لہرانے لگا۔

مجھے تو تم لگتے ہو پاگل، وہ تو بہت اچھی ہے۔ اس کے لہجے میں زیمل کے لئے پیار ہی پیار تھا۔

اچھا کتنی؟ اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ اس لمحے اس کی خوبصورت آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔

بہت زیادہ پتا ہے ادا، میں اس سے تمہاری بہت سی باتیں کرتی ہوں۔ وہ بڑی خوش ہوتی ہے سب سن کر۔ تم نے اتنا بہت سا پڑھا ہے اسے سب خبر ہے۔

جانتا ہوں۔ اس نے جیسے سامنے بیٹھی بے خبر بلقیس سے نگاہیں چرالیں۔

سارا دن بس باتیں کئے جانا۔ اماں کمرے سے باہر نکلیں۔ چل جا، پانی دے مجھے۔

وہ سامنے چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ بلقیس کے اٹھتے ہی وہ سجاول کی طرف متوجہ ہوئیں۔

پھر تو نے کیا سوچا، مہتاب خان کے پٹ (بیٹے) کے سلسلے میں۔ سچل کی صلاح تو یہی ہے کہ جلد از جلد اس چھوری کو اپنے گھر کا کر دیں۔ لڑکا اچھا ہو، اپنی زمین ہو، اپنا گھر ہو تو پھر کیا دیکھنا ہوتا ہے۔ کیوں پٹ (بیٹے) تیرا کیا خیال ہے۔ سچل تو لڑکے سے مل بھی چکا ہے۔ اسے تو کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ تیرے ابا بھی راضی ہیں۔ بلقیس اماں کو پانی دے کر فوراً وہاں سے چلی گئی تھی۔

اری اماں، میں ٹھہرا جاہل گنوار۔ اسے میری صلاح سے کہاں اتفاق ہوگا۔ یہ پڑھا لکھا ہے، خود سوچنے دے اسے۔ اسی لمحے سچل اندر داخل ہوا۔

بے شک تعلیم اچھے برے کی تمیز سکھاتی ہے۔ سمجھ بوجھ عطا کرتی ہے۔ پر ادا تم بڑے ہو میرے، تم نے اچھا ہی سوچا ہوگا بلقیس کے لئے۔ سجاول اس کی بات کا برا مانے بغیر بولا اور چائے کا کپ لے کر کھڑا ہو گیا۔

کیا تمہاری تعلیم تمہیں دوسروں کا ادب و احترام کرنا نہیں سکھاتی؟ اس نے چونک کر سچل کی طرف دیکھا۔ اس کا لہجہ بیحد تیکھا تھا۔ وہ قطعی سمجھ نہ سکا۔

رئیس مہران شاہ تمہارے رویے پر بہت غصہ ہوا ہے۔ تم نے انہیں سلام نہیں کیا۔ وہ وڈیرہ حق نواز کا بیٹا ہے اس گوٹھ کا چھوٹا رئیس۔

شکایت کی ہے اس نے تم سے؟ اس کا چہرا لال ہو گیا۔

نہیں، میں کون سا کہیں کا رئیس سردار ہوں کہ وہ میرے منہ لگے گا۔ وہ چاہتا تو سزا بھی سنا سکتا تھا تجھے۔ سچل نے پیروں سے چپل اتارے ہوئے بلقیس کو آواز دی مگر چھناکے کی آواز پر اچھل پڑا۔ سجاول نے چائے سے بھرا مگ زمین پر دے مارا تھا۔ اس کا چہرہ لال انگارہ ہو گیا تھا اور نقوش تن گئے تھے۔

بس ہماری اسی سوچ نے ان وڈیروں، جاگیرداروں اور سرداروں کی پگڑی کو سنبھال رکھا ہے۔ زرخرید غلام نہیں ہوں میں کہ جہاں سے بھی گزریں وہاں آنکھیں بچھا دوں ان کے لیے۔ سر جھکا کر، ہاتھ جوڑ کر ان کی تعظیم میں کھڑا ہو جاؤں۔ وہ مجھ پر، میری ذات پر کوئی حق نہیں رکھتے۔

سجاول بلقیس گھبرا کر دونوں بھائیوں کے درمیان آ کھڑی ہوئی۔ ادا تو بس یوں ہی اک بات کر رہا تھا۔

نہیں، یہ بات نہیں تھی۔ یہ حویلی کا پیامبر بن کر مجھے وارننگ دے رہا ہے کہ آئندہ میں بھی ہزاروں بے دام غلاموں کی لائن میں کھڑا ہو جاؤں۔ اس کی آنکھوں میں حویلی کے ان مالکوں کے لئے نفرت کے شعلے اڈنے لگے۔ سچل کھول اٹھا۔

اماں اسے سمجھا لے۔ یہ چار جماعتیں پڑھ کر خود کو رئیسوں کے برابر کی سطح پر سمجھنے لگا ہے۔ ہونہہ ابھی کتابوں کے چند لفظوں کا نشہ ہے۔ شہر کی سڑکوں پر جوتیاں چٹخا کر بھی نوکری نہیں ملے گی تب یہ سارا طنطنہ ہرن ہو جائے گا۔ اسی گوٹھ اور ان ہی کی زمینوں پر سر جھکا کر کام کرنا پڑے گا۔ شہر میں نوکریاں ملنا آسان بات نہیں ہے۔

ہاں اس لئے کہ ان ہی لوگوں نے باثر جگہوں پر پہنچ کر شہروں میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ شہروں کی تباہ حالی کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔ زمینوں پر کام کرنا کوئی برائی نہیں ہے مگر ان کی غلامی کرنا میرے نزدیک شرک ہے، گناہ ہے، بے غیرتی ہے۔ وہ فرش پر بکھرے کانچ کے ریزوں کو روندتا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دماغ خراب ہے اس کا۔ سچل غصہ دباتا چارپائی پر دھیرے سے گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ اماں میں غلط نہیں کہتا۔ اس نے سر پر ہاتھ رکھی اماں کی طرف دیکھا۔ اگر اس کی باتیں اس وڈیرے کے کانوں میں پہنچ گئیں تو دیکھ لینا تیرا یہ بیٹا بہت پچھتائے گا اور ہم سب بھی۔ ہم غریب ہاری لوگ ہیں، جتنی کتابیں پڑھ لیں رہیں گے

ان کے قدموں کے نیچے ہی۔ کبھی ہم ان کے برابر نہیں آ سکتے اماں۔ زندگی اگر یوں ہی گزر رہی ہے، تین وقت کی روٹی مل جاتی ہے، تن ڈھانپنے کو کپڑا اور چھت مل جائے تو کیا برا ہے۔

وہ بے چارہ ان پڑھ جاہل پہلے سے مرغوب اماں کو سمجھا رہا تھا۔ پس پردہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ کمرے میں بیٹھا سجاول پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

بس یہی سوچ ایسے ہی خیالات کی پرورش چاہتے ہیں گوٹھ والوں کے ذہنوں میں، یہ جاگیردار لوگ۔ یہی ان کی کامیابی ہے۔ گوٹھ والوں کو تعلیم سے اسی لئے محروم رکھا جاتا ہے کہ ان کی سوچوں کی سطح ہمیشہ ہی اتنی پست رہے۔ ان کے ووٹ، ان کی کرسیاں، ان کی جاگیرداری سلامت رہے۔ چاہے ایک ہی زاویئے سے جھکے جھکے وہ ٹوٹ جائیں۔ ان کی انا، خودداری اور غیرت پر جتنی ضربیں لگیں مگر سر بلند کرنے کا تصور بھی پاس نہ پھٹکے۔ یہ جاہلیت کے اندھیرے ان کی اندھی حکومت کو ڈھانپے ہوئے ہیں تاکہ اس تاریکی میں ان کے گندے میلے کچیلے بے ضمیر وجود دکھائی نہ دیں۔

غصے اور بے بسی کے احساس سے اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ وہ کمرے سے نکلا اور پیروں میں چپل ڈال کر باہر کی طرف بڑھا۔ بلقیس بھاگ کر اس کے پیچھے تک آئی۔

میں ابا کی طرف جا رہا ہوں۔ انہوں نے بلوایا تھا مجھے، شاید کوئی کام تھا۔ اس نے اس کے پر تشویش چہرے پر ایک نگاہ ڈال کر وضاحت کی اور پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

☆

غلام محمد، ذرا گاڑی روکنا۔ زیمل حق نواز کے حکم پر پجیرو کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے غلام محمد نے جلدی سے بریک پر پیر رکھ دیا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔

اماں اور زینت نے حیرت سے اسے دیکھا۔ بھاگل نے بھی مٹھائیوں کے ٹوکرے کو سنبھالے سنبھالے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ گاڑی یوں بیچ سڑک پر روکنے کی وجہ کسی کی بھی تو سمجھ میں نہ آئی تھی۔

بڑا حبس محسوس ہو رہا ہے۔ یہ جگہ کچھ ٹھنڈی ہے، گرمی بھی لگ رہی ہے۔ اس نے سب کی سوالیہ نگاہیں محسوس کر کے وضاحت کی اور اپنی طرف کا پردہ ذرا سا سرکا کر لرزتی پلکوں کی باڑھ اٹھا کر باہر جھانکا۔

ہاں موسم اچھا ہو رہا ہے۔ زینت نے بھی اپنی طرف کے شیشے کے پردے سرکا کر باہر کی دنیا کو دیکھا۔ اماں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر پھر سوچ کر چپ ہو گئیں۔

سجاول سومرا حویلی کی مخصوص پجیرو کو رکتے دیکھ کر ٹھٹھک گیا تھا۔ یوں ہی سرسری انداز میں ایڑیوں کے بل گھوم کر دیکھا تو کتنے ہی پل پلکیں نہ جھپک سکا۔ دو پرشوق نظروں سے بڑا گہرا تصادم ہوا تھا۔ وہ پھول سا چہرا سیاہ چادر کے ہالے میں بڑا دلفریب لگ رہا تھا۔ اچانک پردہ سرکا اور جیسے چاندنی چھٹک گئی۔ دو گلابی بھرے بھرے دلنشیں لب ہولے سے مسکرائے۔ دوسرے لمحے پجیرو فراٹے سے آگے بڑھ گئی۔

جیسے ہر منظر پر روشنی پھیل کر پھر سمٹ کر آگے دوڑ گئی ہو۔ پجیرو میں اتنی بہت سی آنکھیں دیکھ ہی نہ پائیں کہ وڈیری زیمل نے اپنے دل کی پیاسی دھرتی کو سیراب کر

لیا۔کوئی جان ہی نہ سکا کہ اسے یوں یکا یک گھٹن کا احساس کیوں کر ہوا تھا۔

اور اب ۔۔۔۔۔

ان ہواؤں نے اس کی رگ رگ سے گھٹن کھینچ کر خنکی دوڑا دی تھی۔

یہی ہوائیں تو زینت حق نواز کے چہرے سے بھی ٹکرائیں تھیں اور بھاگل کو بھی چھو گئی تھیں مگر جو سرشاری وہ محسوس کر رہی تھی وہ کسی کو بھی حاصل نہ ہوئی۔

چری ہوگئی ہے یہ تو۔ بے خبر اماں ہنس دی تھی۔ ادھر سجاول اپنی جگہ دم بخود ان راستوں کو خالی خالی نظروں سے گھور رہا تھا جن پر پچیر و گزر کر نگاہوں سے اوجھل ہوئی تھی۔

وہ نجانے کب تک وڈیری کی اس وارفتگی، بے خودی اور دیوانگی کو اپنے دل کے کونے میں محسوس کرتا کہ امداد علی کا ہاتھ اس کے شانے پر پڑا۔

پٹ کوئی چار مہینے سے پریشان ہیں ہم مگر اب تو فصلوں کو بہت زیادہ خطرہ پڑ گیا ہے۔

دوسرے لمحے وہ عالم مدہوشی سے عالم خودشناسی میں آیا تو اپنے اطراف بابا سائیں اور دوسرے لوگوں کے چہرے دکھائی دینے لگے۔

نوحہ کناں روتی ہوئی فصلیں اور دکھ ہی دکھ، بے بسی اور بے اختیاری سے جھلسے ہوئے چہرے۔ یہ تو سراسر ظلم ہے ابا۔ یہ پانی کی باری والی بات تو ہم چھوٹے آبادگاروں کے لئے سراسر خسارے کا سودا ہے۔

سجاول پٹ اب تو باری کا بھی مسئلہ نہیں رہا۔ وڈیرہ شاہ نواز کے آدمیوں نے دھڑلے سے سارے پانی اور پچھلی نہر پر قبضہ کر رکھا ہے۔ فقیر محمد نے اداسی کے ساتھ کہا۔ سجاول کی رگوں میں خون کھولنے لگا۔

آپ لوگوں کو محکمے والوں سے بات کرنی چاہیئے تھی۔ آخر یہ نہر سب کی ہے اور پانی پر کسی ایک کی اجارہ داری کیوں ہو۔ میں خود جاؤں گا۔

نہ پٹ ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ بڑے لوگ ہیں، زمیندار سرکار لوگ۔ ان کا اس دھرتی کی ہر چیز پر حق ہے۔ یہ محکمے والے ہم جیسوں کو تو منہ ہی نہیں لگاتے۔ ان کی جیبو میں بڑے لوگ روپیہ بھر جاتے ہیں۔

چاچا یہ ملک اب بڑے لوگوں کی جاگیر نہیں ہے۔ یہ سب کے لئے بنا ہے۔ ہر امیر غریب کے لئے ہے۔ اسے حاصل کرنے والے کے لئے بنا ہے۔

اسے حاصل کرنیوالے اسے ان جاگیرداروں اور وڈیروں کو وراثت میں نہیں دے گئے۔ میں خود جاؤں گا حق نواز کے پاس بلکہ آج ہی جاتا ہوں حویلی۔ آخر کس جرم میں ہمارا پانی بند کیا گیا ہے، ہمیں ہماری فصلوں سے محروم کیا جا رہا ہے۔ اس نے سلگ کر ہاتھ میں پکڑی لاٹھی زمین پر دے ماری۔

نہ نہ پٹ، نہ تو حویلی نہ جانا۔ خواہ مخواہ بڑے سائیں سے الجھ پڑے گا۔ امداد علی خوفزدہ ہو کر زمین سے کھڑا ہو گیا۔

الجھنے کی کیا بات ہے بابا۔ میں صرف مسئلہ ان کے سامنے رکھوں گا۔ ظاہر ہے جب چناؤ کا موقع سامنے آتا ہے تو یہ لوگ گوٹھ والوں کی حمایت ایسے ہی ہزار وعدے کر کے لیتے ہیں کہ اب کوئی بھوکا پیاسا نہیں رہے گا۔ ہر گھر میں چولہا جلے گا۔ چھوٹے آباد گاروں کے تمام مسائل حل ہوں گے۔ اور جب وہ جاہل معصوم گوٹھ والوں کو بہکا کر اچھے عہدے حاصل کر لیتے ہیں تو پھر انہیں کیوں نہ ان کے وعدے یاد دلائے جائیں، آخر ان عہدوں کا اثر و رسوخ صرف اپنے لئے ہی کیوں۔ ہمارے لئے کیوں استعمال نہیں ہو سکتا۔ وہ سرخ چہرہ لیے پلٹ گیا۔ امداد علی اسے پکارتا ہی رہ گیا پھر اپنی پگڑی اتار کر ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا۔

بابا فقیر محمد اس چھوکرے کو سمجھاؤ۔ یہ تو چڑیا ہو رہا ہے۔ اس کی یہ باتیں مجھے بہت ڈراتی ہیں۔ جا فقیر محمد اسے سمجھا۔

تو فکر نہ کر امداد علی۔ یہ چڑیا نہیں ہے۔ بابا یہ پڑھا لکھا چھوکرا ہے۔ سرکاروں سے

بات کرنے کا ڈھنگ جانتا ہے۔ ہوسکتا ہے رئیس اس کی بات سن کر کچھ ہم لوگوں کے اس مسئلے پر غور کرے۔ فقیر محمد نے اسے بھی اور خود کو بھی خواب دکھایا۔

خدائے برتر، تیری زمین پر

یہ راہ بھولا ہوا قبیلہ کسی ٹھکانے کو ڈھونڈتا ہے، کوئی ٹھکانہ

جہاں حفاظت، سکون، راحت

متاع، محنت کا اجر، رنگ گل تمنا کی سبز خوشبو

مشام جاں کو بہار کر دے۔

☆

امداد علی بیٹے کے ساتھ احتیاطاً خود بھی آیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر خوفزدہ تھا کہ جوان خون ہے۔ کوئی سخت بات منہ سے نہ نکل جائے جوان بڑے کو خفا کر دے۔ یوں بھی وہ سجاول کی باتوں سے، وڈیروں کے خلاف زہر اگلتے جذبات سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان کا بیٹا اس گوٹھ والوں کی بے بسی اور بے اختیاری سے نالاں ہے۔ اس کے خیال میں۔

دکھ کے یہ بوجھل شب و روز آپ اپنے ہاتھوں نہیں کٹیں گے۔ ان گوٹھ والوں کے لئے سکون کی منزل خود آپ چل کر نہیں آئے گی۔ منزل کے لئے سفر کا شعور ضروری ہے۔

یہی شعور وہ گوٹھ والوں میں پیدا کرنا چاہتا تھا کہ اونچی اونچی حویلیوں کے آگے سر کو جھکا کر سوائے تذلیل کے، احساس ذلت کی آگ اور بھوک کے، کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ وہ حویلیوں ہی کی طرف اگر دیکھتے رہیں گے تو عمر بھر بھکاریوں کی طرح ہاتھ باندھ کر ترستی ہوئی اشک بھری نظروں سے خود پر ظلم ہوتا ہوا دیکھتے رہیں گے۔

اب ضرورت ہے ظلم کے خلاف بغاوت کی، جائز حق کے وصول کی تگ و دو کی،

جاہلیت کے خاتمہ اور علی الاعلان بغاوت کی۔

یہ باتیں وہ ہر جگہ، ہر شخص سے کرتا تھا۔ جب بھی چھٹیوں میں گھر آتا اس کے دکھوں میں اضافہ ہو جاتا۔ اپنے لوگوں کی کم علمی اور بے بسی پر کٹ کر رہ جاتا اور امداد علی بیٹے کے اس جلنے کڑھنے پر خود افسردہ ہو جاتا۔ وہ بھی دوسرے ہاریوں کی طرح لاچار ہی تو تھا۔

سچل نے اپنے باپ اور سجاول کو حویلی میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کا دل بری طرح دھڑکا۔ ہزار وسوسے اور خود دامن دل میں سمٹ آئے۔ سجاول کے چہرے پر غیر معمولی پن دکھائی دے رہا تھا۔

یہ لڑکا صرف مہینہ بھر رہتا ہے مگر کتنا پریشان کرتا ہے۔ سچل نے دل میں سوچا۔

اوطاق کے دروازے پر پہنچ کر امداد علی نے ایک ملتجی نظر سجاول کے چہرے پر ڈالی۔

پٹ بات نرمی سے کرنا، غصے میں نہ آ جانا۔ یہ رئیس لوگ ہیں۔ خفا ہو جائیں تو پھر بنتا کام بگڑ جاتا ہے۔

ہونہہ کام بنتے ہی کب ہیں ہمارے۔ اس نے دل میں سوچا مگر باپ کو کوئی جواب ں ہیں دیا۔ بس سرخ سرخ لب بھینچ لئے پھر قدرے سلگ کر امداد علی کے دونوں ہاتھ جو سینے کے سامنے جڑے ہوئے تھے پکڑ کر نیچے کر دیئے۔

بابا سائیں ہم اپنے ہی جیسے انسانوں کے سامنے جا رہے ہیں۔ کوئی خدا کے سامنے تو نہیں جا رہے کہ ہاتھ باندھ کر اور سر جھکا کر اندر داخل ہوں۔ وہ پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گیا اپنے اسی اعتماد کے ساتھ جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ جبکہ امداد علی دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

آؤ آؤ امداد علی کیسے آنا ہوا بابا۔ ابھی ابھی اوطاق سے وڈیرہ حق نواز کے مہمان اٹھ کر گئے تھے سو وہ وہیں تھا اور مہران شاہ بھی موجود تھا۔ اس نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سجاول کو ذرا چونک کر پھر بڑے غور سے دیکھا۔

سفید شلوار سوٹ میں اونچا لمبا سرخ چہرے پر اعتماد لئے بھرپور سراپے کے ساتھ کھڑا تھا۔اس میں کچھ غیر معمولی پن اسے بھی دکھائی دیا۔بڑا مضبوط دکھائی دے رہا تھا وہ۔

سلام سرکار۔امداد علی کے کانپتے ہاتھ مشینی انداز میں وڈیرہ حق نواز کے سامنے جاتے ہی جڑ گئے۔وہ ایک کونے میں سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

وعلیکم السلام اور سناؤ بابا سجاول کیسے آنا ہوا۔سنا ہے بابا،شہر کے کسی کالج میں اپنی ذہانت کی بڑی دھوم مچا رکھی ہے تم نے۔وڈیرہ حق نواز کے مونچھوں تلے لب مسکرائے تو اس نے بی ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ یہ ستائش قبول کی۔بیٹھو،بیٹھو بابا کیسے آنا ہوا۔تمہاری پڑھائی وڑھائی ختم ہو گئی ہے یا ابھی چھٹیوں پر ہی آئے ہو؟

جی چھٹیوں پر ہی آیا ہوں،بس اب چند ماہ بعد تو مستقل آ جانا ہے۔اس نے اپنے اسی اعتماد کے جواب دیا اور وڈیرہ حق نواز کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس کی یہ جرات مہران شاہ کو دنگ کر گئی جبکہ امداد علی اندر ہی اندر اپنے سائیں کے چہرے کے بگڑے زاویئے دیکھ کر سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔

کیوں بابا،گوٹھ میں آ جاؤ گے ہمیشہ کے لئے،تو شہر وہر میں نوکری ووکری نہیں کرو گے؟وڈیرہ حق نواز کے چہرے پر مکمل ٹھہراؤ اور سکوت تھا۔یوں جیسے اسے سجاول کی اس حرکت پر کوئی شاک نہ لگا ہو،یا پھر نظر انداز کر رہا ہو۔

جی نوکری تو ڈھونڈتے ہی ملے گی،مگر پہلے میرے کچھ اور ارادے ہیں۔

کیسے ارادے؟مہران شاہ نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

کوئی خاص نہیں،فی الحال تو بابا اپنی زمین کا مسئلہ لے کر آئے ہیں۔اس کا اعتماد بلا کا تھا۔مہران شاہ کو جانے کیوں اپنی ہتک کا احساس ہوا۔

ایک ہاری کا بیٹا اور حویلی کے وڈیروں کے سامنے جس انداز سے بیٹھا اور گفتگو کر رہا تھا اسے سخت برا محسوس ہو رہا تھا۔اپنی شان کے خلاف جیسے بڑی آہستگی سے بغاوت کا علم بلند ہوا ہو۔جیسے کوئی انقلابی کونپل سیم وتھور والی زمین سے پھوٹ نکلی ہو۔

امداد علی نے اپنا مسئلہ بتایا تو مہران شاہ گویا گرم توے پر جا بیٹھا۔

یہ مسئلہ ڈرف تمہارے اکیلے کا نہیں ہے او گوٹھ کے اور بھی کئی لوگوں کا ہے۔ یہ حکومت کا کام ہے ہمارا نہیں۔

حکومت تک بات تو آپ لوگ ہی پہنچا سکتے ہیں نا ذریعے تو آپ ہی ہیں نا۔ اس لئے کہ اس گوٹھ سے نمائندگی حاصل کر کے وہاں تک پہنچنے والے آپ لوگ ہی تو ہیں۔ سجاول نے غصہ ضبط کرتے ہوئے متانت سے کہا۔ ظاہر ہے گوٹھ والوں نے اسی لئے آپ لوگوں کو چنا ہے کہ ان کے مسائل احسن طریقے سے حل ہو جائیں۔ جو کچھ کہا گیا تھا ان پر عمل بھی کیا جائے۔

خوب، تو تم ہمیں اب یہ بتانے آئے ہو کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں؟ مہران شاہ کی آنکھیں لال انگارہ ہو گئیں۔

جی۔ اس نے اسی اعتماد سے سر ہلا دیا۔

ٹھیک ہے، ٹھیک ہے یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ مہران شاہ کو اپنی جگہ سے اٹھنے اور کچھ بولنے سے پہلے وڈیرہ حق نواز نے ہاتھ اٹھا کر بڑے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ اس کے ٹھنڈے لہجے میں ملائمت نام کو نہ تھی بلکہ لجاجت تھی۔

میں آج ہی کچھ آدمی بھیج کر معلومات کرواتا ہوں۔ تم سب لوگ اسے اپنے اپنے مسائل اسے بتا دینا۔ مہران شاہ کو اپنے باپ کا یہ انداز یہ اقرار کچھ پسند نہیں آیا تھا۔

بس بابا یا کچھ اور۔ وڈیرہ حق نواز مسکرایا تو سجاول سنجیدگی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

مسائل تو بہت ہیں۔ ایک ہی حل ہو جائے تو بہت ہے۔

ہاں تو بابا تم لوگ کمپلین کرو گے، تو ہمیں خبر بھی ہو گی نا، کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہو تم؟ انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا جہاں ستواں ناک کے کنارے سرخ ہو رہے تھے۔

جی ہاں، ایک کمپلین تو یہ بھی ہے کہ یہاں اسکول کی عمارتیں تو کئی ہیں مگر وہاں آپ لوگوں کے آدمیوں نے اپنی رہائش گاہیں بنا رکھی ہیں۔ جب ان سے کچھ کہتے ہیں تو وہ

کہتے ہیں کہ یہ سرکار کی اوطاق ہیں، یا مہمان خانے ہیں ہمارا کچھ نہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آتی کہ برسہابرس سے ایک اسکول تک نہیں کھلتا یہاں پر اور جو عمارتیں بنی ہوئی ہیں انہیں استعمال میں نہیں لایا جاتا۔

امداد علی فخر سے اپنے جوان سپوت کو دیکھ رہا تھا مگر جوں ہی اس کی نظریں رئیس مہران شاہ اور وڈیرہ حق نواز کے چہرے کے بگڑتے زاویوں پر پڑیں، وہ پورے جی جان سے کانپ گیا۔

سارے گوٹھ والوں کا ٹھیکہ صرف تم نے لے رکھا ہے کیا؟ مہران شاہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

مجبوری ہے، حلانکہ آپ کو لینا چاہیئے تھا۔

سجا۔۔۔۔۔ول اپنی اوقات میں رہو۔ مہران شاہ بھبھک اٹھا۔

جاؤ بابا سجاول تم، ہم پھر تم سے بات کریں گے۔ وڈیرہ حق نواز نے تیوریاں چڑھا کر حکم صادر کر دیا۔ وہ امداد علی کو چھوڑ کر خود غصہ ضبط کرتا ہوا اوطاق سے باہر نکل آیا۔

اس کی رگ رگ میں آگ بھڑک اٹھی تھی مہران شاہ کے رویے سے وہ یہ جانتا تھا جہاں گوٹھ والوں کے مسائل کا ذکر ہو گا، جہاں ان کی بہبود کی بات ہو گی وہاں یہ وڈیرے اپنا خول اتار کر اژدھے کے روپ میں آ جائیں گے، مگر وہ ان آگ اگلتے اژدھوں کے خوف سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹائے گا یہ اسکا عزم تھا۔

اور وہ ایسی طاقت اور ایسا عزم ہر فرد کے سینے میں اتارنا چاہتا تھا، وہ حویلی سے باہر نکل گیا اس کے اوطاق سے نکلتے ہی وڈیرہ حق نواز نے ہنکارا بھرا اور کانپتے لرزتے امداد علی کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ کسی لرزیدہ شاخ کی طرح جھول کر فرش پر بیٹھ گیا۔

سرکار جوان بچہ ہے، خون میں جوش رہتا ہے اسے معاف کر دیں سرکار۔ اس نے لرزتے سینے پر کانپتے ہاتھ باندھ کر التجا کی۔ مہران شاہ کسی بپھرے ہوئے شیر کی طرح اوطاق میں گھوم رہا تھا۔

تو اسے باندھ کر رکھا کرو امداد علی ۔وہ بھڑک کر گرجا۔

ہاں بابا امداد علی، آج تو غصہ پی گیا ہوں میں، پر آئندہ۔

جی جی سرکار، میں اسے سمجھا دوں گا۔ وڈیرے کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی امداد علی نے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگ لی۔

تم جیسے کم کمین بے اوقاتیے اپنے خول میں سمٹ کر رہو اس میں عافیت ہے اسے یہ بھی کہہ دینا کہ، اسے گوٹھ میں دوسرے یان پڑھ لوگوں کو تعلیم سے آشنا کرانے کا ٹھیکہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیا ہم مر گئے ہیں کس لئے، یہ اچی گدیاں سنبھال رکھی ہیں۔

بابا صرف باتیں ہی تو نہیں کرتے ہم، تم لوگوں کو جو تین وقت کی روٹی ملتی ہے ہماری وجہ سے تو ملتی ہے باہر نکل کر دیکھو کتنے ننگے بھوکے انسان ہیں مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر تم لوگ ناشکرے ہوتے جا رہے ہو۔

وڈیرہ حق نواز نے اپنی کرسی پر بیٹھ کر حقہ منہ سے لگا لیا۔

نہ سائیں، یہ بچڑا تو بس ذرا جوانی کا جوش دکھا گیا وہ دل سے آپ لوگوں کی بڑی عزت کرتا ہے۔

ٹھیک ہے ٹھیک ہے جاؤ اب ۔مہران شاہ نے تڑخ کر کہا تو وہ سرعت سے زمین سے اٹھا اور دروازے سے اپنی چپل اٹھا کر فرشی سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

خدائے برتر

جو کچھ ہے تو ہے

تجھے یقیناً یہ علم ہوگا

کہ اس زمین پر کچھ ایسی بد بخت بستیاں بھی ہیں ۔جس کے باسی

تیری توجہ کے خواب قریئے میں جی رہے ہیں

تیری توجہ کا خواب قریہ جہاں اندھیرا ہی روشنی ہے

مجھے بتا ان گزشتہ نسلوں کا جرم کیا ہے
یہ کس سے اپنے گناہ پوچھیں
جو اپنے رستے سے بیخبر ہوں
وہ کس طرح تیری راہ پوچھیں
خدائے برتر خدائے برتر

وہ سخت پژمردہ دل ہو رہا تھا۔ تنکے سے خشک زمین پر بے مقصد لکیریں کھینچتے ہوئے جانے اسے کتنی دیر ہو گئی۔

بابا کی اس کے جانے کے بعد کیا عزت افزائی ہوئی تھی اس نے یہ بات بابا کو دہلیز سے اندر آتے ہوئے اور چارپائی سنبھالتے دیکھ کر محسوس کر لی تھی۔

بے شک بابا نے کچھ نہیں کہا تھا اس سے، مگر نم نم آنکھوں میں اداسی اور کمتری کا ایسا جال پھیلا ہوا تھا جس نے اسے بری طرح کبیدہ خاطر کر دیا تھا۔

اسے لگا جیسے بابا اس کی زبان، اس کے ہاتھ باندھ رہے ہیں۔ اس کے ارادوں کو متزلزل کر رہے ہیں مگر اتنی جلدی محض ایک جھٹکے میں وہ اپنے کب کے باندھے ہوئے ارادوں کو کیسے توڑ دیتا۔

سوائے خدائے برتر کے کسی کے آگے جھک جانا اس کی فطرت کے خلاف تھا، وہ ان ہزاروں بتوں کو ان معبودوں کو نہیں پوج سکتا تھا۔

سجاول پٹ فقیر محمد یہاں سے گزرتا ہوٹھٹھک کر رک گیا اس کے قریب چلا آیا۔

اسے امداد علی کے ذریعے خبر مل گئی تھی کہ وڈیرے نے اس کی بات کو قابل اعتنا نہیں جانا تھا۔ (یہ تو ہونا ہی تھا)

پٹ، تو دل چھوٹا نہ کرو، رابندی ہی سہی گزر ہو ہی جائے گی کل تین وقت کھاتے ہیں آج بھی تین وقت ہی سہی پر ذرا سوکھی کھا لیں گے۔

بات دکھ کی یہ نہیں ہے چاچا۔ وہ زمین پر لکیریں کھینچنے کا سلسلہ ترک کر کے پتھر پر

سے کھڑا ہو گیا۔

بات بے حیثیت، بے معنی ہو کر رہ جانے کی ہے، بے پر کے پرندے کی مانند زندہ رہنا کوئی زندگی ہے چاچا یہ محرومیاں برسوں سے چلی آ رہی ہیں، کہیں تو اسکا تدارک ہو۔

کوئی تو یہ آہنی زنجیریں توڑے، کوئی تو آگے بڑھے، مار کھا کر مارنے کا حوصلہ پیدا کرے۔

چل زیادہ پریشان نہ ہو، چل اٹھ چل تیرا وہاں انتظار کر رہا ہے، کہہ رہا تھا چاچا سجاول کو بھیج دینا۔

پٹ جا، تو چند ہفتوں کے لئے مہمان بن کر آتا ہے اور اتنا رنج اتنا بوجھ لے کر واپس جاتا ہے۔ فقیر محمد نے اس کا مضبوط شانہ تھپکا تو وہ مبہم سے انداز میں مسکرا کر آگے بڑھ گیا اونچا لمبا قد، چوڑے شانے بھرپور مردانہ چال فقیر محمد اسے دور تک دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں سراہ کر ماشاءاللہ کہہ کر اپنے رستے پر چل پڑا۔

سجاول کے رستے میں حویلی کی جیپ اچانک رکی تو وہ بھی ٹھٹھک کر رک گیا۔

غلام محمد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا اور جیپ واپنی مالکن کے حکم سے رکی تھی۔ آہستگی سے پچھلی چرف کا ریشمی جالی پردہ اٹھا اور عابدہ حق نواز کا چہرہ دکھائی دیا۔ ایک شوق کا جہاں خود بخود دل میں سمٹ آیا تھا فوراً ہی معمول پر آ گیا۔

السلام علیکم اس نے احتراماً مسکرا کر سلام کیا۔

وسلام کیسے ہو۔ عابدہ زرا سا مسکرائیں اس نے بھی آنکھوں کو جنبش دے کر شانے اچکا دیئے۔ ٹھیک ہوں۔

بڑے دن ہو گئے، بلقیس حویلی کی طرف نہیں آئی زیمل بہت یاد کرتی ہے اسے عابدہ حق نواز کے چہرے پر ملائمت اور اپنائیت تھی۔

زیمل کے نام پر احساسات ذرا سے منتشر ہوئے جیسے ساکن جھیل پر چھوٹا سا کنکر گرا

ہو۔

پتا نہیں، مجھے تو نہیں پتا میں بھیجوں گا۔

اداسجاول حویلی کے اندر بڑی گھٹن بڑا حبس رہتا ہے اندر رہنے والوں کے لئے کوئی راستہ کوئی دریچہ نہیں ہے، جو کھلی فضا، آزاد ہوا میں کھلتا ہو، نہ گرما دینے والی گرمی کا راستہ ہے نہ یخ بستہ کر دینے والی ٹھنڈی ہواؤں کا، اور یہ چری زیمل کچھ اور ہی سوچ رہی ہے وہ ناسمجھ ہے، پر دل کب سمجھداری کا ساتھ دیتا ہے وہ تمہیں منزل سمجھنے لگی ہے اپنی نجات کا ذریعہ، یہ جانتے ہوئے بھی کہ، راستہ کوئی نہیں ہے اور منزل ڈھونڈنے بیٹھی ہے، ہے ناں پاگل۔ عابدہ حق نواز نے رسانیت سے کہا۔

سجاول دم بخود رہ گیا۔

پھول تھامنا اتنا مسرت انگیز تجربہ نہیں ہوتا جتنا کانٹوں کا چبھ جانا تکلیف دہ ہوتا ہے ہزار کانٹوں میں گھرے پھول کو اٹھانے کی تکلیف کون گوارا کرتا ہے، جس طرح دلدل میں کھلے کنول کو حاصل کرنے کے لئے بھی جستجو نہیں کی جاتی یا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر یہ وہ باتیں نہیں سمجھتی چلو اللہ حافظ۔۔

پردہ سرک گیا اور پجیرو سبک روی سے آگے نکل گئی، اپنے راستے پر، سجاول سن سا کھڑا رہ گیا جیسے ہلنے کی طاقت سلب ہوگئی ہو۔

اڑتی دھول میں پجیرو نظروں سے غائب ہو چکی تھی، مگر وہ ان راستوں کو ابھی تک، تک رہا تھا خالی ذہن خالی نظروں سے۔

عابدہ حق نواز نے کوئی انکشاف کیا تھا یا کوئی نصیحت کی تھی یا محض اپنی صنف کی کم مائیگی اور لاچاری کا احساس دلایا تھا۔ یا جتا دیا کہ وہ بزدل کم ہمت ہے اور زیمل کی طرف وڈیروں کے خوف سے نہیں بڑھے گا۔ وہ یک وقت کئی احساسات سے دوچار ہو گیا۔

عابد حق نے چادر اتارتے ہوئے کمرے میں قدم رکھا تو زیمل آئینے کے سامنے

بیٹھی کلائیوں میں پڑی چوڑیوں سے کھیل رہی تھی۔ کسی گہری سوچ میں گم۔

کیا سوچ رہی ہو۔ انہوں نے چادر لپیٹ کر ایک طرف رکھی پیر چپل سے آزاد کر کے بیڈ پر گئیں۔

سوچنا کیا ہے، بڑے دن ہو گئے ہیں بلقیس بھی آئی نہیں ہے آ جاتی تو کچھ دل بہل جاتا ہے۔ وہ کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر آ بیٹھی۔

میرے ساتھ چلتیں تم چاچی کی طرف۔ ادی عابدہ نے غور سے اس کی شکل دیکھی پھر سر جھکا کر ہاتھوں سے موٹے موٹے کھنکتے کڑے اتارنے لگیں۔

ادی یہ تم کیوں اتار کر رکھ دیتی ہو پہنے رہو نا۔ انہوں نے اپنی مخصوص سنجیدگی سے کہتے ہوئے بیڈ سے اتر کر لاپرواہی سے کڑے سنگھار میز کے خانے میں ڈال دیئے۔

سجاول کو کہا تھا میں نے، کہ بلقیس کو بھیجنا حویلی۔ وہ اپنا سادہ سا سوٹ نکالتے ہوئے ذرا سا رخ موڑ کر اس کا چہرہ دیکھنے لگیں جس پر ایک رنگ سا آ کر ٹھہر گیا تھا۔

سجاول ۔۔۔۔۔ وہ آپ کو کہاں ملا ادی۔ اس نے سر اٹھایا مگر پھر دوسرے لمحے نظریں چرا لیں۔

راستے میں کہیں جا رہا تھا، میں نے گاڑی روک کر بات کر لی سچل تو بہن کے معاملے میں بڑا سخت ہے۔

لگتا ہے حویلی کے مالکوں کے ساتھ رہ کر ان جیسا ہی ہو گیا ہے۔ عابدہ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ زیمل نے جھکی جھکی پلکوں سے نظر بھر کر دیکھا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

شام کو بلقیس آتی تو وہ کھل اٹھی پھر دونوں باغیچے کے مخصوص گوشے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

ارے ہاں تیرے اس رشتے کا کیا ہوا؟

زیمل کو اچانک یاد آ گیا۔ بلقیس بری طرح شرما گئی۔

بات پکی ہوگئی ہے اس لئے تو آتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔ اس نے یہ کہتے ہوئے دوپٹے میں اپنا چہرہ چھپالیا۔ زیمل مارے خوشی کے اسے دیکھے گئی پھر اس کا دوپٹہ کھینچ لیا اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں۔

اتنی خوشی کی خبر ہے اب مٹھائی تو کھلاؤ گی نا

ایسے نہیں، تم گھر آ کر کھانا۔ بلقیس نے کہا تو وہ ایک لمحے چپ سی رہ گئی۔

کتنے عرصے سے وہ بہانہ تلاش کر رہی تھی۔ بلقیس کے گھر جانے کا اور جیسے اچانک اس کا روان روان کھل اٹھا۔

ہاں ضرور۔

سچ بلقیس پہلے حیران ہوئی پھر خوشی سے بولی، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پتا ہے کیا، ادا سجاول اس دن کہہ رہا تھا۔ وڈیری زیمل تو پاگل لگتی ہے۔

کیا آ۔۔۔۔۔۔ سجاول نے کہا۔ اس کا دل سینے میں دھک دھک کرنے لگا لمبی پلکیں لرز کر رہ گئیں۔

بلقیس سادگی سے کہہ رہی تھی۔ میں اس سے لڑ پڑی، میں نے کہا تو اس نے بھلا کیا پاگلوں والی حرکت کی ہے پاگل ایسے ہوتے ہیں، تو۔۔۔۔۔ بولا ایسے ہی تو ہوتے ہیں۔

زیمل جھٹ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ اسے لگا جیسے بلقیس نے یہ باتیں کہ کر دل کے ساز پر مضراب مار دیا ہو جس سے ہر تار جھنجھنا اٹھا ہو۔ کوئی انوکھا گیٹ چھڑ گیا ہو۔

اس کا چہرہ لال ہوگیا۔

(جذبوں کو چھپا چھپا کر جینا بھی کتنا مشکل کام ہے، احساسات پر بند باندھنا ہزار طوفانوں کی موجودگی میں اور بھی مشکل۔)

بلقیس، میں واقعی پاگل ہوں۔ اس نے میرا پاگل پن دیکھا ہوگا تب ہی کہا نا

پتلے پتلے ہونٹوں کے درمیان بڑی پیاری مسکراہٹ تھی۔ جس کا مفہوم بلقیس کی سمجھ

سے بالاتر تھا۔

اونہہ، چھوڑو وہ تو یوں ہی چھیڑ رہا تھا تم کوئی پاگل تھوڑی ہو۔ اسے بلقیس کی اس وضاحت اور تسلی کی ضرورت کہاں تھی۔ اسکا دل تو انوکھی لے پر دھڑکے جا رہا تھا۔

یہ انکشاف جیسے اسے بڑا ہی خوبصورت محسوس ہوا تھا وہ بے مقصد مسکراتی رہی۔

اماں کی خوب منتیں کر کے بلقیس کے گھر جانے کی اجازت حاصل کی اس میں زیادہ ہاتھ زینت کا تھا جو تیسری اور فی الحال چہیتی بیوی تھی، وڈیرہ حق نواز کے سامنے اس معاملے میں اس کی چل ہی گئی۔

زیمل تو کھل اٹھی۔ مگر جانے کیوں بڑی اماں کا چہرہ بجھ گیا۔ شاید اندر کہیں اپنی ذات کے بے معنی ہونے کا دکھ امنڈا اور پھر اندر ہی کہیں گم ہو گیا تھا۔

وہ بھاگل کے ساتھ آئی تھی مگر بھاگل کو اس نے بلقیس کے گھر کے باہر ہی سے واپس حویلی بھیج دیا یہ کہہ کر کہ سچل کو کہہ دینا وہ ایک گھنٹہ بعد مجھے گاڑی میں آ کر لے جائے۔

دروازہ سجاول نے کھولا تو اسے دیکھ کر دیواروں کی مانند گنگ رہ گیا۔ سیاہ دھاگے اور شیشوں کے کام والی بڑی سی چادر میں وہ پرنور مسکراتے معصوم چہرہ کے ساتھ بے حد نزدیک تھی۔

دوسری طرف بھی کچھ ایسا ہی حیرت کا عالم تھا۔ مگر یہ عالم مدہوشی شرم و حیا کے باعث لمحہ بھر ہی رہا دوسرے لمحے چوڑیاں چھنکیں تو وہ ہوش میں آ کر جلدی سے پلٹ کر اندر چلا گیا بلقیس اسے دیکھ کر سبزی کاٹتے چھوڑ کر بھاگ کر آئی۔

ہائے اماں دیکھ تو زیمل وڈیری آئی ہے ہمارے گھر۔

یہ کیا دیوانگی ہے بلقیس اس نے اندر بلقیس کے ساتھ قدم رکھا تو دیوار کے پاس سے اس کی بھاری ناگواری سے بھری آواز ابھری۔

کوئی اتنی اہم شخصیت تو نہیں آ گئی گھر میں، کہ اتنی خوش ہو رہی ہے وہ بھی انسان ہی ہیں تمہارے میرے جیسی۔ وہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ مگر لفظوں کے نشتر

اور لہجے کی کاٹ زیمل حق نواز کی پور پور میں اتر گئی۔ اس کا چہرہ احساس تذلیل سے لال ہو گیا۔ بلقیس الگ اپنی جگہ خفیف سی ہو گئی اسے یقین نہیں تھا کہ اسکا بھائی یہ رویہ اختیار کرے گا۔

چار کتابیں پڑھ کر اسکا دماغ خراب ہو گیا ہے ادا کا تو بلقیس، دھیرے سے بڑبڑائی پھر دروازے سے دو چار قدم اندر ہی ساکت ہو جانے والی زیمل کا ہاتھ تھام کر بولی۔

تم برا نہ ماننا ادی یہ تو۔

نہیں برا تو ان باتوں کا مانا جاتا ہے بلقیس جو غلط ہوں، اس نے کچھ غلط تو نہیں کہا۔ ہے وہ خود کو سنبھال چکی تھی اور خوش دلی سے ہنس دی۔

بے شک اس کا رویہ ناشائستہ تھا اور لہجہ تلخ، اس سے قطع نظر اس کی یہ باتیں یہ نظر بات اسے پسند تھی عاجزی سے جھکنے والے، سینے پر ہاتھ باندھ کر منمنانے والے انسان اسے کب اچھے لگتے تھے اس کے چہرے پر خفگی کا کوئی تاثر نہ دیکھ کر بلقیس کو تسلی ہوئی وہ اسے لئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اماں گوٹھ کے وڈیرے کی بیٹی کو اپنے آنگن میں دیکھ کر بدحواس سی ہو کر چارپائی بچھانے لگیں۔

بسم اللہ، بسم اللہ، آج تو ہمارا آنگن چمک گیا آؤ آؤ۔ انہوں نے جلدی میں چارپائی پر اپنی اوڑھنی ہی بچھا دی۔

سیدھے سادے معصوم لوگوں کا اپنائیت بھرا یہ انداز اس کا دل گداز کر گیا۔ وہ بجائے چارپائی پر بیٹھنے کے اماں کے قریب آئی ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

میں بھی بلقیس کی طرح ہی ہوں، مجھ سے غیریت نہ برتیے۔ اس کی آواز بھاری ہو گئی پھر وہ زور سے ہنس دی۔

میں تو بلقیس کی بات پکی ہونے کی مٹھائی کھانے آئی ہوں۔

ہاں، ہاں کیوں نہیں۔ اماں اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر چائے پانی کا انتظام کرنے

کمرے سے چلی گئیں وہ اور بلقیس ایک چارپائی پر بیٹھ کر بے تکلفی سے باتیں کرنے لگیں۔ مگر اس بے تکلفی میں بلقیس کے انداز میں ایک احتیاط تھی ایک احترام تھا کہ بہر حال وہ ایک وڈیری تھی۔

سجاول، حویلی کے اندر بڑی گھٹن، بڑا حبس ہے، اندر رہنے والوں کے لیئے کوئی در، کوئی دریچہ کھلی فضا میں نہیں کھلتا۔ عابدہ حق نواز کے جملوں کی بازگشت سجاول کے ذہن میں ابھری۔ وہاں بھی وہ عجیب سے احساس کا شکار ہو رہا تھا۔

بلقیس کی کسی بات پر وہ زور سے ہنسی تھی۔ کھلے کھلے شفاف چہرے پر ہنسی کی یہ چاندی بیحد بھلی معلوم ہو رہی تھی اتنی کھنکتی اور آزاد ہنسی تھی۔ سجاول سومرو کے پورے وجود میں ایک سرمستی سی دوڑ گئی۔ وہ اچانک صحن میں چلا آیا اسے دیکھ کر اس کی ہنسی یوں بند ہو گئی جیسے روشنی کے آبشار کے سامنے کسی نے دیوار کھڑی کر دی ہو، جیسے نغمہ ساز کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو۔

اس کے نازک ہونٹ آپس میں جڑ گئے اور نظریں سجاول کے نکھرے وجود سے ہو کر جھک گئیں جب کہ بلقیس اس کی موجودگی سے بیخبر کہہ رہی تھی۔

تم نے ادا سجاول کی باتوں کا برا تو نہیں مانا تھا نا، پتا نہیں اسے حویلی سے کیا پرخاش ہے۔ بہت خفا رہتا ہے وہ رئیس لوگوں سے

بلقیس اس کے دل کی غیر معمولی دھڑکن سے بھی بے نیاز تھی۔

شاید اسی لیے وہ تمہیں دیکھ کر یوں غصے میں آ گیا، ورنہ بھلا تم سے اس کی کیا دشمنی۔

نہیں بلقیس مجھے تو خوشی ہے کہ دشمنی کا ہی سہی اس نے حویلی والوں سے کوئی رشتہ تو جوڑا۔

وہ پلکیں جھپکا کر بیاختیار بول گئی۔ بلقیس نے حیرت سے اس کی جھکی جھکی لرزتی پلکوں کی گھنی باڑھ کو دیکھا، پھر سجاول کی موجودگی محسوس کر کے پلٹی، اور جیسے بہت کچھ سمجھ گئی۔

وڈے لوگوں سے دشمنی مول لے کر ہم چھوٹے لوگوں کا نقصان ہوتا ہے، آقا اور

غلام کا رشتہ کافی نہیں ہے کیا۔

وہ استہزائیہ انداز میں ہنستا ہوا ان دونوں کی طرف آ گیا بڑا طنزیہ لہجہ تھا۔

ہم سے مراد میں خود ہرگز نہیں ہوں، بلکہ یہ گوٹھ والے ہیں جن کو سیڑھی بنا کر ہی وہ اپنی انانیت کی تسکین کرتے ہیں اگر یہ سیڑھی ہٹ گئی تو، وہ بھی زمین پر ہوں گے، مگر۔۔۔۔وہ لمحہ بھر کو رکا۔چہرے پر پتھریلا پن سمٹ آیا۔

مگر المیہ تو یہی ہے کہ گوٹھ والے اپنی ہی طاقت سے بیخبر ہیں اور میرا مقصد ان میں صرف اور صرف یہی شعور بیدار کرنا ہے، کہ آقا اے وقت جنم لیتے ہیں جب انہیں کوئی آقا کہنے والا اور سمجھنے والا ہو، کوئی پیدائشی غلام نہیں ہوتا نہ ہی کوئی پیدائشی آقا ہوتا ہے، ہر شخص اپنی اپنی سوچوں کے مطابق خود کو اپنے رشتوں، سانچوں اور طبقوں میں ڈھال لیتا ہے۔

ادا بلقیس نے کچھ کہنا چاہا کہ زیمل نے اسے روک دیا۔اور اپنی جگہ سے ہٹ کر سجاول کے سامنے آ گئی۔

میں جانتی ہوں، تم یہ باتیں بابا سائیں کے سامنے بھی کہنے کی جرات رکھتے ہو مگر، خدا کے واسطے ان کے سامنے بھی نہ کہنا، ایک عمر سے آقا کہلوانے والے اتنی جرات برداشت نہیں کر سکیں گے، اور کوئی بڑا نقصان تمہاری جھولی میں نہ آ گرے، میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی گزند۔۔۔۔۔اس کی آواز بھر آ گئی۔دراز پلکیں لرز کر آنکھوں پر یوں جھک گئیں جیسے کسی چشمے پر بید مجنوں کی شاخیں، سجاول دم سادھے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ان لرزتی پلکوں کے سائے میں اس لہجے میں کیا کچھ نہ تھا۔

وہ کوئی سادہ لوح یا نوعمر بہر حال نہیں تھا کہ وہ رنگ نہ پہچانتا، محبت کی روشنی کو نہ پہچان پاتا جس میں دل کے ہفت رنگ جذبے یوں یکجا ہو جاتے ہیں جیسے آسمان پر شفق رنگ بھر جاتے ہیں۔اس کا دل سینے کی چار دیواری میں کسی انقلاب سے دوچار ہونے لگا۔

خود کو مضبوط اور ناقابل تسخیر سمجھنے والا سجاول اس معصوم صورت سے تسخیر ہو گیا تھا۔

اسے لگا ریمل حق نواز نے اس کے دل کے ساز پر ہاتھ رکھ دیا ہو، اور ایک خوبصوت موسیقی بج اٹھی ہو۔ جس کے لے میں وہ خود کر بہتا ہوا محسوس کرنے لگا تھا۔

میں چلوں گی بلقیس۔ وہ نظریں اٹھانے سے گریز کر رہی تھی۔

سجاول سومرو کی۔۔۔۔۔ آنکھوں میں کچھ ایسی گہرائی اور خوبصورتی ہویدا تھی کہ ان میں ڈوب جانے کا کھو جانے کا خوف ابھر رہا تھا۔

وہ ڈھلکتی چادر سر پر ڈال کر جانے کو پلٹی۔ مگر دوسرے لمحے اس کی چوڑیوں سے سجی نرم و نازک کلائی اس کی مضبوط ہتھیلی میں تھی۔

بات سنو۔ جہاں اس کا دل زور سے دھڑکا، وہیں بلقیس آنکھیں پھاڑے اپنے ادا کی اس جرات پر حیران و پریشان نظر آنے لگی۔ اور پھر گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ زیمل کا چہرہ اس کی قربت کی تپش سے گرم ہو رہا تھا۔

زیمل حق نواز اوپر سے نیچے اترنا جتنا آسان دیکھائی دیتا ہے، نیچے سے اوپر چڑھنا اتنا ہی مشکل، تم مجھ تک تو آ سکتی ہو، مگر میرا اوپر چڑھنا ناممکن ہے۔

حیرت ہے، میں تو تمہیں بہت بہادر اور دلیر سمجھ رہی تھی۔ وہ آہستگی سے اس کی گرفت سے کلائی چھڑا کر دل کو سنبھالتے ہوئے ہولے سے ہنسی۔ اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا اور استہزائیہ تھا سجاول ہونٹ بھینچ کر چند ثانیے اسے دیکھتا رہا۔

وہ دونوں اس لمحے اس بات سے بے نیاز تھے کہ یہاں حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن بلقیس بھی کھڑی ہے۔

جب حویلی کی ایک نازک لڑکی اتنی جرات مند ہو سکتی ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے

کہ۔۔۔۔۔ سجاول علی شاہ بزدل ہو مگر۔۔۔۔ وہ ایک قدم اس کی جانب بڑھا اس کی سمت ذرا سا جھکا، اور اس کی کھلی کھلی سمندر صفت آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

یہ ایقان بھی تو ہو، کہ پھر وہ خالی ہاتھ نہیں رہے گا صرف تشنگی اس کے حصے میں نہیں گی۔

اس کے لہجے میں مہکتے جذبوں کی کمیبھر تا تھی وہ جذبے جو زیمل حق نواز کی رگوں میں اتر کر خون میں گردش کرنے لگے تھے۔

اس نے ذرا سی پلکیں اوپر اٹھائیں پھر رخ موڑ لیا۔ یہ کوئی سودا تو نہیں ہے سجاول علی شاہ، منزل کا یقین تو مسافت طے کرنے کے بعد ہی ملے گا وہ رکی نہیں اور سرعت سے باہر نکل گئی جہاں گاڑی اس کی منتظر تھی۔

ہاں زیمل حق نواز منزل کبھی خود چل کر نہیں آتی اس کے لیے سفر ضروری نہیں ہے۔ اس کے لبوں کی تراش میں دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ پلٹا مگر بلقیس پر نگاہ پڑی تو خجل سا ہو کر رہ گیا۔

دیکھا ناں میں نے کہا تھا نا، تیری وڈیری، بالکل پاگل ہے۔

ہاں ادا تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، وہ واقعی پاگل ہے۔ بلقیس دھیرے سے بڑبڑائی اور بڑے بڑے قدموں سے باہر کی طرف جاتے سجاول کو خوشی، خوف اور حیرت کے ملے جلے احساسات کے ساتھ دیکھتی رہ گئی۔ اس انکشاف نے جہاں اسے حیران کیا تھا مسرت سے گدگدایا بھی تھا وہیں خوف کا ناگ بھی سر اٹھا کر پھنکارنے لگا تھا۔

یہ جوڑ، کیا ممکن ہو سکتا ہے وہ دونوں اس راہ میں قدم رکھ کر سود و زیاں سے یکسر بینیاز ہو چکے تھے مگر۔۔۔۔ بلقیس ساری رات کروٹ پر کروٹ بدل کر اچھے اور برے خیالات میں جکڑی رہی۔

میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا
تو بہاروں کی خوشبو گھنی چھاؤں ہے، میں ستارا تیرا
زندگی کی ضمانت تیرا نام ہے، تو سہارا میرا
میں نے ساری خدائی میں تجھ کو چنا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا

تم چلو تو ستارے بھی چلنے لگے، آنسوؤں کی طرح
خواب ہی خواب آنکھوں میں جلنے لگے آرزو کی طرح
تیری منزل بنے میرا ہر راستہ

وہ بال بکھرائے انہیں دھیرے دھیرے سلجھاتی پھر بگاڑ دیتی پھر سلجھانے لگتی، ساتھ ساتھ گنگنا بھی رہی تھی۔ ادی عابدہ، دروازے کی چوکھٹ پکڑے خاصی دیر سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ پھر اندر اس کے پاس آ گئیں۔

کیا بات ہے، آج بہت خوش دکھائی دے رہی ہو۔ انہوں نے اس کے سراپے پر ایک نگاہ ڈالی۔

ہوں وہ پلٹ کر مسکرائی پھر برش سنگھار میز پر رکھ کر بالوں کو پیچھے جھٹک کر دریچے سے باہر جھانکنے لگی۔

وہی لان تھا، وہی فضا تھی، وہی رنگ تھا آسمان کا، مگر اسے ہر شے میں آج نغمگی اور تازگی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دریچے سے لگ کر مسکرانے لگی۔

خوشی کا احساس تو دل کی زمین سے پوٹتا ہے ادی زمین دل شاداب اور سیراب ہو تو پھر وہاں سے خوشیوں کی کونپلیں ہی پھوٹتی ہیں۔

عابدہ دم سادھے اس کی پشت پر بکھرے بالوں کے لچھوں کو تکتی رہ گئیں جو ہوا کے تھپڑوں سے اٹکھیلیاں کرتے وہ بھی مسرور دکھائی دے رہے تھے۔

زیمل کو کیسی خوشی مل گئی اس بند اور حبس زدہ حویلی میں کہ۔۔۔۔۔ اس کا لہجہ بھی مہک رہا ہے۔ اچانک ان کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ انہیں اس کی خوشی کا جواز فوراً ہی سوجھ گیا۔

سجاول سے تیری ملاقات ہوئی ہے کیا۔ وہ دھیرے سے پوچھنے لگی اس کا دل دھک سے رہ گیا اس نے پلٹنا چاہا مگر پلٹ نہ سکی۔ عابدہ کا شفیق ہاتھ شانے پر آیا تو اس کا دل دھڑکنے لگا۔

کہیں یہ خوشی عارضی نہ ہو زیبے، یہ رنگ کچے نہ ہوں اب تو خوف آتا ہے مجھے خوشی کی لہر سے بھی کہ کہیں یہ بھی ڈبو ہی نہ دے۔ وہ جھٹکے سے پلٹی۔ ادی عابدہ اسے بہت محبت سے دیکھ رہی تھیں۔ مگر آنکھوں میں تشویش جھلک رہی تھی۔ وہ بے اختیار ان کے مہربان شانے پر جھک گئی۔

تجھے کیسے خبر ہوئی ادی کہ میری خوشیوں کا راستہ سجاول کی طرف جاتا ہے۔ اس کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور شرم بھی، عابدہ ہولے سے ہنس دیں اور دریچے کا پردہ پورا کھولنے لگیں

بس خبر ہوگئی انہوں نے باہر پھیلتے اندھیرے میں نگاہیں گاڑ دیں۔

(میں محبت کے لمس سے نا آشنا رہی ہوں تو کیا ہوا، محبت کے رنگ تو جانتی ہوں، اس خوشبو کو پایا نہیں تو کیا ہوا، پہچان تو ہے۔ ہنسنا بھول گئی ہوں پر، ہنسی کے سارے سر جانتی تو ہوں۔)

ارے واہ ایسے کیسے خبر ہوگئی۔ وہ سر اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

تیرے تو انگ انگ سے پتا چلتا ہے، بے وقوف کیا جانتی نہیں میں کہ بلقیس سے ملنے، اس کے گھر جانے کے کو تو اتنی بیتاب کیوں ہوتی ہے، اور اب بلقیس کی سگائی میں جانے کیلئے زینت اماں کی اتنی منتیں کر رہی ہے کہ بابا سائیں تجھے بھیج دیں۔ عابدہ ہنس کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولیں تو وہ شرما کر ان سے دور ہٹ گئی اور بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

وہ بہت سٹھا ہے ادی تم ملو گی، اسے دیکھو گی، اس کی باتیں سنو گی تو تمہیں بھی اس سے۔۔۔۔۔ میں سچ کہتی ہوں ادی۔

ہاں بڑا کڑیل لڑکا ہے مگر، مگر میں ڈرتی ہوں، یہ سب جس طرح تم یا میں سوچ سکتے ہیں کیا، ایسا ہونا ممکن ہے۔ عابدہ اس کے چہرے پر پھیلے رنگ اور آنکھوں میں چھائے سجاول کے عکس کو دیکھ کر خوفزدہ ہو رہی تھیں۔

میں کچھ نہیں جانتی ادی، بس مجھے یوں لگتا ہے میرے حصے کی ساری خوشیاں سجاول کی مٹھی میں ہیں۔

مگر تیری تقدیر بابا سائیں کی مٹھی میں ہے عابدہ حق نواز کے لبوں پر مجروح مسکراہٹ بکھر کر ٹوٹ گئی وہ الماری سے اپنا جوڑا نکالنے لگیں پھر کچھ سوچ کر پلٹ کر بولیں۔

وہ کیا کہتا ہے کیا اس میں اتنی جرات ہے کہ وہ اس حویلی میں، تیری تقدیر میں انقلاب لا سکے گا۔

زیمل نے انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر بہن کا چہرہ دیکھا خود بخود دھیمی مسکراہٹ لبوں کی تراش میں سمٹ آئی۔ بھلا سجاول سومرو کی دلیری اس کی جرات سے کون واقف نہیں تھا مگر اسے یوں بیجا بانہ اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے ادی سے شرم آنے لگی۔

اگر وہ دلیری اور جرات مند ہے، تب بھی کیا وہ تقدیر سے لڑ سکے گا۔ عابدہ حق نواز کے دل پر اداسی اور مایوسی کا دل شکن اندھیرا گہرا ہو گیا۔ انہیں زیمل کی یہ خوشی پانی کے بلبلے کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

تم وڈی بزدل ہو ادی۔ وہ مسکرا کر ان کے نزدیک چلی آئی جہاں بابا سائیں سے خوفزدہ رہیں، وہیں اپنی تقدیر سے بھی ناامید رہیں۔ ہم کیسے سوچ سکتے لیں کہ ہماری تقدیریں اللہ نے ہمارے باپ بھائیوں کے ہاتھوں میں تھما دی ہیں، انہیں ادی، تمہیں تمہارا گمان لے ڈوبا مگر میں؟؟؟ گمان نہیں ہوں، کہتے ہیں اللہ ہمارے گمان کے ساتھ ہے، بیشک بہت جرات مند بھی تقدیروں کے دھارے نہیں موڑ سکتا، مگر یہ بھی تو کہتے ہیں نہ کہ تقدیر ہمیشہ بہادروں کا ساتھ دیتی ہے۔

اور سچ تو یہ ہے ادی کہ محبت ان تمام باتوں سے الگ ہے یہ آپوں آپ گھنگھور بادل کی مانند زمین دل پر برس جاتی ہے میں بھی جل تھل ہو گئی ہوں، مجھے اب نہ بہہ جانے کا خوف ہے، نہ ساحل کی تمنا وہ جذبوں سے پر آواز میں بولی

عابدہ حق نواز جذبوں کی شدت سے پاگل لڑکی کو دیکھتی رہ گئی۔

تو کیا وہ اس راستے پر پہنچ چکی ہے جہاں سفاک حقیقت چھپ جاتی ہے اور خوش گمانیوں کی چادر تن جاتی ہے جہاں امیدوں کا جہاں آباد ہو جاتا ہے اور سب کچھ پا لینے کی خواہش یا پا رلگا دیتی ہے یا ڈبو دیتی ہے۔

خدا نہ کرے کہ میری زیمل غم کے سمندر میں ڈوب جائے۔ ان کارواں رواں ریمل کے لیے دعا گو ہو گیا۔

بھیٹن منجھو چلڑو پاٹی مہ

کینھن پیو چلڑو پاٹی مہ

بلقیس کی ماما اور چاچا کی بیٹیاں بڑی خوبصورت لڈی ڈالے ہوئے تھیں۔ آج بلقیس کی منگنی تھی وہ کڑھائی اور شیشوں سے جگمگ کرتے اور بڑے سے دوپٹے میں جھلملاتے زیورات کے ہمراہ بڑی پیاری لگ رہی تھیں۔

ماسی سکینہ اور امداد علی کے چھوٹے سے گھر میں آج خوب رونقیں تھیں۔ زیمل حق نواز کے لیے یہ کھلکھلاہٹیں یہ رونقیں بڑی دلچسپی لیے ہوئے تھیں۔ وہ بابا سائیں کی خوب منتیں کر کے اور چھوٹے رئیس سلطان شاہ کی حمایت پر بلقیس کے گھر آئی تھی۔ اب لمحے لمحے سے خوشی کشید کر رہی تھی۔

وہ اپنے دامن دل میں انمول یادوں کا اضافہ کرنا چاہتی تھی۔ اسے یہ خوش آئند لمحے بھلا حویلی میں کہاں ملنے تھے۔

بہت تھک گئی ہو گی وہ ہجوم سے نکل کر جب ایک خالی کمرے میں پڑی چارپائی پر لیٹی تو بلقیس اس کے پاس چلی آئی۔

وہ ابھی تک ان ہی کپڑوں میں تھی رسم ہو چکی تھی۔ ٹیلیہ (چاند کا نشان اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس لڑکی کا رشتہ کسی سے طے ہو گیا ہے) اس کی صبیح پیشانی پر بھنوؤں کے درمیان چمک رہا تھا۔

بھلا خوشیوں سے جھولی بھرتے ہوئے بھی کوئی تھکتا ہے۔وہ ہنس دی۔

آ لاں تمہاری باتیں تم میرے سر سے گزر جاتی ہیں،تم نے کھانا بھی نہیں کھایا میں ابھی لے کر آتی ہوں۔بلقیس نے اپنا جگمگاتا گاج (دوپٹہ) اتار کر مسہری پر رکھا اور سادی چادر اٹھا کر اوڑھ لی تم آرام سے بیٹھو کھانا وانا بھی کھالوں گی،دلہن یہاں وہاں چک پھیریاں کھائے گی،سسرال والے دیکھیں گے تو کیا کہیں گے کہ ہماری دلہن تو آپے میں نہیں نے مارے خوش کے

کوئی نہیں،وہ بھلا کہنے والے کون ہیں،ویسے وہ جا بھی چکے ہیں۔بلقیس ہنستی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔وہ مسہری پر بیٹھی رہی پر تھکن اور ایک طرح کی سرشاری سے اس کی آنکھیں ازخود بند ہو رہی تھیں۔اس چھوٹے سے گھر میں بیآ رام چارپائی پر کتنا سکون مل رہا تھا۔

اس نے کھڑکی سے آتی روشنی سے بچنے کے لیے منہ پر ازخود چادر ڈال لی اور بلقیس اور اس کے گھر کے لوگوں کے بارے میں سوچنے لگی۔

اوئے بلی،آتے ہی پڑ کر سو گئی۔کسی نے روز سے اس کے منہ سے چادر نما دوپٹہ کھینچ لیا۔وہ ہڑبڑ آ کر اٹھ بیٹھی یہ غیر اخلاقی حرکت کرنے والا سجاول تھا۔وہ بھی بلقیس کے بجائے زیمل حق نواز کو یوں اپنے کمرے میں اپنی مسہری پر سوتا دیکھ کر سٹپٹا گیا۔

اوہ،سوری میں سمجھا بلقیس ہوگی۔وہ مسہری سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا مگر نظریں باوجود کوشش کے نہ پھیر سکا۔وہ پیرٹ گرین کڑاھی والے کرتے اور کڑھائی کے ہم رنگ میں بڑی نکھری نکھری دکھائی دے رہی تھی۔چمکتی جھیلوں جیسی آنکھوں اور مہکتے رخساروں پر سبز رنگ ایک بہار دکھا رہا تھا آج پہلی بار اپنے دراز بالوں کو چوٹی کی بجائے سبز رومال سے جکڑ رکھا تھا۔کانوں میں چھوٹی چھوٹی جھمکیاں لٹک رہی تھیں۔جو کھڑکی سے آتی روشنی میں جگر جگر کرتیں چہرے پر نکھار لا رہی تھیں۔

سجاول سومرو کو لگا جیسے اس کا پورا کمرہ مہک اٹھا ہو۔موسم نے یہیں ڈیرہ ڈال لیا ہو۔

سوری تم مجھے کہنا چاہیئے کہ بن پوچھے تمہارے کمرے میں ڈیرہ ڈال لیا ہے وہ اب بظاہر خود کو سنبھال چکی تھی۔ مگر دل کو اب تک نہ سنبھال پائی تھی۔ جو پاگل ہو رہا تھا۔

بن پوچھے دل میں بھی تو ڈیرہ جما لیا ہے، اس پر معذرت نہیں کرو گی، پوری خالی زمین پر قبضہ کیا ہے۔ سجاول نے یہ کہتے ہوئے اس کی شرم سے اٹھتی گرتی پلکوں کا کھیل بیحد دلچسپی سے دیکھا۔ اس کے عارض کو یوں یکدم دہکتے دیکھنا اس کے لیے بڑا دلچسپ تجربہ تھا دل کو گدگدانے والا جذبوں میں ہیجان پیدا کرنے والا، مگر وہ بیحد مضبوط اعصاب کا تھا کوئی سطحی حرکت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

سجاول علی شاہ حساب تو تم نے بھی پورا لے لیا۔

وہ مسہری سے اٹھ کر ذرا سا ہنسی پھر دوپٹہ سر پر ڈال لیا اس طرح کہ اس کا سرخ دیکتا جذبوں سے پر چہرہ آدھا چھپ گیا۔

ارے بیٹھو نا دیکھا میرا کمرہ وہ راہ میں آئی کرسی ایک طرف ہٹا کر کمرے پر طائرانہ نگاہ دوڑاتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا۔

بس یہی ہے میرا دولت کدہ دیکھ لو اور اب بھی وقت ہے سوچ لو، وڈیری حق نواز کہ آسمان سے اتر کر زمین پر آنا پڑے گا، تمہارے لیے یہ سراسر خسارے کا سودا ہے۔ اس کا لہجہ بڑا سنجیدہ اور لیے دیئے سا ہو گیا۔

زیمل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر اس کی پلکیں اس کے سراپے پر ٹھہر گئیں۔ سیاہ شلوار سوٹ میں وہ اونچا لمبا، چہرے کی خوبصورتی میں سنجیدگی سمیٹے، اسے اپنے دل میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

اتنی بہت سی کتابیں پڑھ کر تم شاید لطیف جذبوں کو، چاہے جانے کے فخر کی دولت کو، فضول خیال کرنے لگے ہو، محبت کوئی کاروبار تو نہیں ہے سجاول شاہ اگر سودا بھی ہے تو دل کا، جس میں نہ خسارے کا حساب لگایا جاتا ہے نہ منافع کا، اکنامکس کا کوئی اصول نہیں ہے۔ اس کے لہجے میں دبا دبا احتجاج تھا ہلکی خفگی تھی سجاول نے اس کا دل ہی توڑ ڈالا

تھا۔

کیا اب بھی وہ اس کے جذبوں کو حویلی کے بڑے سردار کی ذہنی سوچ سے تول رہا تھا۔ یہ تو ایک جواں سال لڑکی کے نوخیز جذبے تھے۔ جو مثل مہتاب تھے اور بھلا ابھرتے مہتاب کا راستہ کون روک سکا ہے۔ یہ سجاول اسے نفع نقصان سے کیونکر ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے۔

وہ جانے لگی تو اس نے بڑی نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی جانب کر لیا، اس نے پلکیں اوپر اٹھائیں وہ بڑی لگاوٹ اور جذبوں سے پر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

خفا ہو گئیں

نہیں اس نے پلکوں کو منوں بوجھ کے ساتھ رخساروں پر جھکا لیا۔

(پتا نہیں اس شخص کو کیسا ہنر آتا ہے خفا کر کے منا لیتا ہے یا پھر اسے ہی خفا ہونا نہیں آتا) بہت اچھی لگ رہی ہو، یقین کرو، تمہیں یہاں دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہے۔

اس کے لہجے میں کوئی جھوٹ، کوئی بناوٹ نہیں تھی وہ بے حد سادگی اور محبت سے کہہ رہا تھا اس کے رخساروں پر لہو رنگ چھلک آیا۔

محبوب کی اس تعریف نے اس کے دل میں پھول کھلا دیئے۔ اس نے خود بھی آئینے میں اپنا سراپا دیکھا تھا اسے اچھا بھی لگا تھا ادی عابدہ اور بلقیس نے بھی اس کی بہت تعریف کی تھی۔ مگر سجاول کے منہ سے، اپنی تعریف سن کر اس کا دل اور طرح سے سرشار ہوا تھا۔ اسے پہلی بار معلوم ہوا تھا کہ محبوب کی ذرا کی تعریف ذرا سی توجہ دل میں کیسے کیسے پھول کھلا دیتی ہے کتنی خوشیاں بھر دیتی ہے۔ کیسے رنگ بھر دیتی ہے۔

اچانک کھڑپڑ کی آواز پر وہ سنبھل گئی۔

؟؟؟ نازیمل وہ اسے دروازے کی جانب لپکتا دیکھ کر بے تابی سے پکار بیٹھا۔

نہیں بہت دیر ہو جائے گی حویلی سے گاڑی بھی آتی ہو گی بلکہ ادا سچل نے گاڑی تو

شاید یہاں ہمیں لا رکھی ہے، تم شہر کب جا رہے ہو وہ رک کر کچھ سوچ کر پوچھنے لگی۔

کیوں کوئی فرمائش کرنی ہے وہ مسکرایا وہ بھی ہنس دی بڑی مطمئن ہنسی تھی۔

اب کسی چیز کی تمنا ہی نہیں رہی، بن مانگے ہی سب کچھ مل گیا ہے۔ اس نے یہ کہتے ہوئے بلقیس کو آتے دیکھا تو جھپاکے سے کمرے سے نکل گئی۔ سجاول مسکرا دیا۔ مگر دوسرے پل اس کی مسکراہٹ کو ہوگئی۔

سنجدگی چہرے پر سمٹ آئی وہ مسہری پر بیٹھ گیا۔

پتا نہیں وہ زیمل حق نواز کی ان مسکراہٹوں کو سدا بہار رکھ سکے گا یا نہیں، کہیں اس کے حوصلے کی چٹانیں چٹخ نہ جائیں۔ اس کے ذہن میں سوچوں کا ایک جہاں آباد ہو گیا۔ وہ اٹھ کر ٹہلتا ہوا کھڑکی تک آیا اور پردہ ہٹا کر باہر دیکھا تو زیمل حق نواز پر نگاہ پڑی وہ حویلی کی مخصوص پجیرو کے پاس کھڑی تھی۔ جس کو چلانے والا اس کا اپنا بھائی، وڈیرے کا ملازم سچل تھا۔ اس کے لبوں پر مجروح مسکراہٹ بکھر کر ٹوٹ گئی۔ وہ چاہتا تو زیمل حق نواز کے ساتھ یہ مختصر سفر کا ساتھی خود ہوتا، مگر اسے یہ گوارہ نہیں تھا وہ اس کے ہمراہ پورے استحقاق کے ساتھ چلنا چاہتا تھا سر جھکا کر مؤدب ہو کر نہیں، چاہے وہ سفر ایسی کسی پجیرو میں نہیں پیدل ہی سہی لیکن اس فخر کے ساتھ کہ زیمل حق نواز اس کے ساتھ چل رہی ہے وہ وڈیری زیمل کے ہمراہ نہیں۔

ادھر زیمل نے پجیرو میں بیٹھتے بیٹھتے الوداعی نگاہ اس کی کھلی کھڑکی پر ڈالی اور پھر حیا آلودہ انداز میں سکڑ کر اندر گم ہو گئی، کھلی کھڑکی کے پردے بھی گرا لئے۔ جیسے چاند بادل میں چھپ کر متلاشی نظروں کو ستائے۔

سچل ویومر مرسیٹ کرتے ہوئے اپنی جگہ دم بخود رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے گھر کی کھڑکی سے سجاول کو دیکھ لیا تھا اور اب وڈیری کی نگاہ کا اٹھنا، حیا سے مسکرانہ اس سے مخفی نہ نہیں تھا۔

بلقیس کی طرح اسے بھی کچھ خبر ہو چکی تھی، اور اس وقت سجاول کے چہرے سے نہ ہٹتی

وڈیری کی صرف آنکھیں ہی پورا سراپا ہی تشہیر بنا ہوا تھا۔ اس کے دل پر عجیب سا سناٹا اتر آیا۔ وہ حیران ہی نہیں پریشان بھی ہو رہا تھا کہ کہاں زمین کہاں آسمان۔

بہت رات ہوگئی ہے نا۔ اس نے گاڑی آگے بڑھائی تب وہ آہستگی سے بولی۔

جی سائیں بس لڑکے والوں نے زیادہ دیر کر دی کیا کریں ہم دھی والے ہیں، سائیں سب برداشت تو کرنا پڑے گا۔ سچل کے لہجے میں انکساری تھی۔

ہاں بہت انتظار کرایا لڑکے والوں نے۔ وہ پردہ ہٹا کر باہر اندھیرے میں دیکھنے لگی، ہوطرف ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ سنسان راستوں پر ان کی پجیرو دوڑ رہی تھی۔ بالکل اچانک جیپ کے پہیوں کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی پھر ایک ہلکی سی چیخ نے اسے چونکا دیا۔ یہ چیخ نسوانی تھی اور انتہائی بیبس اور بیحد مختصر۔

گڈی روکو سچل۔ اس کی نگاہیں دائیں طرف دیکھ رہی تھیں۔ گھنے درختوں کی جھنڈ کی طرف وہ جیپ اس کے بڑے رئیس مہران شاہ کی تھی جس میں وہ اپنے دو آدمیوں کے ساتھ بیٹھا تھا جب کا پیچھے آتی جیپ میں چار خطرناک قسم کے آدمی بیٹھے تھے۔

اس کی آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں، ان میں سے دو آدمیوں نے درخت کی طرف بھاگتی لڑکی کو کھینچ کر جیپ میں بٹھالیا تھا، دوسرے لمحے لڑکی کی چیخیں ذرا سی گونج کر دم توڑ گئیں، یقیناً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا گیا تھا، یا اسے بیہوش کر دیا گیا تھا، اس نے پھر مہران شاہ کو ہاتھ لہرا کر کچھ اشارہ کرتے دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں جیپیں فراٹے بھرنے لگیں۔

کتنے ہی لمحے اسے اپنی بصارتوں پر اعتبار نہیں آیا، لڑکی کی چیخ، اس کا لہراتا ہاتھ، شاخ میں اٹکتا دوپٹہ، جیپ کی گھڑگھڑاہٹ اور مہران شاہ کی ہنسی۔

سارے منظر ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے اسے یکدم اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوا، اس نے پتھرائی آنکھیں کھڑکی سے ہٹا کر سچل کی طرف دیکھا جس کا چہرہ گاڑی کے اندر ہونے والی روشنی میں سفید دکھائی دے رہا تھا۔

یہ یہ سب کیا تھا سچل۔ وہ بامشکل بول پائی، اس کے حواس اب بھی قابو سے باہر تھے۔

یہ یہ تو ادامہران تھا نا۔ اس کی آنکھوں یکدم جلنے لگیں۔

ایسا کرو سچل، یہ پجیرو ان راستوں پر لے جاؤ جہاں جیپ گئی ہے۔ اس کے لہجے میں یکدم طلاطم امنڈ آیا، سچل لرز اٹھا۔

نن۔۔۔۔ نہیں نہیں سائون یہ کسے ہوسکتا ہے۔

کیوں، کیوں نہیں ہوسکتا۔ وہ چلائی سچ بتاؤ سچل یہ سب کیا تھا، اندھیرے میں کون سا کھیل کھیلا جا رہا ہے، وہ لڑکی کون تھی جس کی چیخوں کو دبایا گیا ہے۔

سائون معافی مانگتا ہوں، آپ کھڑکی کا پردہ گرالیں۔ سچل نے کہا تو اس نے بڑی زخمی نظروں سے اسے دیکھا، اس کے دل و دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں، دل اس روح فرا انکشافات پر دھڑ دھڑ جل رہا تھا سچل نے چہرہ سیدھا کرلیا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

مجھے ایسا لگ رہا ہے سچل جیسے یہ سب کچھ پہلی بار نہیں ہوا، ہوتا رہتا ہے، تمہارے چہرے سے لگ رہا ہے تم بارہا ایسے منظر دیکھے ہیں بولو ہے نا یہی بات۔۔۔۔؟ وہ ذرا آگے آئی اور پیچھے سے سچل کے شانے کو جیسے نوچ بیٹھی۔ وڈیری کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے اسے خواب سمجھ کر بھول جائیں، کوئی فائدہ نہیں نے۔ اوف وہ پیچھے ہٹی، سیٹ کی پشت پر سر ٹکا کر جلتی آنکھوں کو زور سے میچ لیا۔

یہ خواب نہیں تھا سچل سومرو، یہ سفاک حقیقت تھی جسے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے جھٹلایا نہیں جا سکتا، یہ حویلی کے عزت دار رائیس زادے کی برہنہ فطرت تھی، جو اس دبیز اندھیرے میں اپنی تمام تر خوفناکی کی اور بدنیتی کے ساتھ نمایاں تھی وہ اس لمحے بھوکا بھیریا دکھائی دے رہا تھا، میرے خدا کون ہوسکتی ہے وہ لڑکی، کس باپ کی کس ماں کے جگر کا ٹکڑا ہوگی، کس گھر کی عزت ہوگی جسے روندا جا رہا ہے۔ وہ بے اختیار سسک اٹھی۔

ہم کمدار لوگ ہیں سائیں، آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھا رہنا پڑتا ہے۔ اس کی سسکیاں پچیرو کی فضا کر بوجھل کر رہی تھیں اور سچل کے دل کو بھی۔

ہونہہ بزدل ہو تم لوگ، اگر اس لڑکی کی جگہ بلقیس ہوتی پھر؟ سچل کا پیر زور سے بریک پر پڑا، اس کا چہرہ لال ہو گیا، مگر وہ پلٹا نہیں اسٹیرنگ پر دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمائے رہا، پھر دوسرے پل ان نے جیسے اپنے اعصاب کر سنبھال لیا اور اگنیشن میں چابی گھما دی۔

تم مردوں کی یہ بے بسی ہی آج، یہ دن دیکھا رہی ہے، ہونہہ تم بزدل ہو سچل سومرو، بہت بزدل اگر تمہاری جگہ سجاول ہوتا تو، میری اس بات پر میرا منہ طمانچوں سے سرخ کر دیتا اور۔۔۔۔۔ اس نے لب بھینچ کر مغموم پلکوں کو موند کر گویا سچل کے چہرے پر پھیلتی بے بسی اور بیچارگی سے نگاہیں ہٹالیں۔ اس کا دل ریت کی مانند بیٹھتا جا رہا تھا۔

حویلی پہنچ کر وہ سیدھی اپنی کمرے میں آئی اور بیڈ پر اوندھے منہ گر کر بلک بلک کر رو دی اس کے ذہن کی سطح پر وہ بھیانک منظر کسی فلم کی طرح چلتا رہا۔

چھوٹھیو ادی زیبے۔ ادی عابدہ اس پر جھک کر تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ خاصی رات کو کمرے میں آئیں تھیں۔ وہ سیدھی ہوئی تو عابدہ دہل گئیں اسکی سرخ سرخ متورم آنکھیں اور لال چہرہ انہیں دہلا گیا۔

ہائے ماں کیا ہوا تجھے؟

کچھ نہیں ادی، بس آج ایک مان ٹوٹ گیا ہے جسے سائبان سمجھ رہی تھی وہ تو بالکل کھوکھلا درخت نکلا ادی۔ اس کی آواز میں ایسی ٹوٹ پھوٹ تھی کہ عابدہ کا دل اندیشوں سے لرزنے لگا، وہ اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

کک۔۔۔۔۔ کیا ہوا میری جان کک۔۔۔۔۔ کہیں سجاول۔۔۔۔۔

نہیں۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے لب کاٹتی اس اذیت کو

نئے سرے سے دل پر محسوس کرنے لگی۔

زیبے عابدہ نے اس کا شانہ جھنجھوڑ ڈالا تب وہ اس سے لگ کر بچوں کی طرح رو دی، اور تمام بات کہہ سنائی، عابدہ حق نواز کا ہاتھ اس کی پشت کو سہلاتے سہلاتے یکدم ٹھٹھر کر رک گیا، ان کے چہرے پر پیلاہٹ پھیل گئی۔

کب؟

آج ۔۔۔۔۔آج بلقیس کے یہاں سے آ رہی تھی تب ادا کی جیپ دیکھی، اس کے پیچھے بھی اس کے آدمیوں کی جیپ تھی اور انہوں نے ۔۔۔۔۔ادی۔وہ اور شدت سے رونے لگی۔

عابدہ کے لبوں سے ایک گہری مضمحل سانس خارج ہوگئی، انہوں نے نرمی سے اس کے بال سہلاتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا اور بیڈ سے کھڑی ہوگئیں۔کمرے میں چند سانیے گہرا سکوت رہا جسے وقفے وقفے سے صرف زیمل کی سسکیاں چیرتی رہیں۔

ایسی کتنی چیخیں رات کے اندھیروں میں ابھر کر دم توڑتی رہی ہیں اور نہ جانے کتنی دم توڑتی رہیں گی یہ کوئی پہلا واقعہ تو نہیں ہوا۔

دی عابدہ کی آواز سناٹے کو چیرتی بڑی ہیبت اور یاسیت سے بھری، ابھری زیمل نے چونک کر سر اٹھایا اس کے ٹپکتے آنسو پلکوں کی دیواروں پر ٹھہر گئے۔کیا، کیا مطلب ادی۔

ہاں، اس حویلی میں اور دوسری حویلیوں میں ایسی کتنی بدنصیبوں کو روندا گیا ہے۔ادی عابدہ نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی زیمل سناٹے میں رہ گئی۔

اس کا مطلب ہے تم ہم بھی ادی سچل کی طرح سب جانتی ہو، یہ کھیل بہت پرانا ہے اس کی آواز کپکپا رہی تھی، عابدہ حق نواز کے لبوں پر ایک مسکراہٹ لہرا کر منجمد ہوگئی۔

ہاں، بہت پرانا، جب میں نے شعور کی سیڑھی پر قدم بھی نہیں رکھا تھا ایسی بہت سی چیخیں سماعت سے ٹکراتی تھیں۔

کیا آ۔۔۔۔۔زیمل جھٹکے سے بیڈ سے کھڑی ہوگئی۔

اس وقت۔۔۔۔۔اس وقت ادی تب تو ادامہران شاہ بچہ۔۔۔۔۔اس نے الجھ کر ادی کا چہرہ دیکھا۔

ہاں مہران تو اس وقت جھولے میں ہوا کرتا تھا مگر بابا سائیں تو تھے نا۔

انہوں نے یہ کہہ کر نظریں فرش پر گاڑ دیں، زیمل کے چہرے پر پھیلتے تاثرات کو دیکھنے کا یارانہ تھا وہ تحیر آمیز بیقینی سے ادی کو دیکھ رہی تھی پھر جیسے گھبرا کر نگاہیں سامنے دیوار پر کرلیں اس کے دماغ میں دھماکے ہونے لگے اعصاب تند ہوا میں آئے پودوں کی طرح بکھرنے لگے تھے یکا یک اس کی آنکھیں یوں جلنے لگیں جیسے عابدہ نے ان میں مرچیں ڈال دی ہوں، رونا چاہا مگر رو بھی نہ سکی، بس ذہن و دل میں اٹھتے طوفان کا شور سنتی رہی، اس انکشاف نے اسے شل کر دیا تھا۔

تجھے کیا خبر چری لڑکی، ہم جنھیں گھنا سایہ سمجھ رہے ہیں وہ تو خزاں رسیدہ درخت ہیں ہم جنہیں اپنا فخر اپنا مان کہتے ہیں وہ تو خود ہمارے لیے آہنی زنجیریں ہیں گوٹھ کے لوگ خوف سے زبان بندی پر مجبور ہیں۔

یہاں مرد بھی اتنی مظلوم ہیں تو پھر عورت کا تو پوچھ ہی مت، ساری کانٹوں جیسی رسمیں ان ہی کے خون سے نبھائی جاتی ہیں کہیں کاروکاری ہے تو کہیں سام بنا کر عورت پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔

مجھے دیکھ میرا حق قران سے بخشوا دیا گیا ہے، اس صدی میں ایسی جاہلانہ رسمیں ہیں مگر نہیں درحقیقت ہمارے مرد جاہل نہیں ہیں ظالم لالچی اور خود غرض ہیں۔ایسی رسموں کا سہارا لے کر اپنی لالچ پر پردہ ڈالتے ہیں۔یقین کر زیمی اگر یہ اونچی اونچی حویلیاں مردوں کے لیے ہیں ساری خوشیاں مردوں کے لیے ہیں اثر و رسوخ وہ صرف اپنے لیے استعمال کرتے ہیں، دولت سے وہ صرف اور دولت کھینچنے کا کام لیتے ہیں انہیں کسی غریب کی آہوں کی فکر نہیں۔

تو کس کس کر روئے گی زیمل۔

یہ بڑی بڑی باتیں کرنے والے معاشرے میں بدحالی ختم کرنے اور خوشحالی لانے کے دعوے کرنے ۔۔۔۔۔والے کوئی ان کے اندر جھانکے کہ ان کی روحیں تک کتنی بدحال اور سڑی ہوئی ہیں، ان کے مردہ ضمیروں سے کتنی بدبو اٹھتی ہے، وہ بھلا معاشرے میں کیا شائستگی کیا روشنی لاسکیں گے۔

یہ تو کمزوروں اور غریبوں کے اندھیروں کو اور گہرے کرنے والے ہیں، زیمل ان کے سر عورتوں کی پیدائش پر جھکتے ہیں، مگر بابا سائیں کا سر بیٹے کے اور اپنے کرتوتوں پر فخر کرتا

ہے، ہا۔۔۔۔۔فخر جو جانتے ہی نہیں فخر اور شرم میں فرق کیا ہے۔

عابدہ حق نواز کی آواز بڑی کاٹ دار تھی وہ ہنس رہی تھیں، مگر ان کی ہنسی ایسی تھی جیسے خالی برتن میں بہت سے پتھر ڈال دیئے گئے ہوں زیمل بیڈ پر اندھے منہ گر کر بے آواز روتی رہی۔

صبح اس کی آنکھ بہت دیر سے کھلی، وہ نیچے کھانے کے کمرے میں آئی تو سب ناشتہ کر چکے تھے، بڑی سی میز پر بس مہران شاہ ابھی آ کر بیٹھا تھا، وہ بھی آ کر بیٹھ گئی، چھوٹی ماں بھاگل کو ہدایتیں دے رہی تھیں، ادی عابدہ رسوئی میں تھیں، اور جانے کیا تلاش کرنے آئیں تھیں ان کی نظریں یوں ہی زیمل پر اٹھیں مگر وہ مہران شاہ کو دیکھ رہی تھیں پھر اچانک اپنی جگہ سے اٹھی اور دو کرسیاں چھوڑ کر دوجا کر بیٹھ گئی۔

سرخ سرخ انگارہ آنکھیں جس میں نیند کا خمار تھا یا نہ جانے کس کا اثر وہ اپنے سامنے رکھے ناشتے کا بغور جائزہ لے رہا تھا، اسے اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں تھی کہ اس کمرے میں کون کون ہے اور زیمل کیوں اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

لا ادھر دے اخبار، کوئی خبر شبر ہے خاص۔ اس نے اس کے سامنے پڑا اخبار مانگا تو اس نے خاموشی سے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔

بہت سی خبریں اخباروں میں نہیں چھپتیں ادا، شاید اس لئے کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہیں ہوتی اور گھر جل جاتے ہیں لوگ چپ چاپ مر جاتے ہیں اور دفن ہو جاتے ہیں اپنے ہی تن کی قبروں میں۔

اس نے روٹی توڑتے ہوئے آہستگی سے کہا تو مہران شاہ نے زرا سا سر اٹھا کر سامنے نظر ڈالی پھر بے پروائی سے دوبارہ اخبار کے صفحے پر نظریں دوڑانے لگا۔

سائیڑن آج ایک بہت بری خبر ہے میرے پاس۔

بھاگل اس کے آگے چائے رکھتے ہوئے دھیرے سے بولی تو زیمل کا دل جانے کیوں دھڑک اٹھا وہ اس کے بالکل قریب رازدارانہ انداز میں کھڑی تھی اور آواز بھی آہستہ تھی، یوں بھی رئیس مہران شاہ کی موجودگی میں ہر ملازم بلکہ گھر کے ہر فرد کی آواز پست رہتی تھی۔

کیسی خبر گوٹھ کی ہے کوئی۔

ہا سائیڑن گوٹھ کی خبر ہی تو ہوتی ہے میرے پاس، وہ زہرہ ہے نا چچا دھیو کی دھی، صبح اس کی لاش کنواں سے ملی ہے، وہ پچھواڑے ندی کے پاس والا خالی کنواں ہے نا اس میں، آلاں گوٹھ کے مردوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ یہ کہہ کر ٹیبل سے دوسرے جھوٹے برتن اٹھانے لگی، زیمل کے ہاتھ سے نوالی چھوٹ گیا۔

زہرہ کون زہرہ، وہی جو رات کو اغوا ہوئی تھی۔

بے اختیار اس کے منہ سے پھسل پڑا، مہران شاہ نے چونک کر اسکی طرف دیکھا، اس کی لال آنکھوں میں حیرت جھلکی، اماں اور عابدہ بھی اس کی طرف متوجہ تھیں، جب کہ بھاگل ٹکر ٹکر کر وڈیری زیمل کا منہ تکنے لگی تھی۔

اغوا۔

کک۔۔۔۔۔ کیسے مر گئی، کنواں میں کیسے گر گئی وہ مہران شاہ کی لال ہوئی نظروں سے نگاہیں چراتے ہوئے اس نے بھاگل کو دیکھا۔

سائیڑن چھوخبر، پر گوٹھ والے تو سب یہی کہتے ہیں اسنے جان کر چھلانگ لگائی تھی، اللہ معاف کرے مجھے تو یقین نہیں آتا سائیڑن ایسی نیک بچی تھی اپنے ماں باپ کی ایک ہی تھی سٹھی بھی ایسی تھی نظر بھر کا دیکھ لیں تو نظر لگ جائے سچ مچ مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آتا۔

بک بک بند کر، جا دفع ہو جا، صبح صبح ایسی منحوس خبریں سنانے بیٹھ جاتی ہے دماغ خراب نہ کر جا۔ اچانک مہران شاہ کی کڑک دار آواز گونجی، اور بھاگل سٹپٹا کر وہاں سے کھسک لی۔

یہ خبر تو آج اخبار میں نہیں چھپی ہے نا ادا۔ وہ کچھ توقف کے بعد بولی اور استہزائیہ ہنسی۔

چپ چاپ ناشتا کر دماغ خراب نہ کر میرا۔ جواب ویسا ہی کھردرا آیا۔

پڑھ لینا اخبار تو بھی، ناشتہ تو کر لے پہلے دھی رانی۔ چھوٹی اماں اس سے مخاطب ہوئیں گویا مہران شاہ کو اب نہ چھیڑنے کی تنبیہہ شامل تھی، مگر اس کا دل جل رہا تھا انگاروں پر لوٹ رہا تھا، رات کا وہ خوفناک منظر پھر نگاہوں میں پھرنے لگا۔

اماں، زہرہ نے خودکشی کی ہوگی، اسے مرنے پر مجبور کیا گیا ہوگا نا پتا نہیں ایسا کب تک ہوگا اس کے مجرموں کو کون بے نقاب کرے گا اور کون انہیں۔۔۔۔ وہ بولتے بولتے چپ ہوگئی۔ مہران شاہ چائے کا کپ زور سے ٹیبل پر پٹخ کر کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اس بھاگل سے کہنا وہ اپنی منحوس صورت لے کر حویلی سے دفع ہو جائے سوائے گوٹھ والوں کی ٹوہ میں رہنے کے اور کوئی کام نہیں آتا، اور تو، دو کتابیں پڑھ کر بہت بکواس کرنے لگی ہے۔ وہ مٹھیاں بھینچتا اس تک آیا۔

تجھے گوٹھ کی سب لڑکیوں کے مرنے جینے کی خبریں رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، بس اپنا کھانا پینا دیکھ۔ وہ شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتا کمرے سے دھم دھم کرتا نکل گیا۔

اے بھامانی تو کھالے۔چھوٹی ماں اس کے پیچھے لپکیں پھر واپس آ گئیں۔

پتا نہیں صبح صبح کیا ہو گیا اسے۔

شیطان چڑھا ہوا ہے اماں۔وہ آہستگی سے بڑبڑائی اور خود بھی ناشتہ ادھورا چھوڑ کر چلی گئی۔

لے اب اسے کیا ہوا؟

چھوڑو اماں اسے میں بعد میں سمجھا لوں گی غصہ آ گیا ہو گا۔ادی عابدہ سر جھٹک کر خیراں کے ساتھ ٹیبل صاف کرنے لگیں۔

او سجاول او بابا سجاول پٹ غلام محمد نے ایک سیڑھی پر قدم رکھ کر حجرے نما حصے کے اندر جھانکا۔

آ ؤ آ ؤ چاچا اندر آ جاؤ۔سجاول نے باہر نکل کر ہاتھ آگے کر کے انہیں سہارا دیا۔

پٹ تم ادھر ہو، میں بابا تمہیں پچھواڑے نالے پر بھی دیکھ آیا کیا یار دوستوں کی محفل جمائی ہے پھر تو میں غلط وقت پر آ گیا بابا۔غلام محمد فرش پر بچھی دری پر لڑکوں کو دیکھ کر زرا سا جھینپ گیا۔

ارے نہیں چاچا،بس یوں ہی بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے بیٹھو بیٹھو چاچا۔اس نے بڑے احترام سے غلام احمد کو کرسی پیش کر دی۔

پٹ تم جو خواب دیکھ رہے ہو بڑے مشکل ہیں میری مانو تو تم رئیسوں سے نہ ہی الجھو تو اچھا ہے۔غلام محمد کے چہرے پر اس کی باتیں سن کر فکرمندی جھلکنے لگی تھی۔

بس چاچا تم بزرگ لوگوں کی باتیں ہی جوانوں کے حوصلوں کو پچھاڑ دیتی ہیں، آخر کسی کو تو آگے آنا ہے۔فرش پر بیٹھا کھوکر بھنا گیا۔

یہ ہمارا حق ہے چاچا، کیا حق کے لئے آواز اٹھانا جرم ہے میں نے تو محض بابا سائیں کی وجہ سے نہری پانی کے مسئلے پر بھی چپ سادھ لی وار بندی پر بھی آپ تو راضی ہیں ورنہ میں پیچھے ہرگز نہ ہٹتا،مگر اب اسکول کی یہاں بہت ضرورت ہے بلکہ یہ

ناگزیر ہے۔ پھر ہم خود رضا کارانہ طور پر کھول رہے ہیں وڈیرہ لوگوں کو کیا تکلیف ہو گی سجاول کا لہجہ پر عزم اور کھردرا تھا جو اس کی ذات کا خاصہ تھا۔

گوٹھ کے کئی لڑکے اس کیساتھ تھے کئی پڑھے لکھے تھے جو رضا کارانہ طور پر اپنا وقت اسکول اور بچوں کو دینے پر تیار تھے، ابھی تو وہ لوگ سجاول کے گھر کے پچھلے حصے میں جو خالی پڑا تھا اسکول کھول رہے تھے کچھ چندے اکھٹے کر رہے تھے اور سجاول کا خیال تھا وہ شہر جا کر کچھ بڑے لوگوں سے اپنی جان پہچان والوں سے مشورے اور پیسے اکھٹے کر لائے گا۔

بس ابتدا ہو جائے چاچا الف پڑھا جائے تو یقین کریں لوگ اللہ کو جان لیں گے اور ان جھوٹے معبودوں کے آگے جھکنا اور ان سے ڈرنا چھوڑ دیں گے ہم لوگوں کی زندگی اتنی ارزاں اتنی بے حیثیت نہیں ہے کہ بلا تقصیر سر جھکایا جائے۔ ہر انسان برابر ہے چاچا ہر شخص کو بولنے کا حق ہے اپنے نفع و نقصان کے سوچنے کا اس پر آواز اٹھانے کا حق ہے مگر ہم نے یہ حق خود ہی ان رئیسوں اور وڈیروں کے قدموں میں رکھ دیا ہے۔

میں تو کہتا ہوں سر اتنے نہ جھکاؤ کہ کوئی گردن پر با آسانی پیر رکھ دے اور نہ اتنا اٹھاؤ کہ خدا ناراض ہو کر اسے اپنی تقدیر سے جھکانے پر مجبور کر دے عزت کے ساتھ رہنا چاہیئے، عزت نفس غریب کی بھی ہوتی ہے کوئی بڑا کوئی چھوٹا نہیں، یہ اونچ نیچ کچھ ہماری بزدلی سے پیدا ہو گئی ہے کچھ ہماری کم عقلی سے ان باتوں کے شعور کے لئے تعلیم پہلا قدم ہے اور پہلا قدم کسی کو تو اٹھانا ہی ہے کیوں نہ وہ قدم ہم ہی اٹھالیں۔

سجاول کا چہرہ اس کا رواں رواں بول رہا تھا، وہاں موجود سب کے دلوں کو سحر زدہ کر رہا تھا۔

یہ باتیں صرف الفاظ نہیں تھے سچ تھا جو عقل کے دریچے کھول رہا تھا، بس بات ساری خدا پر توکل کرنے، ہمت اور حوصلے کی تھی، اور یہ حوصلہ سجاول علی شاہ سب میں قطرہ قطرہ انڈیل رہا تھا۔

بشارتوں کا وردان کیلئے نہیں ہے۔

جو منتظر ہیں

سکوں کی منزل خود آپ چل کے قریب آئے

حصول منزل بنا سفر کے نہ ہو سکا ہے

نہ ہوگا

مسافروں کے لئے

سفر کا شعور لازم ہے

سجاول غلام محمد کے ساتھ جب باہر آیا تو دھوپ ڈھل چکی تھی موسم بڑا سہانا ہو رہا تھا اسے آج کئی باشعور نوجوانوں کی حمایتیں حاصل ہوگئی تھیں۔ وہ جانتا تھا یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے مگر ناممکن بھی نہیں تھا اور مشکل اسی وقت مشکل رہتی ہے جب اسے سر نہ کیا جائے۔

گوٹھ کے لوگوں کی بے بسی پر وہ کڑھتا اور جلتا تھا اس کے خیال میں وہ لوگ راہ بھولا ہوا وہ قبیلہ ہیں جو ٹھکانہ بھول چکا ہو ایسی آزادی کے خواب کس نے دیکھے تھے یہ آزادی تو نہیں تھی جو قائد اعظم نے دلائی تھی اقبال نے جس کی نوید دی تھی، یا شاید راہ آتے آتے ہی قبیلہ اپنی بزدلی اور کم ہمتی سے راہ بھٹک گیا تھا، جہاں اب سوائے دکھ کی دھوپ اور اذیت کے بگولوں کے کچھ نہیں تھا اور وہ ان کا یہی شعور بیدار کرنا چاہتا تھا کہ یہ جو تونگروں طاقوروں کی تجوریوں میں سکے کھنک رہے ہیں یہ سب ان ہی محنت کش ہاتھوں کی کمائی

ہے یہ جو زمینیں ہیں ان کے مالک یہ لوگ نہیں ہیں بلکہ وہ جوان بازو ہیں جو اس مٹی میں اپنے پسینے کے قطرے کی چمک کے ساتھ بیج بوتے ہیں۔ بنجر زمین کو سرسبز و شاداب کرتے ہیں۔

سجاول پت مجھے تجھ پر فخر ہے پر بابا تو اکیلا ہے اور۔ چاچا غلام محمد نے اس کے شانے

پر ہاتھ رکھا تو وہ اپنی سوچوں سے نکل آیا۔

ان وڈیروں سرکار لوگوں سے ٹکر لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے وہ تو ہم غریبوں کو یوں مسل ڈالتے ہیں جیسے سوکھے پتے ہوں ہم۔

یہی تو المیہ ہے چاچا سائیں کہ ہم سوکھے پتے اور کمزور ٹہنی بن کر رہ گئے ہیں انہیں سر پر چڑھا دیا ہے انہیں خدا مان لیا ہے یہ کچھ بھی نہیں ہیں، چاچا اگر ہم ہیں تو یہ ہیں ہم نہیں تو یہ بھی نہیں۔

پرپش

دیکھو چاچا اوپر چڑھنے کے لئے سیڑھی کی ضرورت پڑتی ہے یا۔اس نے مسکرا کر غلام محمد کو دیکھا۔

ہاں۔

بس تو یہ سمجھو ہم سیڑھی ہیں اگر سیڑھی نہ ہو کسی کی مجال اوپر تک پہنچ سکے، بس سیڑھی کو اپنی حیثیت اور اہمیت کا احساس ہونا چاہئے۔

ہاں پش یہ تو ہے۔

چاچا کی موٹی عقل میں کچھ تو آیا تھا جو وہ سر ہلانے لگا تھا، سجاول بڑی سنجیدگی سے مسکرا دیا۔

چلیں گھر چلیں ٹھنڈی ٹھنڈی چھاچھ پی کر تازہ دم ہو جائیں بلقیس بھی آپ کو بڑا یاد کرتی ہے ارے یہ تو بتائیں چاچا آپ مجھے ڈھونڈ کیوں رہے تھے۔وہ دونوں امداد علی کے گھر کی طرف بڑھ گئے۔

بس بابا کیا بتاؤں، دینو کی دھی کا سنا تو دل بڑا دکھی ہو گیا، تم ملے اس سے بہت بری حالت ہو رہی ہے اس بچے کی۔

ہاں چاچا پتا چلا تھا مجھے بھی۔سجاول کے چہرے پر اداسی کا رنگ بکھر گیا۔میں گیا تھا اس کے گھر۔

جوان بیٹی کا روگ ہے پٹ کوئی معمولی بات نہیں بے چاری کا مہینے کے آخر میں بیاہ ہونے والا تھا۔

غلام محمد نے گھر میں داخل ہو کر چارپائی سنبھال لی دین محمد عرف دینو کی دیرینہ دوستی تھی غلام محمد سے، یوں بھی گوٹھ والوں کے دکھ سکھ سانجھے ہوتے ہیں۔

اداو ڈیری زیمل آئی تھی۔ بلقیس اسے کمرے میں جاتے دیکھ کر پیچھے آئی اور سرگوشی میں بولی، تو اس نے پلٹ کر دیکھا ایک لمحے بلقیس یوں کھسیا گئی جیسے وہ کوئی جرم کر گئی ہو۔

اچھا۔۔۔۔کیوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سجاول نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ پوچھا، مگر دل کے اندر بڑے خوبصورت جزبے بکھرنے لگے۔

تجھ سے ملنے، اسے پتا چلا تم شہر جا رہے ہو اسی لئے۔ وہ بڑی پریشان تھی ادا، بھاگل کو بھی پتا نہیں کیوں رئیس مہران شاہ نے حویلی سے نکال دیا ہے مائی زرینہ میرے پاس آئی تھی اس کا پیغام لے کر پھر میں جا ہی نہیں سکی۔

ہوں، تم چاچا کو ٹھنڈی چھاچھ دو، میں ذرا کپڑے بدل لوں۔ وہ بات کے جواب میں بس اتنا کہہ کر کمرے کے اندر چلا گیا۔

آنکھوں کے دریچے
تب سے کھلے ہیں
جب سے تمہیں دیکھا ہے
مجھے ایسا لگا کہ
زندگی میری
تیری آنکھوں میں
اتر چکی ہے

اس نے ڈائری کے اندر بال پین رکھ کر ڈائری بند کر دی اور اس پر سر ٹکا کر جذبوں

سے بھری بوجھل مخمور آنکھیں موند لیں۔

اسی دم دروازہ زور سے کھلا وہ جلدی سے سیدھی ہو بیٹھی، رئیس مہران شاہ دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔

مہران شاہ کو اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھ کر اس نے ڈائری جلدی سے تکیے کے نیچے گھسیڑ دی اور قریب پڑی اجرک اٹھا کر بدن پر ڈال لی۔

رئیس مہران شاہ کبھی بہنوں کے کمرے میں اس طرح بلا دستک نہیں آیا کرتا تھا آج بغیر دستک دیے دروازہ کھول کر اندر آ جانے والے فعل سے وہ خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

کوئی کام ہے ادا۔

ہوں۔ اس نے ہنکارا بھرا اور دو قدم اندر آ گیا۔ کیا کر رہی ہو؟ اس نے یوں ہی کمرے میں طائرانہ نظر ڈالی پھر اس کے چہرے پر اپنی آنکھیں گاڑ دیں۔

ایک پل زیمل کا دل بہت زور سے دھڑکا، مہران شاہ کے چہرے پر پتھریلا پن نظر آ رہا تھا، جس کے پیچھے ابلتا غصے کا سرخ خون تھا۔

کوئی کام تھا تو مجھے بلوا لیا ہوتا ادا۔ وہ احتراماً بولی۔

تجھے زہرہ کے بارے میں کس نے بتایا۔

اس نے اس کی بات کاٹی اور کچھ فاصلے پر رک کر بغیر تمہید کے بولا، اس کے سوال پر زیمل نے سر اٹھایا مگر دوسرے لمحے گھبرا کر جھکا دیا۔

کیا مطلب۔۔۔۔۔ کیا زہرہ کے بارے میں۔

دیکھو زیمل میں لگی لپٹی بات کرنے کا عادی نہیں ہوں، نہ میں اتنا احمق اور سیدھا ہوں، تجھے کسی نے بتایا کہ اس لڑکی کو میں نے اغوا کیا تھا۔

اس نے گویا دھماکے سے زیمل حق نواز کے سر پر اینٹ دے ماری اس کے اعصاب لمحہ بھر کے لئے سن ہو گئی، سینے کی چہار دیواری میں دل زور سے دھڑکنے لگا۔

بول، کس غدار نے تجھے یہ خبر پہنچائی، اس حویلی میں ایسی باتیں کرنے والا کون ہے

جس نے میری پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے، بتا زیبے میں اس کا خون پی جاؤں گا۔ وہ بے حد مشتعل دکھائی دے رہا تھا، یوں جیسے زیبل کے منہ سے کسی کا نام سنتے ہی وہ اس کا خون کرنے چل دے گا۔

یہاں تو ادا، سب ہاتھ جوڑ کر سر جھکانے والے غلام ہیں، تیرے، کون نمک حرامی کی جسارت کر سکتا ہے۔ وہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی، رئیس مہران نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گویا چھید ہی ڈالا۔

زیادہ فلسفہ نہ بول، سیدھا سادا جواب دے جو پوچھ رہا ہوں۔ اس کی آواز دھیمی مگر کرخت تھی۔

وہ اضطرابی انداز میں ہاتھ مسلنے لگی، اس کا دل خوف کی دلدل میں دھنستا اور ابھرتا جا رہا تھا پھر ہمت کر کے اس نے سر اٹھایا۔

میں نے، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ادا وہ منظر۔ اس کی آواز پست تھی مگر مہران شاہ کی سماعت تک پہنچ گئی تھی، اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، فوری طور پر وہ کچھ بھی نہ بول سکا، چہرہ لال ہو گیا، ہونٹ بھینچ گئے، نظریں اس کے چہرے سے ہٹا کر دیوار پر کر لیں مگر دوسرے ہی لمحے وہ اپنی کھسیاہٹ غصے میں چھپاتا ہوا دھاڑا۔

جھوٹ بول رہی ہے تو، پردہ رکھ رہی ہے کسی کا تو بھلا رات کو باہر کہاں تھی۔

میں گڈی میں تھی، سچل کی سھین (بہن) کی سگائی سے آ رہی تھی تب۔ اس میں جانے کیسے اتنی ہمت آ گئی تھی کہ وہ بپھرے ہوئے مہران شاہ کے سامنے بغیر جھجکے بول رہی تھی۔

شاید اس لئے کہ اس کی پوزیشن کمزور تھی اور وہ خود بے قصور بلکہ اس کی کمزوری اس کے ہاتھ میں تھی مگر بہر حال وہ ناشائستہ بھی نہ تھی کہ اس کا کوئی فائدہ اٹھانے کا سوچتی۔

ادھر غسل خانے سے نکلتی عابدہ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا تھا، انہوں نے مہران شاہ کی آواز پر جلدی سے دروازہ کھول ڈالا تھا اور اب ہاتھ میں تولیہ پکڑے ساکت کھڑی تھیں

تولیہ سے منہ پوچھنا بھی بھول گئی تھیں۔

میں ویسے بھی سنی سنائی باتوں پر زیادہ یقین نہیں کرتی ادا۔

اچھا زیادہ بک بک نہ کر، تجھے بابا سائیں نے شاید زیادہ ہی آزادی دے رکھی ہے۔

مہران شاہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

تو نیانڑی (بہن بیٹی) نہ ہوتی تو میں تجھے اس بکواس پر دھن کر رکھ دیتا، کان کھول کر سن لے زیمل، تو نے جو دیکھا اسے بھول جا، تیرے حق میں یہی بہتر ہے ورنہ۔

میں تو بھول جاؤں گی ادا پر خدا تو نہیں بھولے گا۔

زیمل۔ وہ غضبناک ہو کر اس کی طرف بڑھا، اس کا بھاری ہاتھ فضا میں اٹھا ہی تھا کہ سرعت سے قریب آتی ادی عابدہ نے پکڑ لیا۔

نہ ادا، یہ ابھی ناسمجھ ہے۔ اس نے نرمی سے بھائی کا ہاتھ جھٹک دیا۔

اسے سمجھا دے ادی، ناسمجھ ہے تو اتنی سمجھداری دکھانے کی ضرورت نہیں ہے اسے، ورنہ کسی دن میرے ہاتھوں سے قتل ہو جائے گی، چار جماعتیں پڑھ کر خود کو نہ جانے کیا سمجھ بیٹھی ہے۔

وہ اسے تیغ صفت نظروں سے گھورتا، قدموں سے زمین کو روندتا کمرے سے اوجھل ہو گیا۔

زیمل نے دکھ کے ساتھ، کمرے کا دھماکے سے بند ہوتے دروازے کو دیکھا پھر بیڈ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ لیا۔

نفرت غصے اور تاسف سے اس کی آنکھوں میں دھند کا غبار چھا گیا۔

بہت بری بات ہے زیمل، جیسا بھی ہے وہ بھائی ہے تیرا، سر کا آنچل ہے ہمارا، چڑی، دکھ اور غصہ مل جائے تو بڑی تباہیاں آتی ہیں۔ ادی عابدہ سرزنش کرنے والے انداز میں بولیں اور کرسی پر بیٹھ کر اپنی چوٹی کے بل کھولنے لگیں۔

اونہہ، ہمارے سر کا آنچل ہیں، مگر کتنے سروں کی چادریں کھینچ رہے ہیں عورت صرف

حویلی کی عورتیں تو نہیں ہیں ادی، عزت اس حویلی کی عورتوں کی ہی نہیں ہوتی، میرا دل جل رہا ہے ادی، ادا مہران بجائے شرمسار ہونے کے الٹا مجھے دھمکی دے گیا زبان بندی کی۔

اچھا بس، جو ہو گیا اسے بھول جا، تیرے دل جلانے اور کڑھنے سے نظام نہیں بدلے گا، نہ زہرہ واپس زندہ ہو جائے گا، چل اٹھ تجھے زینت ماں بلا رہی تھیں۔

عابدہ کا چہرہ بڑا سپاٹ تھا، جیسے اس سارے واقعے کا خاص نوٹس نہ لیا ہو، زیمل نے آنکھیں اٹھا کر انہیں ایک نظر دیکھا۔

تو یہ چاہتی ہے ادی کہ میں بھی تیری طرح بے حس، بے تاثر اور تمام جذبوں سے عاری ہو جاؤں اپنے تمام احساسات اور فطری رویوں پر اتنی برف گرا دوں کہ میرا وجود بھی ایک تودہ ہو جائے نہیں میں ایسی زندگی نہیں گزار سکتی۔ وہ اپنے دماغ کی کھولن کم کرنے کے لئے باتھ روم میں چلی گئی۔

اتنی بڑی ان دنیاؤں میں
اپنے نام کی تختی والی ایک عمارت
کتنے دکھوں کی اینٹیں چن کر گھر بنتی ہے
پتھر پتھر جوڑ کے دیکھو
میں نے کبھی ایک گھر ہے بنایا
رنگوں، پھولوں، تصویروں سے اس کو سجایا
دروازے کی لوح پہ اپنا نام لکھایا
لیکن اس کے ہر کمرے میں تم رہتے ہوے

سجاول شاہ نے اپنی روشن آنکھیں اوپر اٹھائیں اور زیمل کو دیکھا جس کے رخساروں پر محبت پا لینے کا نشہ سرخی بن کر جھلک رہا تھا سجاول سے نظریں ملیں تو اس نے اپنی

پلکیں جھکا دیں۔

سوچتا ہوں اتنا بوجھ اٹھا سکوں گا بھی یا نہیں۔

اس کے لہجے میں سرشاری بھی تھی اور بے یقینی بھی، اس نے خوب صورت کارڈ پر لکھی نظم پر نظریں ڈالیں پھر اسے اپنی رائٹنگ ٹیبل پر رکھی ڈائری میں احتیاط سے رکھ دیا جیسے کوئی بہت قیمتی شے ہو۔

محبت بوجھ تو نہیں ہوتی سجاول۔

وہ کرسی پر بیٹھ گئی مگر نظریں نہ اٹھائیں ہاتھوں میں پڑے کنگن پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

ارے، وڈیری زیمل حق نواز، تم تو شاعرہ اور فلسفی ہو گئی ہو۔ وہ ذرا سا ہنس دیا اور دیوار سے لگ کر اسے محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

وہ آج اس سے ملنے آئی تھی اپنے چاچا کے گھر کا بہانہ کر کے سچل ہی اسے گاڑی میں چھوڑ گیا تھا، وہ بڑا خاموش راز داں بن گیا تھا اور گھر میں اس کی سکھی بلقیس تھی جو اس دو طرفہ محبت پر مسرور بھی تھی اور خوفزدہ بھی۔

تم کل جا رہے ہو شہر۔

وہ اسکی نگاہوں کی محویت توڑنے کی خاطر بولی، کیا سجاول کی روشن خوب صورت آنکھوں میں تھا، ایسے رنگ تھے کہ اس کا دل شوریدہ سر ہونے لگا تھا۔

ہوں، ہاں جا تو رہا ہوں۔

پھر کب آؤ گے۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

آنا جانا تو رہتا ہی ہے نا، بس پڑھائی کے تو صرف چھ ماہ ہیں۔

سجاول۔ وہ اضطرابی انداز میں اپنی نازک نازک انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے کرسی سے اٹھ گئی۔

نہیں زیمل اپنے دل میں کسی خدشے کو جگہ نہ دینا، سجاول شاہ تم سے کوئی کھیل نہیں کھیل رہا۔

سجاول کا چہرہ یکدم سنجیدگی میں ڈھل گیا وہ زیمل حق نواز کے اضطراب پر یہ ہی نتیجہ اخز کر سکا تھا وہ تڑپ گئی۔

نہیں سجاول، خدا نہ کرے نہ میں کبھی ایسا سوچوں، پر مجھے وسوسے ستانے لگے ہیں، مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ اس کی آواز کانپ گئی، اس کے تصور میں مہران شاہ کا سراپا ابھر آیا۔

کل رات اس نے جو رویہ اس کے ساتھ اپنایا تھا۔

اس کا تو کبھی اسے گمان بھی نہ تھا کہ وہ اس کے سر کا سائیں، اس کا بھائی ہو کر اس کے ساتھ ایسے پیش آئے گا اب ایک عجیب طرح کا خوف اس کے اندر سمٹنے لگا تھا، اس کی پلکوں پر خود بخود نمی بکھر گئی۔

سجاول نے بے اختیار اس کی وہ لانبی انگلیاں اپنی مضبوط انگلیوں میں تھام لیں۔

زیمل کا چہرہ ایک پل اس کے لمس کی حدت سے سرخ ہوا۔

اب ڈرنے لگی ہو، کیا وڈیری بن کر سوچنے لگی ہو۔ وہ ہولے سے ہنسا۔

میں تو تمہیں بڑا بہادر سمجھ رہا تھا، وڈیری حق نواز، پر تم تو وہی چڑیا جتنا دل رکھنے والی لڑکی نکلیں۔ وہ اس کے ہنسنے اور لطیف طنز پر برا مانے بغیر مسکرا دی۔

سجاول شاہ لڑکی خواہ کسی طبقے کسی خطے کی ہو، ایک سا دل رکھتی ہے اور جب آنکھیں خوابوں سے سج جائیں دل تمناؤں کے سیل شوق میں بہنے لگے، تو خود بخود، وسوسے اور اندیشے سر اٹھانے لگتے ہیں، میں اب ڈرنے لگی ہوں سجاول کہ میں کچھ کھونا نہیں چاہتی

اتنی بڑی ان دنیاؤں میں

اپنے نام کی سختی والی ایک عمارت

کتنے دکھوں کی اینٹیں چن کر گھر بنتی ہے

پتھر پتھر جوڑ کے دیکھو

میں نے کبھی ایک گھر ہے بنایا

رنگوں، پھولوں، تصویروں سے اس کو سجایا

دروازے کی لوح پہ اپنا نام لکھایا
لیکن اس کے ہر کمرے میں تم رہتے ہوے

سجاول شاہ نے اپنی روشن آنکھیں اوپر اٹھائیں اور زیمل کو دیکھا جس کے رخساروں پر محبت پا لینے کا نشہ سرخی بن کر جھلک رہا تھا سجاول سے نظریں ملیں تو اس نے اپنی

پانا چاہتی ہوں۔اس نے چہرہ اوپر اٹھا کر اپنے قریب کھڑے سجاول علی شاہ کو دیکھا۔
مگر کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا تو پڑتا ہی ہے۔وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر اس سے دور ہٹ کر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

میرے نزدیک، بے حیثیت، فانی اور مادی چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، تمہارا مطلب اگر میرے اونچے مرتبے، حویلی اور جائیداد سے ہے تو، میں نے کبھی ان چیزوں کو جذبوں کے آگے اہمیت نہیں دی، مجھے اپنے خواب اور زیادہ عزیز ہیں۔

وہ رخ کھڑکی کی طرف کر کے باہر دیکھنے لگی کہ یکدم اس کی آنکھیں چمک اٹھیں، وہ کھڑکی پر جھولتا پردہ پورا ہٹا کر اب باہر غور سے دیکھ رہی تھی، لگ رہا تھا کوئی بہت خوش کن منظر دیکھ رہی ہے، وہ خوشی خوشی پلٹی۔

سجاول ۔۔۔۔یہ۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔اسکول۔اس کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت تھی، سجاول کھڑکی کے پاس چلا آیا اور باہر دیکھنے لگا، اس کا چہرہ بھی چمکنے لگا، وہ بڑی طمانیت سے مسکرانے لگا۔

ہاں، یہ اسکول ہے جو رات دن کی محنت کے بعد کھلا ہے، نام نہاد اسکول ہی سمجھو۔
کب کھلا یہ۔وہ پرمسرت لہجے میں پوچھتے ہوئے پھر باہر جھانکنے لگی۔

بس ہفتہ بھر ہوا ہے، جگہ خالی پڑی رہتی تھی، بابا سائیں یہاں دو کمرے بنوانا چاہ رہے تھے مگر میں نے یہ خالی حصہ اسکول کے لئے لے لیا، آؤ تمہیں دکھاؤں۔وہ اس کا ہاتھ تھامے کمرے سے نکل کر پچھواڑے حصے میں آ گیا۔

چھوٹی سی جگہ پر ابنس کی چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں، جن پر چند بچے بیٹھے تختی پر لکھے حرفوں کو پڑھ رہے تھے، قریب ہی ایک چھوٹی سی میز اور کرسی رکھی تھی جہاں دینو بابا کا نو عمر

بیٹا، استاد کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

ابھی تو ابتدا ہے، بس گوٹھ والوں کی توجہ کی ضرورت ہے پھر آہستہ آہستہ بچے بھی آنے لگیں گے، اسے تم شہر کے اسکولوں سے کمپیئر نہ کرنا، بس یوں سمجھو یہ ابتدائی زمانے کی طرح ہے، جہاں پہلے لوگ علم کے حصول کے لئے سفر کرتے تھے، فرش پر بیٹھ کر مٹی میں اٹ کر علم حاصل کرتے تھے محض اپنے جذبہ شوق کی وجہ سے۔

اور بدقسمتی یہ ہے کہ اتنی ترقی کرنے اور وافر سہولیات ہونے کے باوجود، یہ غریب گوٹھ والے اب بھی علم اتنی مشکلوں سے حاصل کر سکتے ہیں اور دیکھو کر بھی سکتے ہیں یا نہیں، میری اور دوسرے لڑکوں کی ادنی سی کوششیں ہیں یہ۔

اسکول کے صحن میں کھڑا سجاول منافقانہ لہجے میں کہہ رہا تھا تاہم وہ اس نقطے کے آغاز سے ہی انتہائی خوش تھا، جیسے کوئی معرکہ سر کر لیا ہو اور جیسے یہ اختتامی مرحلہ ہو۔

زیمل کی خوشی بھی دیدنی تھی وہ بھی یوں مسرور دکھائی دے رہی تھی، جیسے یہ کارنامہ خود اس نے انجام دیا ہو، اس نے بڑے فخر اور محبت سے سجاول کو دیکھا۔

آگے بہت مشکلیں آئیں گی سجاول، کیسے سر کرو گے۔ سجاول کندھے اچکا کر، اس کے ساتھ کھلی فضا میں آ گیا۔

مشکلیں تو ہوتی ہی سر کرنے کے لئے ہیں، بس تم دعا کرنا کہ خدا گوٹھ والوں کو بھی استقلال عطا کرے اور مجھے بھی، باقی کام، زور بازو جب تک سلامت رہے پورا ہو ہی جائے گا، بس استقامت ہو اور خدا پر بھروسہ کچھ مشکل نہیں اور وہ مرد ہی کیا جو مشکلوں کو سر کر کے مسرور نہ ہو۔

یقین کرو زیمل میری خواہش ہے کہ ہمارے گوٹھ کا بچہ بچہ اتنا باشعور ضرور ہو

جائے کہ اپنا برا بھلا پہچان سکے ان بڑے لوگوں کو ہی اپنا سب کچھ نہ مانیں ان کے آگے جھکنے سے بہتر مر جانا پسند کریں۔ اس کا چہرہ فرط جذبات سے تپنے لگا۔

کیا میں بھی جہاد میں شامل ہو سکتی ہوں۔

اس کی نرم آواز ابھری اس نے اپنے ہاتھوں کے سنہری کنگن اتار کر سجاول کی طرف بڑھا دیئے۔

ایک اینٹ میرے نام کی بھی ہونی چاہیئے۔ سجاول، مجھے بھی تو فخر کرنے کا موقع ملے۔

سجاول لمحہ بھر کو گنگ رہ گیا، اس کی نظریں اس کی سونی کلائیوں پر جم گئیں۔

نہیں، نہیں زیمل یہ پہن لو۔ اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

کیوں یہ میں تمہارے اپنے خرچے کے لئے تو نہیں دے رہی، یہ تو میں ان معصوم اور ننھی کونپلوں کو آبیاری کے لئے دے رہی ہوں، میرا دل بھی چاہتا ہے کہ یہ کونپلیں اب نرم لچکتی شاخ نہ بنیں جس سے ٹکرانے والا خود پاش پاش ہو جائے، رکھ لو نا سجاول۔ اس کا لہجہ التجائیہ ہو گیا، پلکوں پر ستارے جگمگانے لگے۔

سجاول نے یہ کنگن لیتے ہوئے اس کے ہاتھ بھی تھام لیے۔

ان کلائیوں میں ایک دن اپنے ہاتھوں سے بہت سا زیور پہناؤں گا۔ اس کی آواز بڑی بوجھل تھی۔

زیمل کا دل ایک انوکھی خوشی سے بھر گیا، ایسی خوشی جو کبھی محسوس نہ ہوئی ہو۔

مجھے چاندی اور سونے کے کھنکتے زیورات کی کبھی تمنا نہیں رہی سجاول، یہ ہوں بھی تو کیا اور نہ ہوں بھی تو کیا۔ اس کی پلکیں اٹھیں پھر لرز کر جھک گئیں۔

میں، میں بھی، ہر عورت کی طرح سہاگن بننا چاہتی ہوں، کیا مجھے اپنے نام کا زیور پہناؤ گے سجاول، ایسا زیور جو کبھی نا اترے، میری روح کو شانت کر دے، میری زندگی کو سونا بنا دے۔

سجاول علی شاہ اسے بڑی پیاری نظروں سے دیکھنے لگا، وہ اپنے ہر رنگ میں اتنی ہی خوبصورت دل موہ لینے والی تھی یا صرف اسے لگا کرتی تھی۔

اس نے نرمی سے اس کے نازک ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر خاموشی کی زبان میں یقین دلایا۔

وڈیری زیمل۔ بلقیس کی آواز ابھری تو وہ دونوں عالم مدہوشی سے حال میں آ گئے، وہ جلدی سے پیچھے ہٹی تھی، سجاول بھی قدرے جھینپ کر بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

حویلی سے گڈی آ گئی ہے اداسچل انتظار کر رہا ہے۔

اوہ، اتنی دیر ہوگئی ہے۔ اس نے اپنے سرخ سرخ چہرے کو اٹھا کر بلقیس کی طرف دیکھا بلقیس شرارت سے مسکرانے لگی۔

بہت شریر ہوگئی ہو۔ اس نے ہلکی سی پیار بھری چپت اسے ماری تو وہ اپنے پیارے بھائی کے شانے سے لگ گئی، سجاول نے اسے دائیں بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

اب اس کا بھی انتظام کرنا پڑے گا، کیوں زیمل۔ وہ بولا تو اب شرمانے اور جھینپنے کی باری بلقیس کی تھی۔

زیمل حق نواز سجاول سے ملاقات کر کے اپنے اندر بے پایاں مسرت سمیت کر حویلی میں آئی تو چھوٹی ماں زینت نے اسے بتایا کہ بابا سائیں اسے یاد کر رہے تھے، وہ پیغام سنتے ہی بابا سائیں کے کمرے کی طرف چلی آئی مگر دروازے پر دستک دینے سے پہلے اندر سے آئی آواز پر اسکا ہاتھ ٹھہر گیا، یہ بابا سائیں کی آواز تھی۔

ہاں یہ لڑکا سجاول بھی بڑا اونچا اڑ رہا ہے آج کل، چلو دیکھتے ہیں کتنا اڑ سکتا ہے۔

آپ اس روز بھی اس کی بدتمیزی برداشت کر گئے تھے بابا سائیں جبکہ میرا تو رت (خون) ہی کھول اٹھا تھا، یہ مالکوں سے بات کرنے کا کونسا انداز ہے اس کا، دو چار کتابیں پڑھ کر ہمارے منہ آئے گا۔

یہ مہران شاہ کی آواز تھی کڑوی، کھردری اور غرور سے بھری ہوئی۔

کمدار، کیا رپورٹ لائے ہو، ذرا بابا سائیں کو بھی بتاؤ نا، پتا نہیں اب بابا سائیں اتنے بے خبر کیوں رہنے لگے ہیں۔

سائیں جو کہوں گا سچ کہوں گا، سچ کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔

کمدار کی آواز ابھری اور بابا سائیں کے حقے کی گڑ گڑاہٹ تیز ہوگئی۔

امداد علی کے اس چھوکرے نے اپنے گھر کے خالی حصے میں اسکول کھول لیا ہے سائیں، میں نے اپنی گناہگار آنکھوں سے دیکھا ہے دو چار بچے بھی بیٹھے تھے اور زور زور سے پڑھ رہے تھے وہ امبوں (آموں) کی فصل پر کام کرنے والی دینو اس کا چھوکرا ماستر بنا ہوا ہے۔

کمدار یہ کہہ کر چپ ہوا تو ایک دو لمحے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

ادھر زیمل کا دل سینے کی چار دیواری میں کانپا اس کے کان بابا سائیں کا جواب سننے کے منتظر تھے اور دل ایک انجانے خوف سے دھڑکنے لگا تھا۔

ہوں، تو یہ چھوکرا عملی میدان میں بھی اتر چکا ہے۔

دیکھ لیجئے، یہی امداد علی جو ہمارے سامنے ٹھیک سے کھڑا نہیں ہو پاتا اس کا بیٹا ہمارے برابر کھڑا ہونے لگا ہے۔

معافی سائیں، میں نے سجاول کو گوٹھ کے دوسرے چھوکروں کو جمع کر کے بڑی بڑی تقریریں کرتے بھی دیکھا ہے۔

وہ کیا کہتے ہی، ہاں۔۔۔۔۔۔وہ حق وق کی باتیں کرتا ہے۔ان سے۔

ہوں، حق کونسا حق کیسا حق۔ بابا سائیں کی آواز میں گرج تھی وہ تیزی سے کرسی سے اٹھے۔

یہ ہمارے کمی کمیں۔ مزارعے جو ہماری ہی زمینوں پر کام کرتے ہیں کیا یہ اب ہمارے کھیتوں پر اپنا حق جتائیں گے، ہمارے تلوے چاٹنے والے ہمارے منہ پر طمانچے ماریں گے بابا، یہ کل کا چھوکرا انقلاب لانے کا خواب دیکھ رہا ہے سب کو، ہیرو

بنا پھرتا ہے گوٹھ میں، کمدار کتنے بچے پڑھ رہے ہیں اس اسکول میں؟

سائیں ابھی تو چار پانچ ہی ہیں پر سنا ہے گوٹھ والے بڑے خوش ہیں۔

دیکھا دیکھا بابا سائیں آپ نے۔مہران شاہ تلملا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

آپ اجازت دیں،تو میں آج ہی کچھ آدمی بھیج کر اس ڈربے نما اسکول کی دیواریں ڈھا دوں۔

نہ پٹ اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔بابا سائیں جلدی سے بولے۔

کمدار۔

حکم سائیں۔

تم ایسا کرو بابا، کہ جو بچے اس اسکول میں داخل ہیں اور جو داخل ہونا چاہیں ان کا پتا کرواور پھر ہمیں بتاؤ

بابا مہران دیواریں ڈھانے سے پھر دیواریں بن جائیں گی ان دیواروں کے اندر آنے والوں کو ہی ڈرا کر روک دیا جائے تو۔۔۔۔۔۔خالی دیواریں ملبے کی طرح ہی ہو جائیں گے۔

کیوں کمدار، ڈرانے والے آدمی تو ہیں نا تمہارے پاس،مگر ہاں اتنی جلدی شروع نہ ہو جانا ابھی انتظار کرو۔

یہ مہران شاہ تو جذباتی ہو جاتا ہے بابا اس طرح تو تم، کسی کام نہ رہو گے تحمل پیدا کرو اپنے اندر، یہ سچے اور کھردرے لوگوں کی طرح جذباتی ہو جانے والی عادت خاص فائدہ مند نہیں ہوتی بلکہ ہاتھ سے بہت کچھ نکل جاتا ہے، ہمیشہ ٹھنڈا کر کے کھاؤ گرم کھانے سے منہ جل جاتا ہے پٹ، یاد رکھنا جو کام آنکھ کے اشارے سے ہو جائے وہاں زبان نہیں کھولتے، اور جو کام زبان سے ہو رہا ہو، وہاں لاٹھی نہیں اٹھاتے۔

بابا سائیں کی ہنسی ابھری جو تیر بن کر زیمل حق نواز کی رگ رگ کو چھید گئی۔

اس سے اب مزید کھڑا نہ رہا گیا، وہ پلٹی تو سامنے آتے سلطان شاہ کو دیکھ کر اسے

سنبھلنا پڑا۔

کیا ہوا، خیر تو ہے ادی۔ اس کا سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

ہاں سب خیر ہے۔ وہ زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔

پر تمہارے چہرے سے تو نہیں لگتا۔ سلجان شاہ مسکرایا اور نرمی و محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

کیا بات ہے ادی، کوئی بات ہوگئی ہے، بابا سائیں نے کچھ کہہ دیا ہے۔

ارے نہیں وہ بس تھکن ہوگئی ہے چاچا کے یہاں سے آئی ہوں نا اب ذرا آرام کروں گی۔ وہ مزید رکی نہیں اور سلطان شاہ کا ہاتھ نرمی سے تھپک کر سیڑھیاں چڑھ گئی۔

بابا سائیں کی باتوں نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا اسے لگا اس کی ساری خوشی ساری مسرت بھک سے اڑ گئی ہو، اب ایک خوف دل میں سمٹ آیا تھا۔

(کہیں وہ لوگ سجاول کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں اوف۔۔۔۔۔ کتنے فخر سے وہ اسے اسکول دکھا رہا تھا،)

اس کی آنکھیں جلنے لگیں چہرے پر اتنا سارا پانی بہانے کے باوجود ایک آگ تھی جو رگ رگ سے نکلتی محسوس ہو رہی تھی، کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا۔

دوسری صبح وہ سچل کو پچیرو چمکاتے دیکھ کر چپکے سے اس کے پاس چلی آئی، سچل اسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا، تشویش اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔

سچل، کیا سجاول شہر چلا گیا۔ اس کے لہجے کی بے چینی پر سچل نے ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا پھر جلد ہی احتراماً جھکا بھی دیا۔

منہ اندھیرے ہی نکل گیا تھا بس کا وقت وہی ہوتا ہے نا۔ اس نے کہا تو اس کے چہرے پر اطمینان کا رنگ پھیل گیا، ایک گہری سانس اس کے سینے کی تہہ سے خارج ہو گئی۔

اس کے پیچھے اسکول کا خیال کون کرے گا تمہیں خبر ہے کچھ۔

خیال کیا کرنا ہے جی خود ہی بچے آ جاتے ہیں اور بڑے لڑکے پڑھا دیتے ہیں۔ اس کے انداز میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

خواہ مخواہ کی دردسری لے رکھی ہے اس نے بھی سائرن۔

اس نے کچھ سوچ کر کپڑا دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں لے کر اضطرابی انداز میں جھٹکا پھر سر اٹھا کر زیمل حق نواز کو دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں۔

ایک بات کہوں، برا تو نہ لگے گا۔ وہ کچھ ہچکچا کر بولا، زیمل مسکرانے لگی۔

برا لگے گا تو بتا دو گی بولو تم۔

بات یہ ہے سائرن کہ۔۔۔۔۔ آپ سجاول کو سمجھائیں کہ وہ یہ اسکول وسکول کا دھندا نہ پالے، وہ نہیں جانتا اس کے نتائج کچھ اچھے نہیں نکلیں گے، میرا مطلب ہے۔

جانتی ہوں، بابا سائیں نے تو ابھی سے اس اسکول کو ڈھا دینے کا سوچ لیا ہے۔

وہ اس کی بات کاٹ کر یاس بھرے لہجے میں بولی تو سچل آنکھیں پھاڑے زمین کو گھورنے لگا اس کے چہرے سے تشویش جھلکنے لگی۔

اسی لئے تو پوچھا تھا سجاول تو شہر چلا گیا نا، مجھ سے زیادہ تو شاید تم ہی جانتے ہو گے سچل بابا سائیں اور امہران اور لال حویلی والوں کو۔

وہ بہت ضدی ہے میری سنتا ہے، نہ ابا کی۔ سچل منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوا اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑنے لگا۔

سائرن، آپ کی تو وہ مانتا ہے آپ ہی اسے سمجھاؤ۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا تو ایک لمحے کو زیمل کے چہرے پر سرخی اتر آئی، اس نے جلدی سے چادر پیشانی تک کھینچ لی، پھر سنبھل کر بولی۔

نہیں سچل میں اس کو نہیں روکوں گی، اچھائی کا راستہ نہیں روکتے ورنہ ایک دن ہم سب برائیوں سے بھر جائیں گے۔ وہ پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔

سجاول علی شاہ کی یہی خوبیاں ، یہی دلیرانہ جرائت تو اس کا فخر اور مان تھیں وہ اسے اچھا لگتا تھا اس لئے کہ وہ سب کے لئے اچھا تھا وہ صرف اپنے لئے جینا نہیں چاہتا تھا بلکہ

اس کے دل میں غریب اور کمزور کے لئے ہمدردی تھی ،خلوص تھا، وہ خواب دیکھتا تھا صرف اپنے لئے نہیں گوٹھ والوں کے لئے ، ان کی بہتری اور خوشحالی کے لئے وہ کیسے اسے نیکی کی راہ سے روک دیتی ،خوبصورت خواب دیکھنے پر پابندی لگا دیتی۔

مگر سچل اس کی سوچ سے الگ پریشان سا پچیرو کے قریب فرش پر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

بچڑی زیمل ۔وہ بیٹھک کے پاس سے گزری تو بابا سائیں کی پکار پر رک گئی اور پردہ اٹھا کر اندر آ گئی۔

جی بابا سائیں

وہ ان سے فاصلے پر کھڑی ہوگئی اور ایک نظر کمرے میں ڈالی ،وڈیرہ حق نواز کے علاوہ بڑی ماں بھی کمرے میں موجود اون سلائیوں میں الجھی ہوئی تھیں ۔انہیں تو بس اس نے ہمیشہ ان دھاگوں میں ہی الجھا دیکھا تھا۔

سلطان شاہ بھی موجود تھا بڑے صوفے پر بابا سائیں ٹانگ پر ٹانگ جمائے سگار سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ان کے ہاتھ کے اشارے پر وہ ان کے سامنے کرسی پر ٹک گئی۔

کیا کرتی رہتی ہو سارا سارا دن ۔

وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے جانے کیا تھا ان کی نظروں میں اسے الجھن ہونے لگی۔

بس بابا سائیں کرنا کیا ہے ،کبھی یہاں کبھی وہاں پڑی رہتی ہوں۔

بابا ہم نے تمہیں باہر نکلنے کی اجازت ضرور دے رکھی ہے مگر اتنی بھی نہیں ، کہ تم جب دل چاہا من اٹھائے نکل جاؤ اور کمی ہاریوں کی بیٹی سے دوستیاں گانٹھتی پھر ، اپنی اور

ان کی حیثیت میں تمہیں فرق نظر نہیں آتا بابا یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے نا۔ ان کی بات سن کر وہ کرسی سے کھڑی ہوگئی۔

بیٹھو ابھی تم سے کچھ اور بھی کہنا ہے۔

بابا سائیں کی بھاری تحکم بھری آواز نے اس کا اٹھتا قدم پھر سے روک دیا اس نے بے قراری سے پہلو بدل کر بابا سائیں کو دیکھا اور بولی۔

یہ ساری باتیں خوشیوں کے حصول میں رکاوٹ بنتی ہیں، بابا سائیں بلقیس اچھی لڑکی ہے میرے لئے یہی کافی ہے۔

خیر، میں بار بار باتیں دہرانے کا عادی نہیں ہوں، جو چیز جہاں اچھی لگتی ہے اسے وہیں ہونا چاہئے۔

کیا چیزوں اور انسانوں میں فرق نہیں ہے بابا سائیں۔

اس نے رسان سے کہا تو ایک لمحے کو وڈیرہ حق نواز نے چونک کر اسے دیکھا، ان کے چہرے کے نقوش میں کرختگی در آئی۔

سلطان شاہ بھی اخبار سے نظر ہٹا کر اس کے اعتماد کو نظر انداز نہ کر سکا جبکہ بڑی ماں، اسے دیکھ کر ایک دبی دبی سانس لے کر رہ گئیں۔

اس کا مطلب ہے ہم نے تمہیں ضرورت سے زیادہ آزادی دے دی ہے جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے، مہران شاہ کے ساتھ بھی تمہاری بدتمیزی میرے علم میں آئی ہے۔

بابا سائیں صوفہ چھوڑ کر کھڑے ہو گئے تھے وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

(گویا ادا مہران شاہ نے ہی بابا سائین کے کام بھرے ہیں۔)

معافی چاہتی ہوں بابا سائیں، میں نے ادا کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی بس جو دیکھا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔

آ ۔۔۔۔۔س۔ بابا سائیں کی گرجدار آواز کمرے کی فضا کو مرتعش کر گئی وہ بھی ایک لمحہ کو سہم گئی، آنکھوں کی زمین بے اختیار نم ہو گئی۔

فاطمہ۔ انہوں نے یکدم بڑی ماں کو مخاطب کیا ان کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو رہا تھا گویا اس چھوٹی سی لڑکی نے انہیں گرما کر رکھ دیا تھا۔

تمہیں ایک تو ان دھاگوں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔

ان کے غصے کا رخ اماں کی طرف ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے لے کر دھاگوں کا گچھا لے کر فرش پر پھینک دیا۔

تم ولایت کے یہاں فون کر کے بھابھی سے بات کرو کہ وہ آج آ کر زیمل کو دوپٹہ پہنا جائیں۔

بڑی ماں کا دل سینے کی دیوار میں لرز کر رہ گیا۔

آ ۔۔۔آپ نے تو کہا تھا رئیس کہ۔۔۔۔۔۔آپ شہر جا رہے ہیں، بھابھی کو میں نے ابھی روک دیا تھا۔

نہیں ابھی شہر نہیں جا رہا میں کچھ کام یہاں ہیں جو نمٹانے ہیں مگر لگتا ہے سب سے ضروری کام یہی ہے۔۔۔۔۔۔اس چھوری (لڑکی) کی شادی۔ وہ چادر کا کونا کندھے پر ڈال کر بڑے بڑے قدم اٹھاتے کمرے سے نکل گئے۔

اماں نے لرزتے ہاتھوں سے سلائیاں سائڈ میز پر رکھیں اور زرد پڑتی زیمل کی طرف دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھیں۔

زیمل چکرا کر فرش پر گرنے لگی تھی کہ سلطان شاہ نے سرعت سے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔

دھی یہ تو ہونا ہی تھا۔ اماں کے آنسو آنکھوں سے چھلک پڑے۔

ماسی۔۔۔۔۔ماسی۔۔۔۔۔ سلطان شاہ زیمل کو فرش پر لٹا کر ملازمہ کو آوازیں دینے لگا۔

پانی ڈال اس پر سلطان ۔ اماں اس کا سر دبانے لگیں، سلطان شاہ جلدی سے اٹھ کر میز پر سے پانی سے بھرا جگ اٹھالایا اور اس کے منہ پر چھینٹے مارنے لگا۔

گھر کی عورتیں گھبرا کر بھاگی آئیں ۔ زینت ماں اس کے پیروں کے پاس بیٹھ کر اس کے تلوے سہلانے لگیں۔

کیا ہو گیا یہ بیٹھے بٹھائے۔

میری بچڑی ہوش میں آ، زیمل میری بچڑی۔ اماں منہ پر دوپٹا رکھ کر رونے لگیں۔

نمی سے اس کی پلکیں لرزنے لگیں پھر آہستہ آہستہ اس نے پوری آنکھیں کھول دیں اور خالی خالی نظروں سے اپنے اوپر جھکے مہربان چہرے دیکھنے لگی۔

زیمل ۔ دی عابدہ نے پیار سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اوپر اٹھایا۔

اٹھ بیٹا۔

اماں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اماں یہ سب کیا ہے۔ وہ اچانک ہی ایک سسکاری کے ساتھ اماں کے سینے سے لگ کر دھواں دھار رونے لگی۔

سلطان ۔ عابدہ، سلطان کو کمرے سے باہر جاتے دیکھ کر اس کے پیچھے لپکیں۔

ادا کیا، بات ہے، کیا ہوا ہے زیمل کو۔ سلطان نے پردہ تھام کر ذرا سا رخ موڑا پھر ہونٹ کاٹنے لگا۔

بابا سائیں اس کا رشتہ طے کر رہے ہیں چاچا ولایت کے بیٹے سے۔

کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اکبر سے۔ عابدہ یوں پیچھے ہٹیں جیسے سلطان نے انہیں ڈنگ ہی مار لیا ہو۔ وہ وحشت زدہ ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

یہ تو ہونا ہی تھا دی، خاندان میں اور ہے کون ہے اسے سمجھاؤ دی اس طرح رونے اور شور مچانے سے کچھ نہیں ہوتا، خالی خولی عزت ہی خراب ہو گی، بابا سائیں کی بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ وہ دکھ اور کرب سے ہونٹ بھینچ کر بے بسی کے احساس کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

اندر زیمل کی سسکیاں گونج رہی تھیں وہ بین کر رہی تھی اس ظالم فیصلے کے خلاف، ادی عابدہ کا رواں رواں بھی اس آہ و بکا کا حصہ بن گیا۔

وہ چکراتے سر کو تھام کر اندر آئیں مگر زیمل کی حالت دیکھ کر ٹھہر نہ سکیں اور اپنے آنسو ضبط کرتی وہاں سے نکل گئیں۔

آئینے کے ٹکڑے دیکھو
ٹکڑوں میں چھپا ہے میرا من
میرے من میں عکس کسی کا
عکس بنا جو کرچیوں سے
کرچیاں جو میرے من میں چبھتی رہتی ہیں
ہر سو موت کے کالے بادل
میری راہیں تکتے ہیں
کان میں سرگوشی کرتے ہیں
تو بچ نہیں سکتی
ہاں میں بھی جانتی ہوں کہ
صدیوں سے میں ماری جاتی ہوں
مرنے کا کوئی غم نہیں
میں نہیں ڈرتی اس موت سے
جو لازم اک دن آتی ہے
مگر
حویلی کی دیواروں کے پیچھے گھٹ گھٹ کر
غلامی کی موت نہیں مروں گی
موت سے ٹکرا کر کہوں گی

مجھ کو مہلت دی جائے

تا کہ حویلی سے نکل کر آزادی کی موت مروں

کیونکہ میں ماری نہیں

میں بیسویں صدی کی عورت ہوں

میں آزاد جینا

اور آزاد مرنا چاہتی ہوں

اپنوں سے آزاد

رسموں سے آزاد

مجھ کو آزاد مرنے دو

زیمل ،زیمل پاگل ہو جائے گی مر جائے گی یوں رو رو کر۔ادی عابدہ اسے جھنجھوڑنے لگیں۔

نہیں ادی، میں اب یوں گھٹ گھٹ کر نہیں مروں گی میں اس حویلی سے نکل کر مروں گی۔اس نے گھٹنوں سے سر اٹھایا اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔مگر چہرے پر خطرناک حد تک سرد مہری چھائی ہوئی تھی، ایسی سرد مہری جو عابدہ حق نواز کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں اترتی محسوس ہوئی۔

انہوں نے پہلے قدرے چونک کر پھر قدرے تشویش کے ساتھ اسے دیکھا۔

کیا مطلب ہے تیرا۔وہ فرش پر ہی اس کے نزدیک بیٹھ گئیں۔

کس بات کا مطلب۔اس نے پتھرائی نظریں اٹھائیں۔

یہی اس بات کا جو تو سوچ رہی ہے اور بول رہی ہے، دیکھ زیمل اللہ کے واسطے ایسی کوئی بات نہ سوچنا جو حویلی کے وقار کو داغ لگا دے دیکھ تو۔۔۔۔۔۔

حویلی، یہ اونچی دیواریں، قفس ہیں، ہمارے لئے حبس بے جا میں ڈال دیا گیا ہے ہمیں ، اس کا وقار۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کا وقار۔صرف ہمارے خون سے پنپ رہا

ہے۔ یہاں صرف عورت کے ہر اقدام سے وقار اور عزت کو تولا جاتا ہے۔

نہیں ادی نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں بابا سائیں کے اس اصولوں ان روایتوں اور مظالم کے آگے سر نہیں جھکاؤں گی، میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں عابدہ حق نواز نہیں ہوں، میں زیمل ہوں، میں اس صدی کی لڑکی ہوں، زندی جیتی جاگتی، لڑکی ہوں، اپنا برا بھلا سمجھنے کا شعور رکھتی ہوں، میں بھی ان مردوں کی طرح دل رکھتی ہوں۔

خواہش پالتی ہوں۔

اللہ کے واسطے آہستہ بول۔ عابدہ نے گھبرا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ایک دو پل وہ چپ رہی، بس چپ کی سلگتی دہکتی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

میں جانتی ہوں میری بہن، بابا سائیں کا فیصلہ تیرے دل کو چیر رہا ہے، پر دھی رانی یہاں تو ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا، میں نے تجھے پہلے بھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

لیکن اب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اب نہیں ہوگا۔

وہ عابدہ کو ایک طرف دھکیل کر ہٹی۔ اب ایسا نہیں ہوگا، کیا اس حویلی کا وقار مردوں کے ننگ کردار سے مجروح نہیں ہوتا، جب اس گوٹھ کی لڑکیاں اٹھا کر لائی جاتی ہیں، ان کی عزت ان کی عصمت پر ہاتھ ڈالے جاتے ہیں، انہیں کنویں میں چھلانگ لگانے پر مجبور کیا جاتا ہے، اس وقت حویلی کے مردوں کی عزت کم نہیں ہوتی کیا، یہاں غریبوں کا خون چوسا جاتا ہے تب حویلی کے وقار پر آنچ نہیں آتی، یہ کیسا وقار ہے، کون سی عزت ہے، جو صرف ہمارے سر جھکانے سے سلامت رہتی ہے۔ وہ صوفے کے کشن اٹھا کر پھینکنے لگی، پھر غسل خانے میں جا کر بند ہوگئی۔

ادی عابدہ، خوفزدہ، وحشت زدہ نظروں سے غسل خانے کے بند دروازے کو دیکھنے لگیں۔ پھر ایک جھرجھری لے کر بیڈ کے کنارے یوں ٹک گئیں جیسے پیروں سے یکدم

جان نکل گئی ہو۔

زیمل کے چہرے اور باغیانہ انداز پر وہ اندر ہی اندر سہم گئی تھیں۔ اماں نے اسے سمجھانے کے لئے بھیجا تھا۔ جمعہ کو ولایت چاچا اور چاچی کو بابا سائیں نے دعوت دی تھی اور اس دعوت میں وہ زیمل کو اپنے نو سالہ بیٹے اکبر کے نام کی انگوٹھی اور دوپٹہ پہنانے والے تھے۔

مگر زیمل کو سمجھانا تو کیا اسے قائل کرنا ہی مشکل لگ رہا تھا وہ یوں ٹوٹی تھی کہ کرچی کرچی بکھر گئی تھی۔

اب وہ سوچ رہی تھیں وہ اسے کیسے سمیٹیں اور کہاں سے سمیٹنا شروع کریں۔

بابا سائیں کا یہ فیصلہ سم قاتل ہی تو تھا اس کے سارے نرمل کومل خوابوں کا قتل، اس کی معصوم آرزوؤں کا قتل، اس نے تو ابھی کھل کر ہنسنا ہی سیکھا تھا کہ آنسوؤں میں نہلانے کا حکم نامہ جاری ہو گیا تھا۔

خدایا۔ انہیں خود اپنا دل جلتا محسوس ہو رہا تھا وہ اس کے تپتے دل پر کہاں سے مرہم رکھتیں وہ آہستگی سے اٹھیں اور کمرے سے نکل گئیں۔ ان کے خیال میں اسے تنہا چھوڑ دینا مناسب تھا۔

وہ ڈھلتی شام تھی زیمل بڑی مشکل سے اجازت لے کر بلقیس کے یہاں آئی تھی۔ اسے مہران شاہ نے خود ڈراپ کیا تھا اور اللہ رکھی کو بھی اس کے ہمراہ کر دیا تھا۔

مہران شاہ کی جیپ جونہی آگے بڑھی اس نے اللہ رکھی کو دروازے پر ہی روک دیا اور خود اندر چلی آئی۔ بلقیس اسے دیکھ کر دیوانہ وار بھاگی اس سے لپٹ کر بے اختیار رو دی۔

یہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ تو بڑا ظلم ہے زیمل تیرے ساتھ۔ اسے بھاگل کے ذریعے ہی خبر ملی تھی کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وڈیرہ شاہ نواز کے بیٹے اکبر سے زیمل کی بات پکی ہو رہی ہے۔ گو کہ مہران شاہ نے بھاگل کو حویلی سے نکال دیا تھا مگر وہ کبھی کبھی چھپتے

چھپاتے زیمل سے ملنے آ جایا کرتی تھی۔

بلقیس پر تو پہاڑ ہی ٹوٹ پڑا تھا وہ دہرے دکھ سے تڑپ رہی تھی۔

اندر۔۔۔۔۔۔۔۔آ۔۔۔۔۔۔۔۔باہر اللہ رکھی ہے۔ زیمل اسے لئے اندرونی کمرے میں آ گئی۔

تو تو راضی ہے کیا وڈیری۔ بلقیس اس کے سپاٹ چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

حویلی میں صرف بابا سائیں کا حکم چلتا ہے، وہاں کسی کی رضامندی کا کوئی سوال نہیں۔ وہ ہنس دی، مگر ایسی کھوکھلی ہنسی تھی، جیسے ایک خالی برتن میں بہت سے پتھر ڈال دئے گئے ہوں۔

بلقیس کا دل بھی روا تھا وہ چارپائی پر بیٹھی تو وہ خود اس کے قدموں کے نزدیک بیٹھ گئی پھر اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بلک اٹھی۔

ایسا نہ ہونے دینا سائیں، ورنہ میرا ادا سجاول مر جائے گا وہ بڑا ضدی ہے کچھ کر بیٹھے گا۔ اور خود نقصان اٹھالے گا۔

میں اسے مرنے نہیں دوں گی بلقیس، اور نہ خود بزدلی کی یہ موت قبول کروں گی۔ اس کا ہاتھ بلقیس کے شانے پر تھا۔ بلقیس نے سر اٹھا کر حیران آنکھوں سے اسے دیکھا۔

سچل کہاں ہے، میں اس سے ملنے آئی ہوں، حویلی میں اس سے کوئی بات کرنا مشکل ہے۔ وہ کچھ سوچ کر اس سرد مہری اور سنجیدگی سے بولی تو بلقیس دوپٹے کے کنارے سے آنکھیں رگڑتی ہوئے کھڑی ہوگئی۔

حویلی سے ابھی آیا تو تھا کسی کام سے، ٹھہرو میں دیکھتی ہوں۔ وہ کمرے سے نکل گئی کچھ دیر بعد سچل کے ہمراہ داخل ہوئی۔

سلام سائیں۔ سچل اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح ادب سے بولا۔

وہ رخ موڑے کھڑکی سے باہر اس چھوٹے سے اسکول کو دیکھ رہی تھی۔ جو گوٹھ کے

ان پڑھ بچوں کے لئے شاید پہلی درسگاہ تھی ۔وہ گہری سانس لے کر پلٹی ۔

اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں اور چہرے پر عجیب سی مضمحل سنجیدگی تھی ۔وہ کچھ دیر سچل کو دیکھتی رہی پھر چلتی ہوئی اس سے ذرا فاصلے پر رک گئی ۔

سچل ، میں نے تمہیں پہلے بھی کبھی ملازم نہیں سمجھا تھا،مگر آج تو بھائی سمجھ کر اور بہن ہو کر کچھ کہنا چاہتی ہوں ۔

سائرن ۔سچل گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا ۔

میں سمجھا نہیں آپ ۔

مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے سچل،ایسی مدد جو صرف تم ہی کر سکتے ہو،بولو کرو گے ۔

اس کی آواز بھرا گئی ،ادھر بلقیس بھی دروازے پر حیران پریشان کھڑی تھی ۔

حکم سائرن ،ہم تو آپ کے حکم کے غلام ہیں ۔

نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔نہیں سچل حکم نہیں ایک التجا ہے کہ مجھے آج رات ،حویلی سے نکال کر شہر لے جاؤ، میں سجاول کے پاس جانا چاہتی ہوں ان اونچی اونچی دیواروں کے قید خانے سے نکال کر لے جاؤ مجھے ،دیکھو، دیکھو دا سچل انکار نہ کرنا ۔وہ بے اختیار ہو کر سچل کے قدموں میں جھک گئی ۔

سچل پر تو گویا ہزار پتھر لڑھک گئے اسے لگا جیسے اس کی سماعتوں پر یکے بعد دیگرے کئی دھماکے ہوئے ہوں اور یہ چھت اس پر آ گری ہو۔

سائیں ژن ۔اس کی آواز کانپ کر رہ گئی حیرت اور خوف کے ملے جلے احساسات سے اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی ۔

میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی سچل، دیکھو رحم کرو مجھ ہر ورنہ یہ لوگ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ لوگ مجھے زندہ درگور کر دیں گے میری روح کو ایسی تاریک قبر میں سلا دیں گے جس کے بعد میں کبھی روشنی نا پا سکوں گی ،رحم کرو سچل میں بڑی امید کے ساتھ تمہارے پاس آئی ہوں ۔

سجاول کے بنا میں ادھوری ہوں، میں زندہ رہنا چاہتی ہوں سچل، کیا اس دنیا میں مجھے خوشیاں حاصل کرنے کا حق نہیں ہے۔ وہ رو رہی تھی، بلک رہی تھی۔ سچل کے پیروں پر اس کی نازک انگلیاں لرز رہی تھیں۔ یکدم سچل جیسے ہوش میں آ گیا۔ وہ آہستگی سے ہٹا اور جھک کر اسے تھام کر کھڑا کر دیا۔

مجھ پر رحم کرو سائون، یوں مجھے شرمندہ تو نہ کرو، میں بڑا حقیر بندہ ہوں اور اتنی بڑی آزمائش۔ اس نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے، تب بلقیس چلتی ہوئی ان دونوں کے نزدیک آ گئی۔ زیمل کی چادر فرش سے اٹھا کر اس کے سر پر ڈال دی۔

ادا سجاول بھی تیرا یہ احسان زندگی بھر نہ اتار سکے گا، مان جا ادا، ورنہ ورنہ، دو زندگیاں برباد ہو جائیں گی، بلکہ صدیوں تک یہی ریت چلتی رہے گی، کب تک ان ریت رسموں کا ایندھن ہم عورتیں بنتی رہیں گی، کوئی بھائی تو ایسا ہو جو بہن کے لئے گھنا سایا ہو، اس خوشیوں کا رکھوالا ہو۔ بلقیس نے زیمل کو خود سے لگا لیا۔

مجھے یقین ہے سجاول کھلے دل سے اپنے بازو وا کر دے گا تمہارے لئے۔

سچل گم صم دونوں لڑکیوں کو دیکھتا رہا۔ زیمل حق نواز کے آگے اسے اپنے کندھے جھکتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

اگر وہ زیمل کی بات مان لیتا تو یہ حویلی والوں سے سراسر نمک حرامی ہوتی، اور اگر انکار کرتا تو ایک لڑکی کی، ایک جیتے جاگتے وجود کی موت ہوتی۔

جمعہ کو صرف دو روز ہی تو رہتے تھے۔ اس کی نظریں زیمل حق نواز پر اٹھیں تو وہ اندر تک سے ہل گیا۔

اس کے تصور میں سجاول آ گیا۔ جیسے وہ بھی التجا کر رہا ہو کہاں ادا، میری زیمل کو مجھ سے جدا ہونے سے بچا لو، اسے زندہ درگور ہونے سے بچا لو۔

ٹھیک ہے ادی، میں پروگرام بناتا ہوں، پھر آپ سے ملنے آؤں گا مگر۔ وہ ہاتھ ملتے ہوئے سر اٹھا کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

تم پھر سوچ لو ادی یہ بہت بڑا اقدم ہے جو تم اٹھانے جا رہی ہو، بے شک، سجاول ایک بھرپور مرد ہے، تمہیں بہت حفاظت اور عزت سے رکھے گا مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر زندگی بہت مشکل ہو جائے گی، ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے، نوکری بھی پارٹ ٹائم کرتا ہے۔اور

۔۔۔۔۔۔۔

مجھے دولت کے انبار نہیں چاہیئں، سچل مجھے صرف ایک پرسکون گھر عزت وتحفظ اور محبت چاہئے یوں بھی بہت سا سونا لادنے اور اچھے کپڑے پہننے کا نام امیر ہونا اور خوش ہونا نہیں ہے، اور یہ دولت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ دولت ہی تو حویلی کی عورتوں کی خوشیوں میں رکاوٹ ہے، اسی وجہ سے تو ہمیں ہمارے جائز حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے، کہ دولت غیروں میں نہ جائے۔

اسی دولت کو بچانے کے لئے ادی عابدہ کا حق بخشوا دیا گیا، مجھے اکبر سے باندھا جا رہا ہے، میں نفرت کرتی ہوں اس دولت کے انبار سے، جس نے باپ بھائیوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے، رشتوں کو غرض میں لپیٹ کر رکھ دیا ہے۔

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر رو دی۔بلقیس اس کے لئے ٹھنڈا پانی لے آئی۔پھر خاصی دیر اسے دلاسا دیتی رہی۔

سچل کی رضامندی نے اس کے دل کو خوشی سے ہمکنار کر دیا تھا۔

اللہ رکھی نے دروازہ بجا کر مہران شاہ کے آنے کی اطلاع دی تو وہ جلدی جلدی منہ دھو کر چادر اوڑھ کر باہر آ گئی۔بلقیس اسے دروازے تک چھوڑنے آئی اس کا ہاتھ تھاما تو وہ یخ بستہ ہو رہا تھا۔

میرے لئے دعا کرنا بلقیس۔اس نے خاموش نظروں سے کہا پھر چادر پیشانی تک ڈال کر گاڑی میں جا بیٹھی۔

بلقیس تب تک کھڑی رہی جب تک گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔پھر اندر آئی تو سچل چارپائی پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

وہ چپ چاپ اپنے معمول کے کام میں لگ گئی۔

گوشب و روز

تیری یاد تیرے خواب

آراستہ ہیں

پر میری جان

فقط یاد سے کب شہر بستے ہیں

کب بھلا دشت کوئی خواب سے سیراب ہوا

اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگے ہوئے تھے مگر بند آنکھوں کے اندر سجاول شاہ کا تصور دمک رہا تھا۔

میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا سجاول کہ یوں میری بے کیف زندگی میں تمہاری چاہت کے رنگ دمک اٹھیں گے۔ میرے خالی ہاتھوں میں محبت کے گلاب دے کر تم میرا پور پور معطر کر دو گے۔ یہ تمہاری محبت کا اعجاز ہی تو ہے۔ تمہارا مہربان وجود ہی تو ہے جس نے میرے اندھیروں کو سمیٹ لیا ہے سجاول، میرے اندر باہر کی ساری اداسیوں کو چھپا لیا ہے۔

اس کا نازک ہاتھ سجاول کے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں تھا۔

چاہنے سے زیادہ چاہے جانے کا احساس فخر بخشتا ہے۔

ایک شام اس کی سجاول سے ہونے والی یہ مختصر اور اتفاقیہ ملاقات تھی جو اس کے چشم تصور میں بکھر بکھر کر سمٹ رہی تھی۔ سجاول کی فسوں خیز آنکھوں کا طلسم وہ ایک بار پھر اپنے پور پور میں محسوس کرنے لگی۔

اس کے ہاتھ کا لمس اپنی انگلیوں پر پھر سے محسوس ہونے لگا۔

نہیں زیمل محبت خود زمین کے سینے سے پھوٹنے والے سفید گلاب کی طرح ہے جو دل کی سرزمین کو اپنی مہک سے معطر کر دیتا ہے اجالا تو تم نے میرے اندر باہر کر دیا ہے۔

اس کی نرم آواز اس کے کانوں میں یوں اتری جیسے صحراؤں میں، بادِ نسیم چلی ہو۔ جیسے سوکھی کھیتی پر برکھا رت کا سندیسہ لانے والی پھوار گرے۔ جیسے تھر کی زمین پر بارش کے قطرے۔

یاد رکھنا سجاول، میرے حصے کی ساری روشنیاں تمہاری ہتھیلی میں ہیں، چاہو تو تم مٹھی کھول کر مجھے منور کر دو، چاہو تو ظلمتوں میں دھکیل دو۔

یہ محبت میں تم لڑکیاں اتنی خوفزدہ وہمی اور پاگل کیوں ہو جاتی ہو۔

اس کی ہنسی بھرپور اور جاندار تھی، ساتھ اس کی نرم ہنسی بھی شامل ہو گئی۔

پاگل تو میں ہوں ہی، وہ تو تم کہتے ہی ہو۔ وہ بانس کا تنکا اٹھا کر انگلیوں پر پھیرنے لگی۔

نہ صرف پاگل ہو، بلکہ پاگل کر دینا بھی جانتی ہو، وڈیری زیمل حق نواز، مجھ غریب پر رحم کرو، کسی نے دیکھ لیا تو بے کار میں الزام دیں گے کہ میں وڈیری کو شیشے میں اتار رہا ہوں۔ اس نے یہاں وہاں دیکھتے ہوئے مصنوعی گھبراہٹ کا اظہار کیا۔

وہ دونوں نہر کی طرف قطار میں لگے درختوں کے پاس کھڑے تھے۔

سچ ہی تو کہیں گے لوگ۔ وہ اس کی والہانہ نظروں کے حصار سے شرما کر بولی اور ہنس دی۔

وہ تنے سے ٹیک لگائے سینے پر بازو لپیٹے اسے بڑی خوبصورت نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر سنبھل کر بولا۔

جاؤ زیمل، کسی نے دیکھ لیا تو خوامخواہ باتیں بنیں گی، میں نہیں ڈرتا مگر تمہاری عزت مجھے اپنے تمام تر آرزوؤں سے زیادہ عزیز ہے، کسی گندے حرف کا چھینٹا تمہارے دامن پر آئے میں گوارا نہیں کروں گا۔

اس کی آواز بارعب اور پرتشویش تھی۔

وہ ایک دو پل فخر اور انبساط سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر دل میں خوشگوار احساس

سمیٹے پلٹ گئی۔

اچانک اس کی پلکیں کھلیں اور وال کلاک سے ٹکرائیں تو سہانا منظر نظروں سے پلک جھپکتے ہی ہٹ گیا اور اس کی جگہ وحشت نے لے لی۔

وہ جو قدم اٹھانے جا رہی تھی وہ خوشگوار اور مسرور کن نہیں تھا بلکہ ایک ایک لمحے کے ساتھ اس کا دل دھڑک دھڑک کر خوف کی دلدلی زمین میں دھنستا جا رہا تھا۔

اچانک ہی شام اسے بے حد ہولناک محسوس ہونے لگی۔ ہتھیلیوں سے پسینہ بہنے لگا آج تو وقت بھی دھیرے دھیرے سرکتا محسوس ہو رہا تھا۔

آج رات بچل اسے پروگرام بتانے والا تھا۔ اور وہ اپنی ساری ہمتیں مجتمع کر رہی تھی۔ وقت کے جلدی گزرنے کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ اور عابدہ بار بار کمرے میں آ کر اس کے اضطراب کو دیکھ کر چپ ہو جاتیں وہ سوچتیں اسے کیسے راضی کریں، اس سے کیسے بات کریں اماں نے انہیں کتنا مشکل کام سونپا تھا۔

زیمل۔ بالآخر انہوں نے بات کرنے کی ٹھان لی۔

ہاں ادی۔ وہ وال کلاک سے نظریں ہٹا کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

تم نے بابا سائیں کے فیصلے پر کیا سوچا ہے پھر۔

وہ اس سے نظریں ملائے بغیر بات کر رہی تھیں۔ زیمل کے لبوں پر زہر خند مسکراہٹ بکھر گئی۔

بابا سائیں نے سوچنے کی گنجائش ہی کہاں رکھی ہے ادی، وہ اپنے فیصلوں کی چھری سے قتل کرتے ہیں، اور مرنے والے کی آخری خواہش تک نہیں پوچھتے۔

جب ہمیشہ بابا سائیں کا حکم چلا ہے اور چلتا رہے گا تو پھر سر جھکا لینے میں حرج ہی کیا ہے، دل کو سنبھال لے تو بھی زیمل جب یوں بھی روح کو مرنا ہے تو وہ موت کیوں نہ قبول کر لیں۔ جس میں دوسرے ہی خوش ہو جائیں۔ عابدہ کرسی پر بیٹھ گئیں۔ ان کی بڑی بڑی آنکھوں میں افسردگی کا دھواں تھا اور دھوئیں کے اس پار محرومی رچی بسی تھی۔

زیمل ایک دو لمحے ان کی طرف دیکھتی رہی پھر سر جھکا لیا۔

میں اماں کو کیا جواب دوں۔اس کی خاموشی پر عابدہ پوچھنے لگیں۔

اگر میں نفی میں جواب دوں گی،تو کیا میرا کہا مان لیا جائے گا۔وہ تلخی سے ہنسی۔

نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ناں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور ہاں میں میں جواب دے نہیں سکتی، پلیز ادی مجھے اکیلا چھوڑ دو بابا سائیں جو کرنا چاہیں وہ کر لیں، اور میں، میں جو چاہوں گی وہ کروں گی۔وہ غصے سے اپنی جگہ سے اٹھی اور اندرونی کمرے میں چلی گئی، عابدہ حق نواز، مضمحل نظروں سے ہلتے پردے کو دیکھتی رہیں۔

عشاء کی نماز کے بعد حویلی میں سناٹا چھا گیا تھا،عورتیں اپنے اپنے کمروں میں تھیں۔وہ ادی عابدہ کو غسل خانے میں جاتا دیکھ کر کمرے سے نکل آئی اور ہولے ہولے سیڑھیاں اتر کر پچھلے کوریڈور تک آئی۔

اللہ رکھی بھی بڑی اماں کو دودھ دے کر اپنے کوارٹر میں چلی گئی تھی۔آخری ڈیوٹی بس اس کی ہوتی تھی۔پچھلی راہداری سنسان پڑی تھی۔یوں بھی اس طرف گیسٹ روم ہی تھے۔اس وجہ سے وہاں آنا جانا کم ہی ہوتا تھا دن میں بھی۔

سائون۔پچل کی آواز بے حد ہلکی تھی مگر اس کی سماعتوں نے بخوبی سن لیا، وہ اندھیرے میں کھڑا تھا۔مگر اس کا ہیولہ اسے نظر آ رہا تھا۔

ہاں،بولو پچل۔اس نے چادر منہ پر ڈال کر جواب دیا۔

آج رات چار بجے تیار رہنا ہے، فجر کی اذان سے پہلے گوٹھ سے نکل جانا ہے شہر جانے والی بس اذان کے وقت ہی ملے گی نہیں تو سوزو کی تو مل ہی جائے گی۔

وہ دبی زبان میں پروگرام بتانے لگا پھر فوراً ہی اللہ حافظ کہہ کر پچھلی طرف سے نکل گیا۔

زیمل کچھ دیر اپنی جگہ کھڑی اپنے دل کی حالت کو سنبھالنے لگی۔پھر وہ بے آواز قدموں سے واپسی کے لئے پلٹ گئی۔مگر اس کی نظریں ستون کی پچھلی طرف ایک

سائے کو دیکھ نہ پائیں۔

کمرے میں آ کر وہ جھٹ سے اپنے بستر پر گر گئی عابدہ غسل سے فارغ ہو کر تولیے سے بال رگڑتی باہر نکلی تھیں۔

ارے، آج تجھے بڑی جلدی نیند آ رہی ہے۔ اسے سر سے پیر تک چادر میں چھپے دیکھ کر وہ ہنسیں۔ مگر وہ چپ رہی۔

سو گئی کیا؟ وہ خود ہی بڑبڑائیں پھر نائٹ بلب جلا کر، دوسری بتیاں بجھا دیں، کمرہ یکلخت اندھیرے میں ڈوب گیا۔

ہلکہ مدھم روشنی تھی جس میں ادی عابدہ کرسی پر بیٹھی اپنے گیلے بال سلجھا رہی تھیں۔ یہ انکی عادت تھی، رات نہا کر وہ عشاء کی نماز پڑھتیں پھر جانے کتنی رات جائے نماز پر بیٹھی تسبیح پڑھتی رہتیں کبھی تو تسبیح کے دانے بھی نہ گرتے، اور وہ دور خلاؤں میں جانے کیا تلاش کرتی رہتیں۔

اسے تو اب بس ادی عابدہ کے سونے کا انتظار کرنا تھا۔

اس کے بعد اپنا سامان تیار کرنا تھا۔

سچل نے سیاہ چادر اوڑھے بڑی مشکل سے اس کی کھڑکی تک آ کر دستک دی تھی۔ مشکل اسے اس وجہ سے ہوئی تھی کہ وہ سیڑھیوں سے نہیں بلکہ چھجوں سے اوپر تک پہنچا تھا اور پچھواڑے لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی تک آیا تھا۔

دوسری دستک پر اس نے جھٹ کھڑکی کپٹ کھول دیئے۔ سچل نے ٹارچ کی روشنی میں اپنا آپ نمایاں کیا۔

ٹھیک ہے چلو۔

ساون۔ وہ ایک لحظہ کو گھبرا کر بولا اگر ایک بار اور سوچ لو تو۔

کیا سوچوں سچل، کیا اپنی موت قبول کرنے کے بارے میں۔ اس نے چادر میں خود کو چھپاتے ہوئے قطعیت سے کہا۔

میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گی سچل، چلو اب جلدی کرو، ایسا کرو یہ تم اٹھا لو اور پچھواڑے میرا انتظار کرو میں آتی ہوں۔ اس نے زیورات کی گٹھری سچل کو تھما دی۔

یہ۔۔۔۔۔ یہ کیا ہے سائون۔ وہ زیورات کو محسوس کر کے حیرت اور خوف کا شکار ہو گیا۔

شش۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ادی اٹھ جائیں گی، تم یہ سوالات بعد میں کر لینا۔ اس نے دبی آواز میں اسے ڈپٹا اور کھڑکی احتیاط سے بند کر کے، کمرے سے باہر آ گئی۔

سیڑھیوں پر مدھم بلب روشن تھے۔ وہ بے آواز سیڑھیاں پھلانگ کر راہداری عبور کر کے پچھلی طرف کے لان میں پہنچی تو سچل تیزی سے اس کی طرف آیا۔

جلدی کرو، سائون، بہت دیر ہو گئی ہے اذان میں بس آدھا گھنٹہ ہی رہتا ہے۔

سچل آگے بڑھا پیچھے زیمل احتیاط سے بڑے بڑے قدم اٹھا کر چلنے لگی۔

بس دعا کرنا سائون ہم خیر کے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سچل کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

ٹھائیں کی آواز نے دونوں کے قدموں کو جکڑ لیا۔ ایک سنسناتی گولی دونوں کے اوپر سے ہو کر سامنے بادام کے درخت کی شاخ کو توڑ گئی۔ یہ گولی اتنی غیر متوقع اور اچانک تھی کہ وہ دونوں اپنی جگہ سناٹے کا شکار ہو گئی نہ پلٹنے کا یارا تھا نہ آگے بڑھنے کا۔ پھر بیک وقت دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں سے گولی آئی تھی۔

زیمل کے پیروں تلے زمین نکلتی چلی گئی رئیس مہران شاہ ان سے ذرا فاصلے پر کھڑا تھا۔

میں چاہتا تو یہ گولی تمہارے سینوں میں بھی اتار سکتا تھی اور اتار ہی دینا چاہیئے تھی مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ ریوالور اپنی جیکٹ کی دائیں جیب میں ڈالتا ان دونوں کے پاس آیا اور خون آشام نظروں سے زیمل کو دیکھا پھر سچل کو دیکھتے ہوئے اس کے منہ سے چادر کھینچ لی۔ غصے سے اس کی مٹھیاں بھنی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں گویا خون اتر

آیا تھا۔

کتے، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تو ایسی نمک حرامی کرے گا، مالکوں کی عزت پر ہاتھ ڈالے گا۔

ایک زناٹے دار تھپڑ اس نے سچل کے پتھرائے چہرے پر دے مارا، تھپڑ اتنا اچانک اور بھرپور تھا کہ وہ لڑکھڑا کر دور جا گرا۔

رخسار پر جیسے انگارے دھک اٹھے۔ وہ زیمل کی طرف متوجہ ہوا۔

شاباش ادی۔۔۔۔۔۔۔شاباش اسی دن کے لئے تو اماں نے پالا پوسا تھا کہ تو یہ صلہ دے، ہماری عزت پر بٹا لگانے چلی تھی۔ اس کا ہاتھ اٹھا مگر بابا سائیں کی آواز پر فضا میں بلند ہو کر واپس نیچے گر گیا۔

بابا سائیں کمدار کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس کے چہرے پر پتھریلی سنجیدگی رقم تھی۔

بابا سائیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔۔۔آج رات۔۔۔۔۔۔۔۔ منہ کالا کرنے جا رہی تھی۔ مہران شاہ خونخوار نظریں اس کے چہرے سے ہٹائے بغیر بابا سائیں سے بولا۔

میرا دل چاہتا ہے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو ڈال دوں، اور اس خبیث کو تو۔۔۔۔۔وہ زمین پر بیٹھے ہوئے سچل کی طرف بڑھا اور اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

اسے تو وہ سزا دوں، وہ سزا دوں کہ پورا گوٹھ لرز اٹھے۔

مہران پٹ سزا تو ہم ضرور دیں گے، بابا ہماری عزت پر ہاتھ ڈالنے والوں کو ہم کبھی معاف کرنے کا سوچ بھی ں ہیں سکتے۔ کیوں سچل تو، تو بہت اچھی طرح واقف ہے ہمارے مزاج سے، کیوں بابا، جانتے ہو نا، ہم معاف نہیں کیا کرتے۔ وڈیرہ حق نواز نے اپنے مخصوص رعب اور جھلساتی نظروں سے سچل کو دیکھا۔ پھر مہران شاہ کو ایک طرف کیا۔

نہیں، نہیں بابا سائیں۔ زیمل اچانک ان کے قدموں میں گر گئی۔

بابا سائیں سچل بے قصور ہے وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ بے گناہ ہے اس نے تو صرف میرے

حکم پر مجھے شہر لے جانے کا بیڑہ اٹھایا تھا، اسے میں نے مجبور کیا تھا۔ یقین کریں بابا سائیں میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ وہ گڑگڑانے لگی۔ اس وقت اسے اپنی نہیں صرف اور صرف سچل کی فکر تھی۔ وہ اب ہر قسم کی اذیت یہاں تک کہ موت تک کا بھی حوصلہ پا چکی تھی۔

لے جاؤ اسے اندر۔ بابا سائیں کی سخت بے رحم آواز گونجی۔

حویلی کی ساری بتیاں ایک ایک کر کے روشن ہونے لگیں۔ یہ وحشت میں مبتلا کر دینے والا منظر کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مہران شاہ اسے بے رحمی سے کھینچنے لگا۔ وہ مذمت کرتی چیختی رہی۔

بابا سائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سچل بے قصور ہے سزا دینی ہے تو مجھے دیجئے مجرم میں ہوں، بابا سائیں۔

راہداری میں ادی عابدہ اور اماں پاگلوں کی طرح بھاگتی نظر آئیں۔

کک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا ہوا، مہران خیر تو ہے پٹ۔

خیر نہیں ہے اماں، تیری یہ دھی اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر بھاگ رہی تھی، ایک کمی کمین کی خاطر اس حرام زادے غریب سجاول کے پاس، ہمارے نمک حرام ملازم سچل کے ساتھ، سنبھالو اسے، میں تو اس کی چمڑی ادھیڑ دوں گا۔ وہ پھنکارتا ہوا آگے بڑھا اور بالوں سے کھینچتا کمرے کے فرش پر پھینکا اور اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔

سلطان شاہ بھی سیڑھیاں پھلانگتا اپنے گاؤں کی ڈوریاں کستا کانپتا پہنچا اور راہداری میں لگی بھیڑ کے پاس ٹھہر گیا۔

عابدہ چیخ کر مہران شاہ کا بازو پکڑ کر اسے روک رہی تھیں۔

بس کرا دا بس کر، مر جائے گی۔

مر ہی جائے تو اچھا ہے یہ زندہ رہے گی تو ہماری عزتوں پر بٹا لگاتی رہے گی۔

سلطان شاہ نے شیر کی طرح بپھرے ہوئے مہران شاہ کو کمرے سے پکڑ کر بامشکل پیچھے گھسیٹا۔

اگر اس نے اس کمرے سے قدم بھی نکالا تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔

مہران شاہ نے برا بھلا کہتے ہوئے قہر برساتی نظریں اس کے بے حال سراپے پر ڈالیں جس پر عابدہ لیٹی ہوئی تھیں۔

بند کر دے اسے اسی کمرے میں۔

ہاں ہاں پٹ تو جا، میں دیکھتی ہوں۔ اماں روتی بلکتی اسے تھپک کر بولیں۔ سلطان شاہ اسے پکڑ کر کمرے سے باہر لے گیا۔

ادھر سچل کے پیروں سے زمین سرک گئی تھی۔ جب وڈیرے حق نواز نے اس کے ہاتھ سے زیورات کی پوٹلی لے کر کمدار کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

کمدار۔

حاضر سائیں۔ وہ پوٹلی بغل میں دبا کر آگے ہاتھ جوڑ کر کسی حکم کی تکمیل کیلئے تیار دکھائی دینے لگا۔

یہاں اس پہر جو ہوا اس کی حویلی سے باہر خبر نہیں ہونی چاہیے بابا، اور ہاں سچل کو ہم سب ہی نے زیورات کی چوری کرتے ہوئے پکڑا ہے کیا کرتے ہوئے۔

چوری کرتے ہوئے سائیں۔ کمدار جلدی سے بولا۔

اور چور کی سزا کیا ہوتی ہیجانتے ہو نا۔

نہیں، نہیں سائیں، رحم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ جھوٹ ہے یہ زیورات ساون، زیمل بی بی نے اپنے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بکواس بند کر۔ وڈیرہ حق نواز کی گرج نے اسے دہلا دیا وہ آگے بڑھے اور اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر اس کا سر اٹھایا۔

ہماری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی سزا موت ہے مگر، میں تمہیں اس سزا سے آزاد کرتا ہوں، ہاں تمہیں چوری کے الزام میں جرگے کے حوالے کروں گا۔

سائیں۔ سچل دم بخود رہ گیا۔

کیسے وڈیرہ حق نواز نے اپنی پگڑی کو سنبھالا دیا تھا۔ اپنی رسوائی کے ڈر سے اس پر چوری کا الزام رکھ کر اپنی خواہش بھی پوری کر لی تھی یعنی سانپ بھی مر جاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی۔

وہ بڑے لوگ تھے سب کر سکتے تھے چاہتے تو ابھی اور اس وقت اسکی قبر اس باغیچے میں بنا دیتے، مگر یہ وڈیرے لوگ کام بھی پکا کرتے تھے۔

کبھی یہی سچل جی حضوری کے ساتھ ان کے تمام حکموں کی تعمیل کرتا آیا تھا۔۔۔۔۔۔۔

مگر آج وہ خود بے بس، وہ بے اختیار گڑگڑا رہا تھا اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔

صبح گوٹھ والوں پر یہ خبر بم کی طرح پھٹی کہ سچل حویلی میں زیورات کی چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ سب کمدار ایک دوسرے کو روک روک کر پوچھ رہے تھے۔ سچل کو پولیس کی بجائے جرگے کے حوالے کیا جانا تھا وہ اگر اپنا موقف بیان کرنے، اپنی صفائی میں کہنے کے بعد خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے اس انگاروں پر چلے اور اس کے پاؤں نہ جلیں۔ جب کہ اس فیصلے کی بنیاد یہی تھی کہ انگاروں پر چلنے والے آدمی کے پاؤں اگر جلیں گے تو وہ مجرم ہے بصورت دیگر وہ بے گناہ قرار دیا جائے گا۔

اور سچل اچھی طرح جانتا تھا کہ جرگے میں وڈیروں کے اپنے آدمی ہی ہوتے ہیں آج تک انگاروں پر چلنے والا مجرم ہی گردانا گیا ہے۔ ننانوے فیصد لوگ مجرم ہی قرار پاتے ہیں اور اس میں اسی فیصد لوگ مجرم ہوں یا نہ ہوں آگ پر چلنے سے پہلے ہی اقرار جرم کر لیتے ہیں۔ اور ان کو سزا بھی سنائی جاتی ہے۔

سچل کو اگرچہ اس وقت چھوڑ دیا گیا تھا مگر بچنے کی کوئی راہ نہیں دی گئی تھی۔ پورا گوٹھ

امداد علی کے گھر امنڈ آیا تھا اور اس واقعہ سے بے حال مکینوں کو سنبھالنے لگا۔

بھلا میرا پٹ چوری کر سکتا ہے۔ اماں بین کر رہی تھی۔ وہ ان جرگے والوں سے اچھی طرح واقف تھا۔

بلقیس گم صم تھی۔ وہ تو جانے کتنے خوبصورت روپہلے خواب دیکھ چکی تھی، کتنی بار تصور میں سجاول اور زیمل کو ساتھ ساتھ ہنستے مسکراتے شہر کی سڑکوں پر ہاتھ ڈالے گھومتا دیکھ چکی تھی۔

مگر یہ کیا ہو گیا اس بات کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اس کا بھائی، نیکی کرنے پر سزا کا حقدار ٹھہرا تھا۔

نہیں نہیں، یہ سزا زیمل کو ملے، میرے ادا کو کیوں۔ وہ سچل سے لپٹ گئی۔

تو۔۔۔۔۔تو بول، بتا گوٹھ والوں کو کہ وڈیری خود بھاگ



بل قیس۔ سچل نے ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔

مجھے اتنا نیچ نہ سمجھ، میں نے نمک حرامی کی سزا پائی ہے، وہ تو نیکی تھی اس کی جزا مجھے رب کے یہاں ملے گی، مگر سوچ، سوچ بلقیس سائیں کے ساتھ کیا ہو گا وہ۔۔۔

تجھے اس کی فکر ہے مگر میرا دل پھٹ جائے گا ادا ہم تجھے کیسے آگ پر چلتا دیکھیں گے یہ کیسے ممکن ہے کہ آگ پر چلیں اور پاؤں نہ جلیں۔ بلقیس دھواں دھار رو رہی تھی سچل چارپائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا بس، سپاٹ چہرہ لئے ان تمام آوازوں سے بے پرواہ گونگا بہرہ بن کر بیٹھا تھا مگر اس کا ذہن سوچ رہا تھا کہ سجاول سچ ہی کہتا تھا یہ جاگیردارانہ رسمیں گوٹھ والوں کی جہالت سے قائم ہیں اب تک، اب وقت ہے لوگوں کا شعور بیدار کیا جائے، ان وڈیروں جاگیرداروں سے ٹکر لی جائے جہالت کے خلاف جہاد کیا جائے۔

ایک ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بھی جہاد ہے۔ اور وہ ان وڈیروں کو سب کچھ ماننے والا آج خود ان کے ظلم کی لپیٹ میں تھا۔

وہ یہ معاملہ پولیس میں بھی دے سکتے تھے مگر اس طرح حویلی کی عزت پر حرف آتا، بھلا سچل زبان کیوں کر بند رکھتا۔

مجرم کو آگ پر جلانے کی رسم برسوں سے چلی آ رہی تھی جو اس گوٹھ بلکہ معاشرے کی پسماندگی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

گوٹھ کے ان پڑھ جاہل اور معصوم لوگ نہیں جانتے تھے کہ جرگے کے سردار غیر جانبدار کبھی نہیں ہے۔ جاگیردار کسی کو بھی مارنے کے لئے اسی رسم کا سہارا لیتے آئے تھے۔ اور لوگ سمجھتے، انگاروں پر چل کر پاؤں جھلسانے والا حقیقتاً مجرم ہے، جو جانتے تھے سچ اور غلط کا فرق وہ بھی اپنی معاشی، سماجی مجبوریوں کے ہاتھوں چپ تھے۔

رسم کی ادائیگی دوسرے دن شام کو ہونا قرار پائی تھی۔ جرگے والوں کی طرف سے تیاریاں جاری تھیں۔

بڑے میدان میں ایک طرف شامیانے لگا کر کرسیاں ڈالی جا رہی تھیں، جیسے شادی کا کوئی موقع ہو، شامیانے کے عین سامنے ایک دس فٹ لمبا اور تین فٹ چوڑا گڑھا کھودا گیا تھا جس میں ابھی سے لکڑیاں ڈال ڈال کر آگ سلگائی جا رہی تھی تاکہ کل شام تک گڑھا انگاروں سے دہک اٹھے۔ امداد علی اور اس کی بیوی حویلی کے باغیچے میں گڑگڑا رہے تھے مالکوں سے اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگ رہے تھے۔

کیا اتنی سی چوری معاف نہیں کی جا سکتی سچی سائیں۔ امداد علی کا بوڑھا وجود بے حال ہو رہا تھا۔ مگر مالک کے کارندے انہیں اندر جانے تک کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔

سائیں کا حکم پتھر کی لکیر ہوتا ہے امداد علی، جا بابا جا یہاں سے، جان چھوڑ ہماری۔

رحم کر سائیں، رحم کر۔ ماسی زرینہ فرش پر سر ٹکا کر بین کرنے لگی۔

ادی عابدہ نے اوپر سے یہ روح کو تھرا دینے والا منظر دیکھا پھر نظریں سامنے کھلے

میدان پر پڑیں تو جھرجھری لے کر کھڑکی کا پٹ بند کر دیا۔

(یہ تو نے کیا کر دیا زیمے کیا کر دیا۔) انہوں نے آنکھوں کے اشک اپنی چادر سے رگڑ دیئے۔ اور زیمل کے سرہانے بیٹھ گئیں وہ نیند کو گولیوں کے زیر اثر تھی۔ مگر ذہنی طور پر اتنی پراگندہ تھی کہ بار بار جاگ کر چیخنے لگتی۔

سلطان شاہ مضطرب سا انداز لئے داخل ہوا، وہ ابھی میدان سے ہو کر آیا تھا جہاں سچل کو انگاروں پر چلایا جاتا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ یوں پھوٹا ہوا تھا جیسے یہ سزا سچل کو نہیں اسے ملنے والی تھی۔

ادا کچھ کر اس کی نیند ٹوٹنے لگتی ہے تو یہ پھر پاگلوں کی طرح چیخنے لگتی ہے اسے تو خبر بھی نہیں ہے کہ سچل کو۔۔۔۔۔۔۔۔

بس کر۔ اماں نے عابدہ کو ٹوک دیا۔ مبادا وہ غنودگی میں بھی نہ سن لے۔

کیا کروں اب، بابا سائیں اور ادا مہران کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا، اسے بس نیند کی گولی دیتے رہو۔

نہیں پیئے گی اب یہ۔ اماں دکھ سے بولیں پھر اٹھ کر سلطان شاہ کے بازو سے لگ کر سسک پڑیں۔

یہ دن بھی مجھے دیکھنا تھا میرا غم سے سینا پھٹا جا رہا ہے سلطان پٹ، میں اپنی اولاد کو اس حرکت کی کیا سزا دوں اس کی پگی (گردن) دبا نہیں سکتی، اسے آغوش میں سمیٹتی ہوں تو اس کا جرم سامنے آ جاتا ہے، اس نے ایسا کیوں کیا اس بڑھاپے میں مجھ بڈھی کا خیال نہیں آیا اسے سلطان شاہ اماں کو تھپکنے لگا۔

پتا نہیں وہ کتنی خطا کار ہے اور ہے بھی کہ نہیں۔ اس کی آواز بے حد دھیمی تھی۔

اس نے ایک نظر سوئی ہوئی زیمل پر ڈالی پھر آہستگی سے بولا۔

اسے خبر نہ ہونے پائے، بلکہ آج سارا دن نیند میں رہے تو اچھا ہے۔

مگر کب تک ادا کب تک۔ عابدہ شدت کرب سے اٹھ کر دریچے میں جا کھڑی

ہوئیں۔

یہ آگ صرف دو پیروں کو نہیں کتنے دلوں کو جلائے گی، کتنی روحوں کو خاکستر کرے گی، اداتو بابا سائیں کو روک لے ادا، یہ ظلم نہیں دیکھا جاتا ہم سے۔

ہاں پٹ، آخر سچل نے برسوں حویلی والوں کی خدمت کی ہے۔

میں مجبور ہوں اماں۔ سلطان شاہ نے دونوں ہاتھ پہلو میں گرا دیئے، اس کے چہرے پر بے بسی، بے اختیاری اور اضطراب رقم تھا وہ اماں کو تھپک کر کمرے سے نکل گیا۔

سجا۔۔۔۔۔ول۔۔۔۔۔۔روکو اسے روکو۔ اچانک وہ ں یند سے اٹھ کر زور سے چلانے

لگی۔ اماں اور عابدہ لپک کر اس کے بیڈ تک آئیں۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس نے جسم پر پڑی چادر زور سے دور پھینک دی۔ پھر اماں اور عابدہ کو وحشت زدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کے پتلے پتلے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

اماں مجھے آگ دکھائی دے رہی ہے، ہاں اماں ہر طرف آگ ہے شعلے اٹھ رہے ہیں اماں۔ وہ ان کے سینے میں منہ چھپانے لگی۔ ادی عابدہ نے جلدی سے اٹھ کر کھڑکی زور سے بند کی اور اس پر پردہ گرا دیا۔

لے یہ پانی پی لے۔ اماں نے پانی اٹھا کر اسے دیا مگر اس نے ہاتھ ہٹا کر گلاس کو پرے کر دیا۔

مجھے معاف کر دے اماں، معاف کر دے۔ وہ اچانک سسک پڑی۔ اماں نے اس خود سے چمٹا لیا۔

شامیانہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا گوٹھ والے بھی چاروں طرف جمع ہو گئے تھے، سچل کو لایا جا رہا تھا، چار افراد گڑھے کے چاروں طرف پھیرنے لگا رہے تھے۔ پھر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ جرگے کے سردار گڑھے سے کچھ فاصلے پر کھڑے تھے۔

سچل کا چہرہ ان ہی انگاروں کی طرح دہک رہا تھا۔ مگر اس پر کوئی تاثر نہیں تھا بس لال پتھرائی ہوئی آنکھیں تھیں۔ اس نے تو امداد علی، اماں اور بلقیس کے رونے کی آوازوں پر بھی کان بند کر رکھے تھے۔ انہیں ایک طرف ان کے عزیز رشتہ دار سنبھال رہے تھے، اس نے بس نظریں اٹھا کر شامیانے کی پہلی رو میں کرسیوں پر تماشا دیکھنے والے وڈیرہ حق نواز اور مہران شاہ کو دیکھا۔

(یہ آگ تو تمہارا حق تھی وڈیرہ حق نواز) اس نے نفرت سے سوچا پھر کلمہ پڑھ کر انگاروں پر پیر رکھ دئے، لوگوں نے ایک ثانیے آنکھیں بند کر لیں۔

بلقیس تو وہیں غش کھا کر گر گئی تھی اسے دو عورتیں اٹھا کر لے گئیں۔

ان انگاروں پر پیر رکھتے ہی سچل کا سارا وجود ہی سلگ اٹھا۔ درد کی ٹیسیں اٹھیں جو رگ رگ کو چھیدنے لگیں۔ مگر اس نے انگاروں کا یہ سفر اپنی ہمت سے جاری رکھا۔ لوگ دم بخود رہ گئے تھے۔ کتنی سسکیاں کتنے آنسو حلق میں اٹک گئے تھے۔

اسے جلدی سے دو آدمیوں نے پکڑ کر ایک کرسی بٹھا دیا۔

وڈیرہ حق نواز اور رئیس مہران شاہ بڑے مطمئن انداز میں بیٹھے تھے۔ جیسے ایک مداری نے دلچسپ تماشہ ان کے سامنے پیش کیا ہو۔ ابھی وہ قابل معافی نہیں ٹھہرایا گیا تھا اس کے پیروں کو بکری کے خون میں ڈالا گیا اس کے بعد پیروں کا جائزہ لیا گیا۔ اب کوئی معجزہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ انگاروں پر چل کر بھی پیر بے داغ رہتے، وہاں بڑے بڑے آبلے، ابھر آئے تھے۔ جلد پھٹ گئی تھی۔ جس کی اذیت صرف سچل ہی محسوس کر سکتا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کے دونوں پیروں کو اس کے جسم سے جدا کر دے۔ مگر وہ ضبط کے آخری مراحل سے گزرتا رہا، ہونٹ بھینچے اس اذیت کو سہتا رہا۔

اس کے آبلوں کو دیکھ کر جرگے والوں نیا سے مجرم قرار دے دیا۔ اور سزا سنانے کا دن کل پر رکھا گیا۔ مجمع آہستہ آہستہ چھٹ گیا۔ بس سچل کے یار دوست اس کے گرد جمع ہو کر اسے سنبھالنے لگے جواب طاقت کھو رہا تھا۔ نیم بے ہوشی اس پر طاری ہونے لگی تھی۔

رگ رگ سے ٹیسیں اٹھ کرنا قابل برداشت ہوئی جا رہی تھیں۔

سجاول شاہ غصے سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔اس کی شریانوں میں خون ابل رہا تھا۔

سجاول جذباتی نہ بنو۔علی احمد نے اس کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔تو اس نے غصے سے جھٹک دیا۔

علی احمد میرے بھائی سچل کو انگاروں پر چلایا گیا ہے۔غلط مقدمے الزام لگا کر اپنی بیٹی کا جرم بھی اس کے سر تھوپ دیا اور سزا کے طور پر بابا سے ان کی ذاتی زمین چھین لی گئی،میرے اسکول کو آگ لگا دی گئی اور یہ کہہ دیا گیا کہ رات گھاس پھونس میں آگ لگ گئی،اور اب تم کہتے ہو میں جزباتی نہ بنوں،میں تو ان وڈیروں کی بوٹیاں نوچ لوں گا۔وہ نفرت اور غصے سے چیخا۔

صبح ہی فقیر محمد کا بیٹا رئیس اس کے پاس پہنچا تھا اور اسے وہاں کے تمام حالات سے باخبر کیا تھا۔

سجاول اس نوبت کا تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا غم و غصے سے اسکی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ کنپٹیاں یوں تنی ہوئی تھیں۔جیسے وہاں رگوں کی بجائے لوہے کے تار کا جال بچھا ہوا ہو۔ اس کے چہرے پر سرخی تھی جس میں ایک تکلیف دہ رنگ تھا۔آنکھوں میں خون اترا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

میں آج ہی تمہارے ساتھ گوٹھ چلتا ہوں۔وہ ہنوز مشتعل سا کمرے میں چکرا رہا تھا۔

اس کا بھائی انگاروں کا سفر کر چکا تھا اس کا باپ اپنی زمین سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور وہ بے خبر تھا اس کا دل دکھا اور غصے کے مشترکہ احساس سے سلگتی بھٹی بنا ہوا تھا۔

نہ، نہ سجاول تو گوٹھ نہ آنا ابھی۔رئیس فرش سے کھڑا ہو کر اس کے سامنے آ کر گڑگڑایا۔

دماغ درست ہے تمہارا،اتنا بہت کچھ ہونے کے بعد تم کہہ رہے ہو میں گوٹھ نہ جاؤں

میرے گھر میں شعلے دہک رہے ہیں اور تم کہتے ہو، میں اٹھتے دھواں کا یہ کھیل دیکھتا رہوں، یا یہاں بیٹھا آگ کے بجھنے کا اور سب کچھ راکھ ہو جانے کا انتظار کرتا رہوں۔اس نے اشتعال میں آ کر رئیس کو ایک طرف دھکیل دیا۔

تم اکیلے ان جاگیرداروں کا کیا بگاڑ لو گے۔علی احمد نیبڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

میں مہران شاہ کی بوٹیاں کتوں کو کھلا دوں گا کچھ نہیں تو اس کے سینے میں گولیاں اتار کر خود کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔

یہ تو اس وقت ممکن ہو گا جب مہران شاہ تنہا، نہتا تمہارے سامنے آئے گا۔

کیا مطلب۔وہ علی احمد کی طرف گھوم گیا۔

مطلب یہ کہ، حویلی میں داخل ہونا کسی فلم کے ہیرو کے لئے تو آسان بات ہو سکتی ہے مگر حقیقت میں ہمارے تمہارے لئے نہیں، ہزاروں مسلح آدمیوں اور خونخوار کتوں سے گزر کر ان بڑے لوگوں کی اوطاق تک پہنچا جاتا ہے۔ایسی حماقتیں کرو سجاول اس طرح کر کے سوائے اپنی جان ضائع کرنے کے تم کچھ نہیں کر سکو گے۔

ہاں ہاں سجاول۔گھبرایا ہوا رئیس سجاول کے شہری دوست کی بات کی تائید میں پرزور انداز میں سر ہلانے لگا۔

مگر سجاول کے دل میں لگی آگ ان جملوں سے نہیں بجھ سکتی تھی۔اس کا تو ابھی اور اسی وقت گوٹھ جا کر مہران شاہ کا خون پی جانے کو دل چاہ رہا تھا۔اس کی آنکھوں کے سامنے سچل تھا۔

سجاول، چاچا امداد علی نے مجھے سختی سے تاکید کی ہے کہ تمہیں کسی حال میں بھی ابھی گوٹھ نہ آنے دوں، رئیس مہران شاہ تمہارے رت (خون) کا پیاسا ہے، اصل دشمن وہ تمہیں ہی تصور کر رہا ہے۔

رئیس نے کہا تو اس کے سختی سے بھینچے ہونٹوں پر نفرت انگیز مسکراہٹ رینگ گئی۔

وہ بپھرا ہوا شیر بنا پھر رہا ہے، یقین کرو سجاول۔

میں بھی تو اس کے خون کا پیاسا ہوں۔وہ دھاڑا۔

رحم کرو چاچا پر سجاول، انہوں نے کہا ہے سجاول سے کہنا اگر وہ گوٹھ آئے تو وہ اپنے آپ کو مار ڈالے گا وہ کہتے ہیں میں ایک بیٹے کے زخموں سے چور ہو گیا ہوں دوسرے کا غم سہہ نہ پاؤں گا۔ رئیس نے بالآخر چاچا امداد علی کی ساری بات من وعن سنا دی کہ سجاول کو روکنے کے لئے یہ ضروری تھا۔

اس کی باتیں سجاول کے دل میں ترازو ہو گئیں۔وہ کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔رئیس جھوٹ نہیں بولتا تھا اور بابا کے خوف اور کمزور اعصاب سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔اس نے کرب کی شدت سے ہونٹ باہم بھینچ لئے ،اور سر جھکا کر پیشانی پر انگلیاں پھیرنے لگا۔

مگر کب تک ہم ظلم اور بربریت کے آگے ہتھیار ڈالتے رہیں گے۔کب تک دلوں پر خوف کے پہرے ڈالے، لبوں پر قفل چڑھائے ایک بے کار، بے حیثیت شے کی طرح زندہ رہیں گے کب تک آخر کب تک۔وہ کھولتا ہوا کرسی سے کھڑا ہوا سامنے رکھی تپائی پر لات ماری اور دوسرے کمرے میں چلا گیا علی احمد اور رئیس دونوں دلگرفتہ سے سر جھکائے بیٹھے رہے۔

شام کی بس سے رئیس واپس گوٹھ جا رہا تھا سجاول نے اسے سرخ سرخ کئی نوٹ دیئے۔

یہ رکھ لو بابا،کودے دینا،بیٹھو ادھر۔اس نے رئیس کو اپنے قریب ہی فرش پر بٹھا دیا۔

زیمل کے ساتھ کیا رویہ ہے وڈیرے کا۔اس نے نگاہیں فرش پر جھکائے جھکائے پوچھا۔

کون،وڈیری۔

ہوں۔

اللہ جانے حویلی کے اندر کا حال کون جان سکتا ہے سوائے رب کی ذات کے، یا خود

انہی لوگوں کے۔ رئیس نے گہری سانس لی اور اپنے بیگ میں رقم ڈالنے لگا۔ وہ کچھ دیر خالی نظروں سے اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھتا رہا پھر اضطرابی انداز میں کھڑا ہو گیا۔

کس کس کو خبر ہے کہ زیمل گھر سے بھاگ رہی تھی۔

کسی کو نہیں، سچل نے صرف مجھے بتایا ہے اور ہاں ادی بلقیس کے علم میں بھی ہے۔

شاید چاچا امداد علی اور ماسی تو یہی سمجھ رہے ہیں کہ سچل پر چوری کا جھوٹا الزام لگایا ہے۔ انہیں اصل وجہ نہیں معلوم، میں اب چلوں گا۔ وہ اٹھنے لگا۔

ہوں۔ سجاول نے ہنکارا بھرا۔ کیا سچل کی حالت بہت خراب ہے۔

نہ نہ تو فکر نہ کر اس نے انگاروں پر قدم رکھتے ہی اعتراف جرم کر لیا تھا اس لئے پیر پر ایک آدھ ہی آبلہ ہے۔ یہ جھوٹ بولتے ہوئے رئیس اپنے بیگ کی زپ کو بلاوجہ درست کرنے لگا۔ چاچا کی تاکید میں ایک یہ بھی تاکید تھی کہ اسے تفصیل نہ بتائی جائے سچل کی دگرگوں حالت بھی چھپائی جائے۔

وہ گہرے رنج کے ساتھ خاموش کھڑا رئیس کو جاتا دیکھتا رہا۔ بہت کچھ کرنے کی خواہش اور کچھ نہ کر سکنے کی بے بسی اسے اندر ہی اندر کاٹنے لگی۔

تم تو میرے اندازے سے کہیں زیادہ پاگل نکلیں زیمل۔ اس نے سلگتی آنکھیں موند لیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم میری محبت میں یہ بھی کر گزرو گی۔

اسکا دل شدت کے ساتھ ایک نظر سچل اور زیمل حق نواز کو دیکھنے کے لئے تڑپنے لگا، جن دونوں نے محض اس کی محبت میں، خود کو آگ میں جھونک دیا تھا۔

میں جانتا ہوں، بابا نے مجھ سے بہت کچھ چھپایا ہو گا علی۔ علی احمد کے ہاتھ کا لمس اپنے کندھے پر محسوس کر کے وہ دلگرفتگی سے بولا۔

بے تحاشہ ضبط کرنے کی کوشش میں اس کی پیشانی کی رگیں چٹخنے لگی تھیں۔ اس کی آنکھیں یوں جل رہی تھیں جیسے ان کے اندر انگارے ڈال دیئے گئے ہوں۔

اگر ایسا کیا بھی ہے تو صرف تمہیں کسی غلط اقدام سے باز رکھنے کے لئے، تمہاری

جان اتنی ارزاں نہیں ہے سجاول، اس کی بہت سے لوگوں کو ضرورت ہے اسے جاگیرداروں کی بھینٹ چڑھانا سراسر حماقت ہوگی اور انہی کے حق میں سودمند بھی۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا علی کہ اتنا سب کچھ ہو جائے گا زیمل نے مجھے اتنا تو بتایا تھا کہ اس کی سگائی اس کے چاچا کے نو سالہ بیٹے سے ہونے والی ہے، مگر جذباتی لڑکی اتنا بڑا قدم اٹھالے گی میرے گمان میں بھی نہیں تھا، پتا نہیں اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔

علی احمد نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا وہ اس لمحے کسی معصوم بچے کی طرح رنجیدہ تھا۔

کوئی چھاؤں ہو، جسے چھاؤں کہنے میں
دوپہر کا گمان نہ ہو
کوئی شام ہو جسے شام کہنے میں شب کا کوئی نشان نہ ہو
کوئی وصل ہو
جسے وصل کہنے میں ہجر کا دھواں نہ ہو
کوئی لفظ ہو، جسے لکھنے پڑھنے کی چاہ میں
کبھی ایک لمحہ گراں نہ ہو
یہ کہاں ہوا ہے کہ ہم تمہیں
کبھی اپنے دل سے پکارنے کی سعی کریں
وہیں آرزو بے اماں نہ ہو
وہیں موسم غم جان نہ ہو

جذبوں کی بربادی آرزوؤں کی تشنہ کامی اور شکستہ حالی کے جس دور سے وہ گزر رہی تھی اور جو اذیت قطرہ قطرہ پہنچ رہی تھی اس کا دل ہی جانتا تھا۔ اس نے گھٹنوں سے سر اٹھایا تو عابدہ کو کمرے میں موجود پایا۔

یہ کیسے سائباں ہیں ادی، جس میں چھید ہی چھید ہے کسی پناہ گاہ ہے، جس کی

دیواریں ہی نہیں جہاں محبت تحفظ کے احساس کی بجائے ڈر خوف سینوں کی تہوں میں موجزن ہے۔

ادی عابدہ نے الماری میں چابی ڈالتے ہوئے بس ایک نظر اس پر ڈالی۔

مجھے اس کمرے میں مقید کر کے مہران شاہ یا بابا سائیں یہ خیال کر رہے ہیں کہ میں بھی تمہاری طرح اپنے تمام جذبوں اور احساسات کو منجمد کر دوں گی، ایک مائی کا مادھو بن جاؤں گی، تو یہ ان کی بھول ہے یہ قید مجھے اور بھی باغی کر سکتی ہے۔

بس کر زیمل بس کر اللہ کے واسطے چپ ہو جا۔ عابدہ منتشر عصاب کے ہمراہ چیخ کر بولیں۔

جتنا تو رسوا ہو چکی ہے کیا یہ بہت نہیں ہے بابا سائیں نے اگر تجھے معاف کر دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کبھی تمہاری خواہش پوری کر دیں گے، نہیں زیمے اب ادا کا ہاتھ تیرے چہرے پر نہیں اپنی بندوق پر اٹھے گا۔ ان کا لہجہ التجائیہ ہو گا۔

کیوں رکھا ہے مجھے اس کمرے میں قید۔ وہ چلائی کیا بگاڑ لوں گی میں ان لوگوں کا۔

عابدہ نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

جو ہو گیا اسے بھول جا زیمے اور اب جو وہ چاہتے ہیں سمجھ تقدیر کا لکھا یہی ہے اسے ہی مان لے۔ میری ماں، اسے مان لے تو، ہم بہت کمزور ہیں خواہشوں کے حصول لئے لڑنا ہمارے بس کی بات نہیں ہماری آرزوئیں ہمارے خواب خود ہمارے لئے زنداں بن جاتیہیں۔

صرف ایک تو ہی نہیں لٹے گی ہم سب برباد ہو جائیں گے۔ سجاول مر دہی زیمل، اور مردنا رسائی کا غم زیادہ عرصے نہیں پالتا۔ اس نے سر اٹھا کر بھیگی بھیگی آنکھوں سے عابدہ کو دیکھا پھر ان سے الگ ہو گئی۔

ایک بات پوچھوں ادی۔ اس کا چہرہ دہک رہا تھا۔

سچل کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ اس کا سوال بڑا غیر متوقع تھا۔ عابدہ گڑبڑا کر فرش سے

اٹھنے لگیں۔مگر زیمل نے ان کے کندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر ان کی یہ کوشش ناکام بنادی۔

نہیں ادی، تجھے میری قسم مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ میں نے دو دن دو راتیں بے خبری میں کاٹی ہیں مجھے تو اب ہوش آیا ہے جب سے میرا چین اٹھ گیا ہے،وہ بے قصور تو میری وجہ سے ادامہران جیسے درندے کا شکار ہوا ہے بتادی۔بول نا۔وہ اسے جھنجھوڑنے لگی۔

مجھے کچھ نہیں پتا چری، بھلا میں کب اس حویلی سے باہر نکلتی ہوں، تیری طرح اس کمرے میں چکراتی پھرتی ہوں۔وہ الماری کھول کر چیزیں ادھر ادھر کرنے لگیں۔

خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرو،تم سب جانتی ہو ادھر دیکھو میری طرف۔اس نے ان کا رخ اپنی جانب کردیا۔ادی عابدہ اس سے نظریں ملانیسے گریز کررہی تھیں۔

وہ اسے کیسے بتادیتیں کہ سچل اپنے پیروں سے ناکارہ ہو چکا ہے۔اور غریب امداد علی اپنا سارا ساز و سامان بیچ کر بھی اس کا علاج کرواتا رہے تب بھی اس کے ذخم شاید مندمل نہ ہو پائیں گے۔اور صرف یہی تو نہیں ان کی زمینیں چھین لی گئی ہیں اور اب وہ یہ گوٹھ چھوڑ کر جارہے ہیں۔

مگر وہ یہ ساری باتیں زیمل کو نہیں بتاسکتی تھیں۔

جانے وہ غم و غصے میں کیا کر بیٹھتی۔

میں کچھ نہیں جانتی،سوائے اس کے کہ وہ گوٹھ چھوررہے ہیں۔انہوں نے پلکیں اٹھا کر سنجیدگی سے کہا۔

زیمل کئی ثانیے تکلیف دہ احساس کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔

گو۔۔۔۔۔۔۔ٹھ چھوڑ رہے ہیں۔اس کا دل ریزہ ریزہ ہونے لگا اس وقت دروازہ کھلا اور وڈی ماں کے ہمراہ چاچی اندر داخل ہوئیں۔

ارے تو بستر سے کیوں اٹھی ہے۔اماں اسے کھڑا دیکھ کر لپک کر اس کے پاس آئیں۔

اس نے پتھرائی ہوئی نظروں سے آنے والوں کو دیکھا۔

پھر بیڈ کے کنارے ڈھے گئی۔ یہ خبر اس کے دل کو بھاری کر گئی تھی۔

(تو کیا وہ اب ساری عمر سجاول اور بلقیس کو نہیں دیکھ سکے گی۔)

ماں صدقے دھی رانی لے چاچی اس کے بلائیں لینے لگیں۔

مجھے خبر ہوئی تو میں دوڑی چلی آئی اے بھابھی یہ تو بہت کمزور ہو گئی ہے کوئی علاج کروایا ہے کہ نہیں۔

نہیں میں ٹھیک ہوں اب۔ اس نے سخت بے دلی سے چاچی کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا دیا۔ جسے انہوں نے شاید محسوس ہی نہ کیا۔

ارے کہاں رہ گئی، یہ اللہ رکھی، تھال اس کے ہاتھ میں ہے خیر سے دونوں چھوریاں (لڑکیاں) بھی آنے کو مچل رہی تھیں۔ پر میں نے روک دیا میں تو خود ابھی یہ رسم نہیں کرنا چاہتی تھی بھابھی، پر زبیدہ کے ابا زور دے رہے تھے میں تو زیمل بچڑی کے صحت مند ہو جانے کا انتظار کر لیتی پر، مہران پٹ کو لگتا ہے بہت جلدی ہے کہہ رہا تھا چاچی کہ سگائی کے ساتھ ہی نکاح ہو جائے تو زیادہ سیٹھا ہوگا۔

لو دیکھو ذرا اتنی جلدی کی کیا ہے، کون سے ہم بھاگے جا رہے ہیں میں تو کہتی ہوں دھیرے دھیرے کام نبٹاؤں گی کیوں بچڑی عابدہ۔ چاچی اپنا لش پش کرتا دوپٹہ سر پر جما کر ہنس ہنس کر بول رہی تھیں۔

اللہ رکھی اندر داخل ہوئی جس کے ہاتھ میں بڑا سا تھال تھا جو مختلف چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسکے پیچھے رئیس مہران شاہ بھی داخل ہوا۔

بسم اللہ کرو چاچی۔ مہران شاہ ایک طرف پشت پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور زیمل پر نظریں ڈالیں جو پتھرائی ہوئی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہی تھی پھر اس کی نظر اللہ رکھی کے ہاتھوں میں رکھے اس تھال پر جم گئیں جس میں رکھا سرخ اور سبز کامدار دوپٹہ چاچی اٹھا کر کھولنے لگیں پھر بسم اللہ کہہ کر اسے اوڑھا دیا۔

اللہ میرے اکبر کی زندگی وڈی کرے میری دھی رانی تو سج گئی کیسی پیاری لگ رہی ہے۔وہ جگمگاتے دوپٹے کے ہالے میں دمکتا اس کا چہرہ تھوڑی سے اوپر اٹھا کر محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگیں۔

زیمل حق نواز کے سر پر تو جیسے آسمان ٹوٹا تھا۔اس کی نظریں اماں پر اٹھیں جو اس کے چہرے کے تاثرات کو جانچ رہی تھیں۔پھر اس نے مہران شاہ کو سلگتی نظروں سے دیکھا جو کسی فاتح کی طرح اس کارروائی کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

چاچی اب اس کی پیشانی پر ٹیلیہ (چاند کا نشان) بنا رہی تھیں پھر مٹھائی نکال کر اماں کے منہ میں ڈالی تھوڑی سی انہوں نے کھائی باقی مسکرا کر مہران شاہ کی طرف بڑھا دی۔

اور چند سو سو کے نوٹ نکال کر زیمل کے سر پر پھیر کر اللہ رکھی کو تھما دیئے۔جس کی بانچھیں اتنے نوٹ پا کر کھل اٹھی تھیں۔

دھی رانی کے نصیب اللہ سٹھے کرے، ننڈھن رئیس کو خوشیاں دکھائے۔وہ دعائیں دینے لگی۔

ہل ہل بہت ہو گیا۔چاچی نے ہنس کر اس کے شانے پر ہاتھ مارا تو وہ جلدی سامان سمیٹ کر باہر نکل گئی۔اس کے ساتھ اماں اور چاچی بھی چلی گئیں۔

بابا سائین نے تجھے بچہ سمجھ کر معاف کر دیا ہے بابا تو نادان ہے اپنے اچھے برے کو نہیں سمجھتی ابھی۔

اس نے نفرت سے تمتماتی نظریں مہران شاہ پر اٹھائیں پھر جھکا دیں اس صدمے سے اس کی قوت گویائی ہی سلب ہو چکی تھی۔

کوا سب سے اونچے کنگورے پر بیٹھنے سے بھی عقاب نہیں بن سکتا، یہ کمی کمین ہمارے اسٹینڈرڈ کے نہیں ہیں، پیر کی جوتیاں، پیروں میں ہی سیٹھی لگی ہیں۔اس نے اپنا ہاتھ اس کے جھکے سر پر پھیرنے والے انداز میں رکھا۔

ادی اسے ٹھنڈا پانی وانی پلاؤ، یہ اب ٹھنڈے دل سے سوچے گی تو، اسے ہم

دشمن نہیں دوست لگیں گے۔ وہ عابدہ کو حکم دے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

زیمل۔ عابدہ جو اس تمام عرصے میں چپ سادھے کھڑی تھیں۔ مہران شاہ کے جاتے ہی اس کے پاس دوزانو ہو کر بیٹھ گئیں۔

زیمل کے لبوں کی تراش میں بڑی اعصاب شکن مسکراہٹ ابھر کر ٹوٹ گئی، اس نے دوپٹہ سر سے نوچ کر پھینک دیا اور پیشانی سے ٹیلیہ کا نشان رگڑنے لگی۔

اگر آزادی اور افلاس: یک حالت اور غلامی مگر خوشحالی کی حالت میں کسی ایک کے انتخاب کے لیے کہا جاتو ہر بالغ عاقل، آزآدی اور افلاس کی حالت کا انتخاب کرے گا، ہونہہ کس نے کہہ دیا ہے کہ دولت کے انبار پر خوشیاں ملتی ہیں کس نے کہہ دیا کہ وڈی اور اچی حویلیاں خرشی اور انبساط کی ضمانت ہیں، جیلی جتنی بھی وسیع وعریض ہو، جیل ہی کہلا گی۔

ایک چھوٹا سا جھونپڑا اس کے سامنے پھر بھی خوشی وطمانیت کا باعث ہے اس لیے کہ وہ آزادی کا منبع ہے وہ آزادی کا نام ہے۔

وہ بڑے تحمل سے یہ سارا کچھ سہہ گئی تھی۔ دل پر گزرتے عذاب کی پذیرائی بڑے تحمل سے کر گئی تھی اور اماں اور عابدہ کے لیے یہی بہت تھا کہ اس نے چاچی کے سامنے اس کی عزت رکھ لی تھی۔

عابدہ نے غسل خانے کے دروازے پر نگاہ ڈالی جہاں وہ جا کر بند ہو گئی تھی پھر ایک گہرا سانس کھینچ کر اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے۔

کچھ بھی تھا ایک بوجھ سرک گیا تھا، ایک مرحلہ حویلی کی عورتیں باعزت طریقے سے گزار چکی تھیں۔

جس طرح دو ستارے

جو بظاہر پاس لگتے ہیں

مگر ان کی رفاقت میں

کروڑوں میل کی تنہائی کا دریا بھی ہوتا ہے

یہ دریا پار کیسے ہو

نہ تم ہو اس کنارے پر

نہ ہم ہیں اس کنارے پر

سو بہتر ہے ہم اپنے اپنے دائروں کے اس خلا میں گھومتے جائیں

ستاروں کی طرح اک ساتھ چمکیں دیکھیں تو سہی لیکن یہ اپنے بیچ میں جو فاصلوں کا سرخ دریا ہے

اسے تسلیم ہی کر لیں

کہ اس بے پل کے دریا میں

نہ تم ہی تیر سکتے ہو، نہ ہم ہی تیر سکتے ہیں۔

وہ کھلے لان میں چلی آئی۔ ولایت چاچا کے بیٹے اکبر رئیس کے نام کا دوپٹہ اوڑھنے کے بعد اس حویلی میں گھومنے پھرنے کی اجازت تھی۔

ملگجا اندھیرا ہر سو پھیلا ہوا تھا اس نے نگاہ پورخ کی طرف کی جہاں سیاہ پجیرو کھڑی تھی مگر اب سچل نہیں تھا جو کپڑا ہاتھ میں لیے چم چماتی اس پجیرو کو اور بھی چمکاتا رہتا تھا۔

پتا نہیں سچل میرے گناہ کی کیا سزا پا رہا ہوگا ادا مہران نے جس طرح سچل کی طرف دیکھا تھا اس سے تو لگتا تھا وہ اسے قتل کر دے گا۔

وہ منظر نگاہوں میں آ گیا تو اسے جھرجھری آ گئی۔ سنسناتی گولی کی آواز، پھر ادا مہران شاہ کا اچانک آ جانا یہی لان تھا یہی حصہ اور یہی دو قدم پر دیوار تھی جسے پھلانگ کر جانا تھا۔

آہ، مگر ٹوٹی کہاں کمند۔ اس نے بڑے کرب اور بیبسی سے اس دیوار تک کا فاصلہ ناپا۔

کتنے قریب ہو میرے دل سے سجاول، مگر کتنے دور ہو۔

اس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنے ماتھے پر گیا۔ بھوؤں کے درمیان ٹیلیہ کا نشان اس

نے رگڑ رگڑ کر مٹایا تھا، مگر نشان مٹا دینے سے یہ رشتہ تم نہیں توڑ سکتی تھی۔

نو سالہ رئیس اکبر جسے وہ کبھی گودوں میں اٹھا کر کئی چکر دے ڈالتی تھی۔ چاچا کے گھر جاتی تو اس سے خوب چھیڑ چھاڑ کرتی وہ ہمک کر اس کی گود میں چڑھ بیٹھتا تھا۔

اوف۔ اس کی آنکھیں درد سے پھر بھرنے لگیں۔

اس سے تو بہتر تھا ادی عابدہ کی طرح اس کا حق بخشوا دیا جاتا تنہائی میں ساری تکلیف دہ سوچیں اس کے اعصاب کو بری طرح منتشر کر رہی تھیں۔

اسے لگ رہا تھا وہ پاگل ہو جا گی کوئی اسے سجاول کی خبر نہیں دے رہا تھا۔ کوئی اسے نہیں بتا رہا تھا کہ سچل کس اذیت میں ہے۔

وہ اجرک شانے کے گرد پھیلا کر اندر چلی آئی راہداری سے گزرتے ہو آخری کنارے پر اس کے قدم ٹھٹھک گئے۔ وہاں بڑے بڑے شیشوں کی دیوار کے قریب مہران شاہ کھڑا موبائل پر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔

یوں تو اسے اس کی باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا اسے تو اب اس حویلی ہی سے کیا خود اپنے آپ سے بھی دلچسپی نہیں رہی تھی مگر جانے کیوں اس کے قدم ٹھٹھک کر رک گئے۔

ہاں ہاں بابا اس امداد علی کے چھوکرے سجاول کی بات ہی کر رہا ہوں جو شہر میں چھپا بیٹھا ہے۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنی مونچھوں کو سہلا رہا تھا۔ وہ موٹے سے ستون کی آڑ میں ہو گئی۔

آں، اچھا تو مجھے اس کا ایڈریس بتا دو میں اسے زیادہ دن زندہ نہیں دیکھنا چاہتا، کل ہی بندے بھیجتا ہوں۔

کہاں اوا چھا۔ وہ زور سے ہنسا یہ ہنسی زیمل کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی۔

کیا پوچھتے ہو بابا سچل تو اب اپنے جھلسے ہو پیروں کو لیے پڑا ہے، دیکھنا تو میں سجاول کو بھی ایسی حالت میں چاہتا ہوں پر۔۔۔

وہ لڑکا اتنا سیدھا نہیں ٹیڑھا ہے ذرا، یہ کمی کمین پڑھ لیتے ہیں ناں بابا تو یہ خود کو مالکوں کے برابر خیال کرنے لگتے ہیں۔

اچھا سنو چھورا (لڑکے) میں اللہ وسائیو اور دینو کو بھیج رہا ہوں شہر تم اسے سجاول کا ٹھکانہ دیتا۔ باقی کام وہ سنبھال لیں گے۔

نہ نہ فکر نہ کرو تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ ارے بابا ہم کبھی کچا کام نہیں کرتے یہ کیس ویس نہ گوٹھ میں چلتے ہیں نہ شہر میں چلنے دیتے ہیں۔

ٹھیک ہے میں ابھی آدمیوں کو تیار کروا کر روانہ کر دیتا ہوں میرا خیال ہے جو کام رات میں ہو سکتا ہے وہ دن کی روشنی میں نہیں۔

اس نے موبائل بند کیا اور پلٹا تو ایک لمحہ کو سٹپٹا گیا۔

زیمل لال آنکھوں کے ساتھ اس سے ذرا فاصلے پر کھڑی تھی اور وہیں رکھی اس کی بندوق پر ہاتھ رکھ دیا۔

کس کس بیگناہ کا خون بہاؤ گے ادا ایک اپنے طاقتور ہونے کے زعم میں، یہ زندگی بس یہیں تو ختم نہیں ہو جاتی اس کا حساب چکانا ہوتا ہے۔

مہران شاہ کی گفتگو نے اس کے اندر کی چنگاریوں کو ایک بار پھر آگ کا روپ دے دیا تھا۔

وہ سجاول کی موت کا پروگرام ترتیب دے رہا تھا اور زیمل حق نواز کے اندر ٹوٹتے حوصلے ایک بار پھر توانا ہو کر مزاحمت کو آگ بڑھے جیسے سجاول کی موت کا نہیں خود اس کی موت کا نامہ تیار ہو چکا ہو۔

حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اب اپنے سود و زیاں سے بینیاز ہو چکی تھی، اس کے لیے اپنی موت کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ اس لمحے بھی اس کے اندر مہران شاہ کا نہ خوف تھا نہ اپنی موت کا بس اس کی سماعتوں نے جو سنا تھا، وہی حاوی تھا۔ اسے صرف اور صرف مہران شاہ سجاول کی موت کا پیامبر دکھائی دے رہا تھا۔

اس کے خوابوں کا دشمن اس کے جذبوں کا قاتل۔

اور پتا نہیں کس کس کے قتل کا حساب اس پر نکلتا تھا۔

تم یہاں کیا کر رہی ہو، ہوش میں رہو۔ رئیس مہران شاہ اپنی حیرت سمیت غصے سے اس کی جانب بڑھا۔

اگر سب کچھ سن ہی چکی ہو تو، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، جاؤ اپنے کمرے میں۔ اس نے اپنی رائفل ٹیبل سے اٹھانے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ زیمل نے اس پر اپنے دونوں ہاتھوں کا دباؤ بڑھا دیا۔

نہیں ادا نہیں، میں تمہیں ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی۔ اس کی وحشت بھری نظریں مہران شاہ پر جمی رہیں۔

میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سچل کے ساتھ تم لوگ یہ کر گزرو گے، جبکہ وہ بیقصور تھا۔ جرم میرا تھا وہ تو مالکین کا حکم بجالانے کا پابند تھا۔ میرے حکم کی تعمیل کی تھی اس نے تو بس تم لوگوں نے اسے اس کی تابعداری کی یہ سزا دی۔ اسے انگاروں پر چلا دیا۔ اس جھوٹی رسم کی بھینٹ چڑھا دیا، میرے خدا۔ اس کی آنکھوں میں رنج سے آنسو آ گئے۔

بکواس نہ کر زیادہ۔ مہران شاہ کے الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کے منہ پر پڑا وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی۔ پھر لپک کر اس نے بندوق پکڑ لی۔

نہیں ادا، میں بیگناہ سجاول کا خون نہیں کرنے دوں گی تمہیں، اگر اسے مارنا ہے تو پہلے میرے خون سے تمہارا ہاتھ رنگین ہوگا۔

اس پر جیسے دیوانگی طاری ہوگئی۔ مہران شاہ اپنی جگہ ششدر رہ گیا۔

وہ کھل کر سجاول کی حمایت کر رہی تھی۔ وہ قید میں رہنے سے بجا دبنے کے اور نڈر دکھائی دے رہی تھی۔

کیا کرو گی تم، کیسے روکو گی مجھے بھلا۔ وہ مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا دو قدم اس کی طرف بڑھتے ہوا استہزائیہ ہنسا۔

ہاں میں جانتی ہوں میں ایک بیبس لڑکی تم ظالموں کو کسی بھی اقدام سے بھلا کیسے روک سکتی ہوں۔تم لوگ برس ہا برس سے لوگوں پر ظلم ڈھاتے آ ہو۔کوئی تمہیں روکنے والا نہیں ہے گوٹھ کی بیگناہ معصوم لڑکیوں کی عصمت سے کھیلتے ہو اس لیے کہ مہران شاہ کوئی تمہارا گریبان پکڑنے والا نہیں سب تمہارے مزارعے تمہارے غلام ہیں۔جھوٹے مقدمات میں ان معصوم لوگوں کو انگاروں جیسی رسموں کی بھینٹ چڑھا دیتے ہو۔لوگ سچ جھوٹ کا فرق سمجھتے ہو بھی بولنے اور تمہیں روکنے سے قاصر ہیں۔

میں بھی۔۔میں بھی اتنی ہی بیبس ہوں،زیادہ سے زیادہ خود کو ہی گولی مار سکتی ہوں۔یا تمہیں۔اس نے جھپٹ کر بندوق اٹھالی اور دور ہٹ گئی مہران شاہ کا دل پوری قوت سے دھڑکا اور خوف کی دلدلی زمین میں دھنسنے لگا۔

اس کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ اور سرد تھا وہ اس لمحے کچھ بھی کر سکتی تھی،خود کو یا پھر اسے ہی گولی مار دیتی،اس کی انگلی ٹرائیگر پر آ ٹھہری تھی۔

پاگل ہوگئی ہو کیا یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔لاؤ بابا لاؤ یہ بندوق ادھر دو،یہ بڑا خطرناک کھلونا ہے چری۔اس نے پچکارتے ہو اس کی جانب ہاتھ بڑھایا دوسرے لمحے بندوق پر اپنی گرفت کر لی۔

نہ ادا،میں خود کو مار سکتی ہوں نا اس جہنم سے نجات تو پا سکتی وہس۔چھوڑ ادا میں کہہ رہی ہوں دور ہٹ جا۔وہ چلانے لگی اور دونوں ہتھیلیوں سے بندوق پر زور لگانے لگی۔ادھر سیڑھیوں سیاتر تا سلطان شاہ اپنی جگہ حیران و پریشان رہ گیا۔

زیمل میں کہہ رہا ہوں چھوڑ دے بندوق۔مہران شاہ نے پورا زور لگا کر بندوق کا اگلا حصہ اپنی طرف کھینچا،اور دوسرے ہاتھ سے اس کے ہاتھ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔اسی دم دھماکا ہوا۔

اسی چھینا جھپٹی میں ٹائیگر پر دباؤ پڑا اور نال سے سنسناتی گولی نکل کر مہران شاہ کے ماتھے میں داخل ہوگئی خون کا فوارہ ابل پڑا۔اونچا لمبا مہران شاہ پیچھے کی طرف لہرایا اور

فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

ادا آ۔ یہ سب اتنا آنا فانا ہوا تھا کہ زیمل کے اعصاب چیخ گئے اس کے ہاتھ سے بندوق گر گئی۔اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ اس دھماکے سے کہیں زیادہ لرزہ خیز اور تیز تھی۔

ادا۔مہران ادا۔خوف اور حیرت اس کو ساکت کر گئے۔

اس کے سامنے اس کا بھائی بیحس و حرکت پڑا تھا۔اس کے ماتھے نکلتا خون اس کے تنے ہو چہرے پر گلکاریاں کرتا جا رہا تھا۔

ادا،مہران شاہ۔وہ دوزانو فرش پر اس کے قریب دھے گئی اس کی آنکھیں خوف،دکھ اور وحشت سے ابلی پڑ رہی تھیں،اس کا لرزتا ہاتھ مہران شاہ کے ماتھے کی طرف بڑھا۔

زمیل۔اپنے شانے پر سلطان شاہ کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے وہ اچھل پڑی،اس کا بدن لرزنے لگا،وہ سلطان شاہ کو خوف اور دہشت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

زیمل اٹھ جلدی کر بھاگ جا یہاں سے۔وہ اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر اسے کھڑا کرنے لگا۔

سلطان یہ یہ۔وہ اٹھتے ہولر کھڑائی،اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔پورے بدن پر لرزہ طاری تھا۔

یہ یہ خون مم میں نے نہیں کیا سلطان،میں تو۔۔دیکھو دیکھو ادا زندہ

تو ہے نا۔

میں کہہ رہا ہوں تو پہلے یہاں سے چلی جا،جا اپنے کمرے میں،میں دیکھتا ہوں،بابا سائیں آتے ہوں گے۔وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے،جا جا زیمل۔وہ خود بھی اداس ہو رہا تھا ایک طرف مہران شاہ خون میں لت پت پڑا تھا۔دوسری طرف بابا سائیں کے آجانے اور زیمل کی زندگی خطرے میں پڑ جانے کا خوف تھا۔

بھلا بابا سائیں کب یہ دیکھ سکیں گے کہ مہران شاہ کو خون میں نہلانے میں زیمل کا کتنا

ہاتھ ہے وہ تو اپنے بیٹوں کی طرف بڑھتے ہاتھوں کو کاٹ دیا کرتے تھے۔ اور پھر ویمل جو بیٹی تھی وہ کسی صورت میں بیٹے کے مقابلے میں اسے رعایت نہ دیتے۔

میں نے یہ خون نہیں کیا، ادا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں دباہوئی بولی۔

سلطان اسے مہران شاہ کے پاس سے دھکیل کر خود جھک کر اس کی دھڑکن سننے لگا، پھر ویمل کی طرف دیکھ کر عجیب سے احساسات کے ساتھ چیخا۔

میں کہہ رہا ہوں جاتو، اپنے کمرے میں۔

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی مگر بابا سائیں دوسرے ملازموں کے ہمراہ تیز تیز قدموں سے راہداری مین چلے آ۔ وہ گولی کی آواز سن کر بھاگے آ تھے۔

زیمل سسکیاں دباتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی، بابا سائیں کو دیکھ کر اس کے جسم میں خوف کی سرد لہر اٹھی، مگر وہ رکی نہیں اور سسکیاں دباتی اوپر سیڑھیاں پھلانگ گئی۔

کچھ ہی دیر میں حویلی میں شور برپا ہوگیا سارے ملازمین یہان سے وہاں دوڑتے چلے آ۔ مہران شاہ کو خون میں لت پت دیکھ کر عورتوں کی چیخیں نکل گئیں۔

یہ یہ کیا ہوگیا میرے پٹ (بیٹے) کو سلطان۔ بابا سائیں حیرت اور غم سے دنگ رہ گئے۔

ہمت کریں بابا سائیں۔ سلطان نے انہیں تسلی دے کر ملازموں کے ہمراہ مہران شاہ کو اٹھا کر گاڑی میں لٹایا اور ہاسپٹل پہنچ گیا۔

پیچھے بابا سائیں بھی اپنی جیپ لے کر تیزی رفتاری سے چلے۔

اس وقت کسی کو سوال و جواب کی فرصت نہیں تھی۔ غم کا ایک پہاڑ ٹوٹا تھا۔ اماں تو وہیں غش کھا کر زینت کی بانہوں میں جھول گئی تھیں۔

ادھر زیمل ہانپتی کانپتی اوپر آئی اور دھپ سے دروازہ بند کر کے اس پر چٹخنی لگادی اس کے پورے بدن پر ابھی تک ارتعاش طاری تھا، اور اعصاب پر سناٹا طاری تھا، من من بھر کے ہوتے ہو پاؤن کو بامشکل گھسیٹتی بیڈ تک آئی۔ مگر بجا بیڈ پر بیٹھنے کے وہیں

قریب قالین پر گئی گئی۔ اسے دو قدم چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔

اس نے گھٹنوں میں سر گرالیا اور کب کے رکے آنسو پورے زور و شور سے بہانے لگی جو کبھی گمان میں بھی نہیں تھا وہ سب ہو چکا تھا۔ جس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی وہ بس کچھ ہو گیا تھا۔

وہ آہستگی سے اٹھی اور دروازے کی چٹخنی گرانی چاہی مگر اس کا ہاتھ لرز کر پہلو میں گر گیا۔

نہیں نہیں بابا سائیں مار ڈالیں گے۔ اس کی نگاہوں میں بابا سائیں لہرانے لگے۔

وہ سیڑھیوں کی طرف لپک رہی تھی، وہ دیکھ چکے تھے، ہاں وہ مہران شاہ کو خون میں نہایا ہوا اور اسے بھاگتے ہو دیکھ چکے تھے ارادتا نہ سہی خون تو ہو چکا تھا اس کی غلطی سے وہ بھی رئیس مہران شاہ کا بابا سائیں کے کڑیل جوان بیٹے کا۔

ہا، میرا ادا، میرا بھا، مہران شاہ خدا تجھے میری عمر بھی لگا دے یہ یہ کیا ہو گیا ایسا کیوں ہو گیا میں نے یہ تو نہیں چاہا تھا۔

میں نے تو سجاول کے قتل سے اسے بس روکنا چاہا تھا۔ اپنے بھا کے قتل کا تو نہیں سوچا تھا۔

اجانک دروازہ باہر سے پیٹا گیا۔ وہ اچھل کر پیچھے ہوئی پھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کو یوں دیکھنے لگی جیسے اس کے پیچھے بابا سائیں کھڑے ہوں سرخ آنکھوں کے ساتھ ہاتھ میں بندوق پکڑے۔

سائن دروازہ کھولو، سائن غضب ہو گیا۔ آواز اللہ رکھی کی تھی، اس نے خشک حلق کو تر کیا۔ پھر چادر سے منہ پونچھ کر چٹخنی گرا دی۔ سائن غضب ہو گیا وہ رئیس مہران شاہ ہے نا اسے۔۔۔ اسے گولی لگ گئی ہے۔ رئیس سلطان اسے اسپتال لے کر گیا ہے۔ وہ چھوٹتے ہی بولی۔

زیمل۔ عابدہ کھلے دروازے سے بدحواس اندر داخل ہوئیں ان کا دوپٹہ ان کے

پیروں میں تھا اور چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

زیبے ادا مہرنا اپنی بندوق صاف کر رہا تھا کہ گولی چل گئی۔ وہ سسکتی ساکت صامت زیمل کی طرف بڑھیں۔

تجھے کچھ خبر ہے نیچے آفت مچی ہے ہمارا سونہڑا ادا چل بسا زیمل۔ عابدہ آگے بڑھ کر اس سے لپٹنے لگیں تو وہ لہرا کر ان کے بازوؤں میں جھول گئی۔

سچل اپنی چارپائی پر لیٹا کبھی چھت کو گھورنے لگتا کبھی اماں اور ابا کو جو گھر کا سازو سامان باندھ رہے تھے بلقیس رسوئی کا سامان پیلے بکس میں بھر رہی تھی، ساتھ ہی رو بھی رہی تھی۔

سچل کی چارپائی کے پاس سے گزری تو زور سے سسک پڑی۔

میں تو دوں گی حویلی والوں کو منہ بھر بھر کر بد دعائیں خدا ان پر قہر نازل کرے، جس طرح انہوں نے ہمارا ہنستا بستا گھر برباد کیا ہے خدا اوڈیرے کا گھر بھی کرے۔

سچل نے بیبسی سے لب کاٹ کر منہ پھیر لیا۔

بلقیس اس کے پٹیوں سے بندھے پیروں کے نزدیک بیٹھ گئی۔

خدا اس وڈیری زیمل سے بھی حساب لے گا، جس نے تجھے ان حالوں کو پہنچایا ہے، اس کا کیا گیا وہ تو۔

بلقیس۔ سچل نے غصے سے اسے دیکھا۔

کیوں الٹا سیدھا بولے جا رہی ہے۔

کیوں کیوں نہ بولوں ہمارا گھر برباد ہوا، ہم گوٹھ سے جا رہے ہیں، تیرے پیر آبلوں سے بھرے پڑے ہیں اور میں اس وڈیری کو ان حویلی والوں کو ان ظالموں کو کچھ نہ بولوں، برسوں تیری نمک حلالی کا یہ صلہ دیا ہے ان ظالموں نے۔

تو جانتی ہے اس میں زیمل کا کوئی قصور نہیں۔ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہوگا، ارے چڑی تجھے کیا خبر ان اچی اچی دیواروں کے اندر بہت کچھ ہو جاتا ہے، وہ

مظلوم نہ ہوتی تو بھلا کیوں بھاگتی اور پھر یہ بتا اور پھر یہ بتا کہ اس نے حکم تو نہیں یا تھا نہ مجھے، التجا کی تھی تیری بھی تو یہی صلاح تھی بول کیا تو نے اور میں نے صرف ان کی خاطر یہ کیا تھا کہ اپنے سجاول کے لیے۔

سچل اماں اور ابا کی موجودگی کے احساس سے دبی زبان میں بات کر رہا تھا۔ بلقیس منہ پر چادر رکھ کر اپنی سسکیاں روک رہی تھی مگر آنکھیں تو اتر سے بہہ رہی تھیں۔

مجھے کیا خبر تھی یہ سب ہو جا گا یہ وڈیرے کسی کو ذرا بھی رعایت دینے کو تیار نہیں ہوتے، جو تیرا جرم تھا ادا وہی بتاتے نا گوٹھ والوں کو، اور جرگے والوں کو تجھ پر چوری کا جھوٹا الزام رکھ دیا۔

اچھا، بس کرنا۔ سچل نے اسے جھڑک دیا اماں اس طرف جلی آئیں۔

چل اٹھ یہاں سے یہ پہلے ہی پریشان ہے تو اور بھی پریشان کر رہی ہے، وہی ہوا جو نصیب میں لکھا تھا ہم شہر جا کر اس کا علاج کرائیں گے سجاول ہے نا میرا پٹ وہاں۔ اب گوٹھ میں رہنے کو میرا دل بھی نہیں کرتا اب تیرے ویاہ (بیاہ) کے لیے آ غیں گے اب،

بلقیس چارپائی سے اٹھ گئی۔

نہیں کرنا مجھے ویاہ، بس میرے ادا سائیں۔۔۔ کے پیر ٹھیک ہو جائیں اماں۔ وہ سسکیاں دباتی وہاں سیٹ گئی۔

چپری ہو گئی ہے اماں یہ تو۔ سچل زور سے ہنس پڑا۔ مگر اس کی یہ ہنسی مصنوعی اور کھوکھلی تھی کہ جس کا خود بھی احساس کر کے وہ چپ ہو گیا پھر آنکھیں موند لیں۔

اسے کوئی امید نہیں تھی کہ اس کے پیر اب ٹھیک ہوں گے۔ وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو سکے گا۔ وہ جانتا تھا سجاول کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئیں گے کہ وہ اس کا علاج کرے گا، بابا کی جو زمین تھی وہ بھی جرگے والوں نے سزا کے طور پر رکھ لی تھی۔ وہ بڑے لوگ تھے سب کنڈج کر سکتے تھے چاہتے تو اسے حویلی کے اندر ہی گزلی سے اڑا دیتے۔

مگر اسے شاید یہ اذیت دے کر وہ ایک طرح سے سجاول کو بھی خبردار کرنا چاہتے تھے۔ اس کے مقاصد اور اس کے ارادوں کے سامنے خوف کا مہیب جال پھیلا دینا چاہتے تھے۔

اب تو خود اس کے دل میں بھی وڈیرے حق نواز اور رئیس مہران شاہ کے خلاف نفرت کا جذبہ امنڈ رہا تھا۔ ان کی اجارہ داری ان کے مظالم پر چیخ چیخ کر بولنے کو دل چاہ رہا تھا۔

اچانک پیروں سے ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ اس نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں درد سے پورا بدن ٹوٹنے لگا۔ پیروں کی اینٹھن پورے بدن میں پھیلنے لگی، آنکھوں کے سامنے دھندلاہٹ کا غبار پھیل گیا۔ اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔ بابا گھڑے اٹھا کر فقیر محمد کے بیٹے رئیس کی مدد سے یہ سب سوزوکی میں رکھوا رہے تھے۔

ادا بلقیس اس کے پاس چلی آئی۔ اس نے چہرا پانی سے دھولیا تھا۔

تیرے سامنے زیمل کے ساتھ کیا کیا تھا وڈے رئیس نے۔

تو کیوں پوچھ رہی ہے، تو تو اسے منہ بھر بھر کر بددعائیں دے رہی تھی۔ وہ چڑ کر بولا۔

نہیں ادا میں اس بیچاری کو کیا بددعائیں دوں گی، وہ کون سی سکھی تھی، عورت چاہے غریب کی ہو یا امیر کی ایک سا دل رکھتی ہے، ایک سے دکھ ہوتے ہیں۔ وہ تم مجھ سے بھی زیادہ بےبس اور بےاختیار تھی ادا۔

سچل نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر چھت کو گھورنے لگا۔

میں وڈیری عابدہ کو دیکھتی ہوں، تو میرے اندر کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔ پتا نہیں ان وڈیروں کے دل اتنے سخت کیوں ہیں ادا رحم ان کے اندر کیوں نہیں ہوتا عورت چاہے ان کے ہاری کی ہو یا ان کی اپنی، اسے بھیڑ بکری سے زیادہ نہیں سمجھتے۔

زیمل اگر حویلی میں راضی خوشی ہوتی یہ حویلی کی دیواریں یہ دولت اس کے لیے خوشی

کا باعث ہوتیں تو وہ بھلا اتنا بڑا قدم کیوں اٹھاتی ہاں ادا اتنا بڑا خطرہ بھلا کیوں مول لیتی۔وہ تو خوشیوں کی تلاش میں ادا سجاول کی طرف بڑھی تھی مگر۔۔۔

بلقیس کی اواز بھرا گئی وہ ملول ہو رہی تھی۔اسے رہ رہ کر زیمل حق نواز کا خیال ستا رہا تھا اس سے جدائی کا رنج اس کی فکر کھا جا رہی تھی۔

اداوہ بڑی خوش تھی سجاول کا یہ اسکول دیکھ کر اس نے اپنے کنگن بھی اس اسکول کے خرچے کے لیے دے دیے تھے۔

سچل نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

اچھا۔

ہاں ادا، وہ سجاول کی باتیں اس کے نظریات سن کر بڑی خوش ہوئی تھی اس کا بھی خواب تھا کہ گوٹھ کا ہر بچہ تعلیم حاصل کرے پر۔اس نیگہری سانس لے کر گھر کے اس حصے کی طرف نگاہ ڈالی جہاں سجاول نے ساوکل کھول رکھا تھا اور کچھ عرصہ قبل چھوٹے چھوٹے بچے بستہ اٹھا آتے الف سے اللہ کی پہچان کرائی جاتی تھی۔

سجاول کہتا تھا الف سے پڑھنا سیکھ گئے تو الل کو سمجھنے لگو گے۔۔۔اس کی طاقت کو پہچاننے لگو گے، ان جھوٹے معبودوں اور جاگیرداروں کے بتوں کو سجدہ کرنا ان کے آگے ہاتھ باندھنا چھوڑ دو گے۔

کتنی میٹھی باتیں کرتا تھا سجاول کتنے اونچے آدرش تھے اس کے۔وہ اس حصے میں آ کھڑی ہوئی۔اور جلی ہوئی دیواروں کو تکنے لگی جنہیں وڈیروں کے کارندے رات کو آ کر آگ لگا گئے تھے اب وہاں خالی دیواریں تھیں۔

کتابیں، چٹائیاں ان معصوم بچوں کے خواب سمیت سب جل کر راکھ بن چکے تھے۔

مجھے پورونا اس بات پر آتا ہے ادا کہ تیری اتنی بڑی قربانی کے بعد بھی سجاول اور زیمل ایک نہ ہو پا تا نہیں ادا سجاول کیسے بھول پا گا، اور وہ، وہ تو دیوانی تھی ادا سجاول کی، اسے دیکھ کر ہوش بھلا دیتی تھی۔اس نے دل سے چاہا تھا سجاول کو۔

ہاں دکھ تو یہی ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ سجل کے لہجے میں تاسف اور شکستگی کا دھواں تھا۔

بلقیس کھڑکی کے باہر پھیلے سکوت اور بڑھتی ہوئی تاریکی کو گھورنے لگی پھر چونک کر پلٹی، چادر سے نم آلود آنکھیں صاف کر کے اماں کی طرف چلی آئی اور ان کے ساتھ بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔ ڈھلتی رات کی دبیز تاریکی میں ہی امداد علی کا پورا گھر گوٹھ چھوڑ کر شہر کی جانب اپنا سفر شروع کر چکا تھا۔ بلقیس چادر میں منہ چھپا نم نگاہوں سے اپنے گوٹھ کو دیکھ رہی تھی۔ حویلی کے سامنے سے گزرتے ہوا اس کی سسکاری نکل گئی۔ تلخ و شیریں بہت سی یادیں وہ اپنے دامن میں سمیٹ کر جا رہی تھی۔

حویلی کا وہ کنج، وہ زیمل وڈیری کی شرارتیں اور مسکراہٹیں اب یادبن کر رہ جائیں گی۔

سجل کا ہاتھ اس کے شانے پر آیا تو اس نے رخ موڑ کر اسے دیکھا سجل افسردہ مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی نم نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی۔

مہران شاہ کی جوان موت نے حویلی میں سناٹے طاری کر دیے تھے سوئم کے بعد وڈیرہ حق نواز نے پہلی بار اپنے کمرے اور احاطے سے نکل کر حویلی کا چکر لگایا۔ راہداری میں بلا مقصد ادھر سے ادھر ٹہلتے رہے اور پھر لابی میں بیٹھ کر حقہ گڑگڑایا۔

کمدار۔

جی سوہنا سائیں۔ کمدار سرعت سے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

بابا اب ہم کسی بھی ملاقاتی سے نہیں ملیں گے۔

بہوت (بہت) بہتر سائیں، میں ابھی پریل کو پھاٹک پر منع کیے دیتا ہوں۔ کمدار حکم کی تعمیل کے لیے باہر نکل گیا۔

بابا سائیں، آپ نے مجھے بلوایا تھا۔ سلطان شاہ اپنے کرتے کی آستین کے بٹن بند کرتا ہوا لابی میں آیا جہاں وڈیرہ حق نواز حقہ کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ کسی سوچ میں گم

تھے نظر اٹھا کر سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور مسلسل دیکھتے رہے۔

چھ فٹ سے زیادہ لمبا قد جوڑے شانے، چہرے پر ہلکی داڑھی مونچھ وہ بیس سال میں کڑیل اور بھرپور جوان ہو چکا تھا ایک پل کو ان کی آنکھیں غبار آلود ہو گئیں۔ حقے کے کنارے پر ان کی انگلیاں مضبوطی سے جم گئیں۔ ایسے ہی ایک کڑیل بیٹے کو وہ کھو چکے تھے ان کی آنکھوں کا نور ان کا مضبوط بازو وقت کی بیرحم دھول نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

اب ان کی تمام تر امیدوں کا مرکز سلطان شاہ ہی ہو سکتا تھا۔

وہ کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ پشت پر باندھ کر اس کی طرف بڑھے۔

ہاں میں نے بلایا تھا تمہیں۔ انہوں نے سرخ سرخ آنکھیں اس کے چہرے پر جما دیں۔

میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرا ایسا کڑیل گھبرو پٹ ایک چھوٹی سی گولی کا شکار بن جا گا، دیکھو ذرا یہ حیولی کیسی ویران ہو کر رہ گئی ہے۔ تم نے مہران کا کمرہ دیکھا ہے کتنا سونا اور ویران ہو گیا ہے۔ میرا سینہ کھنڈر ہو گیا اس غم میں سلطان۔

سلطان نے رنج سے باپ کو دیکھا پھر ایک ملول اور اداس سانس بھر کر رہ گیا۔

میرے اندر آگ بھڑک رہی ہے، بیٹے کے کھو جانے کا غم کھا رہا ہے میرے سینے کو، وہ میرا شہزادہ تھا، اچی آن بان والا۔ میرے منہ سے نکلنے سے پہلے میرے جملوں کا مفہوم سمجھ لیا کرتا تھا۔ گوٹھ والوں پر اسکی دہشت تھی شہروں کی میٹنگوں میں وہ کیسا اونچا بولتا تھا کہ سب کو چپ لگ جاتی تھی۔ ہاری اس کے پیروں کی دھمک سے سہم جاتے تھے، حویلی اس کی بھاری آواز کی ہنسی سے گونج اٹھتی تھی، ملازم کانپتے تھے اس سے۔

بابا سائیں۔ سلطان شاہ نے نرمی سے ان کی بات کاٹتے ہو کہا۔

ہم چاہیں جتنے بھی اچے ہو جائیں، مگر رہیں گے انسان، آسمان کو نہیں چھو سکتے، ہمارے پیروں کی دھمک سے جتنی بھی گونج پیدا ہو ہم رہیں گے فانی انسان بالآخر اس مٹی کے اندر جائیں گے اس اوپر والے کے سامنے ہر انسان برابر ہے بابا سائیں،

ہاری ہو یا بادشاہ سب کو مٹی کے ایک چھوٹے حصے میں دفن ہونا ہے۔

ہاری اور وڈیرے کو ایک صف میں کھڑے کرنے والے احمق چھورے مجھے تم سے یہی امید تھی تم میں اور مہران میں یہی تو فرق تھا بہر حال میں نے تمہیں امیری اور غریبی پر لیکچر دینے کے لئے نہیں بلایا۔ میری طرف دیکھو ایک بات کی طرف جو اپنیٹے کی المناک موت پر نوحہ کناں ہے تو دوسری طرف اپنی عزت کی بکھرتی دھجیاں تنہا سمیٹتا پھر رہا ہے۔

جی، میں سمجھا نہیں بابا سائیں۔ سلطان شاہ نے استفہامیہ نظروں سے باپ کی شکل دیکھی جہاں غصہ دکھائی دے رہا تھا۔

تم نے مجھ سے غلط بیانی کی ہے سلطان۔ میر امہران شاہ اپنی رائفل صاف کرتے ہو نہیں مرا۔ اسے خود میری دھی، جسے میں دھی کہنا حرام سمجھتا ہوں زیمل نے مارا ہے اس کی کمین سجاول کی خاطر، بولو میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ کمدار نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا تھا۔

غلط دیکھا تھا۔ سلطان شاہ تڑپ کر چیخا، اس کا دل سینے کی دیوار میں زور وشور سے ٹکرانے لگا۔ ایک لمحے کو بابا سائیں کی سخت نظروں سے وہ سہم گیا مگر دوسرے پل وہ اعتماد سے تن کر کھڑا ہو گیا۔

غلط دیکھا ہے اس نے، بیشک وہ اپنی رائفل صاف نہیں کر رہا تھا مگر۔ وہ ذرا دیر چپ ہوا۔

تو تو پھر کیسے مرا وہ بتاؤ میں نے خود زیمل کو سیڑھیوں کی طرف بھاگتے دیکھا تھا، مہران شاہ کے پاس آنے کے بجاوہ اسے خون میں لت پت دیکھ کر بھاگ

رہی تھی مجھے تو اب ہوش آیا ہے میں جانتا ہوں اس حرام خور نے میرے پٹ کی جان لی ہے، اسے۔۔۔

نہیں بابا سائیں، اس نے مہران شاہ کی بندوق اٹھا کر خود کو مارنے کی کوشش کی تھی

اس نے سن لیا تھا کہ ادا مہران موبائل پر سجاول کی موت کا پروگرام ترتیب دے رہا تھا یہ سن کر وہ خود کو مارنے کی دھمکی دے رہی تھی کہ ادا نے اس کے ہاتھ سے بندوق چھیننا چاہی اور بس اس چھینا جھپٹی میں گولی نکل گئی جو ادا کو لگ گئی میں سچ کہہ رہا ہوں بابا سائیں۔اس نے ادا کو مارنے کی قطعی کوشش نہیں کی تھی۔

وڈیرہ حق نواز کا چہرہ لال ہوگیا ان کی آنکھوں میں سرخیاں اتر آئیں۔ پیشانی پر شکنوں کا جال پھیل گیا انہوں نے مٹھیاں بھینچتے ہو سامنے رکھی تپائی کو زور سے پیر کی ٹھوکر سے دور لڑھکا دیا۔

اس لڑکی کو مہران کی جگہ مر جانا چاہیے تھا، کیوں روکا مہرا نے اسے، یہ رسوائی وار بدنامی کا داغ ہے ہماری پیشانیوں پر، میں نے پیدا ہوتے ہی اس کا گلا کیوں نہ گھونٹ دیا تھا، دھیان ایسی ہوتی ہیں، دیکھتے نہیں ہو عابدہ کو، کیسے لاج رکھی ہے اس نے ہماری، مگر یہ لڑکی۔۔۔نفرت ہوگئی ہے مجھے اس کی صورت سے، میں اسے خود اپنے ہاتھوں سے ختم کردوں گا۔وہ غصے سے اپنی جگہ سے اٹھے سلطان گھبرا کر ان کے سامنے آیا۔

نہیں بابا سائیں میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گا، پہلے ہی اس کی ذہنی حالت ابتر ہے وہ بلاقصور سزا سہہ رہی ہے۔

کیا تم اسے بیقصور کہہ رہے ہو۔وڈیرہ حق نواز نے دہکتی نگاہوں سے سلطان شاہ کو گھورا اور اسے ایک طرف دھکیلنا چاہا مگر وہ چٹان کی طرح جما رہا بلکہ اس نے مضبوط بازوؤں سے باپ کے شانے تھام لیے۔

ادا کی موت یوں ہی لکھی ہوئی تھی وہ اگر آپ کا پٹ تھا تو ادی بھی آپ کی دھی ہے، کیا ہم نے پہلے ہی بیٹیوں کے ساتھ زیادتیاں نہیں کیں، جواب انہیں موت کے گھاٹ بھی اتارنے لگیں۔ان کی روحوں کو کب زندہ رکھا ہوا ہے ہم نے۔

بکواس بند کرو۔وڈیرہ کی سانسوں میں بھونچال آ گیا۔چہرے کے زاویے بگڑ گئے

اگر یہ لڑکی زندہ رہی تو اور بھی رسوائیاں ہمارے مقدر میں لکھتی رہے گی، وہ ایک باغی ہے اسے ہماری عزتوں کی پروا نہیں رہی۔

گستاخی معاف بابا سائیں اسے باغی اس استعصال نے بنایا ہے، ان ریت روایتوں نے جو کانٹوں اور نشتر کی طرح ہم ان کی روحوں میں اتارتے رہے ہیں اگر ادی عابدہ چپ ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ خوش ہے وہ راضی خوش حویلی میں دن کاٹ رہی ہے، ہرگز نہیں، بلکہ وہ ایک زندہ لاش ہے جس کے تمام احساسات ،جذبات کا مار دیا گیا ہو۔جس کی روح کو قتل کر دیا گیا ہو۔

بابا سائیں حویلی کی کوئی عورت خوش نہیں ہے، بلکہ وہ تو خوشی کے اصل مفہوم سے بھی آگاہ نہیں ہے،مر جانا آسان ہے بابا سائیں مگر مر کر زندہ رہنا، زندہ رہ کر بار بار مرنا بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔

آپ، میں یا اس حویلی کے مرد کیا جانیں جنہیں اپنی روایتوں، اپنی دولت ،اپنے اونچے شملے سے پیار ہے، کسی روایت کی پاسداری ادا مہران کے لیے کیوں نہیں تھی۔ میرے لیے کیوں نہیں ہے، کیا ہماری جھوٹی عزتوں کا بار صرف عورت کو ہی اٹھانا ہے۔ ایک کمزور نحیف عورت کو۔ کیا یہ ظلم نہیں ہے، جبر و استبداد جس زمین پر قدم رکھ چکا ہو وہاں سے گزرنے والی ہوائیں بھی بوجھل مضمحل ہوئی ہیں اس میں سانس لینے سے پھیپھڑوں میں

خوشبو روشنی نہیں اترتی بلکہ گھٹن محسوس ہوتی ہے اور حویلی میں عورتوں کے لیے ایسی ہی گھٹن ہے اور زیمل اس گھٹن اس حبس سے گھبرا کر بھاگ رہی تھی۔

بابا سائیں اسے حق حاصل تھا آزاد فضا میں سانس لینے کا ان روایتوں کی زنجیروں کو توڑنے کا۔

وہ سرخ چہرہ لیے اپنے پورے اعتماد کے ساتھ آج پہلی بار وہ سارے پردے چاک کر رہا تھا۔اس درد دیواروں کی سیلن دکھا رہا تھا جس پر وڈیرہ حق نواز اور رئیس مہران شاہ

نے دبدبے رعب اور اپنے خوف کا پردہ لگا رکھا تھا مگر وہ ایک بیخوف اور کڑیل مرد تھا اسے بیاعتمادی اور گھٹن کی ہوا میں نہیں پالا گیا تھا وہ کیوں خوفزدہ ہوتا۔

اسکی آواز کی گونج سے لابی کے در و دیوار ہل رہے تھے۔ ہمیشہ کم سخن نظر آنے والا سلطان شاہ، حویلی کی اس ساری گندگی سے آج نقابیں اٹھا رہا تھا۔ جس کی بو اب اس کی برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔

وہ چپ ہو گیا، وڈیرہ حق نواز بھی چپ تھے۔ ان کے پاس شاید کوئی الفاظ نہیں تھے جس سے وہ اسے جھٹلا سکتے یا شاید اس لیے کہ ان کے تمام پہلو کمزور تھے۔ یا پھر جارحانہ رویہ اختیار کرنا یوں بھی ممکن نہ تھا کہ ان کی ساری امیدوں محبتوں کا مرکز اب صرف اور صرف سلطان شاہ ہی رہ گیا تھا۔

وہ اپنا غصہ ضبط کرتے ہو کرسی پر ڈھے گئے اور اسکی پشت پر سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اور پیشانی پر انگلیاں رگڑنے لگے۔

بابا سائیں، میں نے کچھ غلط نہیں کہا، آپ کی شان میں گستاخی نہیں کی میں تو صرف۔ وہ جھک کر ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولا تو انہوں نے اپنی سلگتی آنکھیں کھول دیں۔

تمہارے اندر بھی زیمل کی زبان بول رہی ہے۔

سلطان سیدھا ہو گیا۔ اس کے لبوں پر مجروح مسکراہٹ بکھر کر منجمد ہو گئی۔

اس کے منہ میں زبان ہی کب ہے بابا سائیں وہ تو اپنے استحصال پر بھی زبان بند رکھے ہوئے ہے۔ مگر اب ایسا نہیں ہو گا۔

کیا کرو گے تم۔ وڈیرہ حق نواز نے شعلہ بار نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

چلے جاؤ یہاں سے، دفع ہو جاؤ تم اور اس لڑکی کو جنم واصل کر دو، اسے مار کر کسی نہر میں پھینک آؤ۔

وہ میری بہن ہے بابا سائیں، کوئی بے کار شے نہیں، میں اس کا بھائی ہوں، اس کا

سائبان اس کا محافظ ہوں اس کی خوشیاں ڈھونڈ کر لا کر دینے والا۔ وہ سرخ چہرہ لیے بول رہا تھا۔

آپ سمجھ لیں وہ مر گئی ہے آپ کے لئے میں اسے اس حویلی سے دور چھوڑ آؤں گا۔

وہ پلٹ کر لالبی کے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

سلطان۔ حق نواز کی گرج سے در و دیوار ہل گئے مگر سلطان شاہ کے قدموں میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ وہ رکا ضرور مگر ڈر کر نہیں احتراما۔

میں کل ہی اکبر سے اس کا نکاح پڑھوا کر اسے ولایت کی حوالی بھیج رہا ہوں۔ وڈیرہ حق نواز نے حکم سنایا۔

وہ ذرا سا پلٹا۔

کہ بہت دور ہے بابا سائیں۔ اس کا چہرہ تنا ہوا تھا پھر وہ رکا نہیں اور بڑے بڑے ڈگ بھرتا لالبی سے نکل گیا۔

شباہت زرد پھولوں کی طرح سے
دہکتی آگ پر منڈلا رہے ہیں
صلا عام بہ نظارگی ہے
پتنگے راستے دکھلا رہے ہیں
تشنگی، تشنگی بجھا ہے
اور پھر تشنگی محبت کی
غیر محدود ہوتی جاتی ہے

ادی عابدہ نے شاہ لطیف کے کلام سے نظریں ہٹائیں تو چونک پڑیں اور جلدی سے کتاب بند کر کے ٹیبل پر رکھ دی۔

کیا ہوا زیمل، کیا ہوا اماں۔ وہ زیمل کی طرف بڑھیں جو اپنے بستر سے اتر کر خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف آنکھیں گھما رہی تھی، ساتھ ہی ساتھ وہ خود سمٹتی جا رہی

تھی ۔اس کے سیاہ بال پشت پر اور آگے سینے پر بکھرے ہوتھے کالی رات اور بھی سیاہ نظر آ رہی تھی ۔

کیا ہوا بچڑی زیمے ۔اس نے اسے بازوؤں میں بھر لیا ۔

نیند نہیں آ رہی ہے کیا ۔

ادی ادی وہ بابا سائیں مم مجھے مار ڈالیں گے ہاں ادی وہ مجھے گولی ماردیں گے ۔اس نخوف سے پھیلی آنکھیں عابدہ کے چہرے پر مرکوز کردیں ۔اس کی وحشی ہرنی سی آنکھوں میں خوف کا ایک جہاں تھا ۔

ادی، میں سچ کہہ رہی ہوں، ادامہران کو میں نے قتل نہیں کیا وہ آپوں آپ ۔۔۔

ہاں ہاں دھی ہمیں خبر ہے وہ اپنی غلطی سے مرا ہے، چل ادھر بیٹھ، بابا سائیں تجھے نہیں ماریں گے وہ بھلا تجھے کیوں مارنے لگے ۔تو بھی ان کی دھی ہے ۔وہ اسے تھام کر بیڈ پر لے آئیں ۔اور بٹھانے لگیں ۔

بیٹھ زیمل ۔اس نے اس کا بازو دبوچ لیا ۔اس کے چہرے پر خوف پھیلا ہوا تھا ایک وحشت ٹپک رہی تھی ۔

مجھے ڈر لگ رہا ہے ادی ۔

چری ہے تو لے یہ گولی پی لے سکون آ جا گا، اور نیند بھی ۔ادی عابدہ نے دروازے سے گولی نکال کر اس کی طرف بڑھائی اور گلاس میں پانی بھرنے لگیں ۔

ادامہران کو گزرے (مرے) چار دن ہو گئے ہیں اور تو اک بار بھی نیچے نہیں آئی، اماں نڈھی ماں زینت کسی سے بھی نہیں ملے گی، چاچی بھی آئی تھیں پوچھ رہی تھیں تیرا ۔عابدہ اسے باتوں سے بہلانے لگیں ۔

نیچے ۔۔۔ہاں نیچے تو میں نہیں گئی مگر، مگر ادی نیچے بابا سائیں ہیں مجھے ڈر لگتا ہے ان سے ۔اس نے پانی سے گولی اتار کر ایک گہرا سانس لیا ۔اسی دم دروازہ کھلا ۔وہ اچھل کر بید سے کھڑی سی ہو گئی ۔خوف اس کی رگ میں لہو بن کر دوڑنے لگا مگر آنے والا سلطان

شاہ تھا، جسے دیکھ کر وہ سنبھل گئی۔

خیر تو ہے نا ادا۔ عابدہ اسے اس وقت اپنے کمریمیں دیکھ کر حیران ہو گئیں۔

وہ خاموش رہا پھر چلتا ہوا ان دونوں سے ذرا فاصلے پر رک گیا اس کے چہرے پر غیر معمولی پن دکھائی دے رہا تھا اس کی ناک کے کنارے سرخ ہو رہے تھے اس کی نظریں زیمل کے متوحش چہرے پر تھیں۔ جہاں ویرانی اور خوف اس کی آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔

خاموشی کا یہ مختصر وقفہ بہت بوجھل تھا پھر اس خاموشی کا سلطان شاہ نے ہی توڑا۔

ادی وِیمل کو چادر اوڑھا دو، اور چپل بھی ڈال دو پیروں میں، اور تم بھی چادر اوڑھ لو۔

وہ یہ کہتے ہوئے کھڑکی کے پاس آیا اور یونہی پردہ اٹھا کر نیچے جھانکا۔ پھر پلٹا تو عابدہ حیرت سے گنگ کھڑی تھیں۔

میں کچھ کہہ رہا ہوں ادی، زیمل کو چادر اوڑھا دو۔

مم۔۔۔ مگر۔۔۔ سلطان، کیوں، کیا۔ عابدہ کے دل میں اذیتوں، وسوسوں کے مہیب سالرزنے لگے، زیمل اپنی جگہ سن کھڑی تھی۔

میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں ہے ادی جو کہہ رہا ہوں وہ کرو بس۔ اب کے سلطان کے لہجے میں تیزی تھی اور سختی بھی، عابدہ نے مزید کچھ کہنے کی ہمت نہ پا کر الماری سے اپنی اور اسکی چادر نکال کر زیمل کو اوڑھا دی اور ایک خود پر ڈال کر بیٹ کے نیچے سے زیمل کو چپل نکالنے لگی۔

اب میرے پیچھے چلی آؤ۔ وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترنے لگا۔

ادی عابدہ نے نرمی سے زیمل کو تھاما تو اس کا پورا بدن لرز رہا تھا۔ اس نے بیبس نظروں سے عابدہ کی طرف دیکھا مگر وہ نظریں چرا گئیں۔

وہ خود نہیں جانتی تھیں کہ سلطان شاہ کس مقصد سے یہ سب کر رہا ہے۔ وہ ان دونوں کو اس ڈھلتی شام میں کہاں لے جانا چاہتا ہے، یہ بابا سائیں کا کوئی حکم تھا یا اس کا اپنا کوئی

فعل۔

زیمل اور وہ کسی روبوٹ کی طرح اس کے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگیں لابی سے گزرتے ہوان دونوں کے قدم رک گئے۔آخری کنارے پر وڈیرہ حق نواز سرخ چہرہ اور انگارہ آنکھیں لیے کھڑے تھے۔

سلطان یاد رکھنا،زیمل کے لیے آج کے بعد اس حویلی کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہوں گے۔ان کی گونج دار آواز ابھری۔

زیمل نے چہرے سے چادر ہٹا کر ان کی طرف دیکھا پھر دوڑ کر ان کے قدموں میں جھک گئی۔

بابا سائیں میرا قصور کیا ہے، میں نے کیا جرم کیا ہے کیا کر رہے ہیں یہ آپ لوگ میرے ساتھ۔اس کی سسکیاں لابی میں گونجنے لگیں۔

سلطان شاہ اس طرف آیا زیمل کو پکڑ کر ایک طرف ہٹا دیا۔

یہ باتیں ہم بعد میں کریں گے بابا سائیں۔اس کا لہجہ بلوچ تھا وہ زیمل کو تھامے تیزی سے لابی عبور کر گیا۔

وڈیرہ حق نواز اگر چاہتے تو اپنے آدمیوں سے اس پل سلطان شاہ کو روک سکتے تھے۔ زیمل کو گولی سیاڑا سکتے تھے۔

مگر۔

وہ ایسا نہیں کر پایا وہ خود کو اندر سے بیبس محسوس کر رہے تھے۔ان کا جوان کڑیل بیٹا ان کے ارادوں میں حائل تھا۔وہ کوئی کمدار یا غریب کا بیٹا نہیں تھا کہ اس سے سختی کر لیتے وہ تو خود ان کا اپنا خون تھا۔اگر وہ مکمل ہی باغی ہو جاتا تو وہ بالکل تہی داماں ہو جاتے۔ایک بیٹے کو کھو دینے کے بعد وہ خود کو بیحد کمزور محسوس کرنے لگے تھے۔

سلطان شاہ و یمل کو جہاں لے کر جا رہا تھا وہ جانتے تھے مگر وہ بیٹی کی وجہ سے بیٹے کو کھونا نہیں چاہتے تھے انہیں سلطان شاہ کی ضرورت تھی ہر حال میں۔

ادا بتاؤ تو سہی کہ کدھر کو لے جا رہے ہو تم ہمیں۔

ادی عابدہ نے پجیرو میں بیٹھتے ہوا ایک اور کوشش کی۔ مگر سلطان شاہ کے لبوں پر خامشی کا قفل پڑا تھا۔

ان سب کے بیٹھتے ہی غلام احمد نے پجیرو آگے بڑھا دی۔ شام کا سرمئی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ مگر اس سرمئی مدھم روشنی اور سرسراتی ہوا میں درختوں کے پتوں کی حرکت کو دیکھا جا سکتا تھا۔

پجیرو گوٹھ کے اونچے نیچے رستوں پر ہچکولے کھاتی تیزی سے بھاگ رہی تھی کچھ دیر بعد چاچا ولایت نواز کی کوٹھی دکھائی دینے لگی تو زیمل کا سانس اٹکنے لگا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، اس نے سلطان شاہ کو دیکھا جو اگلی سیٹ پر سر دھری کیساتھ بیٹھا تھا وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔

مگر دوسرے پل پجیرو چاچا سائیں کی کوٹھی سے آگے نکل گئی اس نے پیچھے مڑ کر پہلے کوٹھی کو پھر ادی عابدہ کی طرف دیکھا۔

ادی عابدہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔ مگر زیمل کا دل خوفزدہ پرندے کی طرح سینے کی چہار دیواری میں پھڑ پھڑاتا رہا، اچانک ایک تیز سسکاری اس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔

ادا سلطان اگر اگر مجھے مارنا ہی ہے تو حویلی میں ہی مار ڈالو، دیکھو مجھے جنگل میں نہ چھوڑ دینا مجھے کسی تنہا گھر میں نہ ڈال آنا۔ مم مجھے بہت ڈر لگتا ہے تنہائی سے اندھیرے سے۔

وہ خوفزدہ بچے کی طرح سسک رہی تھی عابدہ کا سینہ رنج سے شق ہو گیا سلطان شاہ نے رخ موڑا وہ عابدہ سے لپٹ کر رو رہی تھی۔

پاگل ہو گئی ہے زیمل، تو بہن ہے میری، میں تجھے بھلا کیوں مار ڈالوں گا۔ اور اس کے لبوں پو پہلی بار ہزم مسکراہٹ ابھری۔ اس نے پیچھے ہو کر اس کے کندھے پر تسلی

دینے کے انداز میں ہاتھ رکھا، بھائی تو بہن کا آنچل ہوتے ہیں بھری دھوپ میں ان کا سائبان ان کی خوشیوں کے رکھوالے، اس کے سلگتے آں سوؤں سے سلطان شاہ کی آواز بھرا گئی۔

میں نے بغاوت کی ہے حویلی میں موجود فرسودہ رسموں اور روایتوں سے جس میں کمزوروں کی روحوں کا قتل ہوتا ہے میں اس نظام سے نفرت کرتا ہوں جس میں اندھے مظالم ڈھا جائیں جہاں احتجاج کرنے والوں کو قبر میں سلا دیا جاتا ہے میں سچل کے لیے کچھ نہ کر سکا دی عابدہ کے لیے کچھ نہ کر سکا۔

مگر اب۔

پجیرو جھٹکے سے رک گئی، سلطان شاہ نے چونک کر غلام احمد کو دیکھا۔

سائیں، وہ رئیس محمد کو لینا ہے نا۔ غلام احمد نے یاد دلایا اور پجیرو سے اترا۔ اور اندھیرے میں سامنے چلا گیا کچھ دیر بعد آیا تو اس کے ساتھ فقیر محمد کا بیٹا رئیس تھا۔ وہ دونوں پجیرو کے اگلے حصے میں آ کر بیٹھ گئے اور پجیرو پھر چل پڑی۔

زیمل کی بھیگی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی آج سلطان شاہ کے منہ سے سننے والے الفاظ ان کے لیے بالکل نئے اور انوکھے تھے۔

رات دھیرے دھکرے قدم جما رہی تھی درخت بڑھتی ہوئی تیرگی میں چھپ چکیت ھے۔

کھڑکی کے باہر پھیلا ہوا سکوت اور سناٹا ایک بار پھر ہیبت ناک محسوس ہونے لگا۔ عابدہ حق نواز نے پردے گرا دیے۔

وہ دونوں ابھی تک یہ پوچھنے کی ہمت نہ کر پا رہی تھیں کہ وہ یہ گاڑی کن راستوں پر لیے جا رہا ہے۔

پتا نہیں رات کا کون سا پہر تھا کتنے بج رہے تھے بس ہر طرف گھور اندھیرا تھا۔ پجیرو جھٹکے سے رک گئی تو سلطان شاہ کے ہمراہ وہ دونوں بھی اتر گئیں۔

سامنے ایک گھر تھا جس کے دروازے کے باہر چھوٹا سا بلب روشن تھا ان دونوں کے بیحد حیرت ہوئی وہ شہر میں پہنچ چکے تھے۔

سلطان شاہ نے زیمل کا بازو تھاما تو وہ پوری جان سے کانپ اٹھی اس نے سلگتی نگاہوں سے سلطان شاہ کو دیکھا مگر وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اس کی ساری توجہ اس دروازے کی طرف تھی جسے رئیس محمد بجا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھلا۔

اور وہ سب اندر داخل ہو گئے۔ گھر کے اندر کی روشنی میں زیمل پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے چادر میں چھپا چہرہ حیرت سے کھل گیا۔

سجاول اس کی نگاہوں کیسامنے تھا، جو خود بھی گنگ تھا۔

میں جانتا ہوں سجاول تم میرا استقبال کسی خوشی سے نہیں کرو گے بلکہ مجھے یہاں دیکھ کر حیران ہو رہے ہو گے۔

سلطان شاہ نے ہاتھ آگے کیا جو مصافحے کے لئے تھا۔ مگر سجاول نے اسے نظر انداز کر دیا۔

اسکی نظریں سلطان شاہ سے ہٹ کر پیچھے چادروں میں لپٹی ہوئی ان دو عورتوں پر جا پڑیں۔ اور جیسے ہی زیمل حق نواز کے چہرے سے چادر ہٹی تو وہ اپنی جگہ ششدر رہ گیا مگر دوسرے پل اس کے ہونٹ بھینچ گئے۔ پیشانی کی رگیں ابھر آئیں اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

میں یہاں۔۔۔، آپ میں سے کسی کے بھی استقبال کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔

اس نے گھوم کر رئیس کو بیحد کڑی نظروں سے گھورا۔ وہ جو ایک طرف کھڑا تھا۔

سجاول کی نظروں میں غصہ دیکھ کر سہم گیا۔

سلطان نے کوئی جواب نہیں دیا، اسی دم کمرے کا دروازہ کھلا۔

پٹ اتنی رات کون ہے خیر تو ہے۔ اماں کی آواز ابھری ان کے ہمراہ بلیقس بھی تھی جو سلطان شاہ اور اس کے ساتھ کھڑی زیمل کو دیکھ کر حیرت سے ششدر تھی۔

مگر اس کی حیرت کو زیمل نے گے بڑھ کر توڑ ڈالا۔

بلقیس۔وہ بیاختیار اس سے لپٹ گئی۔

ادی عابدہ نے آگے بڑھ کر لرزتی ہوئی سجاول کی ماں کو تھاما۔

رئیس، ہم، ہم بیقصور ہیں میرا بیٹ بیقصور ہے۔وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر سلطان شاہ ک قدموں میں گرنے لگیں سلطان نے جلدی سے انہیں اوپر اٹھا دیا۔

نہ چاچی میں رئیس سلطان بن کر نہیں آیا۔یہاں، میں تو سجاول کے پاس ایک بہن کا بھائی ایک ضرورت مند بن کر آیا ہوں، ایک التجا لے کر۔اس کا لہجہ رئسوں کی طرح دبنگ نہیں تھا بہت عام سا اور قدرے نرم تھا۔اماں نے بھگی ہوئی پلکوں کو جھپک کر بیقینی سے اپنے نحیف بازو پر ہاتھ رکھے رئیس سلطان کو دیکھا۔

کیسی التجا کیسی ضرورت۔ان کی آواز میں لرزش تھی۔

میں زیمل کو لے کر آیا ہوں ماسی، ایک بھائی بن کر آیا ہوں اور اس کا عقد سجاول سے کرانا چاہتا ہوں۔اس کی آواز لمحہ بھر کے بعد جھاسکوت میں کسی بم کی طرح پھٹی۔

سجاول اپنے پیروں پر مضبوطی سے نہ جما کھڑا ہوتا تو یقیناً لڑکھڑا جاتا، اس نے پوری آنکھیں کھول کر رئیس سلطان کو بیقینی کے ساتھ دیکھا۔ادھر بلقیس کے بازوؤں میں دھیرے دھیرے سسکیاں بھرتی زیمل پر سناٹا جھا گیا تھا۔

سبھی اپنی جگہ ششدر تھے سوا سلطان کے۔

سجاول، حق، اور سچائی کا علم جس کسی کے بھی ہاتھ میں ہو میں اس ہاتھ کا ہمیشہ سے احترام کرتا رہا ہوں۔تم یہ مت سمجھو کہ اس تاریک سیاہ رات میں محض تمہارے زیان اور نقصان کی تلافی کی خاطر آیا ہوں، نہیں میں اتنا باظرف نہیں ہوں۔تمہارا جو نقصان سجل کی موت کی صورت میں ہوا ہے اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے اور ہمارا بھی جو نقصان ہو چکا ہے اس کی تلافی بھی نہیں ہو سکتی۔

سلطان شاہ نے گم سم کھڑے سجاول کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔اور ایک نظر زیمل پر

ڈالی جو ابھی تک ساکت تھی۔

جذبے اور امنگیں کھیل نہیں، ہاں سجول ان میں دل خرچ ہوتا ہے ان کے ٹوٹنے سے پورا انسان ٹوٹ پھوٹ کے عمل سے گزرتا ہے سجاول تم زیبے کی پہلی اور آخری خواہش ہو۔ اس نے زندگی میں کبھی کچھ نہیں مانگا اور پہلی بار مانگنے کی خواہش میں بہت کچھ کھو کر اتنی نادم ہے کہ ہر روایت کی بھینٹ چڑھنے کو تیار ہے۔ مگر ریت رسموں پر صرف کمزوروں کو قربان کرنے کا میں ہمیشہ مخالف رہا ہوں اور آج کھلی بغاوت کی ہے بولو میرا ساتھ دے رہے ہو یا پیچھے ہٹ رہے ہو۔

اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ان میں گہری سنجیدگی بدستور تھی۔

سجاول تو بس اپنے دل میں ہوتے شور کو سن رہا تھا۔ سلطان شاہ جب ہوا تو کمرے میں قبرستان جیسی خاموشی چھا گئی اس سکوت کو چند لمحوں بعد سلطان شاہ کی آواز اور زیبل کی سسکیوں نے توڑا۔

میرا خیال ہے کہ تم ایک مضبوط اعصاب کے مالک اور زبان پر جان دینے والے مرد ہو تم نے یقیناً زیبل سے وفاؤں کے وعدے بھی کیے ہوں پیچھے ہٹ جانے کا خوف لے کر تم آگے تو نہیں آ ہو گے بولو سجاول۔

سجاول کا سر اثبات میں ہل گیا۔ اس نے سر کو جنبش دے کر اقرار کیا مگر اس کی آنکھیں کسی بھی تاثر سے خالی تھیں۔

اس کے اندر ولولے جگانے والے جذبے مر چکے تھے یا اس نے ان پر مضبوط خول چڑھا لیا تھا۔ اپنے احساسات کی لو مدھم کر لی تھی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے سچل تھا، اس کے زخم خوردہ پیر تھے ہاسپٹل کے بیڈ پر اس کی دم توڑتی سانسیں تھیں اس کا اتنا نقصان ہو چکا تھا کہ وہ اب اپنی کسی بشری کمزوری کی گرفت میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی محبت اور دل کے تقاضوں کو ذرا بھی اہمیت دینے کو تیار نہیں تھا۔

اس کا سر ہلا تھا تو صرف اس لیے کہ سلطان شاہ اسے ایک کمزور مرد بیوفا اور بزدل تصور نہ کرے یا پھر پس پردہ سلطان کی بغاوت کا ساتھ دینا چاہتا تھا۔

سجاول کے اقرار کے ساتھ ہی سب کچھ بہت جلدی میں ہونے لگا۔ اور صرف دو گھنٹے کے بعد زیمل حق نواز تین بولوں کا اقرار کر کے سجاول علی شاہ کی بن گئی۔

اسے کچھ ہوش نہیں تھا وہ تو کسی روبوٹ کی طرح سب کے اشاروں پر چل رہی تھی۔

عابدہ خوف اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں تھیں۔ بار بار ان کی نظریں بھٹک کر سلطان پر جاتیں اور ایک فرحت انگیز طمانیت کے احساس کے ساتھ پلٹ آتیں سلطان شاہ ایک ٹھنڈے میٹھے چشمے اور بھرپور شجر کی مانند لگ رہا تھا۔

زیمل چادر میں منہ چھپا بیٹھی تھی جب تمام کاروائی کے بعد سلطان شاہ اس کے پاس آیا اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ تمام ضبط کھو بیٹھی اور مسہری سے اتر کر اس کے سینے سے لگ گئی۔

ادا میں نے۔۔۔ میں نے ایسا تو نہیں چاہا تھا۔ یوں اس طرح جیسے۔ ان کی آنکھوں میں سمندر ٹھہر گیا تھا۔ اس کا بدن لرز رہا تھا عابدہ۔۔۔ خوشی کے آنسوؤں کے ہمراہ اسے تھپک رہی تھیں۔

میں جانتا ہوں ادی تم نے خواہشوں کی تکمیل کا یوں نہیں سوچا ہوگا ایسے حالات میں خوشیاں بھی رنج کی طرح لگتی ہیں پر خوشیاں تو بہر حال خوشیاں ہوتی ہیں۔ اس کا احساس رنج چھٹنے کے بعد ہوگا خدا تجھے آباد رکھے خوش رکھے۔

پر ادا سائیں بابا سائیں تجھے مار ڈالیں گے ادا اور مجھے۔

اب مجھے مار کر کی کریں گے چری، ایک بیٹے کو تو کھو دیا انہوں نے۔ وہ اداسی سے مسکرایا پھر اس کا چہرہ اوپر کر کے اس کے آنسو اپنی پوروں پر چن لیے۔

تو فکر نہ کر، وقت آہستہ آہستہ خود ہی ساری الجھنیں سلجھا دے گا۔ بیشک ابھی حویلی کے دروازے تم پر بند ہیں مگر ایسا ہمیشہ نہیں ہوگا ادی، ہم اللہ سے اچھی امید تو رکھ سکتے

ہیں نا، کچھ پانے کے لیے تھوڑا کھونا بھی پڑتا ہے۔

سجاول۔اس نیپا سکھڑے سجاول کو دیکھا۔

تم ابھی گوٹھ نہ آنا۔ہمارے بھی ابھی زخم تازہ ہیں بابا کا بھی بہت ویاں ہو چکا ہے۔ کبھی کبھی شیر کی طرح گرجتا انسان بھی بہت کمزور ہو جاتا ہے اور کمزوروں پر حملہ کرنا کوئی بہادری تو نہ ہوگی۔

سجاول کی ستواں ناک کے کنارے سرخ ہو گئے۔

مجھے اتنا کم ظرف اور کمینہ مت سمجھو رئیس سلطان۔ہاں اپنے نقصان پر تمہیں معاف ضرور کرتا ہوں مگر اسے بھلانے کا وعدہ نہیں کرتا۔وہ یہ کہہ کر رکا نہیں اور دوسرے کمرے میں چلا گیا سلطان شاہ نے جیب سے سرخ نوٹوں کی گڈی نکال کر زیمل کے ہاتھ پر رکھ دی۔

یہ ایک بھائی کی طرف سے شادی کا تحفہ ہے، خدا تجھے سادسہاگن رکھے۔یقین کرو میں بہت مطمئن ہوں۔خود کو آج ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔ایسا لگ رہا ہے جیسے بوجھ سے جھکے شانے خالی ہو کر ہوا میں معلق ہوں۔

زیمل، سجاول پر مجھے فخر ہے اس نے مرد ہونے کا ثبوت دیا ہ زبان کا پاس رکھا ہے۔اپنے قول کا پکا ہے یہ لڑکا زیبے تو نے یہ منزل خود پسند کی ہے اب ہمت وحوصلے کی دیواروں کو کبھی گرنے نہ دینا۔ایسا نہ ہو کہ کبھی تجھے یا مجھے پچھتانا پڑے اس اقدام پر۔

سلطان اور عابدہ اسے تسلیاں دے کر رخصت ہو گئے۔بلقیس نے روتی زیمل کو خود سے لپٹا لیا۔

مجھے ایسا لگ رہا ہے بلقیس جیسے میرے ایک ہاتھ پر مہکتا گل رکھ دیا ہو اور دوسرے ہاتھ پر دہکتا ہوا انگارہ۔اس نے سسکاری لے کر بلقیس کو دیکھا۔

مجھے خبر ہوتی بلقیس کے محبت کے رستے اتنے پر پیچ اتنے کٹھن ہوں گے تو میں کبھی محبت نہ کرتی تکمیل کی خواہش میں اتنا کچھ برباد ہو جا گا، میں نہیں جانتی تھی بلقیس کہ مجھے

کانٹوں سے بھر راستوں پر سفر کر کے اپنے ہمراہ اور بہت سوں کو بھی زخمی کرنا ہوگا، اگر خبر ہوتی تو قسم سے اپنے اپ کو اندر ہی مار لیتی۔ ادی عابدہ کی طرح بیحس ہو جاتی۔ اپنے تمام جذبوں پر برف گرا لیتی ایک زندہ لاش ہو کر رہ جاتی۔

میں مجرم ہوں تم سب کی، مجھے معاف کر دیں۔ ماسی، میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ ماسی زرینہ کے قدموں میں گرنے لگی تو انہوں نے جلدی سے اسے کھڑا کر دیا۔

نہ نہ دھی رانی تو تو ہمارے گھر میں خوشی بن کر اتری ہے، میں تو رئیس سلطان کو دعائیں دیتی نہ تھکوں، اماں تو۔۔۔ تو میرے سجاول کا نصیب ہے۔ ہماری بجھی اندھیری زندگی میں چراغ بن کر آئی ہے۔

اسے کسی ایسے ہی غمگسار کی ضرورت تھی۔ ان ہی ہستیوں کی۔

بلقیس اسے اپنے ساتھ کمریمیں لے گئی اور بہت دیر تک اسے بہلاتی رہی پھر زبردستی منہ دھلوایا اور تیار ہونے کو کہا مگر اس نے کسی بھی قسم کے سنگھار سے انکار کر دیا۔

میں سجاول کی زندگی میں زبردستی مسلط کی گئی ہوں۔ بلقیس یہ سب کیسے کروں، اسے نے مجھے اماں دے دی ہے یہی بہت ہے۔ وہ آزردگی سے مسہری پر پاؤں لٹکا بیٹھی رہی اور سامنے دیوار کو خالی خالی نظروں سے گھورنے لگی۔

کیسی بات کر رہی ہے زیبے، تو تو ادا سجاول کی پہلی اور آخری خواہش ہے اس کی محبت ہے۔

خواہش تھی مگر اب تو۔ اس نے کرب سے لب دانتوں میں دبا لیے۔

سجاول کا سپاٹ بیتاثر جہرہ نظروں میں گھوم گیا اس کا نکاح کے فورا بعد اس کے پاس سے اٹھ کر چلے جانا۔ اسے ایک نظر اٹھا کر نہ دیکھا بہت کچھ اسے سمجھا گیا تھا۔

وہ اپنے اندر، اب کسی خوش فہمی کو کیسے پال سکتی تھی وقت اور حالات نے ان دونوں کو ایک کر بھی دیا تو یوں کہ جذبوں اور امنگوں کے چراغ بجھ چکے تھے۔

بلقیس اسے سجاول کے کمریمیں زبردستی چھوڑ گئی تھی وہ عجیب سے احساس جرم کے

ساتھ خاموشی سے ایک طرف کھڑی رہی۔

سجاول کمرے کی جھوٹی بالکونی میں کھڑا باہر کے اندھیرے میں جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ اسے اندر آتے اور پھر بلقیس کو باہر جا کر دروازہ بند کرتے دیکھ کر یونہی کھڑا رہا۔ اس کی انگلیوں میں سگریٹ دبا تھا جس کا شعلہ اندھیرے میں چمکتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

ایسی ہی چمک زیمل حق نواز کی آنکھوں میں سجاول کو پلٹتے دیکھ کر دکھائی دی مگر دوسرے پل معدوم بھی ہوگئی۔

اس کا چہرہ سرخ مگر سپاٹ تھا جیسے اس کے سامنے زیمل نہیں کوئی بے کار شے پڑی ہو، پتا نہیں اس نے واقعی دل ہی مار لیا تھا خوشی پیدا کرنے والے جذبے ولولے، مر چکے تھے یا اسے خود پر کنٹرول رکھنے کا ہنر آتا تھا یا وہ اس سخت خول میں سمٹا ہوا تھا۔ جسے توڑنے کا حوصلہ کم از کم کمزور سی زیمل میں نہ تھا۔

زیمل حق نواز مجھ سے کسی قسم کی توقعات نہ رکھنا ہو سکتا ہے تمہیں مایوسی ہو۔ اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی اور نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔

میرے اندر بہت آگ ہے۔ وہ سارے خواب ان میں جل چکے ہیں، میرے پاس تمہیں دینے کوئی ٹھنڈے جھونکے نہیں ہیں۔ اس کی آواز خشک تھی۔

یونہی ایک موہوم سی امید نے سر اٹھایا تھا سامنے قریب دیکھ کر خواہش کا جو شعلہ بھڑکایا گیا تھا اس کی سرد باتوں نے یکدم ہی بجھا ڈالا وہ ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

میں بھلا ٹھنڈے جھونکوں کی تمنا کر بھی کیسے سکتی ہوں۔ میں تو اس گھر کے ہر فرد کی مجرم ہوں۔ مجھے خون بہا میں آیا ہوا سمجھ لو سجاول۔ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی، بہت آنسو پینے کی کوشش میں چہرہ لال ہو رہا تھا۔

سجاول نے اس کی طرف دیکھا مگر جلدی سے نظروں کا رخ موڑ لیا۔

مجھے تو اداسچل نے اتنی مہلت بھی نہ دی کہ میں اس سے معافی مانگ لیتی، اس کے ایک ایک زخم کا حساب مجھ پر واجب الادا ہے۔ میں کیسے تم سے کوئی تمنا رکھ سکتی ہوں

یہی بہت ہے کہ تم نے مجھے میری ہی نظروں سے گرانے سے بچالیا، ادا سلطان کے سامنے، مجھے معتبر کردیا۔ اس کا لہجہ شکست خوردہ اور بکھرا ہوا تھا۔

میں ایسا کر کے شاید، پس پردہ سلطان کے حوصلے کو بلند کرنا چاہتا ہوں اور روڈیرہ حق نواز کو کمزور، وہ بیٹے کی اس بغاوت پر یقیناً ٹوٹ چکا ہوگا، بہت قرض نکلتے ہیں زیمل تمہارے اس ظالم، سفاک باپ پر، بہت قرض۔۔۔ اس نے غصے میں مٹھیاں بھینچ لیں پھر آگ کے دل سے شعلے اٹھتے محسوس ہو۔

تم ن میرے پیروں میں ایک زنجیر ڈالی دی ہے زیمل کہ میں۔ وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو کر اس کے مقابل چلی آئی۔

نہیں سجاول میں تمہیں نہیں روکوں گی تم بابا سائیں سے ہر انتقام لے سکتے ہو۔

سجاول نے جلتی نظروں سے اسے دیکھا پھر اس کے دونوں شانوں پر اپنی دونوں ہتھیلیاں جما دیں۔

کیا انتقام لوں، ایک انتقام تو قدرت سے مہرنا شاہ کی موت پر لے ہی لیا دوسرا سلطان شاہ کی بغاوت نے اسے کمزور کر دیا ہے۔ اور اب میں کمزور سے انتقام لے کر کیا کروں گا۔ اس کے پاس فخر کرنے کا اب رہا ہی کیا ہے۔ اور تم نے یہ بات کیوں کہی کہ خون بہا میں آئی ہو۔ اس نے سخت فہمائشی نظریں اس کے چہرے پر ڈالیں تو ساکیلبوں پر ایک مجروح مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس نے اپنی نم نم پلکیں اوپر اٹھائیں جس میں درد کی پرچھائیں لرز رہی تھیں کتنا قریب تھا وہ چہرہ جیسے پانے کی تمنا دل میں پھول کھلا دیا کرتی تھی کتنا پیاسا، مگر خود کو سیراب نہیں کر سکتا تھا۔

سامنے دریا رواں تھا مگر ہاتھ بڑھا کر ایک گھونٹ نہیں بھر سکتا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو کتنی دیر وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے مگر عالم مدہوشی کا یہ وقفہ بہت مختصر تھا سجاول نے اچانک اسے دور دھکیل دیا۔ اس کی دونوں ہتھیلیاں

یوں جلتی محسوس ہونے لگیں جیسے انگاروں نے چھو لیا ہو اس کے اندر آگ بھڑک اٹھی آنکھوں کے سامنے ہزاروں دکھتا زہ ہو گئے رگوں میں بھی دکھ گردش کرنے لگا۔

اس نے بہت جلد اپنی بشری کمزوری پر قابو پالیا۔ پھر رکا نہیں اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ زیمل حق نواز نے اپنے دل سے اٹھنے والی درد کی لہروں کو برداشت کرتے ہوا دھ کھلے دروازے کو دیکھک۔

کیسے نہ سمجھوں کہ خون بہا میں آئی ہوں ان ہی کے ساتھ تو ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔

وہ وہیں کرسی پر ڈھے سی گئی۔

بے دم ہو بیمار دوا کیوں نہیں دیتے
تم اچھے مسیحا ہو شفا کیوں نہیں دیتے
درد شب ہجراں کی جزا کیوں نہیں دیتے
خون دل وحشی کا صلہ کیوں نہیں دیتے
بربادی دل جبر نہیں فیض نہیں کسی کا
وہ دشمن جاں ہے تو بھلا کیوں نہیں دیتے

دن بڑا بوجھل تھا۔ سجاول ناشتا کر کے بہت سویرے نکل گیا تھا، وہ ایک طرف بیٹھی منتظر ہی رہی کہ وہ اسے مخاطب کرے اس کی طرف دیکھے مگر وہ تو ایسا پتھر ہو چکا تھا۔ کہ

کاموں میں ہاتھ بٹاتی رہی بار بار ماسی اسے ٹوکتیں۔ بلقیس اس کے ہاتھ سے کبھی برتن لیتی کبھی کپڑا چھین لیتی۔

پہلے دن کی دلہن بھلا کسی کام کو ہاتھ لگاتی ہے۔ ماسی زرینہ اسے پیار سے سرزنش کرنے لگتیں۔ اس کے لبوں کی تراش میں مضمحل سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

دلہن تو بڑے ارمانوں سے لائی جاتی ہے۔ ڈھون پٹاخوں، باراتیوں کیساتھ میں ایسی قسمت والی دلہن کب تھی۔ جو یہ تکلیفات کروں۔ اس نے اپنی ہتھیلیوں کو دیکھا جہاں سجاول کے نام کا ایک پھول نہ تھا۔

حالات نے اس کی خواہش اور تمنا پوری کی بھی تو یوں کہ وہ تمناؤں کے پا لینے کی خوشی بھی نہیں منا سکتی تھی کھل کر ہنسنا چاہتی تو آنسو نکلتے تھے۔

ادا سجاول کچھ اچھا نہیں کر رہا تیرے ساتھ۔ بلقیس اس کے نزدیک موڑھے کے پاس بیٹھ کر بہت پر ملال لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

میں اسے کہوں گی بھلا تمہارا کیا قصور ہے۔

قصور میرا نہیں تو اس کا بھی کت ہے، محبتیں چھین کر یا زبردستی حاصل نہیں کی جاسکتیں۔ اس سے زیادہ برا کیا ہوسکتا ہے کہ احساس دلا کر خفگی دکھا کر دو محبت بھرے بول حاصل کیے جائیں۔ چڑی فخر تو جھولی پھیلا بغیر مل جانے میں ہوتا ہے۔ پھیلائی ہوئی جھولی بھر بھی جا تو روح کو وہ شانتی نہیں ملتی۔ وہ فخر اور خوشی نہیں ملتی۔

اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بلقیس کو دیکھا۔ بلقیس کا دل دکھ کی گہرائیوں میں ڈوب گیا،

مگر یہ تو ظلم ہوا نا تمہارے ساتھ۔

نہیں میں تو ایسا نہیں سمجھتی، میں بہت خوش ہوں بلقیس۔

سچ ادی میں بہت خوش ہوں۔ اس نے بلقیس کی گود میں رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ٹھنڈا ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا۔

بلقیس اس کی نم نم پلکوں اور پھیکی مسکراہٹ کو دیکھتی رہ گئی۔

اس روز سجاول آیا اور جیب سے ایک تہہ شدہ پرچا نکالا۔

فقیر محمد کا پٹ رئیس آیا تھا وہ یہ خط دے گیا ہے حویلی سے آیا ہے تمہارے لیے۔

اس نے وہ خط اس کی گود میں ڈال دیا اور خود باتھ روم میں چلا گیا۔ حویلی کے نام سے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا اور اس نے جلدی سے تہہ کیا ہوا پرچہ کھولا ادی عابدہ نے بہت پیار لکھا تھا اسے۔

سٹھی زیمل۔

امید ہے تو خوش ہوگی حویلی میں بہت خیر ہے۔تم فکر ہرگز نہ کرنا بابا سائیں بالکل چپ چاپ ہین، ادا سلطان سے بھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا ہاں البتہ چاچا ولایت نے بہت طوفان کھڑا کیا۔ آخر اتنی جائداد ہاتھ سے نکل جانے پر دکھ تو ہوگا۔ پر بابا سائیں نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا ہے۔ یہ بتا سجاول کیسا ہے اس کی محبت کے پھولوں سے دامن بھر کر تو ،تو بہت نکھر گئی ہوگی۔ خدا تمہارے دامن کو ہمیشہ مسرتوں سے بھرا رکھے، میں یہ خط جلدی میں لکھ رہی ہوں۔

بڑی مشکل سے بھاگل کو رئیس کے ہاتھوں بھجوا رہی ہوں۔

باقی یہاں سب خیر ہے۔ اماں دعا دے رہی ہیں، زیمل ۔ کچھ کھو کر کچھ پایا جاتا ہے۔ پر میں کہتی ہوں تو نے جو کھویا ہے اس سے زیادہ پالیا ہے۔ اچھا میری طرف سے بلقیس اور ماسی زرینہ کو سلام

شال سدا ئیں خوش رہیں

فقط دعا گو

ادی عابدہ حق نواز۔

وہ خط ہاتھوں میں لیے گم سم بیٹھی رہی۔ پھر خط لبوں سے لگایا۔

خبر نہیں ادی جو کھو یا وہ اچھا ہے یا جو پایا ہے وہ۔۔۔ میرے ہاتھ اور، میرا دامن تو خالی کا خالی ہے۔

کس کا خط ہے۔ وہ تولیے سے منہ پونچھتا باہر آیا۔ اس نے خط لبوں سے ہٹالیا اور تہہ کرنے لگی۔

ادی عابدہ کا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور خط ٹیبل کی دراز میں ڈال دیا۔

کیا لکھا ہے۔ اس نے تولیہ بیڈ پو پھینکا اور عدم دلچسپی سے پوچھا۔

کیا لکھنا ہے، دعا دے رہی تھیں سدا خوش رہنے کی۔ اس نے یہ کہتے ہو سجاول کی طرف دیکھا جو اپنے کرتے کی آستینیں موڑتا ہوا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملنے

پر رخ موڑ لیا۔

خوشیاں بہت مہنگی ہو گئی ہیں زیمل حق نواز یہ خوشیاں بھی تتلیاں ہیں ان کے پیچھے جتنا بھاگو یہ اتنی دور بھاگتی ہیں۔ جھپٹ لو تو ٹوٹ کر بکھر جاتی ہیں۔ اس کی آنکھوں میں موجود سنجیدگی میں اداسی کا دھواں بھی پھیل گیا۔

چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو تو سمیٹ کر دامن بھرا جا سکتا ہے نا۔ وہ آہستگی سے بولی۔

اگر ہوں تو نا۔ وہ ہنس پڑا، بڑی اداس اور ٹوٹے ہوئے شخص کی سی ہنسی تھی۔

انہیں ڈھونڈا جاتا ہے سجاول علی شاہ۔

سجاول جھٹکے سے اس کی طرف ذرا گھوما اس کی نظریں نیچی تھیں وہ اپنے لب دانتوں میں دبا آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے مقابل آیا۔

مانوس اور دل کے بے کل کر دینے والی خوشبو زیمل حق نواز کے آس پاس پھیل گئی۔

ڈھونڈا انہیں جاتا ہے جو گم ہو گئی ہوں، جو ختم ہو گئی ہوں جو بجھ چکی ہوں انہیں ڈھونڈا نہیں جا سکتا۔ اس نے زیمل کی لرزتی پلکوں پر نظریں جما دیں۔ اسی پل زیمل نے خمدار پلکوں کی باڑھ اوپر اٹھائی اور سجاول کو اپنا دل سینے کے مضبوط حصار سے نکلتا ہوا محسوس ہوا۔ سکی خوابیدہ آنکھوں میں کیا کچھ نہ تھا۔ پلکوں کی نوک پر جھلملاتے قطرے بڑی بوجھل اور پگھلا دینے والی داستان سنا رہے تھے۔ یہ آنکھیں، خمدار پلکیں اس سے ذرا سے فاصلے پر ہی تو تھیں یہ قطرے جنہیں وہ ہاتھ بڑھا کر اپنی پوروں میں چن سکتا تھا۔

مگر چن کیوں نہیں رہا تھا اس کی انا نے قدم روک رکھے تھے یا خود کو سیراب کرنے کی خواہش ہی مر چکی تھی، یا اتنے دکھوں نے اس کے اندر کے موسموں کو سلا دیا تھا۔

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا وہ اپنے ہی شوریدہ سر جذبوں کی تندہی سے خوفزدہ ہو گیا جو ساحل دل پر سر پٹخنے لگے تھے۔

میں نے کہا نا مت توقعات باندھو مت خوشیوں کی منتظر رہو سب کچھ جل چکا ہے اس

آگ میں جو تمہارے باپ اور بھائی نے لگائی تھی۔ اب صرف راکھ کا ڈھیر ہے اور اس راکھ کے اندر چنگاریاں ہیں جل جاؤ گی اگر کریدنے کی کوشش کرو گی تو۔ اس نے بڑی بیرحمی سے اسے ایک طرف دھکیل دیا۔ اور آگے بڑھ کر پتائی پر زور سے لات ماری۔

اس کا دل چاہ رہا تھا ہر چیز تہس نہس کر دے۔ زمیل حق نواز تپے ہوئے چہرے کے ہمراہ اس کے سامنے آ گئی۔

میں کریدوں گی اس راکھ کو، کون ہوتے ہو تم مجھے روکنے والے میں اس راکھ میں اس شعلے کو بلند کرنا چاہتی ہوں جو جلاتا نہیں ہے بلکہ روشنی بکھیرتا ہے۔

زیمل۔ اس کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا مگر پھر دوبارہ پہلو میں گر گیا۔

ناؤ گیٹ آؤٹ مت آش میرے سامنے ورنہ۔ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔ تمہیں دیکھتا ہوں تو۔۔۔ تو قتل کر دینے کو جی چاہتا ہے۔ میری باپ تمہاری نظروں میں آ جاتا ہے۔ تو ارن ڈالو سجاول علی شاہ۔ ایک بار ہی مار ڈالو یہ بار بار کی شکستگی کی مت سے ایک بار مر جانا ہی اچھا ہے۔

بکواس مت کرو۔ وہ دھاڑا۔

مجھے کسی سے کوئی انتقام نہیں لینا فار گاڈ سیک، میری زندگی میں اتنی الجھنیں مت پیدا کرو۔ میرا سکون پہلے ہی غارت ہو چکا ہے اس میں مزید پتھر مت پھینکو۔

اور میرا سکون۔ اس نے گھائل نظریں اس پر ڈالیں تو وہ شدت ضبط سے رخ موڑ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

میں تم سے کوئی نظر کرم کی بھیک نہیں مانگتی، میں تو وہ بھی نہیں مانگتی جو میرا جائز حق ہے۔

اس کے اٹھتے قدم رک گئے وہ ایڑیوں کے بل پلٹا۔

ہاں، میرا جائز حق سجاول شاہ تم نے مجھ سے نکاح کیا ہے مجھے باہوش و حواس قبول کیا ہے، اتنے لوگوں اور گواہوں میں مجھے اپنایا ہے میں بھاگ کر نہیں آئی تمہارے ساتھ

کوئی دھوکا نہیں دیا نہ پستول کی نال پر نکاح ہوا ہے ہمارا، پھر یہ انتقام تم کس سے اور کیوں لے رہے ہو۔

ہاں ہاں میں نے نکاح کیا ہے تم سے، مگر صرف اس لیے کہ مجھے اپنا قول نبھانا تھا، تم سے کیے گئے وعدوں میں ایک یہ بھی وعدہ تھا کسی بھی ناموافق حالات میں پیچھے نہ ہٹنے کا۔

جھوٹ بول رہے ہو تم۔ وہ اچانک ہسٹریائی انداز میں آگ بڑھی اور اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑنے لگی۔

جھوٹ ہے یہ سب۔ اس پر اچانک دیوانگی طاری ہوگئی تھی اس کی انگلیوں میں سجاول کا دبا گریبان چرکے کے ساتھ پھٹ گیا۔

تم نے کوئی وعدہ نہیں نبھایا تم صرف ادا سائیں کو بابا سائیں کے سامنے سرخرو ثابت کرنا چاہتے تھے اور انہیں بیٹے کی بغاوت کے ہاتھوں شکست دینا چاہتے تھے تم مجھے ادا سائیں کے ساتھ واپس بھیج دیتے تو یقیناً وہ بابا سائیں کی متح ہوتی۔ مگر نہیں تم نے بہت دور کا سوچا سجاول، اپنا فائدہ اپنی تسکین اپنی متح کا سوچا صرف اور صرف بابا سائیں کی شکست اور اپنی فتح کا۔

میری حیثیت تمہاری نظر میں دو کوڑی کی نہیں تھی۔ میں نے تمہیں جو سمجھا، تم وہ تو نہیں نکلے، تم تو بہت عام سے انا پرست، موقع پرست مرد نکلے۔ اپنے مفاد کا سوچنے والے،

اپنے نفع و نقصان کا حساب لگانے والے، تم نے میرے کسی خواب کی تعبیر نہیں دی میری آرزو کی تکمیل نہیں کی بلکہ اپنا حساب بیباق کیا ہے۔

بولو جواب دو میں جھوٹ بول رہی ہوں یا سچ۔

وہ عالم دیوانگی میں بھی، ساتھ ساتھ رو بھی رہی تھی اسے جھنجھوڑ رہی تھی مگر اونچے قد کاٹھ کا سجاول بالکل بھی لڑکھڑایا نہیں تھا۔ وہ تو کسی چٹان کی طرح ایستادہ تھا۔ تاہم اس

کے اعصاب پر اس کے یہ حملے کوڑے کی طرح لگ رہے تھے۔

آہستہ آہستہ اس کے چہرے کے حساس حصوں پر سرخی پھیلنے لگی، سانے اس کے دونوں ہاتھ ایک جھٹکے سے اپنے گریبان سے جھٹک دیے اور پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔وہ وہیں فرش پر نڈھال ہو کر بیٹھ گئی۔

ادا خیر تو ہے۔اسے بیرونی دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر بلقیس بھاگ کر اس کے پیچھے آئی تھی زیمل کی سسکیاں وہ سن کر پریشان ہوگئی۔اس نے دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے ذرا گھوم کر بلقیس کو دیکھا۔

اندورنی خلفشار اس کے چہرے پر سرخی کی صورت رقم تھا۔

جاؤ اندر زیمل کے پاس جاؤ،اس وقت اسے تمہاری تسلیوں کی ضرورت ہے۔

معاف کرنا ادا، اسے میری نہیں تمہاری ضرورت ہ۔جانے کیسے بلقیس نے جی کڑا کر کے کہہ دیا۔

ایک دو پل وہ اس کی طرف دیکھتا رہا پھر زور سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

اتنے ظالم تو تم کبھی نہیں تھے ادا سائیں پھر یہ خول کیوں چڑھا رکھا ہے، میں جانتی ہوں اس خول کے اندر تو ویسا ہی سٹھا دھیما پیرا سجاول ہے۔جس کا دل زیمل کی محبت سے لبالب بھرا ہے بھلا ادا سچل کا بدلہ اس بیچاری سے کیا لینا ادا۔

بلقیس دروازہ بند کر کے دل پر رنج لیے اس کے کمرے کی طرف چل دی سجاول نہ سہی وہ تو اس کے سلگتے تپتے آنسو پونچھ سکتی تھی۔

کمرے کے گھور اندھیرے میں یکلخت روشنی ہوگئی اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا تو ماسی زرینہ اس کے بیڈ کے سرہانے کھڑی تھیں۔

اماں آپ۔وہ اٹھ بیٹھی،تب دروازہ کھول کر سجاول بھی اندر داخل ہوا۔

خیر تو ہے اماں۔اس نے سب کے چہروں پر غیر معمولی پن محسوس کر کے دھڑکتے دل

کے ساتھ پوچھا۔

تمہارے لیے خیر کی خبر نہیں ہے، البتہ ہمارے لیے خیر ہی خیر ہے۔

سجاول۔ ماسی زرینہ نے پلٹ کر سجاول کو غصے اور ناراضگی سے دیکھا۔

شرم آنی چاہیے تجھے، کیوں اس غریب کے پیچھے پڑ گیا ہے جب یہی کچھ کرنا تھا تو کیوں ہامی بھری تھی نکل جا کمرے سے۔

نہیں اماں، اسے کہنے دو اچھا ہے جو زہر ہے وہ نکل جا۔ اس نے بڑی گھائل سی نظریں سجاول پر ڈالیں پھر جھکا دیں۔ ماسی زرینہ اس کے نزدیک بیٹھ کر اسے پیار سے سہلانے لگیں۔

میرے اندر کوئی زہر نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ خبر سنانیآیا ہوں کہ وڈیرہ حق نواز پولیس کی حراست میں ہے۔ وہ دو قدم آگے آیا اور گویا اس کے سر پر بم ہی دے مارا۔

کمر یمین یکلخت سناٹا پھیل گیا، ماسی زرینہ کی پلکیں رنج سے جھک گئی دوازے کا پردہ تھامے کھڑی بلقیس نے بہت دکھ کے ساتھ زیمل کو دیکھا۔ جو اس خبر پر بیجان سی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

میں آج گوٹھ گیا تو خبر ہوئی کہ عزت دار وڈیرہ حق نواز سلاخوں کے پیچھے بڑی بیبسی کی تصویر نظر آ رہا ہے۔ بہت مقدمے ہیں اس پر۔

بس کرو، پلیز بس کرو۔ وہ کرب سے چلائی۔

اس کے اعصاب بری طرح متاثر ہوتے۔ اس نے تھرتھراتے ہونٹوں پر انگلیاں رکھ کر اپنی سسکیاں دبانا چاہیں مگر دوسرے پل ماسی زرینہ کے مہربان بازو اسے اپنی پناہوں میں لینے کو آگے بڑھے تو وہ ان کے سینے میں سما کر سسکنے لگی۔

جا سجاول، اللہ کے واسطے کمرے سے نکل جا، تو اتنا ظالم ہو گا میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ وہ بیٹے کو غصے اور دکھ سے دیکھنے لگیں۔

اماں، اس میں میرا کیا قصور ہے میں نے تو انہیں جیل نہیں بھجوایا۔ اس نے کندھے

اچکا کراماں کی طرف دیکھا جنہوں نے غصے سے رخ پھیر لیا۔

آئی ایم سوری زیمل حق نواز، مگر یہ حقیقت ہے اور میں یہ سفاک حقیقت تم سے چھپا کر تمہارے ساتھ زیادتی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک نظر روتی ہوئی زیمل پر ڈالی اور پھر کمرے سے نکل گیا۔

زیمل کو لگ رہا تھا اس کا کلیجہ پھٹ جا گا۔ بابا سائیں کو سزا ملے۔ ایسا تو اس نے کبھی تصور میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ اس کا باپ تھا۔ اس کی ماں کا سہاگ حویلی کا سائبان۔

دوسری صبح وہ سب گوٹھ جا رہے تھے وہ رات بھر کی روئی اتنی نڈھال تھی کہ اس سے اب ایک قدم چلنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ سجاول کمرے سے نکلا تو ٹھٹھک گیا وہ اپنی سیاہ چادر سے آنکھیں رگڑ رہی تھی سرخ سرخ ستا ہوا چہرہ رات بھر کی جاگی متورم آنکھیں اور اس پر خستہ گامی۔ اس کی شکست جاں نے اس کا دل ہلا کر رکھ دیا۔

وہ اس کی طرف آیا اور نرمی سے اس کے شانے پر اپنا بازو پھیلایا۔

تم چاہو تو ان سے جا کر مل بھی سکتی ہو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ اور حویلی میں چند دن رہنا چاہو تو رہ لینا۔

اس نے متورم آنکھیں اوپر اٹھائیں، پھر جھکا دیں اور اس کا ہاتھ جھٹک دیا اس کی پگھلا دینے والی قربت سے دور ہٹ گئی۔ جس کی آنچ اس کی رگ رگ کو جلانے لگی تھی۔

تم بھول رہے ہو سجاول علی شاہ، میں اتنی مہربانیوں کے قابل نہیں ہوں۔

زیمل۔ اس نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر وہ آگ بڑھ گئی۔

میں جانتی ہوں تم بہت خوش ہو، مگر میں تمہاری اس خوشی میں شامل نہیں ہو سکتی، سوری سجاول، اتنا حوصلہ نہیں ہے میرے پاس، وہ میرا باپ ہے جیسا بھی ہے، مگر میری رگوں میں ان ہی کا خون ہے، مجھے آج بھی ان سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ وہ بغیر پلٹے بولی، پھر بلقیس کی طرف بڑھ گئی جو کمرے کے دروازے کو تالا لگا کر نکلی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی باہر گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔

سجاول خود بھی چپ چاپ آ کر بیٹھ گیا۔

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر
انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جا گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخرح منزل
کہیں تو ہو گا شب سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینۂ غم دل

اتنے دنوں اس نے حویلی میں قدم رکھا تو آنکھیں یوں جل تھل ہو گئیں جیسے سیلاب کی زد میں آیا ہوا گاؤں۔ عابدہ بھاگ کر آئی تھیں اس کی آمد کی چبر سن کر، گھر کی ساری عورتیں اس سے مل رہی تھیں۔

اماں تو جیسے برسوں کی ترسی ہوئی اس کو چوم رہی تھیں۔ اور وہ اپنے آنسوؤں سے نڈھال بابا سائیں کا پوچھے جا رہی تھیں۔

سب ٹھیک ہو جا گا۔ تو کیوں فکر کرتی ہے۔ سلطان شاہ نے اسے ڈھارس دی۔

سچ کہہ رہے ہو ادا، بابا سائیں کو سزا تو نہ ہو گی نا۔

مگر ان پر اتنے مقدمے۔

میں نے کہا نا، سب ٹھیک ہو جا گا یہ بتا سجاول خود کہاں ہے، اور یہ تو نے رو رو کر اپنی کیا حالت بنالی ہے بابا پہلی بار حویلی آئی ہے ذرا سج دھج کر آتی، اماں عابدہ بھئی اس کی خاطر مدارت تو کر وپ لوگ بھی بس رونے بیٹھ جاتی ہو۔ اس نے کہا تو سبھی کو ہوش آ گیا۔ اماں اسے اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے گئیں۔

اس نے بابا سائیں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو سلطان شاہ نے منع کر دیا۔

ادی، سلطان جھوٹ بول رہا ہے ناں، بابا سائیں پر بہت مقدمے ہیں نا۔ رات کے

کھانے کے بعد وہ عابدہ کے ساتھ اپنے اسی پرانے کمرے میں آ گئی تھی۔

ہاں، وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ عابدہ صاف گوئی سے بولیں پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پھنکنے لگیں۔

یہ تو اور میں بلکہ سب جانتے ہیں کہ ان پر ڈھیروں مقدمے بن سکتے ہیں، پر ادا اس لیے تجھ سے کہتا ہے، فکر نہ کر کہ بابا سائیں ایک بڑے زمیندار جاگیردار ہیں ان پر جتنے بھی مقدمے ہوں۔ وہ روپوں کے زور سے ختم بھی ہو سکتے ہیں۔

یہ پیسہ یہ اقتدار بہت طاقتور چیز ہے۔ انہوں نے چاکلگ اس کی طرف بڑھایا۔ پھر خود لے کر اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔

ہاں ادی پر رشتوں کی محبت بہت سی حقیقتوں سے نظریں چرانے پر مجبور کر دیتی ہے، میں تو بس بابا سائیں کی رہائی کے لیے دعا گو ہوں ان سے ایک بار ملنا چاہتی ہوں اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگنا چاہتی ہوادی۔

میں نے اپنی خواہشوں کے ہاتھوں ان کی نافرمانی کی ہے وار شاید یہ اس کا نتیجہ ہے کہ میں خوشیوں کو اب تک ترس رہی ہوں، خالی دامن ہوں ادی، میر یہ ہاتھوں میں جو ب مہکتے پھول دکھائی دے رہے ہیں نا یہ پھول نہیں انگارے ہیں جنہیں میں نے بھی پھول کے دھوکے میں تھا ماتھا اور۔

اس نیچا کلگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ عابدہ متحیر رہ گئی اور بیقینی سے زیمل کو دیکھنے لگیں۔

زیمے تو۔ اسکے ہونٹ کھلے مگر کپکپا گئے۔

ہاں ادی۔ میں خوش نہیں ہوں خوشی کیا ہوتی ہے میں تو اب تک اس کے معنی ہی نہیں جان پائی کسے کہتے ہیں یہ ہوتی کیا ہے کیسے دل کی روح کو شانت کرتی ہے۔ میرے من میں تو مسلسل آگ جل رہی ہے بس۔

کیا کہہ رہی ہے زیمل۔ کیوں، تو بھلا خوش کیوں نہیں ہے، کہاں ہے سجاول، اس

نے تو تجھ سے اپنی رضا سے شادی کی ہے پھر پھر یہ۔ عابدہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور اسے جھنجھوڑنے لگیں۔غم اور حیرت سے ان کے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ایک بوجھ آن گرا تھا۔

اس نے سلگتی آنکھیں اٹھا کر عابدہ کو دیکھا۔

شادی کوئی خوشی کا نام نہیں ہے، کسی کو پانے کا یا اپنی فتح کا نام نہیں ہے، اس نے شادی تو کی ہے پر۔۔۔جھوڑ چھوڑا دی تو نہیں سمجھے گی۔وہ دلگرفتگی سے اس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔اور اضطاربی انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

مجھے بتا زیمل، کیا ہو رہا ہے، تیرے ساتھ، کس بات کی سزا مل رہی ہے تجھے۔عابدہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھیں اور اس کی کلائی پکڑ کر کھینچی مگر وہ چپ رہی لیکن اس کا چہرہ اس کی آنکھیں اپنی داستان سنا رہی تھے۔اس کا ملول چہرہ عابدہ کے دل کو مسل رہا تھا انہوں نے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔

میں تو سمجھ رہی تھی کہ بابا سائیں کا سن کر تیرا یہ حال ہوا ہے، مجھے کیا خبر کہ تو۔۔۔زیمل، میری دھی تو تو اجڑی ہوئی لگ رہی ہے ہم تو تجھے اپنے گھر آباد سمجھ کر مطمئن تھے مجھے بتا چری کیا دکھ ہے تجھے۔انہوں نے اسے خود سے لپٹا لیا تو اس نے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے انہیں سب کچھ بتا دیا۔

اس لمحے اسے کسی غمگسار کی طلب ہو رہی تھی جو اس کے تپتے صحرا جیسے دل پر ٹھنڈی پھوار جیسی تسلی رکھے۔

میں اب اس حویلی سے کہیں نہیں جاؤں گی ادی، میرے مقدر میں یہی حویلی ہے۔سجاول آتو اسے منع کر دینا۔جب یوں بھی تنہا رہنا ہے تو یہاں پڑے رہنے میں کیا برائی ہے۔اس کی بیرخی بیگانگی اور نشتر بھر جملوں کے زخم کھانے سے تو یہاں اکیلے رہنا بہتر ہے۔اس نے عابدہ کی گود میں سر رکھ دیا تو عابدہ نے چونک کر اس کی شکل دیکھی مگر وہ آنکھیں موندے پڑی رہی۔

اداسائیں بھی پوچھے تو کہہ دینا کہ یہ ٹھہرنے آئی ہے کچھ ہفتے، اماں اور سب کو یہی بتانا ہے۔

مگر زیمل، یہ کوئی حل تو نہیں، مجھے ایک بار سجاول سے بات کرنے دے۔ میں اسے۔

نہیں ادی۔ وہ جھٹک سے اٹھ بیٹھی۔ اس کے چہرے پر تناؤ تھا۔

مجھے ابا مانگے کی محبت، بھیک میں ملی ہوئی عزت نہیں چاہیے۔ بہت جھک گئی میں، اب میری انا گوارا نہیں کرتی۔ وہ شخص اپنے زخموں کو کھرچ کھرچ کر خود کو ہی نہیں مجھے بھی اذیت دیتا رہتا ہے۔

دکھ کی گرفت میں صرف وہ ہی تو نہیں آیا، اماں بابا امداد علی، بلقیس، سب کا ہی مشترکہ غم ہے، اسے شاید اب یاد آ رہا ہوگا ادی کہ میں وڈیرہ حق نواز کی بیٹی ہوں مجھ سے اس نے وڈیرے کی بیٹی سمجھ کر ہی شادی کی ہے اور اب اپنے دکھوں اپنے نقصانوں کا حساب بھی یہی سوچ کر لے رہا ہے وہ ایک ظالم، سفاک انسان ہے۔ ادی، اسے گوٹھ والوں کی مظلومیت رلاتی ہے مگر میرے آنسو اسے ذرا نرم نہیں کرتے میرے لیے ایسی چٹان بن گیا ہے جس سے ٹکرا کر میرا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہو جاگا ادی۔

عابدہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئیں۔ انہیں کچھ بھی سجھائی نہ دے رہا تھا۔ ذہن بالکل مفلوج اور ماؤف محسوس ہو رہا تھا۔ بس دل تھا کہ زیمل کے سلگتے آنسوؤں سے بھرا جا رہا تھا۔ انہیں اپنی رگوں میں لہو کی بجائے انگارے دوڑتے محسوس ہو رہے تھے۔

انا ہے تم میں بھی تھوڑی بہت بتانا اسے
وہ اب ملے بھی تو مت حال دل سنانا اسے
اکیلے کس سے اٹھا ہے تعلقات کا بوجھ
وہ تم کو یاد نہ رکھے تو بھول جانا اسے

وہ جس آگ میں جل رہی تھی اس کی کھولن شادیاس کا اپنا دل ہی جانتا تھا ادی

عابدہ نے چارہ گر کی طرح اس کے تپتے دل پر مہربان ہاتھ رکھا تھا مگر وہ اس کے زخموں کی گہراء میں کہاں اتر سکتی تھیں۔

اس نے دریچے کا پٹ بند کر کے اسی سے ٹیک لگا کر جلتی آنکھیں موند لیں۔

ابھی کچھ دیر پہلے اس نے ملازمہ لڑکی کے ہاتھوں۔اسے لینے آنے والے سجاول کو انکار کہلوا بھیجا تھا اور ملنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

مگر کیا سجاول، اتنا نادان تھا کہ وہ اس کے اس پیغام میں چھپے گریز کو نہ سمجھتا۔

اس نے اپنی کھڑکی سے دیکھا تھا وہ پورچ سے نکل رہا تھا اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ اس کا یہ پیغام اس کے لیے غیر متوقع تھا۔

زیمل۔عابدہ دروازہ کھول کر اندر آئیں ان کے چہرے پر تشویش جھلک رہی تھی۔

یہ کیا پاگل پن ہے کیا چاہتی ہے تو کہ یہ بات پورے گوٹھ میں پھیل جا۔

میں اس الاؤ میں واپس نہیں جاؤں گی اوی جہاں میرے سارے سپنے ساری خوش فہمیاں سارے حواب راکھ ہو گئے۔وہ قطعیت سے کہہ کر مزید سوال جواب سے بچنے کے لیے باتھ روم میں جا کر بند ہو گئی۔

دوسرے دن سلطان اس کے کمرے میں آیا وہ بیدلی سے بیڈ کی پائنتی سے ٹیک لگا قالین پر بیٹھی تھی اس کی اجاڑ زندگی کا عکس اس کے چہرے پر پھیلا تھا۔سلطان شاہ کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی دوپٹہ کھینچ کر سر پر ڈالا۔

بابا سائیں سے ملنا چاہتی ہو۔اس نے کہا تو اس کے ویران چہرے پر گویا بہار کا رنگ اتر آیا۔

ہاں ادا کیا وہ رہا ہو کر حویلی آ گئے۔یہ کہہ کر ایک پل اس کا دل خوف کی دلدلی زمین میں دھنسا تھا۔اسکے چہرے پر خوشی کی بجا خوف سمٹ آیا۔

نہیں، ابھی رہائی نہیں ہوئی۔تو فکر نہ کر ہو جا گی یہ معاملہ چند ہفتوں میں تو نہیں نبٹے گا نا۔آؤ میرے ساتھ مگر ہاں ذرا اپنا حلیہ درست کر لو۔بابا سائیں تمہیں خوش باش

دیکھنے کے متمنی ہوں گے۔

یہ کہتے ہوا س نے بغور اس کی طرف دیکھا اس کی نظریں اس کے چہرے پر یوں مرکوز تھیں جسے وہ اس کے دل کے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

زیمل کی لمبی دراز پلکیں جھک گئیں۔ وہ اضطرابی انداز میں لب کاٹنے لگی۔

سلطان شاہ کے چہرے پر چھائی سنجیدگی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

میں تمہیں اتنا پاگل نہیں سمجھتا تھا، خواب ہم بھی دیکھتے ہیں، زیمے، سپنے ہماری آنکھوں کے پار بھی لہراتے ہیں پر چڑی، یہ پھول نہیں ہوتے کہ باغ میں پہنچتے ہیں ہاتھ بڑھا کر اپنی پسند کے توڑ لیں گے۔

یہ دنیا یہاں قدم قدم پر حقیقتوں کی تلخیوں سے خوشیاں بھی کشید کرنا پڑتی ہیں۔ یہاں کی خوشیاں مسرتیں طشتری میں سجا کر تمہیں نہیں ملیں گی۔ جنت نہیں ہے یہ دنیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

چل جلدی تیار ہو کر نیچے آ جا۔ وہ پلٹ کر کمرے سے چلا گیا۔ وہ کتنی دیر دروازے کے کھلے پٹ کو ششدر کھڑی دیکھتی رہی۔

تو کیا ادا سائیں کو خبر ہو گئی کہ وہ کس عذاب سے گزر رہی ہے۔

اس نے بہت تھکے انداز میں سوچا پھر سر جھٹک دیا۔

بابا سائیں سے ملنے کی خوشی میں وہ سارے سوچوں کو جھٹک کر ان سے ملنے کو پھر سے بیتاب دکھائی دینے لگی۔

وہ جب سلطان کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو اس کا دل خوف سے دھڑکنے لگا۔

ادا، بابا سائیں تو مجھ سے بہت ناراض ہیں وہ میری صورت دیکھنا گوارا نہیں کریں گے وہ مجھ سے نہیں ملے تو ارے نہیں، انہوں نے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ پاگل وہ باپ ہیں تیرے چاہے کتنے ہی پتھر ہوں، لیکن اولاد کیلیے ریشم ہوتے ہیں۔

سلطان شاہ کی باتوں نے اس کے ڈوبتے دل کو سہارا دیا۔

اور واقعی بابا سائیں اسے دیکھ کر بہت خوش دکھائی دینے لگے۔ وہ تو انہیں دیکھ کر ضبط کھو بیٹھی۔ اپنے سارے ہی آنسو بہا دینے کو تیار تھی جو سجاول کی طرف سے بھی ملے تھے۔

ٹھنڈی چھاؤں ملی تو پچھلی ساری اذیتیں یاد آ گئیں۔

مجھے معاف کر دینا میری بچی، میں نے بہت کچھ کھو دیا ہے اپنے غرور اپنے غصے میں، دھی رانیاں تو بہت نازک ہوتی ہیں ذرا سی دھوپ سے مرجھا جاتی ہیں پتی پتی بکھرنے لگتی ہیں میں نے تیرے سر سے چھاؤں ہی کھینچ ڈالی۔ اگر سلطان نہ ہوتا تو شاید میں ایک اور نا قابل تلافی نقصان سہار رہا ہوتا۔

بابا سائیں۔ وہ ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر لبوں سے کبھی آنکھوں سے لگا کر روتی رہی۔ وہ کچھ بولنا چاہتی تھی مگر آنسو بہنے لگتے تھے۔

وہ جب بابا سائیں سے مل کر باہر آئی، تو یہ دیکھ کر ٹھٹھک گئی کہ سجاول علی شاہ بھی باہر موجود سلطان سیباتیں کر رہا تھا جو بابا سائیں کے مقدمے سے متعلق ہی تھیں۔ وہ اپنی جگہ کھڑی رہی اور ذرا سا رخ موڑ لیا۔ تب اسے دیکھ کر سلطان نے پکار لیا۔

زیمل۔ وہ وہیں سے اسے پکار رہا تھا نا چار اسے اس کی طرف جانا پڑا۔

ٹھیک ہے پھر سجاول تم کل یہیں آ جانا ہم یہیں سے کچہری چلیں گے تمہارے آنے سے یقین کرو مجھے بڑی ڈھارس ملی ہے، اور بابا سائیں کو بھی۔ سلطان کے لہجے میں سجاول کے لیے محبت اور ممنونیت تھی۔ پھر اس نے سجاول کی لائی گاڑی کا دروازہ کھول کر زیمل کو مخاطب کیا۔

بیٹھو۔

ادا۔ اس نے الجھی نظروں سے سلطان کو دیکھا مگر اس کے چہرے پر بدختی اور سرد مہری رقم تھی۔ وہ چپ چاپ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر سجاول آ کر بیٹھا تو اس کا دل پہلو میں دھڑک کر رہ گیا، (ادا

سائیں میرے ساتھ تم اچھا نہیں کر رہے) اس کا دل بیچارگی اور کرب سے دوچار ہو گیا۔

تو تمہیں سب خبر ہے مگر بجا اس ظالم شخص سے باز پرس کرنے کے۔ پھر مجھے اس کے ساتھ اس جہنم میں دھکیل رہے ہو۔ ہونا آخر رئیس سلطان شاہ عورتوں کے غموں کی گہرائی کو کہاں جان سکتے ہو۔

گاڑی رینگتی ہوئی آگے بڑھ گئی وہ سر جھکا بیٹھی رہی۔ ایک نظر پلٹ کر سلطان پر نہ ڈالی جس کے لبوں کی تراش میں مدھم مسکراہٹ تھی نہ ہی سجاول پر ڈالی جو گاہے بگاہے درزدیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

گاڑی جب گوٹھ کے راستوں پر چلنے لگی تو اس نے ایک خوبصورت قدرے سنسان جگہ گاڑی روک دی آس پاس سبزہ ہی سبزہ تھا حد نگاہ تک خریف کے دوشالے سوکھ رہے تھے۔

درختوں کے سبز پتوں سے پانی ٹپک رہا تھا، سارا ماحول مہک رہا تھا۔ ساری فضا کھنک رہی تھی مگر زیمل حق نواز کو کوئی تازگی کوئی نغمگی محسوس نہ ہو رہی تھی۔

گاڑی رکنے پر اس نے نظریں اوپر ضرور اٹھائیں مگر سجاول کو اپنی طرف دیکھتا پا کر جھکا لیں اور چہرے کا رخ کھڑکی کی طرف کر لیا۔

مجھے حویلی میں چھوڑ دینا۔

تم شاید بھول گئی ہو۔ اب حویلی میں تمہارے لیے کچھ نہیں رہا۔ وہ دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھے اسے بغور دیکھنے لگا۔

کرب کا ایک رنگ اس کے چہرے کو چھو گیا۔ اس نے ہونٹوں کو زور سے دانتوں میں دبایا۔

کیا چاہتے ہو سجاول۔ اس کی آواز بے حد پست تھی۔

ماضی کی وہ ہنستی مسکراتی سپنے دیکھنے والی زیمل کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس نے اچانک اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

کہاں گم ہوگئی ہے وہ۔

اس نے بڑی گھائل نظریں اس پر ڈالیں۔

اسے تو تم نے ہی زندہ درگور کر دیا ہے، اس کیسارے خواب ساری آرزوؤں کو کچل ڈالا ہے، سپنے دیکھنے والی آنکھوں کو اتنی سزا دی ہے کہ۔۔۔وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کے دونوں کانپتے ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

چھوڑو۔وہ اس کا ہاتھ جھٹکنے لگی۔

جذبے کوئی کھیل نہیں ہیں سجاول ان میں دل خرچ ہوتا ہے جاں خرچ ہوتی ہے ہے۔اور تم میرے جذبوں کو میرے خوابوں کو کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں تھے۔اس کے آنسو تواتر سے بہنے لگے وہ آگے بول نہ پائی۔سجاول نے بڑے پیار سے اس کا سر اپنے شانے سے لگا دیا۔

میں چاہتا ہوں تم جی بھر کر رو لو وہ سارا غم بہا دو جو وقت ہماری جھولی میں ڈال گیا ہے۔

وقت نہیں۔تم نے، تم نے دیا ہے یہ غم یہ دکھ۔وہ کرب سے چلائی۔

ہاں، بو میں ہی اس مداوا بھی کرنا چاہتا ہوں، میں ہی ازالہ کروں گا۔اس کی آواز دھیمی محبت کی مہک سے بھری ہوئی تھی۔

زیمل کا دل جیسے ٹھہر گیا اس نے چہرہ اوپر اٹھایا تو وہ آنکھوں میں محبت کا ایک جہاں لیے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس کی بھیگی آنکھوں میں جھانکتے ہو بولا۔

ہم دکھ سے وہ بوجھل لمحے، وہ ساری باتیں کیوں نہ بھول جائیں وہ اداس کر دینے والی سوچیں کیوں نہ جھٹک دیں۔اس کے لہجے میں نرماہٹ تھی اس کی آنکھوں میں موجزن آبی لہروں میں روانی آ گئی۔

یقین کرو، تمہیں جلا کر میں نے بھی کوئی سکون نہیں پایا۔ میں تم سے کوئی دانستہ انتقام نہیں لیتا تھا زیمل۔ وہ میری لاشعوری حرکتیں تھیں شاید میں جس آگ میں جل رہا تھا۔ اس وقت مجھے صرف اس آگ کے اٹھتے شعلوں کے علاوہ کچھ اور بجھائی نہیں دے رہا تھا۔ حتی کہ اپنی ذات بھی، میں تمہاری جانب قدم بڑھاتا تو دل پر بوجھ بڑھ جاتا تھا خود کو خودغرض اور نفس پرست خیال کرنے لگتا تھا۔

مگر سوچتا ہوں اب کہ وہ سب ہوتا تو تقدیر میں لکھا تھا اس میں کسی کا کیا دوش جس اذیت کا سفر ہم نے کیا وہی تم نے بھی تکلیف اٹھائی بلکہ تم تو کانٹوں سے الجھ کر مجھ تک ٹھنڈی چھاؤں کی تلاش میں پہنچی بھی اور میں نے بجا تمہیں چھپر چھاؤں دینے کے تمہیں دھتکار دیا آئی ایم سوری زیمل۔ اس کی آنکھوں کے سارے موتی سجاول بڑے پیار سے چننے لگا۔

اس کی آواز، زیمل حق نواز کی سماعتوں پر یوں اتر رہی تھی جیسے صحراؤں میں بادنسیم چلنے لگی ہو جیسے سوکھی کھیتی پر برکھارت کا سندیسہ لانے والی پھوار گرے۔

وہ حیرت خوشی کے ملے جلے احساسات کے ساتھ بیٹھی رہ گئی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا۔

بڑے پیارے خواب دیکھے تھے میں نے بھی زیمل۔ مگر حالات نے جو رخ بدلا تو سب کچھ بکھر گیا، جب خواب ٹوٹتے ہیں تو دل ٹوٹ جاتا ہے جذبے مرنے لگتے ہیں روح ویرانہ ہو جاتی ہے۔ ایسے میں بہار بھی خزاں دکھائی دیتی ہے رنگ میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی، ہمیں یوں گماں ہوتا ہے جیسے ہم اس متحرک دنیا کا بے کار جزو ہو کر رہ گئے ہوں اب جیسے کبھی نہ ہنس سکیں گے دن میں خوشیاں پیدا کرنے والے ولولے جاں بحق ہو چکے ہیں اب کبھی ان میں زندگی پیدا نہ ہو سکے گی۔

مگر یہ وقتی احساسات اور عارضی کیفیت ہوتی ہے کیونکہ یہ قانون فطرت نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو آج ہر شخص زندہ لاش کی طرح گھومتا پھرتا دکھائی دیتا اپنے عمر بھر کے دکھوں کو

سینے سے لگا شکستہ و افسردہ نظر آتا یہ دنیا صرف قبرستان دکھائی دیتی مگر صد شکر کہ ایسا نہیں ہے۔ جو زخم وقت دیتا ہے اس کا تریاق بھی قدرت کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

سجاول نے بڑے پیار سے اس کے بال اس کے چہرے سے ہٹا۔

کیا ایسا نہیں ہے زیمل۔ اس نے اس کے ہاتھ پر اپنی بھاری ہاتھ رکھ دیا۔

محبت کی اس حرارت سے زیمل کے چہرے پر دھنک اتر آئی وہ تو بے یقینی کی کیفیت میں سانس روکے بیٹھی تھی۔

اسکی خوبصورت آنکھوں میں بہت سے جگنو چمک اٹھے تھے۔

تم سے نفرت کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پاگل۔ کل تک مجھے ٹھنڈی ہوا کے لطیف جھونکے بھی اذیت دے رہے تھے۔ سورج کی پر کیف گرمی میں بھی لطافت محسوس نہ ہو رہی تھی مگر آج ایسا نہیں ہے۔ شکر ہے یہ کیفیت دائمی نہیں ہوتی دکھ ہلکے ہو جاتے ہیں ورنہ کتنے رشتے چھوٹ جائیں ہمارے ہاتھوں سے کتنی محبتیں ہم کھو دیں۔

دیکھو زیمل ہر شے گنگنا رہی ہے۔ یہی تو قدرت کا طریقہ کار ہے۔ اس دنیا میں دکھ ہیں اور یہیں سکھ یہاں خزاں بھی آتی ہے اور بہار بھی۔ اور جب بہار آ جاتو۔ خزاں کا دم نکل جاتا ہے مجھے لن یوتانگ کی نظم کا ایک مصرعہ یاد آ رہا ہے کہ۔

جب ہوا بہار چلتی ہے تو دل کی کلی بھی کھلنے کو بیتاب ہو جاتی ہے۔

اس کے لہجے اور آنکھوں میں سرمستی تھی باتوں میں وہی شرارت اتر آئی تھی۔

زیمل نے لمبی پلکوں کی خوبصورت جھالریں اوپر اٹھائیں تو سجاول کو اپنی طرف دیکھتے پا کر جھکا دیں۔ اس کی نگاہیں اس کیاندر کے شجر میں کسی کونپل کی مہک ڈھونڈ رہی تھیں۔ اور وہ بند کلی کی طرح خود میں سمٹ گئی۔ اچانک اسے اپنی پوزیشن کا خیال آ گیا وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی اس کے قرب کی آنچ اسے جھلسانے لگی تھی۔ مگر اس نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط رکھی۔

بولو، زیمل کچھ کہو گی نہیں۔

کیا کہوں بس تم بولتے رہو سجاول کہ بہت اچھا لگ رہا ہے سننا۔ برسوں کی دل کی پیاسی دھرتی جیسے سیراب ہو رہی ہے۔

بولتے رہو سجاول اپنی محبت کا ایقان دلاتے رہو۔

میری تمام تشنگیاں مٹنے لگی ہیں میرے دل کے اجڑے نگر میں روشنی پھیلتی جا رہی ہے۔ میں کیسے یہ طلسم توڑ دوں۔ میں اس سحر سے اب کبھی آزاد ہونا نہیں چاہتی۔ اس نے اس کے شانے پر سر ٹکا دیا۔

اسی آسمان کی چھت تلے

میرا آشیاں بھی اڑان بھی

تیری چشم خوش کی پناہ بھی

میرے خواب بھی میرے مان بھی

زیمل۔ اس نے والہانہ انداز سے اسے پکارا۔

اس کے لہجے کی خوشبو اسے تر و تازہ کر گئی۔

کیا واقعی تم نے مجھے دل سے معاف کر دیا۔

سجاول کیسی باتیں کر رہے ہو۔ وہ سر اٹھا کر رنج سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ تم نے کوئی جرم نہیں کیا جس کی معافی ہو۔

محبت تو جرم نہیں ہے نا۔ اس نخوت کو بیحد ہلکا پھلکا محسوس کرتے ہو اس کے چہرے پر پھیلتی دھنک کو دیکھا اس سمت ذرا سا جھکا تو وہ بیساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکی۔

ہے مگر اس کی معافی نہیں ہوتی سزا ہوتی ہے۔

اس نے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا،

اوہ یہ سزا مجھے یہیں دینا پسند کرو گی یا پھر گھر پر۔۔۔ اس نے شرارت سے اس کی لٹ کو چھوا۔ تو وہ شرما کر خود میں سمٹ گئی۔

اس کے حسن کی تابندگیاں جھلملانے لگیں تھیں۔

اسے لگا سجاول کی محبت حوض میں ٹھہرا مقید پانی نہیں تھی بلکہ ایک رواں دریا کی طرح تھی جس کا بہاؤ اسے بہا کر لے جا رہا تھا۔

سجاول گاڑی چلانے لگا اور پھر اسے ان عمارتوں اور زمینوں کے پاس لے آیا جو رئیس سلطان شاہ نے اسکولوں کے استعمال کے لئے دے دی تھیں۔

حیرت اور خوشی سے اس کا چہرہ چمک اٹھا اسے لگا مسرتوں سے اس کی جھولی چھلکنے لگی ہو۔

میرے سارے خواب پورے ہو گئے زیمل۔

سجاول بیحد مسرت سے اسے بتانے لگا۔

سجاول، ایک گھر کی طرح، اس وطن کو اس زمین کو حسین اور ثمر بار بنانے کے لیے ہمارے خواب، ہمارے درد، ہماری محبتیں مشترک تھیں نا۔

ہاں زیمل۔

اب ہماری محنت بھی مشترک ہوگی میرا دل چاہتا ہے سجاول میں ان اسکولوں میں آنے والے ننھے منے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے اپنی محنت سے سینچوں ان کے دلوں کے قفل کھول کر انہیں روشنی سے منور کروں۔ سجاول اسے بری محبت اور فخر سے دیکھ رہا تھا۔

کیا ایسا ہو جاگا سجاول، کیا ہمارا وطن، ہمارا گوٹھ اندھیروں سے نکل کر روشنی پا لیگا۔

انشاءاللہ بس یقین محکم، عمل پیہم۔۔۔

محبت فاتح عالم۔۔۔ وہ اس کا جملہ پورا کر کے ہنس دی وہ بھی سر کو ذرا سی جنبش دے کر ہنس پڑا۔

ان دونوں کی ہنسی میں دکھ کا شائبہ تک نہ تھا۔

یہ ہوا آخر شب ہے سحر آنے کو ہے
آرزو کے زرد لہجے میں اثر آنے کو ہے
پا سکیں گے بونے والے اپنی محبت کا ثمر

سیپیوں کی آستینوں میں گہر آنے کو ہے
ختم ہو جا گا اب یہ سلسلہ بے نشاں
شوق کی منزل، وفا کی رہ گزر آنے کو ہے

The End---------- اختتام

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006



لاشوں کا بازار

از

ابن صفی

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ناول کا آغاز

ڈیکن ہال میں آج رینی ڈیکن کا جشن سالگرہ تھا۔۔۔۔رینی ڈیکن سر والٹر ڈیکن کی اکلوتی لڑکی تھی۔۔۔۔۔۔۔اکلوتی لڑکی نہ ہوتی تب بھی جشن سالگرہ اسی طرح شان وشوکت کے ساتھ برپا ہوتا کیونکہ سر والٹر نے نہ صرف آبائی دولت کو برقرار رکھا تھا۔ بلکہ ان کی اپنی پیدا کی ہوئی دولت بھی کافی تھی۔۔۔۔۔اخراجات کے معاملے میں وہ اعتدال پسند تھے۔لیکن اس قسم کے مواقع پر اجداد کی شان اور روایات کو برقرار رکھنے کے لئے دل کھول کر خرچ کرتے۔۔۔۔خاندانی آدمی تو تھے ہی لیکن لندن میں پولیس کمشنر کے عہدے پر فائز ہونے کی بناء پر ان کا سوشل اسٹیٹس اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اس لئے ان کے مہمانوں میں معمولی آدمی نہیں تھے۔۔۔۔بہتیرے غیر ملکی بھی تھے۔لیکن سب اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے تھے۔ان کے بعض دوست اس دعوت میں شرکت کرنے کے لئے آج ہی فرانس سے یہاں پہنچے تھے۔۔۔۔۔مہمانوں میں ڈچز آف ونڈلمیر بھی تھی جسے کتے پالنے کا شوق تھا۔۔۔۔۔اور جو اپنے دشمنوں میں کتوں کی والدہ محترمہ کہلاتی تھی۔۔۔جن کے بڑھاپے پر جوان عورتیں بے تحاشہ قہقہے لگاتی تھیں کیونکہ وہ بناؤ سنگار کے معاملے میں بعض اوقات ان کے کان بھی کتر جاتی تھی۔نوجوان مردوں میں وہ بیحد مقبول تھی کیونکہ

مشہور تھا کہ وہ انہیں بڑی رقمیں بطور قرض دے کر ہمیشہ بھول جایا کرتی ہے۔۔۔

مہمانوں میں نوجوان لارڈ وگفیلڈ بھی تھا۔۔۔۔۔جس کی شہرت سارے انگلینڈ میں تھی۔۔۔عورتیں اس کے گرد منڈلاتی تھیں۔۔۔۔اور وہ ایک شاہ خرچ قارون تھا۔۔۔۔بوڑھے لارڈ وگفلیڈ نے اپنے بعد بہت بڑی دولت چھوڑی تھی۔۔۔۔پتہ نہیں اب بھی وہی چل رہی تھی یا اب شاہ

خرچی کا انحصار قرض پر تھا۔۔۔۔۔بہر حال اس کا شمار لندن کے معزز ترین لوگوں میں تھا۔

یہاں بڑی مونچھوں اور بھاری جبڑوں والا جنرل دیگال بھی تھا۔جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ چوتھائی لندن ہر وقت خرید سکتا ہے۔وہ آج ہی فرانس سے آیا تھا۔۔۔اس کے ساتھ اس کی لڑکی رومیلا بھی آئی تھی جس کے سینے پر جگمگاتے ہوئے جواہرات کے ہار کی قیمت کا تخمینہ دس ہزار پاؤنڈ لگایا جاتا تھا۔وہ بہت خوبصورت تھی۔۔۔۔اس کی آنکھیں بڑی اور گھنی پلکوں والی تھیں۔۔۔۔ہونٹوں کے لئے یاقوت کی قاشوں کی تشبیہ پرانی ضرور ہوسکتی تھی لیکن سو فیصد مناسب۔۔۔۔۔گلاب کی پنکھڑیوں میں وہ سلگتا ہوا سا گداز کہاں ورنہ لارڈ وگفلیڈ کے ذہن میں یہی تشبیہہ آتی۔وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔اس نے دو ایک بار اس سے قریب ہونے کی کوشش بھی کی لیکن رومیلا سے لفٹ نہیں ملی وہ تو اس مشرقی شہزادے کو دیکھ رہی تھی جس کے جسم پر سلک کا ایک خوبصورت لبادہ تھا اور سر پر پگڑی۔۔۔۔۔اور پگڑی پر شتر مرغ کا پر لہرا رہا تھا۔وہ بہت خوبصورت تھا۔۔۔۔لیکن چہرے پر حماقت کے آثار نظر آرہے تھے۔جب رینی مومی شمعیں بجھا کر کیک کاٹ رہی تھی اس وقت اس مشرقی شہزادے نے اسے دعا دی تھی۔۔۔ہاتھ اٹھانے کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے دعا دی ہو۔۔۔۔۔لیکن اس نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ

کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ویسے اگر وہاں کوئی اردو جاننے والا ہوتا تو اس مشرقی شہزادے کی بوٹیاں بھی نہ ملتیں۔اس نے کاہ تھا۔

اگر تم میرے ملک میں ہوتیں تو باجرے کی روٹیاں پکاتے پکاتے تمہارے ہاتھ سیاہ پڑ جاتے۔خدا تجھے کسی دہقان سے آشنا کردے۔

رومیلا اس میں بڑی کشش محسوس کررہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔جب رقص کے لئے وہ سب عمارت کے وسیع ہال میں اکٹھا ہوئے تو رومیلا نے رینی سے اس کے متعلق پوچھا۔

وہ۔۔۔۔۔۔۔رینی مسکرائی کریک ہے۔۔۔۔۔۔۔۔دنیا کا سب سے بڑا

احمق۔

اپنے قومی لباس میں ہے۔۔رومیلا نے پوچھا۔

میں نہیں جانتی کہ اس کا قومی لباس کون سا ہے۔۔۔۔۔۔اس کے جسم پر میں نے ہزار قسم کے لباس دیکھے ہیں۔

کوئی مشرقی شہزادہ ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا ترک ہے۔

ملو گی اس سے ضرور۔۔۔۔۔۔۔ضرور۔۔۔۔۔۔۔مجھے مشرق سے عشق ہے اس وقت تو یہ پرانی کہانیوں کا شہزادہ معلوم ہو رہا ہے۔

رینی ہنسنے لگی۔لیکن کچھ کہا نہیں۔وہ اسے اس مشرقی شہزادے کے قریب لے گئی۔۔۔۔۔۔۔جو گوشے میں کھڑا اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے کوئی شرمیلی لڑکی بے لگام مردوں کے درمیان پہنچ گئی ہو۔

مسٹر علی عمران۔۔۔۔رینی نے کہا۔او ماڈموزئیل رومیلا دیگال۔۔۔

سامالیکم عمران بوکھلائے ہوئے انداز میں پیشانی تک ہاتھ لے گیا۔۔۔پھر مصافحہ کرتا ہوا بولا۔۔۔۔پرنس آف ڈھمپ آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔۔۔

او رمیرے لئے بھی یہی سمجھیئے۔۔رومیلا مسکرائی۔

آج دن بھر موسم بڑا واہیات رہا۔عمران نے کہا۔

مجھے احساس ہی نہ ہو سکا۔رومیلا بولی۔لندن مجھے بہت پسند ہے۔

چی ہوا ہوا کی راتیں ساری دنیا میں سب سے زیادہ خوشگوار ہوتی ہیں۔

آپ ادھر رہے ہیں

میرے دادا کا انتقال وہیں ہوا تھا۔۔۔عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

ارے تم سالگرہ کے موقعے پر بھی یہی غمناک تذکرہ لے بیٹھے۔رینی نے غصیلی آواز میں کہا۔

مجھے افسوس ہے۔۔۔۔مس ڈیکن۔۔۔

میں ابھی آئی۔ رینی انہیں چھوڑ کر دوسری طرف چلی گئی۔

فرانس آپ کو کیسا لگا۔۔۔۔۔پرنس ڈھمپ۔

آہا۔۔۔۔۔فرانس کے موسم کا کیا کہنا۔۔۔۔۔بس یہ معلوم ہوتا ہے۔۔۔۔۔جیسے جیسے۔۔

میں فرانس میں رہتی ہوں۔

تب تو آپ بڑی خوش قسمت ہیں وہاں کا موسم۔

موسم۔۔۔آخر آپ اتنی بار موسم موسم کیوں کہتے ہیں

نہ کہوں۔۔۔۔۔اف فو۔۔۔۔۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ مجھے الو بھی بناتے ہیں۔۔۔معاف کیجئے گا۔۔۔مجھ سے یہی کہا گیا ہے کہ پہلی ملاقات پر موسم وغیرہ کی باتیں کی جاتی ہیں۔

رومیلا ہنسنے لگی۔۔۔پھر اس نے کہا۔

میں تکلفات کی عادی نہیں ہوں۔۔۔۔۔آپ مجھ سے موسم کے علاوہ بھی دوسری چیزوں کے متعلق گفتگو کر سکتے ہیں۔

اب تو ضرور کروں گا۔۔۔۔۔میرا دل چاہتا ہے بہت سی باتیں کروں۔۔۔۔۔اور کیا بتاؤں پہلی ملاقات ہی سے موسم کی باتیں کرتا آ رہا ہوں اور دوسری ملاقات آج تک کسی سے ہوئی ہی نہیں۔

چہ چہ۔۔رومیلا نے افسوس ظاہر کیا۔

تو اب میں دوسری قسم کی گفتگو شروع کروں عمران نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

ضرور۔۔۔۔ضرور۔۔۔رومیلا اس پر بے تحاشہ دلچسپی لے رہی تھی۔

مگر دوسری قسم کی باتیں عمران سوچنے لگا۔ دوسری قسم کی کون سی باتیں کی جائیں۔۔۔اچھا آپ کو مرغیوں سے دلچسپی ہے۔

صبح کے ناشتے میں انڈوں کی حد تک۔رومیلا نے جواب دیا۔

میرے محلات میں پچاسی ہزار مرغیاں ہیں

نہیں۔۔۔رومیلا نے حیرت ظاہر کی۔

آپ میرے ڈیڈی کو خط لکھ کر دریافت کر سکتی ہیں

اتنی مرغیاں میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھیں۔

واہ۔۔۔۔بڑا روح پرور منظر ہوتا ہے۔۔جب ساری مرغیاں ایک ساتھ کڑکڑاتی ہیں اور جب ایک بار تقریباً اسی ہزار انڈے ملتے ہیں۔۔۔واہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔واہ۔۔۔۔یہ جنت نگار فردوش گوش ہے۔

اتنے انڈے کیا کرتے ہوں گے۔

ریاست کے عوام میں مفت تقسیم کئے جاتے ہیں ان سے ان کا میعار حیات ناشتے کے وقت بلند ہو جاتا ہے۔

محلات میں گندگی بہت پھیلتی ہو گی۔رومیلا نے کہا۔

ہرگز نہیں۔۔۔۔۔۔ہر مرغی کے پیچھے ایک آدمی ہر وقت موجود رہتا ہے۔

میرے خدا۔۔۔۔۔۔کتنے مصارف ہوتے ہوں گے مشرق کے شہزادے بڑے عجیب ہیں اسی لئے مجھے مشرق سے بہت محبت ہے۔

آپ دس مرغیوں سے شروعات کیجئے۔عمران نے اسے مشورہ دیا۔

ڈیڈی مجھے قتل کر دیں گے۔انہیں مرغیوں سے نفرت ہے۔

انہیں سمجھائیے کہ وہ غلطی پر ہیں

رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی۔

اب آپ کے احباب آپ سے رقص کی درخواست کریں گے۔۔عمران نے کہا۔

نہیں یہاں میرا کوئی دوست نہیں ہے۔

آہا دیکھئے۔۔۔۔۔۔لارڈ و گفلیڈ ادھر ہی تشریف لا رہے ہیں شاید وہ آپ سے رقص کی درخواست کریں گے۔

ہشت ۔۔۔۔۔۔اس بندر کے ساتھ تو میں نہ رقص کروں گی۔آپ نے ابھی مجھ سے رقص کے لئے کہا تھا۔

مم۔۔۔۔۔۔میں نے۔عمران نے حیرت سے کہا۔لیکن دوسرے ہی لمحے میں رومیلا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔۔۔۔اور پھر وہیں سے وہ دونوں ناچتے ہوئے رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں پہنچ گئے۔لارڈ وگفلیڈ کے قریب سے گذرتے وقت عمران نے بلند آواز میں رومیلا سے کہا۔کنفیوشس نے کہا تھا کہ ایک دن سورج کی روشنی ۔۔۔۔تاریکیوں میں جاسوئے گی۔۔۔۔۔اس لئے سورج کو سلیپنگ سوٹ سلوا لینا چاہیئے ۔۔۔۔لارڈ وگفلیڈ جو شاید رومیلا ہی کی توقع پر رقص میں شریک نہیں ہوا تھا۔ کھسیانے انداز میں مسکراتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔

ڈچز آف ونڈلمیر کلب چیئر میں بیٹھی ہوئی رقص دیکھ رہی تھی۔

ہلو ٹیوی۔۔۔۔۔۔اس نے لارڈ وگفلیڈ کو مخاطب کیا۔۔۔مجھے حیرت ہے کہ تم تنہا ہو۔

ہاں۔۔۔۔۔میں تنہا ہوں۔لارڈ وگفلیڈ اس کے قریب ہی بیٹھتا ہوا بولا۔میں محسوس کر رہا ہوں کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

سر ڈیکن کے یہاں کی تقاریب میں کسی کی بھی طبیعت خراب ہو سکتی ہے۔مجھے یہ سن کر حیرت ہوتی ہے۔

کیا جنرل دیگال کی لڑکی پہلی بار لندن آئی ہے۔لارڈ وگفلیڈ نے اس سے پوچھا۔

میں نہیں جانتی۔وہ بڑی مغرور معلوم ہوتی ہے۔ڈچز ونڈلمیر نے کہا۔پھر اس کی طرف جھک کر آہستہ سے رازدانہ انداز میں بولی۔یہ جنرل دیگال کوئی خاندانی آدمی تو نہیں ہے۔اس کا باپ ایک دوافروش تھا اور ماں ایک موچی کی لڑکی۔جب یہ چھوٹے آدمی ترقی کر جاتے ہیں تو ان کے دماغ آسمان پر ہوتے ہیں۔میں نہیں سمجھتی کہ سر ڈیکن نے اسے کیوں منہ لگایا ہے۔۔۔۔اور اس کی لڑکی کو دیکھو وہ اس احمق مشرقی کے

ساتھ ناچ رہی ہے۔

یہ مشرقی کون ہے۔

سر ڈیکن کے کسی دوست کا لڑکا۔۔۔۔۔۔۔۔یہاں سائنس میں ریسرچ کر رہا ہے۔

شہزادہ ہے۔

پتہ نہیں کیا ہے میں نہیں جانتی۔۔۔۔۔۔ویسے سر ڈیکن کے ساتھ یہیں رہتا ہے۔

یہیں رہتا ہے۔لارڈ وگفلیڈ کے لہجے میں حیرت تھی۔

پھر وہ دونوں اس وقت تک خاموش رہے جب تک کہ رقص کی موسیقی ختم نہیں ہوگئی۔۔۔۔۔لارڈ وگفلیڈ اب بھی رومیلا کو دیکھ رہا تھا جو احمق شہزادے سے علیحدہ ہوکر رینی کے پاس جا بیٹھی تھی اور احمق شہزادہ کٹے ہوئے پتنگ کی طرح سارے ہال میں چکراتا پھر رہا تھا۔۔۔۔۔لارڈ وگفلیڈ نے ایک طویل سانس لی۔۔۔اور مڑ کر ٹرالی سے ایک پگ اٹھالیا۔۔۔۔اس وقت کئی ٹرالیاں ہال میں چل رہی تھیں جن پر مختلف قسم کی شرابیں موجود تھیں۔

حیرت انگیز وہ بڑا اچھا ناچتا ہے۔۔۔۔۔اس نے مجھے بتایا کہ وہ سائنس میں ریسرچ کر رہا ہے۔۔۔کیا یہ سچ ہے۔رومیلا نے پوچھا۔

بالکل سچ ہے۔

مجھے حیرت ہے ارے وہ باتیں تو بالکل احمقوں کی سی کرتا ہے۔

مگر وہ باتیں کرتا کب ہے۔رینی نے کہا۔

واہ۔۔۔۔۔خوب بولتا ہے مگر طوطے کی طرح۔۔۔۔۔یہ مرغیوں کا کیا معاملہ ہے۔

ایک وہی نہیں درجنوں معاملے ہیں۔۔۔۔۔۔کیا اس نے تم سے کوؤں کے متعلق باتیں نہیں کیں۔

نہیں

کوے کے علاوہ اسے اور کوئی پرندہ پسند نہیں۔

بنتا ہے یا سچ مچ خبطی ہے۔۔رومیلا نے پوچھا۔

اگر میں نے اسے عقلمند دیکھا ہوتا تو یہی سوچتی کہ وہ بنتا ہے۔۔۔مگر تم اس میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی ہو۔رینی مسکرائی۔

تمہارا بیکار وقت بہت اچھا کٹتا ہوگا کہہ رہا تھا کہ وہ یہیں رہتا ہے۔

وقت اچھا کٹتا ہوگا۔رینی ہنس پڑی۔۔۔۔۔۔۔وہ مجھ سے اس طرح گفتگو کرتا ہے جیسے میرا دادا ہو۔۔۔۔کیا تم نے نہیں دیکھا تھا کہ اس نے کس طرح ہاتھ اٹھا کر مجھے دعا دی تھی۔

تمہارے ڈیڈی اسے کس طرح برداشت کرتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ وہ بھی کریک ہو گئے ہیں۔

کیوں رومیلا نے حیرت سے کہا۔

وہ گھنٹوں اس سے گفتگو کرتے ہیں۔۔۔۔کبھی فرنچ اور کبھی جرمن میں۔۔۔اور مجھے دونوں زبانیں نہیں آتیں۔۔۔

وہ فرنچ اور جرمن بھی بول سکتا ہے۔رومیلا نے پھر حیرت ظاہر کی۔

بالکل جرمنوں اور فرانسیسیوں کی طرح۔۔۔۔لہجے سے تم تمیز نہ کر سکو گی کہ وہ اہل زبان نہیں ہے۔۔۔۔یہ بات مجھے ڈیڈی نے بتائی تھی۔ڈیڈی اسے کسی بات سے روکتے نہیں۔اب یہی دیکھو وہ اس وقت بالکل اسٹیج کا مسخرہ معلوم ہوتا ہے۔۔۔لیکن ڈیڈی نے شاید اس سے یہ بھی نہ کہا ہو کہ اسے کم از کام اس موقع پر تو آدمیوں کی طرح رہنا چاہیئے۔

ارے نہیں اس لباس میں تو وہ شاندار لگتا ہے۔۔۔۔انتہائی رومانی۔۔۔قدیم کہانیوں کا شہزادہ۔۔۔۔الف لیلیٰ کا کردار۔۔۔۔

مجھے خوابوں کی باتوں سے دلچسپی نہیں ہے۔۔رینی نے کہا۔دوسرے راؤنڈ کے لئے

موسیقی شروع ہوگئی۔ اس بار آرکسٹرا کوئیک اسٹیپ کے لئے موسیقی بکھیر رہا تھا۔۔۔صرف نوجوان اور اسمارٹ قسم کے جوڑے اپنی میزوں سے اٹھے۔

عمران ٹہلتا ہوا اس طرف آ نکلا جہاں ڈچز آف ونڈلیمر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈچز اسے کسی حد تک پسند کرتی تھی کیونکہ وہ اس سے کتوں کے علاوہ اور کسی موضوع پر گفتگو نہیں کرتا تھا۔

ہاؤ ڈی یو ڈو مائی لیڈی۔۔۔اس نے بڑے ادب سے کہا۔

اوکے ڈھمپ۔۔۔آؤ۔۔۔۔۔۔۔بیٹھو۔۔۔۔۔مجھے حیرت ہے کہ تم تنہا ہو۔۔۔

میں بہت محتاط آدمی ہوں۔۔۔۔۔۔۔مائی لیڈی۔۔۔صرف وہی لوگ مجھ سے قریب ہو سکتے ہیں جن کی رگوں میں شاہی خون ہو۔۔۔۔۔۔۔مجھے انتہائی افسوس ہے کہ ابھی میں ایک فوجی کی لڑکی کے ساتھ ناچتا رہا ہوں۔

مجھے خود بھی حیرت تھی۔ ڈھمپ۔۔۔

میں سمجھتا تھا کہ وہ کسی اچھی نسل کی ہے۔۔۔۔۔۔آہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔خیر مائی لیڈی میں نے اپنے محلات میں ایک تجربہ کیا تھا۔ آج مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ سو فیصدی کامیاب رہا۔ میں بہت خوش ہوں مائی لیڈی۔

کیسا تجربہ۔۔۔

دیکشنڈ کی مادہ کا جوڑ لینڈی ڈاگ سے لگایا تھا۔

لینڈی ڈاگ ڈچز نے حیرت سے کہا۔ یہ نسل میرے لئے بالکل نئی ہے۔

اوہو۔۔۔لینڈی ڈاگ میرے ملک میں بکثرت پایا جاتا ہے۔۔۔۔ہر گلی میں کم از کم پچاس عدد لینڈی ڈاگ ضرور ملتے ہیں۔

اوہو۔۔۔۔۔۔۔تو اس تجربے کا نتیجہ کیا رہا۔

حیرت انگیز بچے۔۔۔۔۔۔۔۔۔میرا دعوی ہے کہ میں نے ایک بالکل ہی نئی

نسل پیدا کی ہے۔۔۔وہ بچے نہ تو دوغلے لینڈی ڈاگ معلوم ہوتے ہیں اور نہ دوغلے ڈیکشنڈ بالکل عجیب۔۔۔۔میں نے ان کی تصویریں منگوائی ہیں آپ کو ضرور دکھاؤں گا۔

مجھے بھی ایک لینڈی ڈاگ منگوادو ڈھمپ۔۔

ضرور منگوادونگا مائی لیڈی۔۔

تم کبھی ونڈلیمر کیسل آؤ

ضرور آونگا مائی لیڈی۔۔۔عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔

آپ نے آخری بار کب رقص کیا تھا۔

اوہ۔۔۔۔۔۔۔۔بہت پرانی بات ہے۔ڈچز نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔بہت پرانی اب کیوں نہیں کرتیں۔

اب۔۔۔۔۔ڈچز اسے گھورنے لگی۔کیا تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔

نہیں مائی لیڈی۔۔۔۔۔میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔

اب میری رقص کرنے کی عمر ہے۔۔۔۔اور پھر میں کمتر آدمیوں کے ساتھ رقص کرنا کا بھی پسند نہ کروں گی۔۔۔۔کیا یہاں تمہیں ایک بھی ڈیوک نظر آ رہا ہے۔

نہیں مائی لیڈی۔۔۔۔۔مگر میں چنگیز خان کی نسل سے ہوں۔

تم۔۔۔۔۔۔۔بکواس بند کرو۔۔۔۔۔۔ڈھمپ۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں تمہارے ساتھ رقص کروں گی۔۔۔کیا میں تمہاری ہم عمر ہوں۔

میں تو کوئی حرج نہیں سمجھتا۔۔۔۔عمران نے مغموم لہجے میں کہا۔۔۔۔پھر ادھر اُدھر دیکھتا ہوا اٹھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور ایک ٹرالی روک کر ایک پگ میں کئی طرح کی شرابیں ملائیں۔۔پھر پگ کو ہاتھ میں لئے ہوئے ڈچز کے پاس آیا اور نہایت ادب سے اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔یہ کاک ٹیل مائی لیڈی آپ یقیناً پسند کریں گی۔۔۔۔مگر اس کے بنانے کا طریقہ آپ کو نہ بتا سکوں گا کیونکہ یہ ڈھمپ خاندان کا ایک مقدس راز

ہے۔

ڈچز نے پگ اس کے ہاتھ سے لیکر کاک ٹیل چکھی۔۔۔۔اور آہستہ سے بولی۔ واقعی بہت عمدہ ہے۔

ڈھمپ خاندان میں یہ کاک ٹیل کی بجائے ڈنکی ٹیل کہلاتی ہے۔

ڈچز ہنسنے لگی۔تم بہت دلچسپ ہو ڈھمپ۔۔۔

یس مائی لیڈی۔

پھر عمران نے اسے پے در پے تین چار پگ پلائے اور وہ چوتھے راونڈ میں اس کے ساتھ ناچنے پر تیار ہوگئی۔۔۔۔جس نے بھی اس جوڑے کو دیکھا متحیر رہ گیا۔

رومیلا اپنے باپ کے ساتھ تھی۔اسے چھوڑ کر وہ اس میز پر آئی جہاں رینی حیرت سے منہ کھولے بیٹھی اپنے مداحوں پر گراں گذر رہی تھی۔۔۔رومیلا اسے اٹھا کر الگ لے گئی۔

وہ اس بوڑھی عورت کے ساتھ ناچ رہا ہے۔اس نے کہا

اور ڈیوک آف ونڈلیمر اپنی قبر میں پچھاڑیں کھا رہا ہوگا۔وہ بڑی مغرور عورت ہے رومیلا۔۔خود کو لئے دیئے رہتی ہے۔مگر یہ کریک۔۔۔۔۔۔۔۔میں کچھ نہیں سمجھ سکتی۔۔۔ڈچز شاید نشے میں ہے۔

ہال میں چاروں طرف قہقہے گونج رہے تھے لیکن ڈچز کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں تھی۔۔۔کیونکہ ڈھمپ خاندان کی ڈنکی ٹیل اس کے ذہن پر اپنا سکہ اچھی طرح بٹھا چکی تھی۔

تم بہت حسین ہو۔۔۔عمران نے آہستہ آہستہ اس کے کان میں کہہ رہا تھا۔۔۔ونڈلیمر تم بہت دلکش ہو۔

اوہ۔۔۔۔۔۔ڈھمپ ڈارلنگ مائی ہنی۔

شہد تو تم ہو میں شہد کا مکھا ہوں۔۔

میں جوان ہوتی تو تم سے شادی کر لیتی۔

شادی تو میں صرف کیلی پیٹرسن سے کروں گا۔

کس سے۔

کیلی پیٹرسن سے۔۔

بکواس ہے۔۔۔قطعی بکواس۔۔۔۔۔۔۔تم اسے کبھی نہ پا سکو گے۔

کیوں۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔۔۔میں اسے جانتا ہوں۔

تب تم۔۔۔۔۔۔۔نک کارٹر کو بھی جانتے ہو گے۔۔۔لیکن یہ ناممکن ہے۔

اچھا نک کارٹر۔۔۔۔۔۔۔۔وہ جو گوشت کی دوکان کرتا ہے۔

تم گدھے ہو۔۔۔نک کارٹر کی شان میں گستاخی کر رہے ہو۔

اگر کسی اسٹریلوی کے سامنے تم نے۔۔۔۔یہی بات کہہ دی تو وہ تمہیں گولی مار دے گا۔

میں سارے اسٹریلیا کو فنا کر دوں گا۔۔۔تم کیا سمجھتی ہو ونڈلیمر۔

میں کچھ نہیں جانتی۔۔۔مجھے ایک لینڈری ڈاگ منگوا دو۔

پہلے تم کیلی پیٹرسن سے میری شادی کرا دو۔

ابھی تم مجھ سے محبت کر رہے تھے۔

دادی یاد آ گئی تھیں۔

کیا۔۔۔۔۔۔۔۔

کچھ نہیں ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا۔۔مگر کیلی پیٹرسن۔

جہنم میں گئی کیلی پیٹرسن۔۔میں نے پچھلے سال سے اسے نہیں دیکھا۔

تو اس کی تصویر ہی مل سکے۔

شٹ اپ۔۔۔کیلی کی بکواس بند کرو۔

نک کارٹر۔۔۔۔۔۔۔۔کو میں پچاس جوتے لگاؤں گا۔

تم بدتمیز ہو ڈھمپ ۔۔۔۔۔۔۔۔وہ ایک خاندانی آدمی ہے۔۔۔۔بہت شاندار۔

وہ کہاں ہے۔۔۔۔میں اس سے ملوں گا۔

وہ شاید ملک معظم سے بھی ملنا پسند نہ کرے۔۔۔۔می اب نہیں ناچوں گی۔

چلو۔۔۔۔۔۔۔۔۔واپس چلو۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے وہی کاک ٹیل دو۔۔۔۔۔اس کی ترکیب مجھے بھی بتاؤ۔۔۔ڈھمپ خاندان جہنم میں گیا۔۔۔۔۔پوری ڈھمپ خاندان پر میرا ایک کتا حکومت کر سکتا ہے۔

تم مجھے نک کارٹر کے متعلق بتاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔میں تمہیں ڈھمپ خاندان کا مقدس ترین راز بتا دوں گا۔

میں خاموش ہوں۔۔۔۔۔۔پلیز شٹ اپ۔۔۔۔۔۔۔ڈھمپ یو انسپائیرڈ ایڈیٹ

میں کاک ٹیل کی ترکیب نہیں بتاؤں گا۔۔۔

نہ بتاؤ

لینڈی ڈاگ نہیں منگواوں گا۔

نہ منگاؤ۔۔۔ڈچز اس کی گرفت سے نکل کر لڑکھڑاتی ہوئی ایک طرف چلی گئی۔

اور عمران پھر کٹے ہوئے پتنگ کی طرح ڈولنے لگا۔۔۔۔لیکن اب وہ جدھر سے بھی گذرتا قہقہے اس کا استقبال کرتے۔

اوہ ڈھمپ کے بچے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اچانک سر ڈیکن نے اسے آہستہ سے آواز دی۔جب کہ وہ ایک ویران گوشے سے گذر رہا تھا۔

یس سر۔۔۔۔۔۔۔۔۔عمران پلٹ پڑا۔

سر ڈیکن ایک دراز قد اور گٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔۔۔۔۔۔۔۔چڑھی ہوئی سفید مونچھوں انہیں یقیناً شاندار بناتی تھیں۔۔۔چہرہ بھرا ہوا اور جھریوں سے بے نیاز تھا۔

تم نے تو اس وقت کمال ہی کر دیا۔۔

مگر۔۔۔۔۔۔۔میں شاید پندرہ دن تک کسی ہسپتال میں پڑا رہوں۔

آؤ۔۔۔۔۔ادھر آؤ۔۔۔۔۔میرا خیال ہے کہ تم نے وقت نہیں برباد کیا۔

وہ وہاں سے نکل کر طویل راہداری سے گذرتے ہوئے ایک کمرے میں آئے۔

مجھے یقین ہے کہ وہ کیلی پیٹرسن کے متعلق بہت کچھ جانتی ہے۔عمران نے کان کھجاتے ہوئے کہا۔

کیا جانتی ہے۔

کیا آپ کسی نک کارٹر کو جانتے ہیں۔

نہیں۔۔۔۔۔نک کارٹر۔۔۔۔۔۔۔اس نام سے کان آشنا معلوم ہوتے ہیں لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میں اسے جانتا ہوں۔

اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تم کیلی پیٹرسن سے واقف ہو تو نک کارٹر کو بھی جانتے ہوگے۔اس پر میں نے نک کارٹر کو گالی دی۔۔۔۔اور وہ بگڑ گئی۔۔۔کہنے لگی کہ اگر تم نے یہ بات کسی آسٹریلوی کے سامنے کہی ہوتی تو وہ تمہاری گردن اڑا دیتا۔

آسٹریلوی۔۔۔۔اوہ۔سر ڈیکن نے کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

ٹھہرو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ٹھہرو تم نے نک کارٹر کہا تھا نا۔۔۔۔۔۔۔نک کارٹر۔۔۔۔اور آسٹریلیا۔۔۔ٹھیک تو مجھے خیال پڑتا ہے کہ آسٹریلیا کے کسی معاملے میں نک کارٹر کا نام بارہا سن چکا ہوں۔

ڈچز نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ ایک معزز آدمی ہے۔۔۔۔بہرحال یہ سوچنے کی بات ہے کہ نک کارٹر اور کیلی پیٹرسن میں کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

مجھے کیلی پیٹرسن سے کوئی دلچسپی ہے نہ کسی نک کارٹر سے۔میں تو ہر حال میں لندن کی فضا پر امن دیکھنا چاہتا ہوں۔پچھلی رات بھی مکلارنس کے آدمیوں نے مختلف عمارتوں پر چھاپے مارے ہیں۔انہیں کیلی پیٹرسن کی تلاش ہے۔۔۔تو میرا خیال صحیح نکلا کہ ڈچز کیلی پیٹرسن کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہے۔۔۔۔لیکن اس سے کوئی بات اگلوا لینا

بڑا مشکل کام ہے۔

کیلی پیٹرسن کا معاملہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔عمران بولا۔

کل میں تفصیل سے بتاؤں گا۔۔۔سر ڈیکن نے کہا۔ویسے میں نہیں سمجھ سکتا کہ مکلارنس کو اس کی تلاش کیوں ہے۔

وہ دونوں پھر ہال میں واپس آ گئے۔۔۔۔سر ڈیکن عمران کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے اور انہیں اس کی یہ حرکت بھی پسند تھی کہ وہ عام آدمیوں میں خود کو احمق ظاہر کرتا تھا۔

کبھی کبھی وہ انہیں بھی گھسنے کی کوشش کرتا تھا لیکن سر ڈیکن ہنس کر ٹال دیتے۔عمران نے بار بار ان کی مدد کی تھی۔اکثر قتل کے کیسوں میں وہ انہیں ایسے ایسے نکتے بتاتا کہ وہ دنگ رہ جاتے۔۔۔مگر نہیں۔۔۔پہلے وہ اس کی احمقانہ تجویزوں پر قہقہے لگاتے۔۔۔۔لیکن جب وہ اس کا تجزیہ کر کے گہرائیوں میں پہنچتے تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل جاتیں۔

بحیثیت پولیس کمشنر آج کل ان کی زندگی بڑی الجھنوں میں گذر رہی تھی۔لندن کے پرانے فتنے نے پھر سر اٹھایا تھا۔۔۔۔۔۔یہ تھا پراسرار اور خوفناک آدمی مکلارنس۔۔۔جو لندن کا زلزلہ کہلاتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔جس طرح زلزلے کے متعلق پہلے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا اسی طرح مکلارنس کے بارے میں بھی کچھ بتانا دشوار تھا۔۔۔وہ اچانک آندھی اور طوفان کی طرح اٹھتا اور جو کچھ بھی کرنا چاہتا تھا کر گزرتا۔غیر متعلق لوگ تماشائیوں کی طرح دور سے دیکھتے اور بے حس و حرکت کھڑے رہتے۔کس میں ہمت تھی کہ اسے یا اس کے آدمیوں کو روک سکتا۔۔۔۔جب تک زلزلہ رہتا پولیس جاگتی رہتی۔جب زلزلہ ختم ہو جاتا تو کچھ اس انداز میں اطمینان کا سانس لیتی جیسے اللہ نے بڑا فضل کیا ہو۔۔۔۔۔اسکے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔۔۔۔مکلارنس کا پتہ پولیس کمشنر کو نہیں تھا ورنہ اس کے گلے میں زنجیر ڈال کر سارے لندن میں تشہیر کرائی

جاتی۔ پولیس کے پاس صرف اسکے کارناموں کا ریکارڈ تھا۔لیکن اس کی شخصیت کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔

اکثر اس کے گروہ کے ایک آدھ آدمی پکڑے بھی گئے ۔۔۔۔۔۔۔مگر اس سے صرف اتنا ہی ہو سکا کہ ان کی نشاندہی پر دو چار اور ہاتھ آ گئے اور بس

مکلارانس کون تھا۔۔۔۔کہاں تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ بھی نہ بتا سکے۔۔۔۔۔۔۔۔ویسے ان کا بیان تھا کہ حملوں اور ڈاکوں کے وقت ان کی قیادت وہی کرتا ہے۔۔۔۔۔لیکن وہ یہ بھی نہیں بتا سکے تھے کہ اس کی شکل کیسی ہے۔۔۔۔۔۔کیونکہ اس کا چہرہ سیاہ نقاب میں پوشیدہ ہوا کرتا تھا انہیں اس کی قیامگاہ کا بھی علم نہیں تھا۔۔۔۔بہر حال لندن کی پولیس آج تک مکلارانس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

جب اس کا دل چاہتا اپنے آدمیوں سمیت لندن کے بھرے بازاروں میں تباہی اور افراتفری پھیلاتا گذر جاتا۔۔۔۔۔۔۔۔اس کی گاڑی میں چاروں طرف مشین گن فٹ ہوتیں۔۔۔۔لیکن گولیوں کی بوچھاڑ اس وقت شروع ہوتی جب کوئی اسے روکنے کی کوشش کرتا۔۔۔۔۔مگر اب تک صرف دو بار ایسے مواقع پیش آئے تھے۔۔۔۔۔اور دونوں ہی بار حیرت انگیز طور پر بچ نکلا تھا۔۔۔۔۔۔۔یہی کہنا چاہئے کہ اس کا مقدر بڑا اچھا ہے۔ایک بار تو اس ریڈیو کار کا ٹرانسمیٹر ہی خراب ہو گیا تھا جو اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ورنہ چاروں طرف سے مکلارنس کی گاڑی گھیر لی جاتی۔

دوسرا واقعہ الیکشن کے زمانے میں پیش آیا تھا۔لندن کی اس سڑک سے ایک جلوس گذر رہا تھا جس پر پولیس نے مکلارانس کی گاڑی کا تعاقب شروع کیا تھا۔۔۔۔اگر پولیس اس وقت عقلمندی سے کام نہ لیتی تو اس سڑک پر ہزاروں لاشیں نظر آتیں۔

مکلارانس کے سلسلے میں ایک خاص بات اور بھی تھی وہ یہ کہ اکثر مہینوں گذر جاتے اور مکلارنس کا نام تک نہ سنا جاتا۔۔۔۔۔اور پھر اچانک دو چار دنوں کے لئے لندن میں

زلزلہ سا آ جاتا تھا۔۔۔۔۔۔۔ بیشمار قتل ہوتے۔۔لاتعداد ڈاکے پڑتے اور نہ جانے کتنی عمارتیں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جاتیں۔۔۔بعض اوقات تو یہ بھی معلوم نہ ہو پاتا کہ مکلارنس چاہتا کیا ہے۔

پچھلے چھ ماہ سے لندن کی فضا پرسکون رہی تھی لیکن آج کل پھر مکلارنس نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی تھیں۔۔۔۔۔یہی وجہ تھی کہ لندن کے پولیس کمشنر والٹر ڈیکن اس خوشی کے موقع پر بھی فکرمند تھے۔۔۔۔حالانکہ انہیں اپنی اکلوتی لڑکی کی انیسویں سالگرہ پر بہت زیادہ مسرور ہونا چاہئے تھا۔

دوسری صبح ڈیکن ہال میں معدودے چند مہمان رہ گئے تھے۔یہ وہی لوگ تھے جو باہر سے آئے تھے ان میں رومیلا بھی تھی۔جس نے صبح ناشتے کی میز پر عمران کی عدم موجودگی کو بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔اسے توقع تھی کہ ناشتے کی میز پر اس سے ضرور ملاقات ہوگی۔۔۔۔اس نے رینی سے اس کی عدم موجودگی کا سبب پوچھا۔

اوہ۔۔۔۔۔اوہ۔۔۔۔وہ کبھی ناشتے میں ہمارے ساتھ نہیں ہوتا۔وہ اس وقت اپنے کمرے میں سر کے بل کھڑا ہوگا۔

سر کے بل۔۔۔۔رومیلا کچھ اس انداز میں ہنس پڑی جیسے رینی نے یہ جملہ اسے چڑھانے کے لئے کہا ہو۔

تمہیں یقین نہیں آیا۔۔۔۔اچھا ابھی دیکھیں گے۔رینی بولی رومیلا بہت بے چین تھی۔پچھلی رات بھی وہ اس کریک شہزادے کے متعلق بہت کچھ سوچتی رہی تھی۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد وہ دونوں ساتھ ہی اٹھیں۔۔۔۔رینی اسے عمران کے کمرے کی طرف لے جا رہی تھی۔

دروازے کے سامنے رک کر اس نے آہستہ سے کہا۔کنجی کے سوراخ سے جھانکو۔

رومیلا ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

نہیں ادھر کوئی نہیں آئے گا۔۔رینی نے سرگوشی کی۔

رومیلا آہستہ سے گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ گئی۔۔۔۔ایک آنکھ کنجی کے سوراخ سے لگائی ہی تھی کہ اسے بیساختہ ہنسی آ گئی۔۔۔۔ہنسی قہقہے میں تبدیل ہوئی۔۔۔۔اور ساتھ ہی اندر سے کچھ اس قسم کی آوازیں آئیں جیسے میزیں اور کرسیاں الٹ رہی ہوں۔

پھر دروازہ کھلا عمران خاکی پتلون اور سینڈو کٹ بنیان میں سامنے کھڑا تھا۔اس وقت رومیلا اس کی جسمانی ساخت کا اندازہ لگا سکی۔۔۔۔بازوؤں کی مچھلیاں دیکھنے میں ہی فولاد معلوم ہوتی تھیں۔

گڈ مارننگ۔۔۔۔یو کڈیز۔عمران نے الوؤں کی طرح دیدے نچا کر بزرگانہ انداز میں کہا۔

ہم بچیاں ہیں۔۔۔رینی آنکھیں نکال کر غرائی۔

بوڑھا ڈھمپ یہی سمجھتا ہے۔

ہٹو ادھر۔رینی اسے ایک طرف دھکیل کر کمرے میں گھستی ہوئی بولی۔میری مہمان تمہارا کمرہ دیکھنا چاہتی ہیں۔

آپ کی اجازت سے۔رومیلا نے مسکرا کر کہا اور کمرے میں چلی گئی۔اس بار پھر اس پر ہنسی کا دورہ پڑا۔کمرا کچھ اسی قسم کا تھا لوگ اپنے کمرے کی دیواروں پر شیروں ہرنوں اور بارہ سنگوں وغیرہ کے سر لگاتے ہیں۔عمران کے کمرے میں گدھوں کے تین سر نظر آ رہے تھے۔

تصاویر میں زیادہ تر بوڑھی عورتوں کی تصویریں تھیں۔اتنی بوڑھی کہ ان کے چہروں پر جھریوں کے علاوہ اور کسی قسم کے خدوخال نہیں پائے جاتے تھے۔۔۔۔پھر کچھوؤں چمگادڑوں اور بندروں کی تصاویر کا نمبر تھا۔

کیا حماقت ہے۔۔۔عمران جھلا گیا۔۔۔جو بھی یہاں آتا ہے۔۔۔۔ہنسنے لگتا ہے۔۔۔۔گویا میں الو ہوں۔۔

اور تم اپنی تصویریں یہاں لگانا بھول گئے۔۔۔رینی نے سنجیدگی سے کہا۔

بھول نہیں گیا۔ مصلحتاً نہیں لگائی ۔۔۔۔۔ کئی آدمی مجھ سے لڑ پڑتے ہیں کہ میں نیان کی تصویر اپنے کمرے میں کیوں لگا رکھی ہے۔

رومیلا بری دلچسپی سے چاروں طرف دیکھتی رہی ۔۔۔ مختلف جگہوں پر اونچے اونچے اسٹولوں پر بالٹیاں ۔۔۔ دیگچیاں اور سلاپچیاں رکھی ہوئی تھیں۔

یہ کیا ہے۔ رومیلا نے پوچھا۔

یہ سب کچھ آج سے ایک ہزار سال بعد کے لئے ہیں۔ عمران نے جواب دیا۔

کیا مطلب۔۔

اب مطلب بھی بتاؤں۔ عمران جھنجھلا کر بولا۔

میں بتاتی ہوں مطلب ۔۔۔۔ رینی مسکرا کر بولی پرنس آف ڈھمپ کا خیال ہے کہ جس طرح آج ہم لوگ اپنے کمروں میں قدیم یونانی اور مصری ظروف رکھتے ہیں اسی طرح اب سے ایک ہزار سال بعد یہ بالٹیاں یہ دیگچیاں اور سلاپچیاں کمروں کی زینت بنیں گی۔

اور گدھوں کے سر۔ رومیلا نے الو بنانے والے انداز میں پوچھا۔

یہ تاریخی گدھے ہیں ۔۔۔ عمران گرج کر بولا۔ یہ چنگیز خان کے گدھے کا سر ہے۔ یہ گدھا فرعون سوم نے اس گھدے کو بھائی بنایا ہوا تھا ۔۔۔ اس لئے یہ فرعون چہارم کا چچا ہوا ۔۔۔۔

اور یہ تیسرا ۔۔۔

تیسرے کے متعلق ابھی تحقیق جاری ہے۔۔

پھر یہ تاریخی کیسے کہا جا سکتا ہے۔

کیونکہ مجھے اس کی تاریخ پیدائش زبانی یاد ہے ۔۔۔۔۔ بس اب گدھوں کے متعلق گفتگو ختم ۔۔۔ بعض لوگ تو ن پر اس طرح ناک بھوں چڑھاتے ہیں جیسے میں نے ان کے عزیزوں کے سر کاٹ کر دیوار پر لگا دیئے ہوں

رومیلا کو اس بار عمران کے لہجے پر بے تحاشہ ہنسی آئی۔ رینی کبھی ہنستی اور کبھی سنجیدگی اختیار کرنے کی کوشش کرنے لگتی۔

پھر رومیلا نے بوڑھی عورتوں کی تصاویر پر اعتراض کیا۔

میں اب یہاں پانچ سو پچھتر بوڑھیوں کی تصویریں لگاؤں گا۔ میری پسند ہے۔۔ کسی کو اس سے کیا غرض۔۔

پرنس آف ڈھمپ۔ کیا بات ہے آج تمہارا موڈ بہت خراب معلوم ہوتا ہے۔ رینی نے کہا۔

تم لوگ میری عبادت میں خلل انداز ہوئی ہو۔

آہا تو تم سر کے بل کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہو۔ رومیلا نے کہا۔

اب اس کا مذاق اڑاؤ گی۔۔۔۔۔ ہائیں۔

نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ رینی جلدی سے بولی۔ آج کی خبریں سناؤ

آج کی خبریں۔۔۔۔۔۔۔ عبادت کے دوران میں آج کے متعلق جو انکشافات ہوئے ہیں۔ وہ ایسے نہیں کہ عام آدمیوں کے سامنے دہرائے جا سکیں۔

انکشافات۔۔۔ رومیلا آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

ہاں۔۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ رینی نے مضحکانہ سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ جیسے ہی یہ سر کے بل کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی عقل معدے سے کھوپڑی میں اتر آتی ہے۔ اب اس وقت پھر معدے میں چلی گئی ہو گی۔

جی ہاں۔۔۔۔۔ عمران سر ہلا کر مغموم لہجے میں بولا۔ بچپن ہی سے یہی عالم ہے۔

اتنے میں ایک نوکر نے آ کر اطلاع دی کہ سر ڈیکن لائبریری میں عمران کا انتظار کر رہے ہیں اور وہیں اس کا ناشتہ بھی موجود ہے۔ لڑکیاں جو شاید تفریح کے موڈ میں تھیں۔ اس اطلاع پر کچھ جھنجلا سی گئیں۔۔۔ لیکن اسے سر ڈیکن نے طلب کیا تھا اس لئے رینی دخل انداز بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

جس وقت عمران لائبریری میں پہنچا۔سر ڈیکن اخبار کے مطالعہ میں مشغول تھے۔ عمران چپ چاپ اس میز پر جا بیٹھا جس پر اس کے ناشتے کا سامان موجود تھا۔

جیسے ہی اس نے ناشتہ ختم کیا۔۔۔۔۔۔۔سر ڈیکن اخبار ایک طرف ڈال کر چشمہ اتارنے لگے پھر انہوں نے کہا۔ہم پچھلی رات کیلی پیٹرسن کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

جی ہاں۔

کیلی پیٹرسن ایک بہت بڑی فرم کی مالک ہے۔لیکن کوئی نہیں جانتا کہ کیلی پیٹرسن کون ہے۔

کیلی پیٹرسن۔۔۔۔سر ڈیکن نے ایک طویل سانس لی۔۔کیلی پیٹرسن کا پراسرار ہونا ہمارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا جب کہ اس کا وکیل مطمئن ہے۔لیکن جب سے مکلارنس اس میں دلچسپی لینے لگا ہے پولیس کی تشویش بڑھ گئی ہے۔اور اب ہم محض کیلی کی حفاظت کے لئے اسے منظر عام پر لانا چاہتے ہیں۔تین دن پہلے کی بات ہے کہ مکلارنس کے آدمی پیٹرسن بی چنگ کارپوریشن کے جنرل منیجر کو پکڑ لے گئے تھے۔۔۔۔۔۔دو دن تک اس پر اس سلسلے میں تشدد کرتے رہے لیکن وہ غریب کیلی پیٹرسن کی شخصیت سے واقف نہیں ہے۔انہیں بتاتا کیا۔بہر حال انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔اور اب وہ شفاخانے میں اپنی چوٹوں کا علاج کرا رہا ہے۔

کیلی پیٹرسن ہے کیا بلا۔عمران نے پوچھا۔

دراصل پیٹرسن ڈیرنگ پیٹرسن ایل لاولد آدمی تھا۔۔۔۔۔۔۔اس کی موت کے بعد ترکہ اس کی بھتیجی کیلی پیٹرسن کو ملا۔۔۔۔۔جو آسٹریلیا میں مقیم تھی۔۔۔۔میرا خیال ہے کہ شاید ڈیرنگ پیٹرسن نے بھی کبھی اس کی شکل نہ دیکھی ہو۔ڈیرنگ کا چھوٹا بھائی راجر پیٹرسن آسٹریلیا میں جا بسا تھا۔وہیں اس نے شادی کی اور اس کا خاندان کبھی انگلینڈ نہیں آیا۔

یہ تو کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ معلوم ہوتا ہے سر ڈیکن۔

ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔لندن ایسی جگہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔یہاں ذرا ذرا سی باتیں کہانیاں بن جاتی ہیں۔۔۔۔ہاں بہر حال۔۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیرنگ پیٹرسن کی موت کے بعد وہ اس کی تنہا وارث تھی۔۔۔۔راجر پیٹرسن کے خاندان میں بھی اس کے علاوہ اور کوئی نہیں بچا تھا۔دس سال پہلے اس کے والدین اور تین بھائی ایک وبا کا شکار ہو گئے تھے۔ڈیرنگ پیٹرسن کو اس کا علم تھا کہ اس کی کوئی بھتیجی سڈنی میں موجود ہے لہذا اس نے اس کے لئے باقاعدہ طور پر وصیت نامہ مرتب کرایا تھا۔

ڈیرنگ پیٹرسن کے انتقال کو کتنا عرصہ گذرا ہے۔عمران نے پوچھا۔

پانچ سال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے انتقال کے بعد بھی وہ ایک سال تک آسٹریلیا میں رہی۔پھر لندن۔چار سال سے وہ یہیں کہیں رہتی ہے۔لیکن اسے کوئی بھی نہیں جانتا۔

اگر اس کی اور مکلارنس کی شادی ہو جائے تو کیسی رہے۔اسے بھی کوئی نہیں جانتا۔

بکواس شروع کر دی تم نے۔

سر ڈیکن ایک بار میری سمجھ میں نہیں آتی آخر کیلی پیٹرسن کا کام کیسے چلتا ہوگا۔کوئی نہ کوئی تو اسے جانتا ہی ہوگا۔

کیلی پیٹرسن کا وکیل بھی وہی ہے جو اس کے چچا ڈیرنگ پیٹرسن کا وکیل تھا۔وہ مطمئن ہے کہ فرم کا سارا منافع کیلی پیٹرسن کو پہنچ رہا ہے۔

تو پھر وہ اس سے واقف ہوگا۔

ہو سکتا ہے۔

تب تو مکلارنس بڑا گدھا ہے کہ اس نے اس کی بجائے فرم کے منیجر کو پکڑ لیا۔

اس پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہے۔سر ڈیکن نے کہا۔

کیوں۔

وہ مورگیٹ اسٹریٹ کی پولیس چوکی کے برابر رہتا ہے۔

تو پولیس کی رسائی تک ہے۔۔۔آپ وکیل ہی کے ذریعے اسے کیوں نہیں ڈھونڈ نکالتے۔وہ انکار کرتا ہے۔۔۔۔۔اس کا کہنا ہے کہ وہ بھی کیلی پیٹرسن کی شخصیت سے واقف نہیں ہے۔

تب پھر وہ مطمئن کیسے ہے۔سر ڈیکن۔

اوہ۔۔۔۔۔۔۔۔ایک معزز عورت نے اس کی ضمانت دی ہے۔۔۔۔۔۔۔وہ کیلی پیٹرسن کے دستخط پہچانتی ہے۔۔۔۔۔کیلی پیٹرسن کو اچھی طرح جانتی ہے خود بھی عرصہ تک سڈنی میں رہ چکی ہے۔

وہ معزز عورت کون ہے۔۔۔سر ڈیکن۔

ڈچز آف ونڈلیمر۔

آہ۔۔۔۔۔عمران سینے پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔

سر ڈیکن نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔۔۔۔۔۔۔۔وہ مسکرا رہے تھے اور عمران احمقوں کی طرح منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے بیٹھا رہا۔کچھ دیر بعد سر ڈیکن نے کہا۔

کیا تم نے کیلی پیٹرسن کے مضامین ہفت روزہ سنسیشن میں نہیں پڑھے۔

میں گھٹیا قسم کے رسائل نہیں پڑھتا۔

کیلی پیٹرسن۔۔۔۔۔۔۔۔ہر ہفتہ اپنے تجربات اس کے لئے لکھتی ہے۔۔۔۔۔۔وہ کہتی ہے کہ مجھے اپنی یہ پراسرار زندگی بڑی پر کشش معلوم ہوتی ہے۔میں لاکھوں کی مالک ہوں لیکن مجھے کوئی نہیں جانتا۔۔۔۔۔۔۔میں اپنے ملازمین کے قریب سے گذر جاتی ہوں لیکن وہ نہیں جان سکتے کہ ان کی مالکہ ابھی ان کے قریب سے گذری ہے۔وہ یہ بھی لکھتی ہے کہ میں عرصہ تک خود اپنی فرم میں ایک معمولی ملازم کی حیثیت سے کام کر چکی ہوں۔

اس کی شادی مکلارنس سے ضرور ہونی چاہیئے۔عمران بڑبڑایا۔

مکلارنس۔۔۔۔۔۔۔۔اگر مکلارنس تین ماہ کے اندر اندر گرفتار نہ ہوا تو میں استعفٰی

دے دوں گا۔۔۔۔۔سر ڈیکن نے کہا۔

اور میں شمال کی طرف چلا جاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔۔چلتا رہوں گا۔۔۔۔۔حتی کہ بحر منجمند کی حدیں شروع ہو جائیں گی۔پھر برف کا طوفان آئے گا۔۔اور۔

اور یہ بکواس بند کرو۔سر ڈیکن نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔مکلارنس سے پہلے کیلی پیٹرسن کا سراغ ملنا چاہیئے۔

اور مکلارنس اتنا بدھو ہے کہ وہ ڈچز آف ونڈلیمر اور کیلی پیٹرسن کے وکیل مسٹر ہارڈنگ پر ہاتھ ڈالنے کی بجائے ادھر اُدھر ٹکریں مارتا پھر رہا ہے۔۔۔۔۔نہیں سر ڈیکن۔۔۔یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

آنی بھی نہ چاہیئے۔۔۔سر ڈیکن نے کہا۔ویسے میرا دعوٰی ہے کہ یہ دونوں بھی محفوظ نہیں ہیں۔

سر ڈیکن نے میز سے ایک رسالہ اٹھا کر عمران کے سامنے پھینک دیا۔۔۔۔اور پھر بولے۔یہ ہفت روزہ سنسیشن ہے۔اس میں کیلی پیٹرسن نے مکلارنس کو چیلنج کیا ہے۔

ہائیں۔۔۔۔۔۔تب تو یہ شادی ضرور ہو گی سر ڈیکن۔

سر ڈیکن کچھ نہیں بولے۔۔۔عمران رسالے کے صفحات الٹتا رہا۔

اس نے کیلی پیٹرسن کا چیلنج پڑھا۔۔۔۔۔۔۔اس نے لکھا تھا کہ مکلارنس کوئی وحشی ہے۔۔۔عقل نہیں رکھتا۔۔۔۔۔۔۔۔اس نے میری فرم کے جنرل منیجر پر اس لئے تشدد کیا تھا کہ میرے متعلق معلومات حاصل کر سکے۔۔۔۔۔حالانکہ یہ ایک بڑی حماقت تھی۔۔۔۔لندن میں مجھے صرف ایک ہستی جانتی ہے اگر مکلارنس چاہے تو میں اس کا نام بھی بتا سکتی ہوں لیکن میرا دعوٰی ہے کہ مکلارنس اس پر بھی ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔میں اس کی حفاظت کروں گی۔۔۔لیکن اسی سے پہلے مکلارنس کو یہ بتانا پڑے گا کہ سے میری تلاش کیوں ہے۔

وہ ضرور بتائے گا مس کیلی پیٹرسن ہمپ۔۔۔۔۔عمران ہونٹ بھینچ کر سر ڈیکن کی

طرف دیکھنے لگا۔

کیا خیال ہے اس چیلنج کے متعلق۔سر ڈیکن نے پوچھا۔

مجھے تو یہ سب کچھ فراڈ معلوم ہوتا ہے سر ڈیکن۔

کیا مطلب۔

فراڈ کا مطلب سمجھنے میں دیر لگتی ہے ویسے عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کیلی پیٹرسن کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔

تب تو پھر ڈچز آف ونڈلیمر کا وقار خطرے میں پڑ جاتا ہے۔سر ڈیکن نے کہا۔

مگر۔۔۔۔۔وہ تو کہتی ہے کہ میں بھی ذاتی طور پر کیلی پیٹرسن سے واقف نہیں ہوں۔۔مگر سر ڈیکن یہ نک کارٹر۔۔۔

اوہ اسے چھوڑو۔۔۔۔۔ڈچز کو تم نے پچھلی رات بہت زیادہ پلا دی تھی۔

پھر بھی یہ نک کارٹر۔

وہ مر چکا ہے۔بیس پچیس سال کا عرصہ ہوا میں نے تصدیق کر لی ہے۔

وہ تھا کون۔۔۔

ایک آسٹریلوی باشندہ جس نے بھیڑوں کے ایک وبائی مرض کا کامیاب علاج دریافت کیا تھا۔۔۔۔۔۔اس لئے آج بھی آسٹریلوی اس کا نام عزت سے لیتے ہیں۔

مگر ڈچز نے تو کہا تھا کہ وہ ایک معزز خاندانی آدمی ہے۔

کہا ہوگا عمران۔نک کارٹر کے پیچھے پڑنا فضول ہے۔۔۔۔۔نشے میں ڈچز بظاہر اچھی خاصی نظر آتی ہے۔۔۔۔۔۔۔لیکن اس کا دماغ الٹ جاتا ہے۔۔۔۔۔تم سے بنیادی غلطی ہوئی تھی پچھلی رات،کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تھا۔عمران کچھ نہ بولا۔اس کی فکر میں ڈوبی ہوئی آنکھیں خلا میں گھور رہی تھیں۔

ہوں وہ تھوڑی دیر بعد مسکرایا۔پیٹرسن پی چنگ کارپوریشن یہ پی چنگ کیا بلا ہے

ہاں اب تم نے ڈھنگ کی بات پوچھی ہے۔ یہ فرم دراصل پی چنگ کی شراکت میں چل رہی ہے۔۔۔۔ پی چنگ ایک متمول چینی ہے۔۔لیکن اچھا آدمی نہیں ہے۔کم از کم پولیس کی نظر میں تو وہ بہت ہی برا ہے یہ اور بات ہے کہ لندن کے کئی خیراتی ادارے محض اس کی امداد پر چل رہے ہیں۔ پی چنگ مورگیٹ اسٹریٹ کی ایک شاندار عمارت میں رہتا ہے اور یہ عمارت اس کی اپنی ہے۔

آہا وہ بھی مورگیٹ اسٹریٹ ہی میں رہتا ہے۔۔۔اور پیٹرسن کا وکیل بھی وہیں رہتا ہے۔یہ بات قابل غور ہے سر ڈیکن۔ پی چنگ بھی مکلارنس کا شکار ہوسکتا ہے۔آخر اس نے ابھی تک اس کی خبر کیوں نہیں لی۔ پی چنگ کیلی پیٹرسن کا پارٹنر ہے۔ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے واقف ہو۔۔۔۔میری ہی طرح مکلارنس کی عقل بھی معدے میں قیام پزیر ہے۔۔۔۔۔۔ویسے سر ڈیکن۔۔۔۔۔۔۔۔میرا خیال ہے کہ ڈچز ہی ہماری بہت رہنمائی کر سکے گی۔

ہاں ڈچز لیکن اس سے کوئی بات معلوم کر لینا بہت مشکل ہے۔

کیا آپ قانونی طور پر اسے مجبور نہیں کر سکتے۔

قطعی نہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی یہ شبہ ظاہر کرے کہ کیلی پیٹرسن بجائے خود فراد ہے۔دو آدمی کے لئے بہت مناسب ہیں۔۔۔۔ایک تو پیٹرسن کا وکیل ہارڈنگ اور دوسرا پیٹرسن کا پارٹنر پی چنگ لیکن ان میں سے ایک مطمئین ہے اور دوسرا خاموش۔ایسی صورت میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔

ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

یعنی۔

آج میں پہلے پی چنگ سے ملوں گا۔

ضرور ملو۔۔۔۔لیکن۔۔۔۔ہوشیار رہنا۔۔۔۔۔۔۔وہاں تمہیں ایک خطرناک آدمی بھی ملے گا۔

کون ۔۔۔

سنگ ہی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک دوغلا چینی جس کے متعلق لندن کی پولیس شبہات میں مبتلا ہے۔

ہوگا۔۔۔میں صرف پی چنگ کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں اس کے بعد خدا نے توفیق دی تو پیٹرسن کے وکیل ہارڈنگ سے بھی دو باتیں ہو جائیں گی۔

لیکن مکلارنس سے بچے رہنا۔۔۔

آہا۔۔۔جناب ۔۔۔۔۔۔مجھے اپنی موت پر کبھی افسوس نہیں ہوتا۔۔۔آپ فکر نہ کیجئے۔

عمران کی ٹیکسی مورگیٹ اسٹریٹ میں داخل ہوئی۔اور پولیس چوکی کے سامنے سے گذرتی ہوئی ایک بڑی عمارت کے سامنے رک گئی۔پی چنگ یہیں رہتا تھا۔

عمران نے ٹیکسی سے اتر کر کرایہ ادا کیا اور عمارت کے برآمدے میں پہنچ کر کال بیل کا بٹن دبانے لگا۔۔۔کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک بوڑھے انگریز ہٹلر کا سر دکھائی دیا۔

کیا بات ہے۔۔۔اس نے عمران کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے ڈپٹ کر پوچھا۔

مسٹر پی چنگ سے ملنا ہے۔

نہیں پیکنگ سے کوئی خط نہیں آیا۔ہٹلر نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔یہ ڈاک خانہ نہیں ہے۔

قبل اس کے عمران کچھ کہتا۔دروازہ بند ہو گیا۔۔۔تقریباً دو تین منٹ بعد اس نے پھر گھنٹی کا بٹن دبایا۔۔۔اس بار دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔۔۔لیکن جس نے دروازہ کھولا تھا وہ کوئی انگریز نہیں تھا۔

عمران نے اسے بہت غور سے دیکھا۔اور دیکھتا ہی رہ گیا۔۔۔یہ ایک دراز قد اور دبلا پتلا چینی تھا۔۔۔اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں حیرت انگیز طور پر چمکیلی

تھیں۔عمران نے اتنے لمبے قد کا کوئی چینی آج تک نہیں دیکھا تھا۔اس کی ناک چپٹی ضرور تھی لیکن پھر بھی وہ خالص چینی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

فرمایئے۔اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

میں جانتا ہوں عمران نے جرمنوں کے سے انداز میں انگریزی بولنے کی کوشش کی۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ڈاک خانہ نہیں ہے اور نہ میں نے یہی پوچھا تھا کہ پیکنگ سے کوئی خط آیا ہے۔

میں نہیں سمجھا جناب کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔

مم۔۔۔۔۔ہمپ۔۔۔۔۔۔وہ ابھی ایک بٹلر آیا تھا میں نے س سے کہا کہ میں مسٹر پی چنگ سے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔لیکن اس نے جواب دیا کہ پیکنگ سے کوئی خط نہیں ایا۔یہ ڈاک خانہ نہیں ہے۔

اوہ۔۔۔۔۔وہ دراز قد چینی ہنسنے لگا۔وہ دراصل بہرہ ہے لیکن آپ مسٹر پی چنگ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔

میں برلن سے آیا ہوں۔اور میرے پاس ان کے لئے ایک خط ہے۔

اوہو۔۔۔۔۔مگر مسٹر پی چنگ اس وقت بہت اداس ہیں کیونکہ ان کا طوطا مر گیا ہے۔مگر خیر آپ آیئے۔میں کوشش کروں گا کہ وہ اس وقت آپ سے ملنے پر رضامند ہو جائیں۔آپ کا کارڈ میرا نام فوئر باخ ہے۔۔۔عمران نے کہا۔

اوہو۔۔۔۔۔۔۔۔آپ فلسفی فوئر باخ کے خاندان سے تو نہیں۔

میرے خاندان میں ہر قسم کے فوئر باخ گذرے ہیں موچی سے لیکر فلسفی تک۔۔۔تم اس کی پرواہ مت کرو۔

خوب دراز قد چینی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا اور پھر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا آیئے۔

وہ عمران کو ساتھ لئے ہوئے ایک ایسے کمرے میں آیا۔جو غالباً نشست کے لئے

تھا۔اور بہترین قسم کے آرائشی فرنیچر سے مزین تھا۔

وہ اسے وہاں بٹھا کر چلا گیا۔پھر تھوڑی دیر بعد ایک پستہ قد اور گول مٹول سے چینی کے ساتھ واپس آیا۔۔۔۔وہ اتنا موٹا تھا کہ اسے چلنے میں بھی شاید دشواری محسوس ہو رہی تھی۔لیکن جب وہ بولا تو عمران بمشکل تمام اپنی ہنسی روک سکا۔کیونکہ اس کی آواز سیٹی سے مشابہ تھی۔بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی ہاتھی میاؤں میاؤں کر رہا ہو۔

کس کا خط لائے ہیں آپ مسٹر اس نے کہا اور پھر کچھ اس طرح پلٹ کر دراز قد چینی پر اپنے دونوں ہاتھ چلائے جیسے اس کی پشت پر چٹکی لی ہو۔دراز قد چینی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔اور پی چنگ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔حرامزادے۔

پھر عمران سے بولا ہاں مسٹر۔۔۔۔۔۔۔جلدی۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ کس کا خط لائے ہیں

خط۔۔۔۔۔ عمران حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا کس کا خط کیسا۔۔۔۔خط۔۔۔۔۔۔کہیں میں کسی پاگل خانے میں تو نہیں آ گیا۔۔۔۔۔پہلے آپ کے بٹلر نے کہا تھا کہ پیکنگ سے کوئی خط نہیں ایا۔۔۔۔۔۔حالانکہ میں نہ کہا تھا کہ مسٹر پی چنگ سے ملنا چاہتا ہوں اب آپ بھی کسی خط کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

دراز قد چینی عمران کو بہت غور سے دیکھنے لگا پھر مسکرا کر انگریزی میں بولا۔

اوہو۔۔۔۔۔۔۔یہ شاید تمہارے ساتھ پنگ پانگ کھیلنے آئے ہیں۔

جی نہیں عمران سر ہلا کر بولا میں تو یہ کہنے آیا تھا کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔

کیا مطلب۔۔۔ پی چنگ اچھل پڑا پھر خوفزدہ آواز میں بولا۔آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

اچانک پھر اس نے پلٹ کر دراز قد چینی پر دو ہتھڑ چلایا اور بالکل پہلے ہی کے انداز میں بولا۔حرامزادے۔

میں یہ کہہ رہا تھا۔۔عمران نے کہا۔زندگی کا کوئی اعتبار نہیں پتہ نہیں کب آپ کو بھی

مکلارنس پکڑ لے جائیے۔

پی چنگ نے مکلارنس کی ماں سے اپنے ناجائز رشتے کا اعلان کیا۔

آپ کی پارٹنر۔۔۔۔۔ کیلی پیٹرسن۔۔

لیکن پی چنگ نے اسے جملہ نہیں پورا کرنے دیا کیونکہ اس بار اسکی سیٹی جیسی آواز کیلی کی ماں سے بھی اسی رشتے کا اعلان کررہی تھی پھر وہ عمران پر برس پڑا۔تم مجھے دھمکانے آئے ہو۔۔میں کسی مکلارنس وکلارنس سے نہیں ڈرتا۔۔۔۔چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔۔۔۔ورنہ میں پولیس کوفون کردوں گا۔

آپ غلط سمجھے عمران نے سعادتمندانہ لہجے میں کہا۔ میں تو یہ پوچھنے آیا تھا کہ آپ نے اپنی زندگی کا بیمہ کرالیا ہے یانہیں۔اگر نہ کرایا ہوتو میں اپنی کمپنی کی خدمات پیش کروں۔

اس پر کمپنی کی ماں کا بھی وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے کیلی اور مکلارنس کی ماؤں کا ہو چکا تھا۔۔۔اس کے بعد پی چنگ سارے لندن کی ماؤں پر احسان کرتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

اپ ہی اپنی زندگی کا بیمہ کرالیجئے۔عمران نے مسمی صورت بنا کر دراز قد چینی سے کہا۔

ضرور۔۔۔۔۔۔۔۔ضرور۔۔وہ مسکراتا ہوا اٹھا اور عمران کے قریب آ کر آہستہ سے بولا۔

اتنی دیر میں سارے دروازے مقفل ہو چکے ہوں گے تم یہاں سے باہر نہیں نکل سکو گے۔

اوہو۔۔۔۔۔بہت بہت شکریہ۔عمران نے شرمیلی ہنسی کے ساتھ کہا۔ میں بہت تھک گیا ہوں شاید آپ مجھے شام تک یہاں آرام کرنے کی اجازت دے دیں گے۔

تمہارا تعلق کس کمپنی سے ہے۔ویسے تم مجھے جرمن نہیں معلوم ہوتے۔

میرا تعلق نیو لایف انشورنس کمپنی سے ہے۔اور میں جرمن نہیں ہوں۔

پھر کون ہو

میں دراوڑ ہوں

تم مجھ سے نہیں اڑ سکتے سمجھے۔۔۔۔دراز قد چینی نے اردو میں کہا۔ میں جانتا ہوں کہ تم کس قوم یا نسل سے تعلق رکھتے ہو۔

عمران کو سخت حیرت ہوئی لیکن اس نے اپنے چہرے سے نہیں ظاہر ہونے دیا اور برجستہ بولا میں چینی زبان نہیں سمجھ سکتا۔

تمہاری اپنی زبان کیا ہے۔

عمران نے اپنی پوری زبان منہ سے نکال کر اسے دکھائی اور دراز قد چینی جھنجھلا گیا

اگر تمہیں مکلارنس نے بھیجا ہے تو میں تمہیں چلا جانے دوں گا مگر یہ جان بخشی ایک کام کے صلے میں ہوگی۔

آپ مجھے اپنی عمر بتائیے تاکہ میں آپ کو کوئی مفید مشورہ دے سکوں عمران نے خالص کاروباری انداز میں کہا۔

مکلارنس سے کہہ دینا اس طرح آنکھ اٹھانے کی بھی جرات نہ کرے ورنہ اس کا سارا بھرم خاک میں مل جائے گا۔ بلکہ اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ پی چنگ کی پشت پر کوئی برساتی مینڈک نہیں بلکہ سنگ ہی ہے۔

ہائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا کہا۔۔۔۔پی چنگ برساتی مینڈک ہے عمران نے حیرت ظاہر کی۔ ویسے اسے اس پر حیرت تھی کہ یہی مچھر سا آدمی سنگ ہی ہے۔اس نے سنگ ہی کا نام بہت زیادہ سنا تھا اور لندن ہی کے دوران قیام میں سرخ چین کے ریڈیو سے اس نے بھی سنا تھا کہ سنگ ہی نے سرخ حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی تھی اور اپنے مقصد میں ناکام رہنے پر وہاں سے بھاگ

نکلا تھا اس کے ملک بدر کر دیئے جانے کی خبر تو محض سرکاری رسمیات میں سے تھی اس پر قانون کا ہاتھ پڑ ہی نہیں سکا تھا۔

تم ضرورت سے زیادہ عقلمند معلوم ہوتے ہو۔سنگ ہی اسے گھورتا ہوا بولا۔لیکن اتنی کم عمری میں تمہیں اتنا دلیر نہ ہونا چاہیئے۔سمجھے۔سنگ کی نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا۔۔۔۔۔۔۔۔ویسے مجھے افسوس ہے کہ تم مکلارنس جیسے گھریلو چوہے کے لئے کام کر رہے ہو۔

چچا سنگ مجھے خود افسوس ہے۔مگر میں مجبور ہوں۔عمران نے دردناک لہجے میں کہا۔

کیا مجبوری ہے۔

میری محبوبہ پکڑ والی ہے اس نے۔

کوئی بکری تھی۔۔۔سنگ ہی مسکرا کر بولا۔پکڑ والی ہے کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے۔

خود تمہاری محبوبہ ہوگی بکری۔۔۔عمران بگڑ گیا۔ذرا زبان سنبھال کر۔۔۔۔۔۔ورنہ میں بہت خراب آدمی ہوں۔

سنگ ہی اس طرح ہنسا جیسے کسی ننھے سے بچے کے لاف وگزاف پر ہنس پڑا ہو۔۔۔۔پھر فوراً سنجیدہ ہو کر ہمدردانہ لہجے میں بولا۔اوہ۔۔۔۔تم نہیں سمجھے میرا مطلب۔۔۔۔۔کیا وہ کوئی بے سہارا لڑکی تھی۔

نہیں۔۔۔۔دیوار کے سہارے کھڑی تھی۔بس اچانک اس کے آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔۔۔اور پکڑ لے گئے۔۔۔بقول کنفیوشس۔۔

شش۔۔۔۔سنگ برا سا منہ بنا کر بولا یہ نفرت انگیز نام آئندہ میرے سامنے نہ لینا۔۔۔ہاں تو پھر کیا ہوا۔

پھر یہ ہوا کہ میری مٹی پلید ہو رہی ہے۔۔۔۔۔۔عمران رو دینے کے سے انداز میں بولا۔اب مجھے مکلارنس کی طرف سے دھمکیاں ملتی ہیں کہ اگر میں اس کا کام نہیں کروں گا تو وہ میری محبوبہ کو مار ڈالے گا۔

تم سے وہ کیا کام لینا چاہتا ہے۔

اوہ۔۔۔۔کیا بتاؤں۔۔۔کبھی پریس رپورٹر بنا دیتا ہے اور کبھی کسی بیمہ کمپنی کا

ایجنٹ

لیکن اس نے تمہیں یہاں کیوں بھیجا تھا۔

تا کہ میں اسکے متوقع حملے کا تذکرہ کر کے مسٹر چنگ کو زندگی کا بیمہ کرانے کا مشورہ دوں۔

اس کا مقصد۔۔۔

مقصد میں نہیں جانتا

یہ حکم تمہیں کس نے دیا تھا۔

مکلارنس نے۔

تم نے مکلارنس کو دیکھا ہے۔

نہیں اس کے احکامات مجھے ہمیشہ فون پر موصول ہوتے ہیں۔

تم کرتے کیا ہو۔

پڑھتا ہوں۔

طالب علم ہو۔۔۔

ہاں میں یہاں پڑھنے کے لئے آیا تھا۔ایک لڑکی سے وہ ہوگئی۔عمران نے شرما کر کہا۔

تم مجھے بالکل چغد معلوم ہوتے ہو۔

کیا کہا۔۔۔عمران گھونسہ تان کر اس کی طرف بڑھا۔۔۔۔لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اس کے دونوں ہاتھ سنگ ہی کی گرفت میں تھے۔

عمران نے محسوس کیا کہ وہ اپنے ہاتھ چھڑا لینے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔اس کی انگلیاں اسے اپنی کلائی پر جونکوں کی طرح لپٹی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔۔۔اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے کے بجائے جھلائے ہوئے لہجہ میں کہا۔اگر میں چغد ہوں تو تم الو ہو۔۔۔

یہ دوسری بات ہے۔ سنگ ہی نے ہنس کر اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور بولا تم۔۔۔۔اب اگر یہاں سے واپس گئے تو شاید مار ہی ڈالے جاؤ

کیوں عمران نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

میں یہی محسوس کر رہا ہوں۔۔۔۔۔۔ویسے تم اپنی محبوبہ کو اس کے پنجے سے رہائی دلانا چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔

ارے جاؤ۔۔۔تم کیا مدد کرو گے مکلارنس تمہیں کسی مچھر کی طرح مسل پھینک دے گا۔۔۔۔۔۔۔واہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا بات کہی تم نے کیا نشے میں ہو یار۔

اچھا بیٹا۔سنگ ہی آنکھ مار کر بولا۔تم دیکھنا کہ میں کس طرح اسے اس کے بل سے نکال کر ایک حقیر چوہے کی طرح مار ڈالتا ہوں۔

تم کیلی پیٹرسن کا پتہ تو لگا نہیں سکتے مکلارنس کو کیا نکالو گے۔

کیلی پیٹرسن سنگ ہی نے برا سا منہ بنایا۔

ارے۔۔۔۔۔۔۔خبردار اگر تم نے اس کے خلاف نفرت ظاہر کی۔۔۔۔۔۔مجھے اس کے نام ہی سے۔۔۔۔عمران نے شرما کر سر جھکا لیا۔۔۔۔۔۔پھر آہستہ سے بولا وہ ہو گئی ہے۔

کبھی کسی عورت سے گفتگو کرنے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔سنگ ہی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

تم سے مطلب۔۔۔۔لیکن تم نے کیلی کے نام پر نفرت کیوں ظاہر کی تھی۔۔

کیلی۔۔۔۔۔۔۔فراڈ ہے۔۔سنگ ہی نے کہا۔۔

یعنی۔۔۔۔۔۔

ضروری نہیں کہ میں تمہیں سب کچھ سمجھاؤں بھی سنگ ہی اسے گھورتا ہوا بولا۔

یہ تمہیں سمجھانا ہی پڑے گا تم نے ایک ایسی لڑکی کو فراڈ کہا ہے جسکا نام مجھے بہت وہ لگتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔پیارا۔۔۔۔۔۔۔۔۔پیارا۔۔۔۔۔۔۔۔

اچھا اب تم یہاں سے چپ چاپ کھسک جاؤ سمجھے ۔۔۔ میں سمجھ گیا۔

کیا سمجھ گئے ۔۔۔عمران نے پوچھا۔

تم کسی اخبار کے رپورٹر ہو اور کیلی پیٹرسن کے متعلق ہماری رائے دریافت کرنا تمہاری آمد کا مقصد ہے ۔۔۔۔۔چلو ۔۔۔۔۔۔۔۔نکلو ۔۔۔۔۔۔۔۔نہیں تو دھکے دے کر نکال دوں گا۔

ارے ۔۔۔۔۔۔۔وہ دروازہ ہے۔ دے کر تو دیکھو دھکے ۔۔۔۔میں کیا تم سے کمزور ہوں۔ ویسے شریف آدمی ہاتھا پائی نہیں کرتے۔

باہر نکلو۔ سنگ ہی نے اسے دھکا دیا۔

ابے دیکھو ہاں ۔۔۔۔۔۔میں بہت برا آدمی ہوں ۔۔۔۔عمران دھکا کھا کر پلٹا اور دور ہی سے سنگ ہی کو گھونسہ دکھاتا رہا۔

سنگ ہی نے پھر اسے دھکا دیا۔

اے ۔۔۔۔۔۔۔۔دیکھو ۔۔۔۔۔۔۔میں سمجھائے دیتا ہوں ۔۔۔۔۔اب دھکا دیا تو اچھا نہیں ہوگا۔

سنگ ہی اسے دھکے دیتا ہوا دروازے تک لایا ۔۔۔۔۔۔اور عمران باہر نکلتا ہوا بولا۔ اچھا ۔۔۔۔۔۔میں دیکھوں گا ۔۔۔مچھر کی اولاد۔

سنگ ہی نے دروازہ بند کرلیا اور عمران کھڑا چیختا رہا۔

تم لوگ کمینے ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔کتے ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔بداخلاق ہو ۔۔۔۔۔۔۔میں تم سے سمجھوں گا ساری شیخی دھری رہ جائے گی۔

پھر وہ اس طرح وہاں سے چل پڑا جیسے اسے دروازے پر بھیک نہ ملی ہو ۔۔۔۔۔۔مگر وہ عمران تھا۔ تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد اس نے محسوس کرلیا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

مورگیٹ اسٹریٹ سے نکل آنے کے بعد بھی وہ پیدل ہی چلتا رہا۔

پھر ایک جگہ رک کر ایک دوا فروش کی دوکان میں گھس کر ایک ایسی تجارتی فرم کے نمبر ڈائیل کئے جس کی لائنیں ہمیشہ انگیج رہی تھیں۔ ظاہر ہے کہ دوسری طرف سے اس کو جواب نہ ملا ہوگا لیکن عمران نے باقاعدہ اسٹارٹ لے کر بولنا شروع کر دیا۔ تعاقب کرنے والا چینی بھی دوکان کے اندر آ گیا اور کاونٹر پر کچھ اس انداز میں کھڑا تھا جیسے اسے بھاری مقدار میں دوائیں خریدنی ہوں۔

عمران ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔ ہیلو۔۔۔۔۔۔آواز دھیمی آ رہی ہے ذرا زور سے بولیئے۔ ہاں۔۔۔۔اس نے مجھے دھکے دلوا کر نکال دیا۔۔۔بیمہ نہیں کرائے گا۔ وہ آپ سے بھی خوفزدہ نہیں ہے۔۔۔۔وہاں ایک دبلا پتلا مچھر سا آدمی بھی تھا۔ اس نے آپ کو بہت گالیاں دیں۔۔۔۔ہائیں تو آپ مجھے کیوں گالیاں دے رہے ہیں۔ ارے واہ۔۔۔دیکھئے خدا کے لئے اب میری پیاری۔۔۔۔۔۔کٹی کو چھوڑ دیجئے ورنہ میں خودکشی کرلوں گا۔۔۔ہاں۔۔۔کیا۔۔۔اس کا نام۔۔۔ٹھہریئے۔۔۔۔۔۔۔بتاتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔یہ چینی نام عجیب ہوتے ہیں۔۔۔پنگ پانگ۔۔۔نہیں کچھ ایسا ہی تھا۔۔۔پنگ پی۔۔۔۔۔چنگ جی۔۔۔جہنم میں جایئے۔۔۔مجھے نام نہیں یاد آ رہا۔۔۔خدا کے لئے چھوڑ دیجئے میری کٹی کو۔۔۔ہائیں بند کر دیا۔۔۔۔خدا غارت کرے۔۔

عمران ریسیور رکھ کر بری بری گالیاں بکنے لگا۔۔۔اچانک کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا وہ چونک کر مڑا۔۔۔۔۔۔۔یہ سنگ ہی تھا جس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

میرا نام سنگ ہی ہے۔۔۔اس نے اردو میں کہا۔

عمران فون کی طرف جھپٹا۔

ٹھہرو۔۔۔سنگ ہی نے اسکا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ کٹی بہت خوبصورت لڑکی ہے۔۔۔خیر ہوگی۔۔۔۔۔۔ویسے تم اردو سمجھتے ہو اور میرا اندازہ غلط نہیں تھا کہ تم

برصغیر کے کسی ملک کے باشندے ہو۔

عمران خاموش ہو کر پلکیں جھپکاتا رہا۔۔

کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔۔سنگ ہی نے مسکرا کر پوچھا۔تم نے کس نمبر پر رنگ کیا تھا۔

ڈبل تھری فور ڈبل ناٹ۔۔۔

یہ کس کے نمبر ہیں۔۔۔تم نے معلوم کرنے کی کوشش تو کی ہوگی۔۔۔سنگ ہی نے عمران کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے کئی بار ٹیلیفون ڈائریکٹری میں تلاش کرنے کی کوشش کی۔۔۔لیکن مجھے۔۔تم نہیں بتاؤ گے۔۔۔

مجھے معلوم ہی نہیں مسٹر پنگ لی۔۔۔پنگ پنگ۔۔۔۔۔پن چن۔۔۔پھر بھول گیا شاید آپ کا نام۔۔۔

کیا تم نے ایکسچینج سے معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہوگی۔

کی تھی۔۔معلوم ہو گیا تھا۔۔۔۔۔مگر مجھے نام یاد نہیں رہتے۔۔۔۔۔پورا پتہ ذہن سے اتر گیا۔۔۔بالکل یاد نہیں۔۔۔۔۔لیکن وہ کوئی سر تھا۔۔۔۔۔اوہو۔۔۔ٹھہریئے۔۔۔یاد آ گیا۔۔۔سر مکھن تھا شاید۔۔۔۔نہیں سر ڈیکن۔۔۔۔۔اوہا۔۔۔وہ مارا آ گیا یاد۔۔۔۔۔سر ڈیکن۔۔۔۔۔سر دیکن۔

سر ڈیکن۔۔۔۔۔کیا بکتے ہو۔۔۔۔۔پورے لندن میں صرف ایک ہی سر ڈیکن ہے اور وہ ہے پولیس کمشنر۔۔۔

وہ مارا۔۔۔۔۔عمران خوش ہو کر بولا۔۔۔اب بالکل یاد آ گیا۔یہی نمبر تھا۔۔۔۔۔اور عمارت۔۔۔۔ڈیکن ہال۔۔۔

کیا تم مجھے الو سمجھتے ہو۔۔۔سنگ ہی جھلا گیا۔

الومیر اپسندیدہ پرندہ ہے۔۔۔میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا عمران نے سنجیدگی سے کہا۔۔۔کو کچھ معلوم تھا تمہیں بتا دیا وہ بھی محض اس لئے کہ مجھے مکلارنس سے محبت نہیں ہے۔۔۔اور اب یہ چاہتا ہوں کہ وہ میری کٹی کو رہا نہیں کرتا تو مجھے بھی مار ڈالے۔

مجھ سے اڑنے کی کوشش نہ کرو۔۔۔۔۔میں تمہیں یہاں اس دوکان میں بھی درست کر سکتا ہوں۔

پہلے خود کو درست کر لو پھر مجھے درست کرنا۔۔۔۔ڈونگرے کا بال امرت پیا کرو۔یا اشرف میڈیکل لیبوریٹریز لائل پور سے بہار اطفال اور اکسیر مسان منگوا لو۔۔۔تم سوکھے کے مرض میں مبتلا معلوم ہوتے ہو۔۔۔یہ دوائیں ضرور استعمال کرو انڈے کی زردی میں چڑھا دیا کروں گا۔۔۔۔ٹاٹا۔۔۔

عمران ہاتھ ہلاتا ہوا دوکان سے نکل گیا۔۔۔۔۔۔سنگ ہی نے بھی اس کے ساتھ ہی دوکان سے باہر قدم نکالا۔

تم خفا ہو گئے ہو دوست۔۔۔۔۔۔سنگ ہی پھر اس کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔

نہیں تو۔۔۔۔عمران نے پلٹ کر کہا۔۔۔۔مگر تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔۔۔ورنہ کہیں پولیس مجھے کسی شبہے میں دھر نہ لے۔۔۔تم صورت سے گروکٹ معلوم ہوتے ہو۔۔۔

کیا بکتے ہو کس میں اتنی ہمت ہے کہ میری طرف آنکھ بھی اٹھا سکے۔میں ایک معزز آدمی ہوں۔

معزز مچھر۔۔۔۔۔ملیریا والا۔۔۔عمران نے سر ہلا کر کہا۔

سنگ ہی کو غصہ نہیں آیا وہ بدستور مسکراتا رہا۔۔۔

تم رہتے کہاں ہو۔۔۔

تیرہ ہالے اسٹریٹ

خیر ہوگا۔تم کہیں رہتے ہو۔۔مجھے اس سے غرض نہیں ہے مگر نہ جانے کیوں میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں۔

سچ۔۔۔۔۔۔۔۔عمران پرمسرت لہجے میں چیخا۔اور لندن کی ایک بھری پُری سڑک پر اس سے بغلگیر ہوگیا۔

تم پہلے آدمی ملے ہو جس نے مجھے پسند کیو ہے۔۔عمران اس کی پشت تھپکتا ہوا بولا۔

اب

میں تمہیں مچھر نہیں کہوں گا۔

سنگ ہی نے آہستہ آہستہ سے اسے الگ ہٹاتے ہوئے کہا۔چلو ہم کہیں بیٹھ کر کچھ غم غلط کریں گے۔

یار تم بڑی با محاورہ اردو بول لیتے ہو۔عمران نے حیرت ظاہر کی۔

میں دس زبانوں کا ماہر ہوں۔

وہ دونوں اسی سڑک کے ایک جوائینٹ میں آ بیٹھے۔

کیا پیو گے۔۔۔۔سنگ ہی نے پوچھا۔

آج تو دہی کی لسی پینے کو جی چاہتا ہے۔

تم لندن میں ہو برخودار فضول بکواس نہ کرو۔۔۔وہسکی اور سوڈا منگواؤں۔۔

میں شراب نہیں پیتا۔

اوہو۔۔۔۔۔کیا لندن میں بھی تم اتنے ہی کمزور دل کے ہو۔

ہاں۔۔۔لندن میں بھی مجھے ٹھنڈا پانی مل ہی جاتا ہے چچا۔

سنگ ہی نے اس کے لئے چائے اور اپنے لئے وہسکی کا آرڈر دیا۔

لندن۔۔۔۔پیسہ مانگتا ہے۔۔۔سنگ ہی بڑبڑایا۔

بابا خدا کے نام پر۔۔۔۔۔۔۔عمران نے ہانک لگائی۔

تم ایک کٹی کو رو رہے ہو۔۔۔۔۔یہاں ہزاروں کٹیاں تمہاری راہ میں آنکھیں

بچھانے کو تیار رہیں۔

ہائیں۔۔۔۔کہاں۔۔۔۔۔۔۔۔کدھر۔۔۔۔۔۔۔۔عمران بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔۔۔

ہر جگہ۔۔۔لیکن تمہاری جیب میں پیسہ ہونا چاہیئے۔۔۔۔بیشمار۔۔۔۔۔لاتعداد۔۔۔

یہی تو نہیں ہے۔۔۔۔۔۔چچا سنگ۔

چچا سنگ تمہیں سونے اور چاندی میں دفن کر سکتا ہے۔۔

آہا تو پھر میں آج ہی اپنے تابوت کے لئے آرڈر دوں گا۔

تم مذاق سمجھتے ہو برخودار۔سنگ ہی آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور اسے میز پر پٹخ کر کہا۔یہ سو پونڈ ہیں۔انہیں رات تک ختم کر دینا۔کل اتنے ہی مجھ سے پھر لے جانا۔

آہا۔۔۔۔عمران پرمسرت لہجے میں بولا۔۔۔میں آج سے تمہیں انکل کی بجائے فادر کہوں

گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہاہا۔۔۔۔۔۔

عمران نے نوٹوں کی گڈی کھینچ کر اپنی جیب میں ڈال لی۔

کل پھر مجھے یہیں۔۔۔۔۔۔۔اسی وقت ملنا۔۔۔

اب تو میں ہر وقت یہیں مل سکتا ہوں۔۔۔عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔کہو تو دن رات بیٹھا رہوں۔

شراب آ گئی تھی سنگ ہی کسی بلانوش کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا۔۔۔ذرا ہی دیر میں ادھی بوتل صاف ہوگئی۔۔۔۔لیکن عمران نے سنگ ہی کی ظاہری حالت میں کوئی فرق نہیں محسوس کیا۔اب وہ عمران کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس طرح گھورنے لگا تھا۔۔۔۔جیسے وہ کہیں سے کوئی چیز چرا کر بھاگا ہو۔۔۔۔اچانک تھوڑی دیر بعد

سنگ ہی بولا۔تم جو کچھ نظر آتے ہو حقیقتاً وہ نہیں ہو۔

کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو کیا تم مجھے کتے کا پلا سمجھتے ہو۔

نہیں۔۔۔۔۔۔میں تم میں کچھ ایسی صلاحیتیں دیکھ رہا ہوں جو مجھے پسند ہیں۔

تب تو تم کل مجھے سو پونڈ سے بھی زیادہ دو گے۔

بکواس نہ کرو۔۔۔۔۔۔۔۔یہ پاونڈ میں نے بطور خیرات تمہیں نہیں دیئے۔۔۔

اگر مجھے اسکا شبہ بھی ہو جائے تو تمہارا گلا گھونٹ دوں عمران نے آنکھیں نکال کر کہا۔

تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔

بتاؤ

تمہیں لندن کی ایک معزز عورت کے ہاں ملازمت کرنی پڑے گی۔

عورت کی ملازمی۔۔۔۔۔۔۔عمران ہتھے سے اکھڑ گیا۔۔۔ارے لو یہ اپنے روپے۔۔۔میں کسی عورت کی ملازمت نہیں کروں گا۔۔۔تم پر بھی لعنت ہے۔۔۔ہاں۔

وہ ایک معزز عورت ہے۔۔۔۔ڈچز آف ونڈلیمر۔۔۔۔۔۔اس کے یہاں تقریباً نصف درجن نوجوان اور خوبصورت ملازمائیں ہیں۔۔۔۔۔کیا سمجھے۔۔۔۔۔۔اور تم اس کے کتوں کی دیکھ بھال کرو گے۔

گدھے چراؤں گا۔۔۔۔عمران جھلا گیا۔۔۔۔۔یہ لو اپنے روپے میں جا رہا ہوں۔۔۔

اس نے نوٹوں کی گڈی اٹھا کر سنگ ہی کے سامنے ڈال دی اور آدھی پیالی چائے چھوڑ کر اٹھ گیا۔

اچھا دوست۔سنگ ہی ایک طویل سانس لے کر بولا۔تم جاؤ لیکن آج تک کوئی ایسا آدمی ایک ہفتے سے زیادہ نہیں زندہ رہ سکا۔جس نے سنگ ہی کی کوئی بات ماننے سے انکار کی ہو۔

کیا بگاڑ لو گے میرا۔۔۔؟

میں تمہاری صورت بگاڑ دوں گا۔۔ اتنے بدصورت ہو جاؤ گے کہ کبھی کوئی لڑکی تمہارے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گی۔۔۔

عمران بوکھلائے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا۔۔۔۔ اپنی دانست میں وہ سنگ ہی کے گرد جال مضبوط کرتا جا رہا تھا،

ہم۔۔ہپ۔۔۔ می جانتا ہوں۔۔۔تم مجھے پہلے ہی لفنگے معلوم ہوئے تھے۔عمران ہانپتا ہوا بولا۔می جانتا تھا کہ تم مجھے کسی جال میں پھانسنے کی کوشش کرو گے۔

تم احمق ہو۔۔۔ میں تمہیں تمہاری کٹی واپس دلانا چاہتا ہوں۔۔۔فی الحال تم سے جو کام لینا چاہتا ہوں اس کے لیئے تم سے زیادہ موزوں آدمی اور کوئی نہ مل سکے گا۔

کیوں مجھ میں کونسی موزونیت نظر آ رہی ہے۔کیا میری شکل عورتوں کے ملازموں کی سی ہے۔ارے اگر شوہروں جیسی شکل بھی ہوئی تو میں خودکشی کرلوں گا۔

نہیں میری جان تم تو شہزادے معلوم ہوتے ہو۔سنگ ہی عمران کا ہاتھ سہلاتا ہوا بولا

۔

پھر تم مجھے کسی عورت کا ملازم کیوں بنانا چاہتے ہو۔۔۔؟

اوہ مری بات بھی تو سنو۔وہاں تم کسی شہزادے کی طرح زندگی بسر کرو گے۔ڈچز آف ونڈلیمر کو کوایک سیے پڑھے لکھے آدمی کی ضرورت ہے جو اس کے کتوں کی دیکھ بھال کر سکے۔اسے مشرقیوں سے عشق ہے۔وہ فوراً تمہیں رکھ لے گی۔۔۔اور پھر انے دوستوں میں فخریہ کہے گی کہ مغل اعظم کی نسل کا ایک شہزادہ اس کے کتوں کی دیکھ بھال کرتا ہے بلکہ زیادہ اچھا تو یہ ہو گا کہ تم اسے یہی کہہ دو۔۔۔

کیا کہہ دو۔۔۔؟

یہی کہ تم نل اعظم کی نسل سے ہو۔۔۔وہ تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے گ۔

پھر؟

پھر تم کتوں سے زیادہ آدمیوں کی دیکھ بھال کرنا۔۔میں دراصل ڈچز کے ملنے جلنے والوں کی فہرست چاہتا ہوں۔

جاسوسی؟ عمران حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔اور اچانک اس کے چہرے پر جوش کے آثار نظر آنے لگے اور وہ سنگ ہی کا ہاتھ دبا کر بولا۔میں ضرور کروں گا۔۔۔میں ضرور ڈنازکی ملازمت کروں گا۔مجھے جاسوسی کا بڑا شوق ہے۔۔۔لاؤ نوٹ مجھے واپس کردو۔

سنگ ہی نے وٹوں کی گڈی اس کی طرف کھسکادی۔عمران سوچ رہا تھا کہ وہ اور سنگ ہی دونوں ایک ہی نتیجے پر پہنچے ہیں۔عمران کی نظر پہلے سے ڈچز پر تھی اور اسے یقین تھا کہ نہ صرف کیلی بلکہ مکلارنس تک پہنچنے کا زریعی بھی سو فیصد یہی عورت ہوسکتی ہے۔

وہ بڑے غور سے سنگ ہی کی تجاویز سنتا رہا۔حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں سن رہا تھا اس کا ذہن کہیں اور تھا۔لیکن سنگ ہی کو اس کا احساس بھی نہ ہوسکا۔کہ عمران اس کیتا جویز میں دلچسپی نہیں لے رہا۔

(4)

دوسرے دن لندن کے باشندے پیٹرسن اور مکلارنس کے سلسلے مین ایک نئے نام سے واقف ہوئے۔یہ نام تھا سنگ تھا۔۔اور اس سنگ ہی نے مکلارس کو ایک مقامی اخبار کے زریعے چیلنج کیا تھا۔ویسے یہ دوسری بات ہے کہ سنگ ہی اس چیلنج کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا تھا۔اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ یہ چیلنج کس نے شائع کرایا ہے۔۔۔۔

یہ چیلنج دراصل پی چنگ کی حمایت تھا مضمون میں یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ ممکن ہے پیٹرسن پی چنگ کارپوریشن کے مینیجر کے بعد خود پی چنگ کا نمبر آجائے۔لہزا سنگ ہی کی طرف مکلارنس کو چیلنج تھا کہ پی چنگ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ ہی لے۔

یہ چیلنج پی چنگ کیظر سے گزرا تو اس کی سانسیں پھولنے لگیں۔وہ ایک ڈرپوک آدمی

تھا اور ان دنوں تو اسے ہر وقت اپنے چاروں طرف مکلارنس کے بھوت دکھائی دیتے تھے۔

اہ حرامزادے تو نے یہ کیا کیا؟ پی چنگ، سنگ ہی پر مکا تان کت دوڑا۔

میں نہی جانتا کہ یہ کس کی حرکت ہے؟

تم جانتے ہو میں بھی جانتا ہوں۔تم سے سوائے حرامزدگی کے کس بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔۔؟

اچھا چلو۔۔۔یہی سہی۔۔۔میں نے اسے چیلنج کیا ہے پھر؟

میرا حوالہ کیو دیا تو نے؟ پی چنگ اپنے سر پر ہتھر مار کر چیخا۔

تا کہ وہ تمہیں مار ڈالے اور تمہاری ڈچ محبوبہ آزاد ہو جائے وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔

حرامزادے۔۔۔پی چنگ چیخ کر اس پر جھپٹا۔۔۔سنگ ہی بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔۔۔اور چنگ توند کے بل فرش پر گرا۔

دوسرے ہی لمحے میں سنگ ہی چھلانگ مار کے اسکی پشت پر سوار تھا۔پی چنگ نے اٹھنے کی کوشش کی۔۔۔لیکن وہ سنگ ہی کی گرفت تھی۔اس نے اپنے پیر اور ہاتھ اس کے تھلتھلے جسم میں پیوست کر دیئے۔۔بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی کیکڑا کسی موٹی مچھلی سے چمٹ گیا ہو۔۔

ھر وہ آہستہ آہستہ کہنے لگا۔پی چنگ تم مجھے دن میں ہزار بار حرامزادہ کہا کرو۔مجھے زرہ برابر بھی پرواہ نہیں۔۔۔لیکن تمہاری وہ دث محبوبہ مجھے بہت پسند ہے۔۔۔اگر وہ نہیں تو پھر تمہاری بھتیجی چن۔۔۔مجھے آج کل ایک محبوبہ کی ضرورت ہے میں بہت اداس ہوں۔۔۔لندن کی عورتیں مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔

حرامزادے۔۔۔ہی چنگ تکلیف سے چیخا۔۔اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سنگ ہی کی انگلیاں اس کا گوشت پھاڑ کر ہڈیوں تک اتر گئی ہوں۔

اور تم یہ جانتے ہو کہ سنگ ہی تمہاری حفاظت کر رہا ہے۔۔اگر میں یہاں سے چلا جاؤں تو تم جہنم میں پہنچ جاؤ گے۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انگریز مت سے کتنی نفرت

کرتے ہیں تمہارے معاملے میں وہ مکلارنس کے ساتھ ہوں گے۔

مجھے چھوڑ دو۔۔میں مرا جارہا ہوں۔پی چنگ نے رو دینے والی آواز میں کہا۔سنگ ہی اسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔کہ اتنے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی سنگ ہی نے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا،

ہیلو۔۔اس کے حلق سے بالکل پی چنگ کی سی آواز نکلی۔۔۔لیکن اب پی چنگ میں اتنی سکت نہ رہ گئی تھی کہ وہ اس پر احتجاج بھی کرسکتا۔۔وہ ایک آرام دہ کرسی پر پڑا ہانپ رہا تھا

ہاں۔۔۔میں پی چنگ ہوں۔سنگ ہی ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔۔اوہ۔۔۔ہو میں بے قصور ہوں،،میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔نہیں اب سنگ ہی یہاں نہیں ہے

آپ اپنے کسی آدمیکو بھیج دیجیئے۔۔۔میں دو ہزار پونڈ کا چیک دے دوں گا۔۔اچھا کیش ہی منگوا لیجئے گا۔۔۔میں تو اآپکا غلام ہوں۔۔۔اگر مجھے کیفی پیٹرسن کے بارے میں کچھ معلوم ہوتا تو وہ بھی بتا دیتا۔

سنگ ہی ریسیور رکھ کر مڑا۔۔۔

کان تا؟ پی چنگ ہانپتے ہوئے بولا۔

مکلارنس

ارے باپ۔۔۔رے۔۔۔پی چنگ توند پر دونوں ہاتھ رکھ کر کراہا۔

دو ہزار پونڈ تیار رکھو۔اس کا ایک آدمی آرہا ہے۔

ارے میں مر گیا۔۔دو ہزار پونڈ۔۔۔پھر تمہاری موجودگی سے فائدہ ہی کیا؟

تم نکالو تو۔۔۔یہ رقم۔۔مکلارنس کے تابوت کے لیئے خرچ کروں گا اس کا آدمی ٹھیک دس منٹ بعد یہاں پہنچ جائے گا اس نے یہی کہا ہے۔

دو ہزار پونڈ۔۔۔نہیں،،،میں نہیں دے سکتا۔

نہیں دے سکتے تو میں یہاں سے جارہا ہوں۔۔۔

ہائے۔۔پی چنگ پھر توند پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔

اٹھو جلدی کرو۔۔۔مت کے بعد دولت تمہارے کس کام آئے گی؟

چپ حرامزادے۔۔۔اٹھ کر کراہتا لڑکھڑاتا کمرے سے چلا گیا۔سنگ ہی بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا وہ دو چار منٹ ہی اس کمرے میں ٹہرا پھر نشست کے کمرے میں چلا آیا جہاں سے وہ دروازے پر آنے والوں کو صاف دیکھ سکتا تھا

گھڑی وہ اب بھی دیکھ رہا تھا۔۔فون موصول ہونے کے ٹھیک دس منٹ بعد اسے سیڑھیوں پر ایک آدمی نظر آیا۔۔اور یہ آدمی عمران کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔۔اس نے اپنے بائی شانے سے ایک ایئر گن لٹکا رکھی تھی۔۔۔سنگ ہی جھنجھلا گیا۔۔اتنے میں گھنٹی بجی اور خود سنگ ہی دروازہ کھولتے ہوئے عمران کو ایک گندی سی گالی دی۔

ارے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔اس وقت مکلارنس کی طرف سے دو ہزار پونڈ وصول کرنے آیا ہوں۔۔۔۔

تم۔۔۔؟ سنگ اسے گھورنے لگا۔

ہاں۔۔میں۔۔ابھی میں نے تمہارا کام نہیں شروع کیا فی الحال مکلارنس کا کام کر رہا ہوں تمہارا بھی جلد ہی شروع ہو جائے گا فکر کی بات نہیں۔۔۔

میں تمہیں مار مار کر ادھ موا کر دوں گا۔سنگ ہی دانت پیس کر بولا۔

اپنی زندگی میں شاید اسے پہلا ہی آدمی ملا تھا

ارے جاؤ۔۔۔اپنا کام کرو۔عمران ایئر گن کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔میں کیا تم سے کمزور پڑتا ہوں۔۔۔دو ہزار پونڈ کی رقم وصول کرنے تنہا آیا ہوں۔۔۔اگر کوئی مسرت دل میں ہے تو نکال لو۔۔۔کھلا ہوا چیلنج ہے۔ارے تم مجھے تو چیلنج کر نہیں سکتے مکلارنس کو کیا کرو گے۔۔مکلارنس بہت اونچا آدمی ہے۔۔۔اب تم اپنا حشر دیکھنا۔۔۔

تم دو ہزار پونڈ مجھ سے لے جاؤ گے؟

ہاں۔۔۔تم سے ابھی اور اسی وقت۔یہ مکلارنس کا حکم ہے۔۔۔اگر نہیں ادا کرو گے

تو یہاں تمہاری اور اس موٹے کی لاشیں نظر آئیں گی۔

میں نہیں دیتا دو ہزار پونڈ۔۔۔چلو دیکھیں تم کیا کر لیتے ہو۔

عمران نے نہایت اطمینان سے اپنی ایئر گن سیدھی کی اور سنگ ہی کی پیشانی کا نشانہ لیتا بولا۔نکالو دو ہزار پونڈ۔

ٹھیک اسی وقت چھ آدمی دھڑا دھڑ کمرے میں گھس آئے۔۔۔یہ سب شریف صورت تھے ان کے جسموں پر عمدہ لباس تھا۔۔۔لیکن چہرے کی شرافت کا سا انداز ہاتھوں میں نہیں تھا کیونکہ ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔۔۔

ان میں سے کسی ایک نے کہا۔ٹام تم انہیں دیکھو اس عمارت میں نصف درجن سے زیادہ آدمی نہیں ہوں گے۔

پھر پانچ آدمی اندر گھستے چلے گئے اور ایک وہیں ان پر ریوالور تانے کھڑا رہا۔

نہیں۔۔۔بیٹو تم اپنا ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔یہ ریوالور بغیر آواز کا ہے۔زرا سا بھی شور نہیں ہونے پائے گا۔۔۔

عمران کے ہاتھ ایئر گن سمیت اوپر اٹھ گئے۔سنگ ہی نے بھی اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے تھے۔لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ تھی۔

تم اپنی ہوائی بندوق زمین پر ڈال دو ننھے بچے۔ریوالور والے نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا،

نہیں۔۔۔میں ممی سے کہہ دوں گا۔۔۔عمران نے کسی ننھے بچے کی طرح اسکو دھمکی دی۔۔۔ویسے ایئر گن کی نال ریوالور والے کے چہرے کی طرف تھی اور ایک انگلی ٹریگر پر۔

اسے زمین پر ڈال دو۔دوسری بار تحکمانہ لہجے میں کہا گیا لیکن اچانک ایک ہلکا سا کھٹکا ہوا اور ایئر گن کے دبانے سے زرد رنگ کی غبار کی ایک دھار سی نکل کر ریوالور والے کے چہرے پر پڑی۔

پھر وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ اسے سنبھلنے کی بھی مہلت نہ مل سکی ۔عمران کے ہاتھ میں اس کا ریوالور تھا اور خود وہ فرش پر ۔۔۔سنگ ہی نے اپنے ناک چٹکی سے دبالی تھی ۔

کھسکو۔عمران نے اس اندر کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا ۔ورنی ہم بھی بیہوش ہو جائیں گے ۔

ان دونوں نے دوسرے کمرے میں داخل ہو کر دروازبند کرلیا ۔۔۔سنگ ہی عمرانکو عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

میں نہیں سمجھ سکتا ۔۔۔اس چال کا مطلب ۔۔۔عمران نے آہستہ سے کہا۔

میرا خیال ہے کہ ی مکلارنس کے آدمی ہیں ۔۔۔پھر مجھے تنہا کیوں بھیجا تھا ۔۔۔۔

پرواہ نہ کرو ۔۔۔سنگ ہی جلدی سے بولا ۔تم یہاں کہیں چھپ جاؤ ۔۔میں ان سے نبھالوں گا ۔

ہاں یہ ٹھیک ہے ۔۔۔ورنہ پھر میں خطیر میں پڑ جاؤں گا اور میری کٹی ۔۔۔

عمران کی آواز گلوگیر ہوگئی اور سنگ ہی نے برابر والے کمرے میں دھکیل کر باہر سے دروازہ بند کر دیا ۔عمران نے اس کے رویے پر احتجاج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اس کے لیئے یہ لمحتا فیصلہ کن تھے ۔۔۔۔

وہ سوچ رہا تھا کہ یا تو اس کی اتنی محنت برباد ہو جائی گی یا میدان ان کے ہاتھ رہے گا ۔۔۔سنگ ہی کی طرف سے اخبار میں اس نے چیلنج شائع کرلیا تھا اور اس وقت فون پر دو ہزار پونڈ کا مطلبہ بھی اس نے کیا تھا اور وصولیابی کے لیئے بھی خود ہی پہنچ گیا تھا ۔مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ مکلارنس اور سنگ ہی میں با قایدہ طور پر ٹھن جائے ۔

ویسے بادی انظر میں سنگ ہی مکلارنس پر پہلے ہی ادھار کھائے بیٹھا تھا لیکن ان دونوں کا ٹکراؤ ضروری بھی نہیں تھا یہ اسی صورت میں ہوسکتا تھا جب مکلارنس پی چنگ کو چھیڑنے کی کوشش کرتا ۔مگر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ اسے چھیڑ ہی بیٹھتا ۔جب فرمکا

جنرل مینیجر کیلی پیٹرسن کے متعلق کچھ نہیں بتا سکا تو پی چنگ سے اسکی توقع رکھنا فضول ہی بات تھی۔

بہر حال عمران نے ابھی تک جتنی بھی حرکتیں کی تھیں ان کا مقصد یہی تھا مکلارنس اور سنگ ہی کسی طرح ٹکرا جائیں مگر اس وقت کے حادثے سے بساط ہی بدل گئی تھی عمران کو توقع نہیں تھی مکلارنس کے آدمی اتنی جلدی چڑھ دوڑیں گے۔

اور یہ بات بھی اس پر آج ہی واضح ہوئی کہ اس گروہ کے آدمی اپنی شخصیت کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتے۔۔۔ان میں سے ایک کے چہرے پر بھی اسے نقاب نظر نہیں آئی تھی۔ان کے چہرے بھی ایسے نہیں تھے کہ میک اپ کا گمان ہوتا،

عمران ایک آرام دہ کرسی پر گر کر سوچنے لگا۔۔۔اس نے جو طریقہ اختیار کیا تھا انتہائی خطرناک تھا ان حالات میں یہ بھی ہو سکتا تھا کہ سنگ ہی کو اس کی اصلیت کا علم ہو جاتا۔۔۔

اس نے اٹھ کر دروازہ کھولنا چاہا لیکن دروازہ باہر سے مقفل تھا۔۔۔اس کمرے می یہی ایک دروازہ تھا۔۔۔اور اوپر دو روشندان تھے۔وہ بھی اتنے چھوٹے تھے کہ ان میں سے نکل جانا محارت تھا۔

وہ پھر بیٹھ گیا۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سنگ ہی کیا کرے گا؟ ابھی پانچ مسلح آدمی عمارت میں موجود تھے ایک تو بیہوش ہو چکا تھا، جسکا چار گھنٹے سے قبل ہوش میں آنا ناممکن تھا۔

تقریبا آدھی گھنٹے تک عمران اسی کمرے میں بند رہا۔۔۔پھر دروازہ کھلا آنے والا سنگ ہی تھا۔۔مگر وہ اتنا ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا جیسے ابھی ابھی خوبصورت عورتوں کے درمیان سے اٹھ کر آیا ہو۔

نکلو بھتیجے۔۔۔تم بھی نکلو۔۔۔اس نے عمران سے کہا۔

وہ لوگ چلے گئے۔۔۔عمران نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

نہیں اب روانی کیئے جائیں گے۔۔۔اور تمہاری روانگی کے متعلق میں نے سوچا ہے کہ اس رجسٹرڈ پوسٹ کیا جائے۔چلو باہر نکلو

عمران کمرے سے نکل کر سنگ ہی کے ساتھ چلنے لگا۔۔۔لیکن اب اسکی ائیر گن سنگ ہی کے ہاتھ میں تھی عمران نرزرہ برابر بھی تشویش ظاہر نہیں کی۔

وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں پر چھ آدمی بنڈل پڑے ہوئے تھے۔۔۔

ان کے پارسل تیار ہیں۔۔۔اور ان کی بکنگ تم کراؤ گے۔۔۔سنگ ہی مسکرا کر بولا

۔

کیا تم ین انہیں ختم کر دیا؟۔۔۔عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

نہیں۔۔۔میں بیوجہ کسی کو جان سے نہیں مارتا،،،یہ صرف بیہوش ہیں البتہ ان کے کپڑے میں نے ضبط کر لیئے ہیں۔

عمران نے دیکھا پارسلوں پر تحریر تھا مگلا رنس کی خدمت میں ایک غریب الوطن کی طرف سے۔

تم غالبا انہیں شارع عام پر پھنکوا دو گے۔عمران نے پوچھا۔

قطعی یہی خیال ہے میرا۔۔۔ویسے ابھی ساتواں تھیلا خالی پڑا ہے۔اب تم بھی بیہوش ہو جاؤ۔

ارے واہ۔۔۔ارے۔۔۔خبردار۔عمران اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور سنگ ہی نے قہقہہ لگایا۔

تمہاری ائیر گن مجھے بہت پسند آئی ہے۔۔۔اسے میں اپنے پاس رکھوں گا۔

وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔۔۔عمران نے فخریہ انداز میں کہا۔

مجھے سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟

میں جنت کی حور ہوں۔۔۔عمران نے لڑکیوں کی طرح لچکتے ہوئے کہا۔

خیر اب تم یہاں اس وقت تک ٹھہرو گے تجب تک مجھے مطمئین نہ کر دو۔

میں ساری زندگی یہاں ٹھہر سکتا ہوں چچا سنگ ۔۔۔آج ایک سو پونڈ دلواؤ۔۔۔وہ میں نے کل رات ہی ختم کر دیئے تھے

تم مجھے یعنی سنگ ہی کو الو بنانے کی کوشش کر رہے ہو؟

ارے توبہ توبہ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں چچا جان عمران اپنا منہ پیٹنے لگا۔اتنے میں آدمی کمرے می داخل ہوئے یہ بھی چینی ہی تھے۔انہوں نے وہ پرسل ڈھونڈنے شروع کر دیئے

دس منٹ کے اندر ہی اندر کمرہ خالی ہو گیا۔

کیا تم ین اس وقت مجھے دو ہزار پونڈ کے لیئے فون نہٰں کیا تھا۔

کیا تھا۔عمران نے مخلصانہ انداز میں کہا۔

مقصد؟

مقصد ظاہرے۔۔۔میں دو ہزار پونڈ وصول کرنا چاہتا تھا۔عمران نے سنجیدگی سے کہا

۔

میں نے اخبارات میں آپاک اچیلنج پڑھ کر سوچا کہ براہ راست پیچنگ کو دھماکانا چاہیئے وہ ڈرپوک آدمی ہے بھرے میں آجائے گا ۔میں یہ بھی جانتا تھا پی چنگ نے اس چیلنج کی مخالفت کی ہوگی۔

تم سب کچھ جانتے تھے بھتیجے ۔۔۔مگر یہ بتاؤ کہ یہ چیلنج کس نے شائع کرلیا۔

کیا آ عمرانا چھل کر کھڑا ہو گیا۔کیا وہ چیلنج۔۔یعنی کہ آپ۔۔۔میں نہیں سمجھا۔

میں نے شائع نہیں کروایا۔سنگ ہی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔میں ان لوگوں کو پرلے درجے کا گدھا سمجھتا ہوں جو کسی کو للکار کر مارتے ہیں۔۔۔بہر حال تم مجھے بتاؤ کہ اس چیلنج کا کیا مطلب ہے؟

بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں چچا؟

بھتیجے بہت برا آدمی ہوں۔۔۔اتنا برا کہ میرے باپ نے مرتے دم تک میری ماں

سے شادی نہیں کی تھی۔۔۔اور میں نے اپنے باپ کی چھوٹی بہن سے اس وقت شدی کی تھی جب وہ چالیس سال کی تھی اور میں انیسویں سال میں قدم رکھ چکا تھا

آہا۔۔۔تب تو واقعی تم بہت گریٹ ہو۔۔۔بلکہ بہت گرینڈ ہو۔

چیلنج کس نے شائع کرلیا تھا؟ سنگ ہی غصے میں بھر گیا۔

ارے میں کیا جانوں۔۔۔۔بابا۔۔۔ویسے اگر تم مجھے تھیلے میں پیک کرنا چاہتے ہو تو میں اس کے لیئے تیار ہوں۔۔۔مگر تمہیں کافی محنت کرنی پڑے گی۔۔۔میں ایسا مرغ نہیں کہ آسانی سے ہاتھ آجاؤں۔۔۔کرو کوشش۔

عمران پھر کھڑا ہو گیا۔مگر کچھ اس انداز میں جیسے اڑنے کے لیئے پر تول رہا ہو۔۔۔۔

سنگ ہی خاموش بیٹھا اسے گھورتا رہا۔آخر اس نے آہستہ سے کہا۔بیٹھ جاؤ۔

نہیں بیٹھوں گا۔۔۔اب تم پر اعتبار نہیں کرسکتا معلوم نہیں کب اچھل کر چبوچ لو۔

ابھی تک کیسے اعتماد کیا تھا۔۔۔؟

وہ دوسری بات ہے اس وقت تک تمہارے خیالات میری طرف سے خراب نہیں ہوئے تھے۔

تم خود بھی اعتراف کر چکے ہو کہ دھوکے سے دو ہزار پونڈ وصول کرنے کی نیت سے آئے تھے۔

اگر میں اعتراف نہ کرتا تو تمہیں معلوم کیسے ہوتا۔اور اگر اعتراف نہ کرن اچہات تو تمہارے فرشتے بھی نہ کروا سکتے تھے۔یقیناً میں نے ایک غلطی کی تھی اس پر مجھے افسوس ہے۔

تم نے چیلنج نہی شائع کرایا تھا۔۔۔؟

ارے چاچا۔۔۔میری جان تم کیسی باتی کر رہے ہو۔۔۔مجھے کیا پڑی ہے کہ خوامخواہ ۔۔اور پھر اس میں میرا فایدہ ہی کیا۔۔۔مگر ٹھہرو،،،اب ایک بات سمجھ آ رہی ہے۔۔مجھے سوچنے دو۔۔

اچھی طرح سوچ لو بھتیجے تم نے مجھ چچا بنایا ہے۔

عمران کچھ دیر تک بیٹھا سر کھجاتا رہا پھر سنجیدگی سے بولا۔ یہ حرکت کیپٹن پیٹرسن کی بھی ہو سکتی ہے۔۔۔ چیلنج بازی اسکا محبوب مشغلہ ہے۔ ہفت روزہ اسٹیشن میں اس کے مضمون بھی شائع ہوتے ہیں۔ ایک بار وہ خود بھی وہ خود بھی میکلارنس کو چیلنج کر چکی ہے۔ ۔۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے سوچا ہو کہ میکلارنس اور سنگ ہی کو ایک دوسرے سے ٹکرا دیا جائے ظاہر ہے اگر تم دونوں الجھ تو وہ محفوظ ہو جائے گی۔۔۔

بھتیجے تم کافی عقلمند معلوم ہوتے ہو۔۔ اسی لیئے مجھے میکلارنس سے زیادہ تمہارے متعلق تشویش ہو گئی ہے۔۔۔ جو شخص سنگ ہی کو الو بنانے کی کوشش کرے وہ یقیناً کچھ وزن رکھا ہو گا۔

ایک من پانچ سیر۔۔۔ بھوک کی حالت میں کھانا کھانے میں ایک سیر وزن بڑھ جاتا ہے۔

اب مجھے اس میں بھی شبہ ہے کہ میکلارنس کبھی تم سے کام لیتا رہا ہو گا۔ سنگ ہی اسے گھورتا ہوا بولا۔

عمران نے ایک طویل سانس لی اور آرام کرسی میں لیٹ گیا۔ چند لمحے کمرے کی فضا پر بوجھل سا سناٹا طاری رہا۔۔۔۔ پھر عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

میں بڑا بیوقوف آدمی ہوں۔۔۔۔۔۔۔ انجام پر غور کیئے بغیر میں نے یہ حرکت کر ڈالی۔۔۔ مگر اب پچھتانا فضول ہے۔۔۔۔۔ تمہارا جو دل چاہے کرو۔۔۔۔۔۔ ویسے میں کوئی چوہا بھی نہیں ہوں کہ تم مجھے آسانی سے مار ڈالو۔

اب آئے ہو راہ راست پر سنگ ہی مسکرایا۔۔۔ مجھ سے بچ نکلنا بہت مشکل ہے۔ ہاں اب جلدی سے مجھے اپنے متعلق سب کچھ بتا دو۔ ہو سکتا ہے میں تمہیں معاف ہی کر دوں۔

نہ صرف مجھے بلکہ آئندہ نسلوں کو بھی معاف کرنا پڑے گا۔ چچا سنگ عمران نے گلوگیر

آواز میں کہا۔ میں نے ایسی ہی زبردست غلطی کی ہے۔ میں دراصل پی چنگ کو الو بنا کر کچھ رقم اینٹھنا چاہتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم جیسا زبردست آدمی بھی یہاں موجود ہے۔ ورنہ میں کبھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ پیٹرسن پی چنگ کارپوریشن کے جنرل منیجر پر مکلارنس نے ہاتھ ڈالا تھا۔۔۔۔۔ میں سمجھا کہ اس سے پی چنگ بھی خوفزدہ ہوگیا ہوگا۔ لہذا قبل اس کے کہ مکلارنس اس کی طرف رخ کرے کیوں نہ میں ہی اس کی آڑ میں کچھ رقم بنالوں۔۔۔۔۔ مگر تم۔۔۔۔۔۔

عمران خاموش ہوگیا۔۔۔۔ اور سنگ ہی نے پوچھا۔

تمہارا مکلارنس سے کوئی تعلق نہیں۔

نہیں چچا۔۔۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔۔

پھر تم نے اس دن فون کسے کیا تھا۔

باپ۔۔۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔۔۔۔۔۔ عمران نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔۔۔۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا دو آنکھیں پیچھے بھی رکھتا ہوں یہاں سے نکلتے ہی میں نے محسوس کرلیا تھا کہ میرا تعاقب ہورہا ہے۔۔۔۔۔۔ لہذا میں نے ایک دوافروش کی دوکان میں گھس کر ایک ایسی فرم کے نمبر ڈائیل کئے جس کی لائینیں قریب قریب ہمیشہ انگیج رہتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وزیراعظم تک سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔

سنگ ہی اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ آخر کار اس نے کہا۔ میں تم میں دوسرا سنگ ہی دیکھ رہا ہوں۔

مگر میرے باپ شادی شدہ آدمی ہیں۔ عمران نے مایوسی سے کچھ اس انداز میں کہا کہ سنگ ہی بیساختہ ہنس پڑا۔

تم۔۔۔۔۔۔ واقعی عجیب ہو۔ سنگ ہی بولا تم نے مجھے پولیس کمشنر کے نمبر بتائے تھے۔

محض معاملے کو الجھانے کے لئے ورنہ پھر کس کے نمبر بتاتا۔ ویسے یہ کسی جاسوسی

ناول کی سی گتھی ہو جاتی۔۔۔۔۔۔۔سنسنی خیز۔۔۔۔۔کہ جو نمبر پولیس کمشنر کے ہیں وہی مکلارنس کے بھی ہیں۔کیوں۔۔۔۔۔۔تھی نا سنسنی خیز بات۔

ہوں سنگ ہی اسے پھر شبہے کی نظر سے دیکھنے لگا۔۔۔۔۔چند لمحے وہ ایک دوسر کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔پھر سنگ ہی بولا۔مکلارنس سے سارا لندن تھراتا ہے تم نے آخر اس کا راستہ کاٹنے کی جرات کیسے کی تھی۔

سنو چچا سنگ۔۔۔مکلارنس جب پیدا ہوا ہو گا تو اس کی حیثیت ایک حقیر گوشت کے لوتھڑے سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔۔۔۔۔لیکن آج وہ مکلارنس ہے۔۔۔۔۔۔ضروری نہیں کہ میں اس گوشت کے لوتھڑے سے خوفزدہ ہو جاؤں۔۔۔۔۔ارے وہ تو کچھ بھی نہیں ہے میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں آ جاؤ سامنے دو دو ہاتھ ہو جائیں اور تم یہ بھی نہ سمجھنا کہ میں تمہاری ہسٹری سے واقف نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔میں جانتا ہوں کہ تم انتہائی خطرناک آدمی ہو۔

کرو گے دو دو ہاتھ۔سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

ہر طرح تیار ہوں۔

اچھا تو نکالو۔ریوالور۔۔۔۔۔

میں ریوالور نہیں رکھتا۔۔۔۔۔۔۔

مجھ سے لو۔۔۔۔سنگ ہی نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کی گود میں پھینک دیا اور بولا اچھ طرح پرکھ لو ریوالور میں راؤنڈ موجود ہیں۔

عمران نے چرغی کھول کر دیکھی اور کارتوسوں کی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد کھڑا ہو گیا۔کمرے کے دوسرے سرے پر سنگ ہی موجود تھا۔

فائر کرو۔سنگ نے کہا۔

مگر تم خالی ہاتھ ہو۔۔

پرواہ نہ کرو۔۔۔۔۔جتنی تیزی سے فائر کر سکتے ہو کرو۔

ارے یار اگر اس طرح مر گئے تو مجھے بڑا افسوس ہوگا۔عمران نے بسور کر کہا۔میرا نشانہ برا نہیں ہے۔

چلو۔۔۔۔۔۔۔۔۔فائر کرو۔۔۔۔۔۔۔۔میں مذاق نہیں کر رہا۔۔

عمران نے اس کے پیروں پر ایک فائر جھونک دیا۔۔لیکن گولی دیوار سے ٹکرائی سنگ ہی اس سے شاید تین فٹ کے فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

یوں نہیں۔ پے در پے گولیاں چلاؤ۔۔۔۔مجھے سنبھلنے کا موقع مت دو۔عمران نے بڑی تیزی سے سارے راؤنڈ ختم کر دیئے۔سنگ ہی کے پیر زمین پر لگتے نہیں معلوم ہو رہے تھے۔وہ کسی ایسے بندر کی طرح اچھل کود رہا تھا جس پر چند شریر بچوں نے پٹاخے کر دیا ہو۔

کیوں بھتیجے۔۔۔۔۔کیا خیال ہے۔سنگ ہی نے مسکرا کر پوچھا۔اس کے جسم پر کہیں کوئی ہلکی سی خراش بھی نہیں آئی تھی۔ ساری گولیاں دیواروں پر پڑی تھیں۔۔۔۔۔۔۔عمران کا یہ عالم تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔

اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔میں ڈر ڈر کر فائر کر رہا تھا۔

کچھ پرواہ نہیں۔۔۔دوسرے راؤنڈ چلاؤ۔۔۔۔اس بار نڈر ہو کر فائر کرنا۔۔سنگ ہی نے جواب دیا۔

ساتھ ہی اس نے عمران کو چھ کارتوس اور دیئے۔۔۔۔۔۔۔اس بار عمران نے بہت ہوشیاری سے فائر کیئے۔۔۔۔یہی نہیں بلکہ اس کے حرکات وسکنات کو بھی غور سے دیکھتا رہا۔۔۔۔۔لیکن سنگ ہی اس بار بھی صاف بچ گیا۔

کیا بتاؤں۔۔۔۔عمران ہانپتا ہوا بولا۔۔۔۔ہاتھ کانپ جاتے ہیں۔میں خود ہی بچا بچا کر فائر کرتا ہوں۔

پھر سہی۔۔۔۔۔سنگ ہی بولا۔

عمران نے مختلف بہانوں سے سنگ ہی پر چھتیس راؤنڈ چلائے لیکن سنگ ہی کا بال

بیکا نہیں ہوا۔۔۔اور عمران۔۔۔۔۔۔۔۔۔شاید وہ دنیا کے ایک عجیب ترین آرٹ سے نہ صرف روشناس ہوا تھا بلکہ اس نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔۔۔چھتیس بار فائر کرنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ بچاؤ کے پینترے ذہن نشین کر سکے۔۔۔اس صلاحیت کے معاملے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

باپ۔۔۔۔۔اس نے ریوالور سنگ ہی کو دیتے ہوئے جماہی لی۔ چند لمحے اپنا دائیاں گال کھجاتا رہا پھر بولا چچا تم یہ نہ سمجھنا کہ میں اس سے مرعوب ہو گیا ہوں۔ ایسے کرتب مجھے بہت آتے ہیں۔۔۔۔اگر یقین نہ ہو تو مجھ پر فائر کرو۔

سنگ ہی ہنس پڑا۔۔۔مگر ہنسنے کا انداز تحقیر آمیز تھا۔

ہائیں عمران آنکھیں پھاڑ کر بولا۔کیا تم مجھے بالکل چغد ہی سمجھتے ہو۔

ہاں۔بالکل۔۔۔۔۔۔۔وقت نہ برباد کرو۔۔۔۔۔تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔

نہیں پہلے فائر۔

سنگ ہی کافی دیر تک اسے محض مذاق سمجھتا رہا۔لیکن عمران نے کچھ اس قسم کی گفتگو شروع کر دی کہ اسے غصہ آ گیا۔ حالانکہ اس طرح جھنجھلانا سنگ ہی کی روایات کے خلاف تھا مگر وہ بھی عمران ہی تھا۔ جو اسے بعض اوقات کسی کثیر العیال کلرک کی طرح چڑچڑا بنا دیتا تھا۔بہر حال سنگ ہی نے ریوالور لوڈ کیا۔۔۔لیکن فائر کرنے سے پہلے ایک بار اسے باز رکھنے کی کوشش کی۔مگر عمران پر بھی شاید بھوت سوار تھا۔

سنگ ہی نے فائر کیا۔۔۔اور اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔۔۔پہلے تو وہ کافی شرمندہ ہوا۔۔۔پھر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے عمران دوسرے سرے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔سنگ ہی نے چپ چاپ ریوالور اپنی جیب میں ڈال لیا۔وہ کچھ مضمحل سا بھی نظر آنے لگا تھا۔

کیوں چچا تم کچھ اداس ہو گئے ہو۔عمران نے نہایت ادب سے کہا۔

کچھ نہیں۔۔۔۔۔میں سمجھتا تھا کہ ساری دنیا میں یہ فن صرف میرے پاس ہے۔

ارے لاحول۔۔۔۔۔۔تم غلط سمجھتے تھے۔۔۔۔۔یہ فن تو میری خالہ کی چچی کی نواسی کو بھی آتا تھا۔میں نے برسوں کا حقہ بھر کر یہ فن حاصل کیا تھا۔

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔وہ ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹیکے عمران کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔کم ازکم عمران تو اندازہ نہیں کر پایا تھا کہ سنگ ہی کے دل میں کیا ہے اور آنے والے لمحات عمران کے لئے خوشگوار ہوں گے یا بدترین۔۔۔۔۔

کیوں چچا کیا بات ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔عمران نے پوچھا۔

کچھ نہیں سنگ ہی ایک طویل سانس لیکر بولا۔میرا دل چاہتا ہے کہ تم پر اعتماد کرلوں اور اب میرا خیال ہے کہ تم ونڈلیمر کیلئے روانہ ہوجاؤ۔۔۔ڈچز تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے گی۔

اسکاٹ لینڈ یارڈ کا سراغرساں کیپٹن پاول کمشنر کے آفس میں داخل ہوا۔سر ڈیکن نے اسے خصوصیت سے یاد کیا تھا۔ورنہ ان کے دفتر میں ادنٰی آفیسروں کا کیا کام۔۔۔۔۔سر ڈیکن نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔پاول بیٹھ تو گیا لیکن اس کے چہرے پر کچھ ایسے آثار تھے جن میں بے چینی اور احساس کمتری دونوں شامل تھے۔

میں نے تمہیں اس لئے طلب کیا ہے کہ تم سے نک کارٹر کے متعلق کچھ پوچھوں۔سر ڈیکن نے کاغذات سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

جناب عالی نک کارٹر آسٹریلیا کا ایک مشہور آدمی تھا۔۔۔۔۔۔۔۔اس کی ہسٹری دراصل اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب اس نے بھیڑوں کے ایک وبائی مرض کا کامیاب علاج دریافت کیا تھا۔۔۔لیکن اس سے پہلے کی ہسٹری تاریکی میں ہے۔انتہائی کوششوں کے باوجود بھی کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔

وہ بہت زیادہ اہم ہے۔سر ڈیکن بولے۔

لیکن اس سے پہلے کی زندگی پر ابھی تک روشنی نہیں پڑ سکی۔ معلومات حاصل کرنے کے سارے ذرائع اختیار کئے جا رہے ہیں۔

ان آدمیوں کے متعلق کچھ بتاؤ۔۔۔ جو تھیلوں سے برآمد ہوئے ہیں۔

وہ آپس میں ایک دوسرے سے واقف ہیں۔ ہر ایک کا بیان مختلف ہے۔۔۔۔۔ دو آدمیوں کا کہنا ہے کہ وہ بلومز بری کے ایک شراب خانے میں شراب پی رہے تھے لیکن انہیں نہیں معلوم کہ کس نے انہیں برہنہ کر کے تھیلوں میں بند کر دیا۔۔۔۔۔ تین پچھلی رات اپنے گھروں میں سوئے تھے انہیں بھی نہیں معلوم وہ برہنہ حالت میں ان تھیلوں میں کس طرح پہنچے۔۔۔۔۔ ایک کا بیان ہے کہ وہ اپنے مکان کے زینوں پر چڑھ رہا تھا کہ کسی نے پشت سے اس کے سر پر ضرب لگائی پھر اسے پتہ نہیں کہ کیا ہوا۔۔۔۔۔ صرف یہی ایک آدمی ہے جس کے سر پر چوٹ ہے بقیہ اچھے خاصے ہیں ان کے جسموں پر ہلکی سی خراشیں بھی نہیں پائی گئیں۔

اور ان تھیلوں پر تحریر تھا۔ مکلارنس کی خدمت میں ایک غریب الوطن کی طرف سے

جی ہاں اس لئے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مکلارنس ہی کے آدمی ہیں اور شاید یہ حرکت سنگ نے کی ہے۔ کیونکہ کل اس کا چیلنج بھی شائع ہوا تھا۔

پھر تم نے پی چنگ کے مکان پر چھاپہ ضرور مارا ہوگا۔

جی ہاں۔۔۔ مگر ناکامی ہوئی۔۔۔۔۔ عمارت خالی تھی حتیٰ کہ وہاں فرنیچر بھی نہیں مل سکا۔۔۔۔ البتہ ایک کمرے کی دیواروں پر گولیوں کے بیالیس نشانات ملے ہیں۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی مخبوط الحواس آدمی نے دیواروں پر فائرنگ کی ہو۔

اگر وہ عمارت خالی ملی ہے تو یہ حرکت سو فیصدی سنگ ہی کی معلوم ہوتی ہے۔

جی ہاں۔ یہی خیال ہے۔

پھر ہمیں نئی الجھنوں کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔

اس میں کیا شبہ ہے۔ سنگ ہی جیسے آدمی کو تو لندن میں داخلے کی اجازت ہی نہ ملنی

چاہئے تھی۔

سر ڈیکن نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔۔۔کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر انہوں نے پوچھا۔ڈچز آف ونڈلیمر سے ملے تھے

جی ہاں۔۔۔۔انہوں نے بڑی سختی سے کہا تھا کہ ایسے وقت میں جب کہ لڑکی خطرے میں ہے کسی کو کچھ نہیں بتایا جا سکتا۔

خیر۔۔۔۔اب تم اس سے کچھ نہ پوچھنا۔

مگر جناب والا۔۔۔۔یہ ڈچز کی زیادتی ہے۔۔کیا قانون انہیں مجبور نہیں کر سکتا۔

کر سکتا ہے۔۔۔۔۔۔مگر ایسے حالات میں ہم کیلی پیٹرسن کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے۔۔۔۔۔۔وہ خود جو کچھ بھی کر رہی ہے اپنی ذمہ داری پر۔۔۔۔۔کیلی پیٹرسن پر خاک ڈالو۔۔۔۔۔جب تک وہ ہم سے رجوع نہ کرے ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔لیکن مکلارنس۔۔۔۔۔۔اب وہ سلسلہ ختم ہی ہو جانا چاہیئے۔۔۔۔لندن کی پولیس کی شہرت پر دھبہ لگ رہا ہے۔

ہر امکانی صورت اختیار کی جا رہی ہے۔پاول نے کہا۔۔۔۔۔آپ خود فرمایئے کہ ہم اسے کہاں تلاش کریں۔۔۔۔۔۔۔ویسے ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ مکلارنس نچلے طبقے کا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔

کیوں۔۔۔۔

وہ چھ آدمی جو برہنہ حالت میں بند ملے تھے کسی حیثیت سے نچلے طبقے کے نہیں ہو سکتے۔ان کا شمار شرفا میں ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔پڑھے لکھے اور باعزت ہیں۔۔۔

مجھے علم ہے۔۔

ظاہر ہے نچلے طبقے کا کوئی آدمی ایسوں پر حکومت نہیں کر سکتا۔

مگر وہ تو اس واقعے کی نوعیت خود ہی نہیں سمجھ سکے سر ڈیکن نے کہا۔

ٹھیک ہے پاول کچھ سوچتا ہوا بولا۔۔مگر پھر ان کے اس طرح پائے جانے کا مقصد کیا

ہوسکتا ہے۔میرا خیال ہے کہ کل ہی مکلارنس کے آدمی سنگ ہی پر چڑھ دوڑے ہوں گے۔

اور سنگ ہی نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا۔سر ڈیکن مسکرائے پھر آگے جھک کر آہستہ سے بولے۔یہ بہترین موقعہ ہے۔پاول اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔سنگ ہی سے اس کا ٹکراؤ ہر حال میں ہمارے لئے مفید ہوگا۔

میرا بھی یہی خیال ہے۔پاول بھی جواباً مسکرایا۔

ونڈلیمر کیسل کی شاندار لائبریری میں ڈچز بیٹھی ہوئی کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھی۔۔۔۔۔۔۔اور یہ بات قطعی یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وہ کتاب کتوں کی پرورش اور دیکھ بھال ہی سے متعلق رہی ہوگی۔ورنہ ڈچز کو کتابوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

دفعتاً ایک بٹلر طشتری میں ایک لفافہ رکھے ہوئے اندر آیا۔

کیا ہے۔ڈچز نے کتاب سے نظر ہٹائے بغیر پوچھا۔

ایک تار ہے مائی لیڈی۔۔۔۔بٹلر نے ادب سے جواب دیا۔

ڈچز نے تار طشتری سے اٹھالیا اور وہ بے آواز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل آیا۔ڈچز نے لفافہ چاک کرکے تار کا فارم نکالا اور پڑھنے لگا۔

ڈچز آف ونڈلیمر کو پرنس آف ڈھمپ کی طرف سے معلوم ہو کہ میں نے کافی غور و فکر کے بعد لندن میں ہی لینڈی ڈاگ پیدا کرنے کا طریقہ سوچ لیا ہے۔میرا دعوی ہے کہ یہ طریقہ سو فیصدی کامیاب ہوگا۔

اس لئے میں کل ونڈلیمر کیسل پہنچ رہا ہوں۔ڈچز نے تار ختم کرکے ایک طویل سانس لی

اور چھت کی طرف دیکھنے لگی۔اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی بناء پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔تقریباً پندرہ منٹ تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔پھر یک بیک چونک پڑی۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ میز کے ایک پائے سے لگے ہوئے بٹن کو بار بار دبا رہی تھی۔
یہ سلسلہ اس وقت ختم ہوا جب ڈچز نے کسی کے قدموں کی آہٹ سن لی۔

ایک خوش پوش نوجوان لائبریری میں داخل ہوا۔۔۔۔۔۔۔دروازے پر رک کر وہ احتراماً تھوڑا سا جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

کل ایک معزز مہمان آ رہا ہے۔۔۔۔۔ایک مشرقی شہزادہ۔۔۔۔اس کے لئے تین کمرے مشرقی طرز پر سجا دیئے جائیں۔

بہتر ہے۔۔۔محترمہ۔۔۔۔۔۔

اس کمرے میں بہترین قسم کے ایرانی قالین موجود ہیں۔۔۔ڈچز نے لائبریری کے آخری سرے والے سبز رنگ کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔۔۔۔اور میز کی دراز کھول کر ایک کنجی نکالی پھر اسے اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

قالینوں کا انتخاب تم خود کرو گے۔مجھے تمہاری پسند پر اعتماد ہے۔

شکریہ مائی لیڈی۔وہ پھر تعظیماً جھک کر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔۔مگر میرا قصور تو مجھے بتا دیجئے۔۔۔۔۔۔مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے کہ آپ مجھے اس کمرے میں بھیج رہی ہیں۔

ڈچز کا ہاتھ دوبارہ میز کی دراز میں رینگ گیا۔اچانک وہ ایک پستول سمیت باہر آ گیا۔جس کا رخ نوجوان کے سینے کی طرف تھا۔

تم وہاں آرام سے رہو گے۔۔۔۔۔ڈچز نے اسے گھورتے ہوئے آہستہ سے کہا ورنہ تم مجھے جانتے ہو۔۔۔۔

اچھی طرح مائی لیڈی نوجوان کے لہجے میں بڑی تلخی تھی۔

چلو ڈچز نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

نوجوان چپ چاپ سبز دروازے کی طرف مڑ گیا۔ڈچز پستول لئے اس کے پیچھے چل رہی تھی۔نوجوان نے دروازے میں کنجی لگائی۔قفل کھولا اور چپ چاپ اندر داخل

ہو گیا۔۔

ڈچز نے دروازہ اپنی طرف کھینچ کر کنجی گھما دی جو قفل ہی میں لگی ہوئی تھی۔

پھر وہ بڑے اطمینان سے میز کی طرف واپس آئی پستول میز کی دراز میں ڈال دیا اور پہلے ہی کی طرح کتاب کے مطالعے میں مشغول ہو گئی۔

ڈیکن ہال میں ابھی کچھ مہمان مقیم تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان میں رومیلا دیگال بھی تھی۔اسے اس بات سے بڑی تشویش تھی کہ عمران اچانک کہاں غائب ہو گیا۔دو دن سے اس کی شکل نہیں دکھائی دی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔اس نے دو ایک بار رینی سے پوچھا لیکن اس نے لاعلمی ظاہر کی۔

یعنی تمہیں تشویش بھی نہیں۔رومیلا نے حیرت سے کہا۔

مجھے کیوں ہوتی تشویش۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ اکثر اسی طرح اطلاع دیئے بغیر غائب ہو جاتا ہے۔میرا خیال ہے کہ ڈیڈی بھی اس سے نہیں پوچھتے کہ وہ کہاں تھا۔

رومیلا خاموش ہو گئی۔

اسی دن تقریباً دو بجے عمران ڈیکن ہال میں داخل ہوا۔سر ڈیکن سے سب سے پہلے مڈبھیڑ ہوئی۔۔۔۔۔۔۔۔شاید وہ اس کے منتظر ہی تھے۔

تم کہاں سے آ رہے ہو۔سر دیکن نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

یہ نہ پوچھیئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں ان چھ برہنہ آدمیوں کا حال اخبار میں پڑھ کر بے ہوش ہو گیا تھا۔مکلارنس پر جو کچھ بھی گذری ہو۔۔۔خدا جانے۔

کیا مطلب۔۔۔

جناب کھیل شروع ہو گیا ہے۔میں نے پنگ پانگ کے بلے سے فٹ بال پر ہٹ لگائی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔کیا کروں غلطی ہو ہی گئی۔

سیدھی بات کرو۔۔۔۔ورنہ میں تم پر آنسو گیس چھڑا دوں گا۔

ارے جناب بس مذاق ہی مذاق۔۔۔۔مجھے کیا معلوم تھا کہ چھ آدمی برہنہ کر کے

تھیلوں میں ٹھونس دیئے جائیں گے۔ ورنہ میں کپڑے پہن کر مذاق کرتا۔ بات بس اتنی سی تھی کہ میں نے سنگ ہی کو چھیڑنے کے لئے اس کی طرف سے ایک چیلنج شائع کرا دیا تھا۔

ارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو وہ تم نے شائع کرایا تھا۔ سر ڈیکن اچھل پڑے۔

جی ہاں بس غلطی ہو ہی گئی۔ عمران نے مغموم آواز میں کہا۔

خدا کی پناہ سر ڈیکن ایک طویل سانس لیکر بولے۔ جانتے ہو اس کا انجام کیا ہوگا۔

خدا جانے اب تو جو کچھ بھی ہونا تھا ہو چکا۔

سارا لندن جہنم بن جائے گا۔

اوہ باپ۔۔۔۔تب مجھے فوراً پیرس چلا جانا چاہیئے۔

ہوں۔۔۔۔۔۔مگر شاید اب مکلارنس کی شامت ہی آ گئی ہے۔

کیوں

اسے دو قوتوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ پولیس اور سنگ ہی سے۔۔۔۔اور وہ یقیناً ان میں سے ایک کا شکار ہو جائے گا۔

تو گویا۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے اپنا مذاق جاری رکھنا چاہیئے۔ عمران چہک کر بولا۔

تم سر ڈیکن مسکرائیے۔۔۔میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے جسم میں کسی شیطان کی روح حلول کر گئی ہے۔

ارے باپ رے۔ عمران نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ میں شیطان سے بہت ڈرتا ہوں۔

بکواس بند کرو۔ اب کیا پروگرام ہے۔

وہ۔۔۔۔۔میں فی الحال ونڈلیمر کیسل جا رہا ہوں۔

کیوں۔۔۔۔

ڈچز کے کتوں کی نسلیں برباد کر دوں گا۔۔۔۔۔مجھے انگلینڈ ہی میں ایک لینڈ ی

ڈاگ پیدا کرنا ہے خواہ کچھ ہو۔

کیا تمہیں یقین ہے کہ تم وہاں رہ کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیلی پیٹرسن کا پتہ لگا سکو گے۔

ہوسکتا ہے۔ لگا ہی لوں۔

لیکن۔۔۔۔۔ ڈچز نے اسے پچھلے سال سے نہیں دیکھا۔ یہ بات میں نے ابھی کچھ دیر قبل اسی سے فون پر معلوم کی ہے۔

یہ آپ نے کیا کیا عمران نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

کیوں

اب میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کامیابی ہوگی بھی یا نہیں۔۔۔۔۔۔۔ اب وہ یقیناً میری طرف سے بدگمان ہو جائے گی۔

مجھے تمہارے پروگرام کا علم نہیں تھا۔۔۔۔ سر ڈیکن بولے۔

عمران کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ پرواہ نہیں۔ دیکھا جائے گا۔ بہرحال میں جا رہا ہوں۔

وہ اپنے کمرے میں آیا اور ضروری چیزیں یکجا کرنے لگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسے آج ہی شام کی گاڑی سے قصبہ ونڈلیمر پہنچنا تھا۔

عمران سفر کی تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ رومیلا آ گئی۔

کیوں آپ کہاں تھے۔

ہنالولو میں۔۔۔۔۔۔۔ اب ونڈلیمر کیسل جا رہا ہوں۔۔۔۔۔۔۔ وہاں سے قب جنوبی کے لئے اڑوں گا اور قطب جنوبی سے سیدھا مریخ۔

آپ دوسروں کو احمق کیوں سمجھتے ہیں۔

آپ اتنی چڑچڑی کیوں ہیں۔ میں کہتا ہوں مرغیاں پالئے۔ مرغیاں پالنے سے آدمی خوش اخلاق اور متحمل مزاج ہو جاتا ہو۔ رومیلا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ عمران کا

خصوصی ملازم اندر داخل ہوا۔ یہ آئرلینڈ کا باشندہ تھا۔ عمر ساٹھ سال کے قریب اور شاید محاورۃً بھی بھی ستھیا گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔اس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف اور چکنا تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی اور دھندلی تھیں۔ وہ عمران کی طرف ایک لفافہ بڑھا کر پتھر کے بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا۔

عمران نے لفافہ لے کر بڑے پیار سے اس کی چکنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرا۔ لیکن وہ پہلے ہی کی طرح بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

عمران نے لفافہ چاک کیا۔ یہ ڈچز آف ونڈلیمر کا تار تھا۔ اس نے یاد آوری پر عمران کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اطلاع دی تھی کہ آج وہ خود ونڈلیمر سے لندن کے لئے روانہ ہو جائے گی کیونکہ یہاں اسے ایک ضروری کام انجام دینا ہے۔۔۔۔۔۔۔دفعتاً بوڑھے ملازم نے چونک کر پوچھا۔

کیا ابھی حضور نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

نہیں اسکیٹنگ کر رہا تھا تمہارے سر پر۔۔۔۔۔۔۔۔ویسے ارادہ ہے کہ اس پر ایک ٹینس کورٹ بھی بناؤں۔۔۔۔۔۔اور جب تم مر جاؤ گے تو تمہارا سر کاٹ کر۔۔۔۔۔۔۔۔

عمران دیوار سے لگے ہوئے گدھوں کے سروں کی طرف اشارہ کر کے خاموش ہو گیا۔

آپ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ نوکر رو دینے کے سے انداز میں چیخا۔۔آپ ایک کرسچین کی لاش کی بے حرمتی نہیں کر سکتے۔

پھر وہ اپنے سینے پر ہاتھوں سے صلیب کا نشان بناتا ہوا کمرے سے چلا آیا۔

آج ہم لوگ شام کی چائے جیفریز میں پئیں گے۔ رومیلا نے کہا۔

میں جیفریز کو ڈائنامائٹ لگا کر اڑا دوں گا۔ عمران بڑی سنجیدگی سے بولا۔

کیوں۔۔

جب یہ چھت ہی نہ رہی جائیگی تو پھر کیوں نہ میں سارے لندن ہی کو تباہ کر دوں۔

میں نہیں سمجھی۔۔۔۔۔یہ چھت کیوں نہ رہ جائے گی۔

آج صبح عبادت کے دوران میں مجھ پر انکشاف ہوا تھا کہ ٹھیک تین بج کر پندرہ منٹ پر زلزلہ آئے گا اور یہ چھت گر جائے گی۔

رومیلا ہنسنے لگی۔لیکن عمران کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔وہ بار بار اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

صرف تین منٹ اور رہ گئے ہیں وہ تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔۔۔لیکن رومیلا اسے اس کی بکواس سمجھ کر چھیڑتی رہی اور چڑاتی رہی۔۔۔۔۔۔دفعتاً ایک اسٹول بالٹی سمیت فرش پر ڈھیر ہوگیا۔اور عمران کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی زلزلہ ساتھ ہی رومیلا بھی چیخی اور خوفزدہ انداز میں چھلانگیں مارتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

عمران نے جھپٹ کر دروازہ بند کرلیا اور اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔۔۔گرا ہوا اسٹول سیدھا کر کے اس پر دوبارہ بالٹی رکھ دینے کے بعد وہ ایک آرام کرسی میں گر گیا۔۔۔۔۔۔وہ دراصل سوچنے کے لئے تنہائی چاہتا تھا لیکن رومیلا اسے ٹلتی ہوئی نہیں دکھائی دے رہی تھی لہذا اسے زلزلہ لانا پڑا۔وہ اس سے گفتگو کرتے وقت آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا اسٹول کی طرف جا رہا تھا پھر اس نے اس صفائی سے اسٹول کے پائے میں ٹانگ ماری کہ رومیلا کو اس کا علم نہ ہوسکا اور عمران کے چیخنے پر وہ بھی چیختی ہوئی کمرے سے نکل بھاگی۔

عمران اس وقت صحیح معنوں میں الجھن میں مبتلا ہوگیا تھا۔۔۔۔۔۔اس کا خیال تھا کہ سر ڈیکن نے ڈچز کو فون کر کے کھیل بگاڑ دیا۔۔۔۔۔۔ورنہ اگر اسے لندن میں ہزار کام ہوتے تب بھی وہ ونڈلیمر کیسل میں رک کر اس کا انتظار کرتی۔

دوسری طرف اس نے سنگ ہی جیسے خطرناک آدمی کو شیشے میں اتار لیا تھا مگر اب سوچ رہا تھا کہ اگر اسے اس کی اصلیت معلوم ہوگئی تو بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔۔۔ڈچز

تک پہنچ جانے کے بعد تو سنگ ہی کے اعتماد کی جڑیں اور زیادہ مضبوط ہو جاتیں اور شاید اس صورت میں وہ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتا کہ عمران کون ہے اور کس مقصد کے تحت اس سے آ ٹکرایا ہے۔۔۔۔مگر ایسے حالات میں جب کہ خود ڈچز اس سے دور بھاگنے کی کوشش کرے گی سنگ ہی کا بدگمان ہو جانا لازمی امر ہوگا۔

عمران کافی دیر تک سوچتا رہا۔لیکن ایسی کوئی تدبیر اسے نہ سوجھ سکی جس سے سنگ ہی بھی مطمئن ہو جاتا اور ڈچز کی غلط فہمیاں بھی رفع ہو جاتیں۔

بہر حال کچھ دیر بعد وہ اٹھا شام کا لباس پہنا اور کمرہ مقفل کر کے نکل کھڑا ہوا۔

ایک گھنٹہ بعد وہ سوہو کی ایک گندی سی گلی میں داخل ہو رہا تھا۔اسی گلی میں ایک جگہ رک کر اس نے ایک ایسے دروازے پر دستک دی جس کا پالش اڑ گیا تھا۔۔۔۔اور جگہ جگہ دیمکوں کی تباہ کاری کے نشانات نظر آ رہے تھے۔

تقریباً دس منٹ بعد ہلکی سی چڑ چڑاہٹ کے ساتھ دروازہ کھلا اور عمران ایک بوڑھی عورت کی رہنمائی میں ایک متعفن گلیارا طے کرنے لگا۔عورت نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔

وہ اسے کشادہ کمرے میں لائی۔۔۔۔اور عمران اس کمرے کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔۔۔۔۔۔۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک بدبودار راستے سے یہاں تک پہنچا تھا۔یہاں اعلیٰ قسم کا فرنیچر تھا،دروازوں پر قیمتی اور دبیز پردے تھے۔ان میں سے کئی ایسے بھی تھے جن پر مشرقی طرز کا کارچوبی کام بنا ہوا تھا۔ایک طرف بخور دان سے خوشبودار دھوئیں کی لکیریں نکل کر خلا میں لہرا رہی تھیں۔بہر حال کمرے کا ماحول عجیب پوریشین قسم کا تھا۔۔۔۔۔۔بوڑھی عورت عمران کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے دوسرے دروازے سے نکل گئی۔۔۔۔۔۔عمران ایک صوفے پر بیٹھ کر سنگ ہی کا انتظار کرنے لگا۔۔۔۔اس نے اسے یہیں کا پتا بتایا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سنگ ہی کمرے میں داخل ہوا مگر عجیب ہیبت میں۔۔۔۔بال پیشانی

پر بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں کثرت شراب نوشی کی بناء پر سوجی ہوئی سی معلوم ہو رہی تھیں۔ گالوں پر لپ اسٹک کے دھبے تھے۔ جنہیں صاف کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں رائی کی وہسکی کی آدھی بوتل تھی جسے وہ شاید سوڈا ملائے بغیر پیتا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔عمران کو دیکھ کر مسکرایا۔

کیوں بھتیجے۔۔۔۔۔۔۔۔تم اب بھی لندن ہی میں مقیم ہو۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ لندن آ رہی ہے۔۔۔۔۔۔غالباً اپنے بلومزبری والے مکان میں قیام کرے گی۔

تب تو اور بھی اچھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہیں اس سے مل لو۔۔

یہاں ملنا ٹھیک نہیں ہے چچا۔۔۔۔۔۔۔بلومزبری والے مکان کے قرب و جوار میں میرے چند شناسا رہتے ہیں سارا معاملہ چوپٹ ہو جائے گا۔۔۔

تم بہانہ بازی کر رہے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔سنگ ہی جھنجھلا کر بولا۔

ارے۔۔۔۔واہ۔۔۔۔عمران نے بھی اسی لہجہ میں جواب دیا۔۔۔میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں۔۔۔چونکہ میری تفریح ہی یہی ہے اس لئے میں نے یہ کام انجام دینا منظور کر لیا تھا۔ اگر دھونس دھڑلے پر آؤ گے تو میں بھی تم سے کمزور نہیں ہوں۔

سنگ ہی ہنس پڑا۔۔۔۔پھر سنجیدگی سے بولا۔

نہ جانے کیوں تم پر ہاتھ اٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔

تم مجھ سے ڈرتے ہو چچا سنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپنی کمزوری کو خلوص میں چھپانے کی کوشش نہ کرو۔

چلو یہی سہی۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں تم سے ڈرتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر۔۔۔

پھر کچھ نہیں میں کب کہتا ہوں کہ نہ ڈرو۔۔۔۔۔۔۔مگر یہ تمہارے گالوں پر۔۔۔۔۔۔

سنگ ہی نے رومال سے اپنے گال صاف کرتے ہوئے کہا کام کی بات کرو

لڑکے۔۔۔ورنہ سنگ ہی کی سزا تمہیں خودکشی پر مجبور کر دے گی۔

جو سزا خودکشی پر مجبور کر دے منطقی اعتبار سے اسے سزا کہا ہی نہیں جا سکتا۔

اچانک سنگ ہی نے تین بار تالی بجائی۔ دوسرے لمحے میں دو قوی ہیکل چینی اندر گھس

آئے۔۔۔۔۔۔۔سنگ ہی نے چینی زبان میں ان سے کچھ کہا اور وہ بے تحاشہ عمران پر جھپٹ پڑے۔عمران پہلے ہی سے تیار بیٹھا تھا۔وہ اتنی صفائی سے ان کے درمیان سے نکلا کہ ان کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئے۔وہ غصیلی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ حملہ کر بیٹھے۔عمران جھکائی دے کر نہ صرف ان کی گرفت میں آنے سے بچ گیا بلکہ ایک کی پشت پر لات رسید کر دی۔وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سنگ ہی پر جا گرا۔اتنی دیر میں عمران نے دوسرے چینی کی اچھی خاصی مرمت کر دی۔سنگ ہی اپنے اوپر گرتے ہوئے چینی کو ٹھوکر مار کر شاید سخت سست کہنے لگا تھا۔

یہ سب کچھ ہوتا رہا لیکن سنگ ہی نے ان دونوں کی مدد نہیں کی۔آخر ایک چینی نے چھرا نکال لیا۔

چچا سنگ۔۔۔۔۔۔۔۔عمران ہنس کر بولا۔اگر یہ چھرا ان دونوں میں سے کسی کے سینے میں اتر گیا تو تمام ذمہ داری تم پر ہو گی۔

پرواہ نہ کرو۔سنگ ہی نے مسکرا کر کہا۔۔۔۔۔میرے لئے یہ منظر بڑا دلچسپ ہے۔

تم بھی آجاؤ نا۔۔۔۔۔عمران نے اسے للکارا۔

نہیں بھتیجے۔۔میں یہاں آرام سے ہوں۔میری تفریح میں خلل نہ ڈالو۔

دوسرے چینی نے بھی چھرا نکال لیا اور وہ دونوں ایک ساتھ عمران پر حملہ آور ہوئے لیکن ان کے چھرے میز پر پڑے۔کیونکہ عمران اسی میز کے نیچے جا گھسا تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے میز الٹ گئی اور وہ دونوں نہتے ہو گئے۔بس پھر کیا تھا عمران نے وہ کرتب دکھائے

کہ سنگ ہی ٹوٹے بھوٹے آدمیوں کی مرمت کے لئے ایک خارخانے کے امکانات پر غور کرنے لگا۔

دونوں چینیوں کے چہرے لہولہان ہو گئے تھے۔

بس ختم کرو۔۔ دفعتاً سنگ ہی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اب میری بوتل میں وہسکی کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا۔۔۔۔۔۔۔ اس لئے یہ تفریح ختم۔۔۔

پھر چینیوں سے چینی زبان میں کہا۔ بھاگ جاؤ۔۔۔ لندن کی آب و ہوا نے تمہیں سست اور کاہل بنا دیا ہے۔

وہ جہاں تھے وہیں رک گئے۔۔۔۔ سنگ ہی نے ہاتھ ہلا کر انہیں جانے کا اشارہ کیا۔ اور وہ

چپ چاپ کمرے سے چلے گئے۔ سنگ ہی عمران کے قریب آ کر اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔ شاباش تم واقعی ایک ننھے منھے سنگ ہی ہو۔ میں تمہیں بہت کچھ سکھاؤں گا۔ سارے فنون میں طاق کر دوں گا۔ مکار پہلے ہی سے ہو۔۔۔ تم مجھے پہلے آدمی ملے ہو جس پر میری محنت ضائع نہیں ہو گی۔

بیکار باتیں ختم۔ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اب کام کی بات کرو۔

وہ تو میں بہت دیر سے کرنا چاہتا ہوں۔ سنگ ہی نے جواب دیا۔

کیا تم نے کبھی کسی نک کارٹر کا نام بھی سنا ہے۔

نک کارٹر۔۔۔۔۔ کیوں

اگر اس شخص کے سلسلے میں تفتیش کی جائے تو ممکن ہے ہماری رسائی کیلی پیٹرسن تک بھی ہو جائے۔

کیلی پیٹرسن کو الگ ہی رکھو۔ سنگ ہی نے کہا۔ اس سے مجھے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں ہے۔

ہے بڑے دل گردے کی عورت۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ ماننا ہی پڑے گا۔

اگر مجھے کبھی اس کے وجود پر یقین آ سکا تو ضرور مان لوں گا۔سنگ ہی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

اگر وجود پر یقین نہیں ہے تو پھر مجھے ڈچز آف ونڈلیمر کے یہاں کیوں بھیجنا چاہتے ہو۔

وہ تمہیں یہ بھی معلوم ہے۔سنگ ہی نے حیرت سے کہا۔

میں کیا نہیں جانتا چچا۔۔۔۔۔۔۔میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مکلارنس اس سے پریم کرنے لگا ہے اور اس سے شادی کے بغیر نہیں مانے گا۔

تم نے شاید افیون کھا رکھی ہے۔سنگ ہی بولا۔

میں چینی نہیں ہوں۔عمران نے جواب دیا۔

سنگ ہی کسی سوچ میں پڑ گیا۔پھر اس نے کہا نک کارٹر کے متعلق تم کیا کہہ رہے تھے۔

میرا خیال ہے کہ وہ ابھی زندہ ہے۔

کون کیا بک رہے ہو۔۔۔۔صاف صاف کہو۔

نک کارٹر۔آسٹریلیا کا ایک باشندہ ہے۔جس نے بھیڑوں کے ایک وبائی مرض کا کامیاب علاج دریافت کیا تھا۔۔۔۔۔۔آسٹریلیا میں وہ مر گیا تھا۔مگر لندن میں شاید زندہ ہے۔

نک کارٹر۔۔۔۔سنگ ہی آہستہ سے بڑبڑایا۔ٹھہرو۔۔۔مجھے سوچنے دو۔

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔پھر بولا۔میں نے یہ نام سنا ہے۔آسٹریلیا میں کہاں تھا۔

سڈنی۔

اوہ۔۔۔۔۔۔۔۔اچھا۔۔میں اس کے متعلق معلومات حاصل کروں گا۔میرے ایک انگریز دوست کی زندگی کا بیشتر حصہ آسٹریلیا ہی میں گذرا ہے اور سڈنی میں اس کا

قیام تھا۔

کیا وہ یہیں لندن میں رہتا ہے۔

ہاں۔۔۔سر وگفلیڈ۔۔۔۔۔موجودہ گفلیڈ کا چچا بڑا شاندار آدمی ہے۔۔۔۔۔کیا تم نے اسے کبھی دیکھا ہے۔

نہیں لیکن لارڈ وگفلیڈ سے میری جان پہچان ہے۔۔۔وہ مجھے ایک مشرقی شہزادے کی حیثیت سے جانتا ہے۔

اوہو۔تم لمبا فراڈ کر رہے ہو۔سنگ ہی مسکرایا۔

اس کے بغیر میرا کام ہی نہیں چلتا۔اخراجات بہت وسیع ہیں۔تم نے روزانہ سو پاؤنڈ دینے کا وعدہ کیا تھا مگر ابھی تک ایک ہی قسط ملی ہے۔

اب مجھے ٹھگنے کا ارادہ ہے۔کیوں خیر اس قصے کو ختم کرو۔کیا واقعی لارڈ وگفلیڈ تمہیں پہچانتا ہے۔

اچھی طرح عمران سر ہلا کر بولا۔

تب تو پھر تمہارا ڈچز کے یہاں ملازمت کرنا درست نہیں ہوگا۔

یہی تو میں کہہ رہا تھا۔عمران بولا ویسے اگر میں کوشش کروں گا تو ڈچز کا مہمان ضرور بن سکتا ہوں۔

وہ کس طرح۔۔۔۔

اسی طرح جیسے لارڈ وگفلیڈ سے شناسائی پیدا کی تھی ویسے ڈچز کو کتوں کا خبط ہے۔۔۔میں اس سے درخواست کروں گا کہ اس کے کتے دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔پھر اسے اپنے جال میں پھانس لینا میرا کام ہوگا۔

مجھے تم سے یہی توقع ہے۔

اچھا تو پھر نکالو رقم۔۔۔میں اس سے شہزادوں ہی کی طرح ملنا چاہتا ہوں۔

رقم ہاں رقم ملے گی۔۔۔۔مگر تم یہ نہ سمجھنا کہ سنگ ہی کو بیوقوف بنا رہے ہو۔

ارے۔۔۔۔۔۔۔توبہ۔۔۔۔۔۔۔میری جان۔۔۔۔۔۔۔۔

ارر۔۔۔۔۔۔۔۔ ہپ ۔۔۔۔۔۔۔۔چچا جان۔۔۔یہ آپ کیسی باتیں کررہے ہیں۔۔۔مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کو بیوقوف بنا سکوں۔

چاپلوسی کی باتیں ختم۔۔۔

عمران نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لیئے۔

سنگ ہی نے اسے کئی بڑے بڑے نوٹ نکال کر دیئے۔۔۔۔اور عمران نے اس طرح لاپرواہی سے انہیں جیب میں ڈال لیا جیسے وہ رقم سنگ ہی کے ذمے واجب الادا رہی ہو۔

عمران نے ان دنوں عارضی طور پر اپنی رہائیش کا انتظام مسز ملکڑسن کے ساتھ کرلیا تھا۔ہارلے اسٹریٹ میں ایک بڑی عمارت کی مالکہ تھی۔جو اسے وراثت میں ملی تھی۔ اس میں ایک بورڈنگ قائم کرلیا تھا اور غیر ملکی طلبا میں اپنی خوش اخلاقی اور حسن انتظام کے لئے خاصی مشہور تھی۔

عمران جانتا تھا کہ سنگ ہی ابھی اس کی طرف سے مطمئین نہیں ہوا ہے اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اب ڈیکن ہال سے دور ہی دور رہے۔سنگ ہی کی قیام گاہ سے نکلتے ہی اس نے محسوس کرلیا کہ آج پھر اس کا تعاقب کیا جارہا ہے۔لہذا وہ نہایت اطمینان سے ہارلے اسٹریٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔سنگ ہی کو پہلے ہی بتا چکا تھا کہ وہ ہارلے اسٹریٹ میں رہتا ہے۔۔۔۔اور ملکڑسن کے بورڈنگ کے متعلق ہارلے اسٹریٹ میں سبھی جانتے تھے کہ وہاں زیادہ تر غیر ملکی طلبا رہتے ہیں۔

عمران بھی سنگ ہی کی طرف سے مطمئین نہیں تھا۔اس نے دو تین ملاقاتوں میں اسے سمجھنے کی کوشش کی تھی اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوگیا تھا۔وہ جانتا تھا کہ سنگ ہی جیسے لوگوں کا دماغ الٹنے میں دیر نہیں لگتی۔اور ان کے متعلق یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ جو کچھ ان کی زبان پر ہے وہی دل میں بھی ہوگا۔

بہر حال سنگ ہی کی قیامگاہ سے چل کر سیدھا ملکرسن کے بورڈنگ میں آیا اور شام تک اپنے کمرے میں بیٹھا رہا۔۔۔۔۔۔اسے یقین تھا کہ سنگ ہی کے کسی آدمی نے ہارلے اسٹریٹ تک اس کا تعاقب کیا ہے۔

پانچ بجے کے بعد اس نے ڈچز ونڈلمیر کی بلومزبری والی قیامگاہ پر فون کیا۔۔۔۔دوسری طرف سے جواب بھیملا لیکن ڈچز گھر پر موجود نہیں تھی۔اس کے لندن کے کارپردار نے عمران کے بتایا کہ وہ اسے ساتھ بجے آکسفورڈ اسٹریٹ کے روایئل کلب میں مل سکے گی۔

روایئل کلب حقیقتاً روایئل کلب تھا۔وہاں خطاب یافتہ یا شاہی خاندانوں کے افراد کے علاوہ اور کسی کا داخلہ ممکن نہیں تھا۔۔۔۔۔عمران ٹھیک ساڑھے چھ بجے وہاں پہنچ گیا۔لیکن سوال داخلے کا تھا۔اس کے لئے اسے سب سے پہلے ریسپشین روم جانا پڑا۔۔۔۔۔وہاں اس نے اپنا نام پرنس آف ڈھمپ والا کارڈ دکھاتے ہوئے سیکرٹری کو بتایا کہ وہ وہاں ڈچز آف ونڈلیمر سے ملے گا۔ویسے عمران اس وقت بڑا شاندار لگ رہا تھا۔اس کے چہرے پر پایا جانے والا دائمی احمق پن غائب ہو چکا تھا اور وہ سچ مچ شہزادوں کے سے انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔

کیا ڈچز آپ سے واقف ہیں جناب والا۔۔۔۔۔۔سیکرٹری نے پوچھا۔

اچھی طرح عمران نے پروقار انداز میں جواب دیا۔

مگر وہ ابھی تشریف نہیں رکھتیں۔تاوقتیکہ وہ آپ سے ملنے پر رضامند نہ ہوں ہم مجبور ہوں گے۔

کیا بکواس ہے۔۔۔۔۔۔عمران نے کسی چڑچڑے رئیس کی طرح کہا۔میں کلب ممبر بننا چاہتا ہوں

اس کے لئے بھی دوسروں ممبر کی سفارش ضروری ہے۔

سفارش پر پرنس آف ڈھمپ لعنت بھیجتا ہے۔۔۔۔سمجھے مائی ڈیئر سیکرٹری

قانون۔۔۔۔۔قانون ہے جناب۔۔۔۔۔۔

اچھی بات ہے تم بہت جلد رویئل کلب کا انجام دیکھ لوگے۔

میں نہیں سمجھا جناب۔

میں اپنی ریاست میں ایک رویئل کلب قائم کروں گا۔اور اس کی عمارت میں شہر بھر کے بڈھے کٹے گدھے باندھے جایا کریں گے۔

کیا آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں۔سیکرٹری نے پوچھا۔

ہاں میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔تم دیکھ لینا۔۔۔۔۔۔اور یہی نہیں بلکہ اس کے بورڈ پر یہ بھی لکھواوں گا کہ یہ لندن کے رویئل کلب کی ایک شاخ ہے۔

آپ ہرگز ایسا نہیں کرسکیں گے جناب۔

کیوں ارے وہ انگلینڈ نہیں بلکہ ڈھمپ ہے۔میری اپنی ملکیت۔۔۔۔میں ڈھمپ کا شہزادہ ہوں۔

ابھی یہ بحث وتکرار جاری تھی کہ ڈچز آف ونڈلیمر دو آدمیوں کے ساتھ ریسیپشن روم میں داخل ہوئی۔۔۔۔۔۔۔عمران کہ دیکھ کر وہ ٹھٹکی لیکن پھر بڑی گرمجوشی سے آگے بڑھ کر بولی۔

ہیلو ڈھمپ۔۔۔۔۔۔۔

یس یور ائی نس۔عمران نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

کلوک روم میں جانے کے لئے ریسیپشن روم سے گذرنا ضروری ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔ورنہ شاید ڈچز سے اس طرح ملاقات نہ ہوسکتی۔

کلوک روم میں اپنے رین کوٹ اتار کر وہ ہال میں آئے۔اور ڈچز نے عمران کا تعارف اپنے ساتھیوں سے کرایا۔ان میں سے ایک سر وگفیلڈ تھا۔لارڈ وگفیلڈ کا چچا اور دوسرا شیرف آف نوٹنگھم۔عمران کو یاد آ گیا کہ سنگ ہی نے اپنے کسی دوست کا تذکرہ کیا تھا اس کا نام بھی وگفیلڈ ہی تھا۔۔۔۔۔پھر یہ بھی یاد آ گیا کہ لارڈ وگفیلڈ کا حوالہ بھی

دیا گیا تھا۔۔۔تو پھر یہ وہی سر وگفیلڈ تھا۔عمران کے چہرے پر اب پھر وہی پہلے کی سی حماقت طاری ہوگئی تھی۔اور وہ کچھ اس طرح خاموش تھا جیسے بولنے کی ہمت نہ پڑ رہی ہو۔

وہ جب بھی بولتا انداز سے صاف ظاہر ہو جاتا کہ اسے اپنے احمق ہونے کا احساس بہت شدت سے ہے اور وہ بولتے وقت سوچتا بھی ہے کہ کہیں کوئی بیوقوفی کی بات زبان سے نہ نکل جائے۔ٹھیک نو بجے وہ کلب سے اٹھ گئے۔سر وگفیلڈ اور شیرف کو شاید اور کہیں جانا تھا۔

تم میرے گھر تک چلو۔ڈچز نے عمران سے کہا۔

ضرور۔۔۔۔۔ضرور۔۔۔عمران ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔میں اپنی اسکیم کے متعلق اپ کو بتانے کے لئے بے چین ہوں۔

لینڈی ڈاگ والی اسکیم

جی ہاں وہی عمران نے جواب دیا۔

اچھا تو وہیں گھر پر گفتگو ہوگی۔مگر تم نے میرے لئے ڈھمپ خاندان کی کاک ٹیل ضرور

تیار کرو گے۔

بسرہ چشم مگر ابھی اس کا راز بتانے کا وقت نہیں آیا۔پورنماشی کے دن بتاؤں گا۔

یہ پورنماشی کیا بلا ہے۔

جس دن چاند پورا ہو جائے۔

یہ کیا بکواس ہے۔

آہا آپ نہیں سمجھتیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ دوسرا معاملہ ہے۔اس کا تعلق روحانیت سے ہے۔۔۔آپ جانتی ہیں کہ ہم مشرقی لوگ روحانیت کے معاملے میں کیسے ہوتے ہیں۔

مگر اس کا روحانیت سے کیا تعلق

ڈھمپ خاندان کا عقیدہ ہے کہ پورنماشی کے علاوہ کسی اور دن یہ راز ظاہر کرنے والا کانا ہو جاتا ہے۔

کیا کبھی ایسا واقعہ ہو چکا ہے۔

اوہ۔۔۔۔۔۔۔جی ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔میرے دادا اپنی ایک آنکھ کھو بیٹھے تھے۔

خیر نہ بتاؤ۔لیکن وہ کاک ٹیل بڑی نفیس تھی۔

میں آپ کے لئے رات دن کاک ٹیل بنا سکتا ہوں۔آپ فکر نہ کیجئے پتہ نہیں کیوں آپ سے اتنی محبت ہو گئی ہے۔

میں اس وقت نشے میں نہیں ہوں ڈھمپ چانٹا ماروں گی۔تم نے اس رات مجھے بہت شرمندہ کیا تھا۔

کس رات۔

رینی کی سالگرہ کے موقع پر۔

اس رات عمران نے حیرت سے کہا۔اس رات میں نے آپ کو کب شرمندہ کیا تھا۔

میں نشے میں تھی اور تمہاری باتوں میں آ کر رقص کے لئے تیار ہو گئی تھی۔

وہ کار میں آ بیٹھے۔۔۔۔۔۔بیٹھتے وقت سلسلہ گفتگو منقطع ہو گیا۔۔۔۔۔۔عمران نے فی الحال خاموش ہی ہو جانا بہتر سمجھا۔۔۔۔۔۔وہ اس رات کی باتیں دوبارہ نہیں چھیڑنا چاہتا تھا۔

کار تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ یک بیک بارش آ گئی۔۔۔۔۔۔ہوا پہلے ہی سے تیز تھی اس لئے بارش میں بھی خاصا زور موجود تھا۔دیکھتے ہی دیکھتے بھری پڑی سڑک ویران ہو گئی۔

اچانک کار بھی رک گئی اور عمران نے ڈرائیور سے استفسار کیا۔جواب ملا شاید بیٹری فیل ہو گئی ہے۔

ہمپ۔عمران نے ایک لمبی سانس لی اور اطمینان سے پشت گاہ سے ٹک گیا۔

ڈچز ہونٹوں ہی ہونٹوں میں نہ جانے کیا بڑبڑا رہی تھی۔ڈرائیور اپنا رین کوٹ سنبھالتا ہوا نیچے اتر گیا۔لیکن دشواری یہ تھی کہ وہ اس بارش میں بونٹ نہیں اٹھا سکتا تھا۔

وہ ڈچز کے حکم پر چند ایسے آدمیوں کی تلاش میں چلا گیا جو کار کو دھکا دے کر سڑک کے کنارے لگا سکیں۔

لیکن وہ جلد ہی ناکام واپس آ گیا۔سڑک سنسان ہو جانے کی وجہ سے ایک بھی ایسا آدمی نہیں مل سکا تھا جو کار کو دھکیل کر سڑک کے کنارے پر لگا دیتا۔

اے ڈرائیور۔عمران نے کہا۔۔۔۔تم اسٹیرنگ سنبھالو میں دھکا دیتا ہوں۔

ارے تم۔۔۔۔ڈچز نے حیرت سے کہا۔

ہاں میں۔۔۔

نہیں یہ بدنما معلوم ہوگا ڈھمپ۔۔۔۔۔تم ایک معزز آدمی ہو۔

اونہہ۔عمران ہونٹ سکوڑ کر بولا۔اس بارش میں کسی کو کیا پڑی ہے کہ میرے معزز ہونے پر شبہ کرے گا۔

عمران کار سے نیچے اتر گیا۔سڑک تاریک نہیں تھی۔لیکن بارش کی وجہ سے ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔عمران کار کی پشت پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے دھکیلنے لگا۔اسے ناکامی نہیں ہوئی کار آگے کی طرف کھسک رہی تھی۔ایسے میں ڈرائیور نے اسے اسٹارٹ کرنے کی بھی کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔

اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے ستارے ناچ گئے ہیں۔سر پر لگنے والی ضرب کچھ اتنی ہی شدید تھی۔اسے اتنی مہلت بھی نہ مل سکی کہ وہ مڑ کر حملہ آور کی شکل ہی دیکھ لیتا۔۔۔۔وہ اردو میں ادب لطیف بکتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔۔۔۔گرتے گرتے اسے احساس ہوا جیسے سر کے پچھلے حصے سے سورج طلوع ہو کر آنکھوں میں غروب ہو گیا ہو۔

عمران کا تو یہی خیال تھا کہ زیادہ دیر تک بے ہوش نہیں رہا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اس کی چوٹ دھمک میڈیولا اوراوبلانگاٹا تک پہنچ گئی تھی ورنہ وہ بے ہوش نہ ہوتا۔ پھر وہ اپنی بے ہوشی کی سائنٹیفک توجیہہ کے چکر میں پڑ گیا۔ یہ کرتا تو کرتا بھی کیا۔ جہاں اسے ہوش آیا تھا وہ جگہ بالکل تاریک تھی اس نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دیتا ہے یا نہیں۔۔۔۔۔اور اسے فوراً احساس ہوگیا کہ نہیں سجھائی دیتا کیونکہ وہ کسی دوسرے آدمی کی ناک ٹٹول رہا تھا۔

لیکن اس دوسرے آدمی نے اس پر احتجاج نہیں کیا۔ اب عمران اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا لیکن اسے یہ محسوس کرکے بڑی کوفت ہوئی کہ وہ کوئی عورت ہے۔ پھر دفعتاً اسے یاد آ گیا کہ اس کے ساتھ ڈچز آف ونڈلیمر بھی تھی۔ اب اس نے بڑے اطمینان سے اسکے چہرے پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ اور پھر اسے معلوم ہوگیا کہ وہ ڈچز ہی ہے کیونکہ اس کے بائیں گال پر ایک ابھرا ہوا تل تھا۔

اے۔۔۔۔۔ڈرائیور عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ گاڑی آگے بڑھاؤ

ہم گاڑی میں نہیں ہیں جناب والا۔ کسی گوشے سے آواز آئی۔

ڈرائیور۔۔۔۔

جی حضور۔۔۔۔

ہم کہاں ہیں۔۔۔

پتہ نہیں جناب والا۔ لیکن وہ آٹھ یا دس تھے۔ جب انہوں نے آپ پر حملہ کیا تو ہر ہائی نس چیخی تھیں میں آپ کی مدد کو پہنچا۔ وہ سب مجھ سے چمٹ گئے۔ پھر اس کے بعد اب آنکھ کھلی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔خدا جانے ہم کہاں ہیں۔

ماچس ہے تمہارے پاس۔

سگار لائٹر ہے جناب۔۔۔۔۔۔

جلاؤ نا۔

تھوڑی دیر بعد اندھیرے میں سگار لائیٹر کی لو نظر آئی۔۔۔۔سرخ اور مدھم سی روشنی میں دو

بڑے بڑے سائے دیوار پر لرز رہے تھے۔عمران ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ایک طرف دیوار پر اسے سوئچ بورڈ نظر آیا۔اس کمرے کی چھت سے بجلی کا ایک بلب بھی لٹک رہا تھا۔عمران نے سوئچ آن کر دیا۔کمرہ روشن ہو گیا اور ڈرائیور نے سگار لائیٹر بجھا کر جیب میں ڈال لیا۔ڈچز فرش پر چت پڑی ہوئی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔اسے بھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔

عمران نے اسے ہلایا جلایا آوازیں دیں لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

پپ۔۔۔۔۔۔پتہ نہیں کون لوگ تھے جناب۔۔ڈرائیور ہکلایا۔

جناب نہیں یور ہائی نس۔۔۔۔۔۔۔میں پرنس آف ڈھمپ ہوں۔عمران نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

او کے یور ہائی نس۔ڈرائیور بوکھلا کر جھکتا ہوا بولا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ڈچز کو ہوش آ گیا۔اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھی۔

ڈھمپ۔۔۔۔۔۔ہم کہاں ہیں۔

پتہ نہیں۔۔۔۔عمران نے گھوم کر اسے اپنی تڑخی ہوئی کھوپڑی دکھائی جو جمے ہوئے خون سے چپک گی تھی۔ڈچز کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ اچھل کر اٹھی اور عمران کو بازوؤں میں جکڑ کر اس کا سر سہلانے لگی۔

یہ کیا ہوا۔۔۔۔۔۔۔ہم کہاں ہیں ڈھمپ ڈیئر۔

شاید مکلارنس کی قید میں۔۔۔عمران نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

ڈچز ایک خوفزدہ سی چیخ مار کر دیوار سے جا لگی اور اس کی پھٹی ہوئی آنکھیں اس طرح ویران ہو گئیں جیسے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہو۔

مائی ڈیئر ونڈلیمر عمران آگے بڑھ کر اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ پرواہ مت کرو۔۔۔۔۔ کیلی پیٹرسن کا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اسے تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔۔۔۔۔ لیکن اگر تم نے مکلارنس پر حقیقت ظاہر کر دی تو اس کے علاوہ پھر اور کوئی دنیا میں نہ رہ جائے گا۔ مطلب سمجھتی ہو نا۔۔۔ اس صورت میں وہ تمہیں کبھی زندہ نہ چھوڑے گا پھر وہ کسی ایسے آدمی کا وجود برداشت کر ہی نہ سکے گا جو اس کے علاوہ کیلی پیٹرسن سے واقف ہو۔

ڈچز کچھ نہ بولی۔۔۔۔۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ اور وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

تمہیں اپنی غلطی تسلیم کرنی پڑی گی۔ عمران نے کہا۔ تم پیٹرسن پی چنگ کارپوریشن کے منیجر کا حال دیکھ چکی تھیں اس کے باوجود بھی آزادانہ باہر نکلتی رہیں۔۔۔۔ تمہیں اپنے ساتھ کم از کم دو مسلح باڈی گارڈ تو رکھنے ہی چاہئے تھے۔

ڈچز سر پکڑ کر فرش پر اکڑوں بیٹھ گئی اس وقت وہ عمران کو اپنے دیس کی گھاٹنوں اور کھنکنوں سے مشابہ نظر آ رہی تھی۔

اچانک دروازہ کھلا اور چار مسلح نقاب پوش اندر داخل ہوئے ان کے ریوالوروں کی نالیں عمران اور ڈرائیور کی طرف تھیں۔ ایک نے آگے بڑھ کر ڈچز کا بازو پکڑا اور اسے فرش سے اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔

ارے۔۔۔۔ الگ ہٹو۔۔۔۔ عمران نے غصیلی آواز میں کہا۔ ہر ہائی نس خود ہی اٹھ جائیں گی۔

ڈچز کھڑی ہو گئی تھی اس کا بازو چھوڑ دیا گیا اور تین نفوس کا یہ جلوس چار مسلح نقاب پوش کی نگرانی میں ایک طویل راہداری سے گذرنے لگا۔ پھر وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے جہاں بہت تیز روشنی تھی۔۔۔۔۔۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رات کی شوٹنگ کے لئے وہ کسی اسٹوڈیو میں لائے گئے ہوں۔

یہاں عمران نے ایک خاص چیز دیکھی۔ ایک بہت بڑی سی لوہے کی انگیٹھی تھی جس میں کوئلے دہک رہے تھے۔ اور ان کے درمیان لوہے کی دو سلاخیں پڑی ہوئی تھیں جن میں لگے ہوئے دستے لکڑی کے تھے۔ عمران کو اس کا مطلب سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ جانتا تھا کہ مکلارنس کے آدمی کیلی پیٹرسن کا پتہ معلوم کرنے کے سلسلے میں ڈچز کو سخت اذیتیں دیں گے۔

مائی ڈیئر ونڈلیمر۔ عمران آہستہ سے بولا۔ وہ آتشدان دیکھ رہی ہو اور اس میں گرم ہوتی ہوئی سلاخیں۔

ڈچز کے حلق سے ہسٹریائی انداز کی متعدد چیخیں نکل کر وسیع ہال میں گونجیں اور پھر پہلے ہی کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔

عمران نے تو تین بار اپنی آنکھوں کو گردش دی اور کنکھار کر اخلاقیات پر لیکچر دینے لگا۔ وہ ان نقاب پوشوں کو یوم قیامت اور خدا کی باز پرس سے ڈرا رہا تھا۔ پھر اس نے کرائسٹ اور صلیب کا قصہ چھیڑ دیا۔ اچانک نقاب پوشوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اس کا منہ دبا دیا۔۔۔۔

عمران نے اس سے اپنا منہ چھڑانے کے لئے جدوجہد نہیں کی۔

ہاں ڈچز۔۔۔۔ اس نقاب پوش نے ڈچز کو مخاطب کیا جو ہال میں پہلے ہی سے موجود تھا۔

کیا خیال ہے تم مجھے کیلی کے متعلق بتاؤ گی یا نہیں۔۔۔

ڈچز کسی خوفزدہ بکری کی طرح کھانسنے لگی۔ پتہ نہیں یہ کھانسی تھی یا وہ رو رہی تھی کیونکہ اس کی آنکھوں سے آنسو تو بہر حال بہہ رہے تھے۔

اس سے کام نہیں چلے گا ڈچز۔۔۔۔۔۔ تم بتاؤ گی یا یہیں بغیر تابوت کے دفن کر دی جاؤ گی۔

میری زندگی میں تو یہ ناممکن ہے کہ ہر ہائی نس بغیر تابوت دفن کر دی جائیں۔ عمران

نے غصیلے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے احمقانہ انداز میں کہا۔

میں تابوت ضرور مہیا کروں گا۔خواہ کچھ ہو جائے۔

یہ کون ہے۔نقاب پوش نے دوسرے نقاب پوشوں سے پوچھا۔

پتہ نہیں ڈچز کے ساتھ تھا۔۔ایک نے جواب دیا۔

تم گدھے ہو۔۔نقاب پوش گرجا۔ان دونوں کو لانے کی کیا ضرورت تھی۔

ہم سمجھے شاید۔۔۔۔۔

شٹ اپ وہ اتنے زور سے چیخا کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔

دوسرا نقاب پوش خاموش ہو گیا۔

ارے یار۔۔۔اگر ہم آ گئے تو کونسی مصیبت پڑ گئی۔عمران نے برا مان جان لینے والے انداز میں کہا۔کہو تو واپس چلے جائیں۔

اسے مارو۔۔۔۔۔ٹھیک کرو نقاب پوش نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔اور وہ چاروں عمران پر ٹوٹ پڑے۔

لیکن ان چاروں ہی کو حیرت تھی کہ اپنے انتہائی پھرتیلے پن کے باوجود بھی وہ اسے ہاتھ نہ لگا سکے۔وہ کسی بندر کی طرح اچھل کود کر ہر بار ان کے وار خالی دے رہا تھا۔دو آدمی تو جلد ہی بیکار ہو گئے کیونکہ ان کے گھونسے پوری قوت سے دیوار پر پڑے تھے۔۔۔

اوہ۔۔۔نقاب پوش دانت پیس کر غرایا۔۔۔تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا۔

ٹھہرو۔۔عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔میری ایک بات سن لو۔۔۔۔ڈچز کو مار بھی ڈالو تو وہ

نہیں بتائیں گی۔۔۔۔اگر تم شرافت سے پیش آؤ تو یہ ممکن بھی ہے۔۔۔۔۔

میں کبھی نہ بتاؤں گی۔۔۔ڈچز ہسٹریائی انداز میں چیخی۔۔۔مجھے مار ڈالو میں ہرگز نہ بتاؤں گی۔۔۔۔۔۔میں نچلے طبقے کی کوئی ڈرپوک عورت نہیں ہوں۔

محترمہ تمہیں بتانا پڑے گا۔نقاب پوش نے زہریلے لہجے میں کہا۔میں تمہیں دنیا کی خوفناک ترین اذیت دینے سے بھی باز نہیں آؤں گا۔۔۔۔۔۔۔۔سمجھیں۔

مسٹر۔۔عمران نے اسے مخاطب کیا۔تم کیا سمجھتے ہو کہ اپنی دھمکی کو بروئے کار لاسکو گے۔

ارے تم لوگ کیا دیکھتے ہو۔نقاب پوش نے اپنے ساتھیوں کو للکارا۔اس کا منہ بند کردو

وہ پھر عمران کی طرف جھپٹے لیکن عمران اس بر صرف کرتب ہی نہیں دکھاتا رہا بلکہ ایک کے ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال لیا۔

خبردار تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔اس نے انہیں للکارا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ چاروں بوکھلا کر پیچھے ہٹے اور پھر انہیں اپنے ہاتھ اوپر اٹھانے ہی پڑے۔

تم بھی اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ عمران نے نقاب پوشوں کے سرغنہ سے کہا۔کیا تم میرے چچا ہو۔

اس نے بھی اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے لیکن عمران یہ فیصلہ نہ کرسکا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔ویسے انہیں زخمی تو کر ہی سکتا تھا۔مگر زخمی کرنے کے لئے فائر کرنے پڑتے اور فائروں کی آوازیں نہ جانے کون سا نیا ہنگامہ کھڑا کر دیتیں۔ہوسکتا ہے کہ اس عمارت میں ان پانچوں کے علاوہ اور لوگ بھی رہے ہوں۔عمران اپنے دوسرے اقدام کے متعلق سوچ ہی رہا تھا اچانک ایک دروازہ کھلا اور پانچ چھ نقاب پوش گھس آئے اور انہوں نے بے تحاشہ کمرے والے نقاب پوشوں پر فائر کیئے۔

افراتفری مچ گئی۔۔۔۔۔عمران کھسک کر دیوار سے جا لگا۔

اچانک اسی آواز میں ایک نسوانی آواز ابھری۔۔۔خبردار اسے جانے نہ دینا۔۔۔لمبا آدمی یہی مکلارنس ہے۔

لمبا آدمی اچھل کر بھاگ۔۔۔۔اس پر پے در پے کئی فائر ہوئے لیکن وہ کمرے سے

نکل چکا تھا۔

آنے والے نقاب پوش بقیہ چار نقاب پوشوں کو وہیں چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگے۔

دوسرے نقاب پوش ان کے پیچھے جھپٹے اور عمران وہیں کھڑا اپنی ناک رگڑتا رہا۔۔۔عمارت کے دور افتادہ حصے سے فائروں کی آوازیں آئیں۔۔لیکن ساتھ ہی عمران بھاری قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔۔۔۔اور یہ سو فیصد پولیس والے تھے۔۔۔چلنے کا انداز بتا رہا تھا۔

ڈچز جو اب بھی خوفزدہ نظر آ رہی تھی عمران کے قریب آ کر آہستہ سے بولی۔تم ریوالور سمیت۔اف فوہ۔۔۔۔بڑی غلطی ہوئی۔

اتنے میں پولیس والے اس کمرے میں پہنچ گئے غالباً وہ فائروں کی آواز سن کر گھس آئے تھے ڈچز نے جلدی جلدی انہیں سب کچھ بتا دیا لیکن مکلارنس کا نام سن کر ان کی روح فنا ہوگئی اور وہ وہیں کھڑے ہو کر ڈچز کی خیریت پوچھنے لگے۔

خود ڈچز ہی نے جھلا کر کہا۔آپ لوگ انہیں پکڑتے کیوں نہیں۔وہ ابھی عمارت ہی میں ہوں گے۔

انہیں اپنے بچوں کو یتیم دیکھنے کا شوق نہیں ہے۔عمران سر ہلا کر بولا۔

ہم ابھی ہیڈ کوارٹر فون کرتے ہیں۔سارجنٹ نے انہیں دلاسہ دیا۔آپ پریشان نہ ہوں

ہم بالکل پریشان نہیں ہیں جناب۔عمران خوش اخلاقی کے اظہار کے لئے مسکرایا۔

بہرحال عمران نے اب وہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا۔فائروں کی آوازیں بہت دیر سے نہیں آئی تھیں۔وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہاں ہوگا ہی کیا۔نہ کیلی ملے گی اور نہ مکلارنس۔۔۔۔۔ویسے وہ کیلی پیٹرسن کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس قسم کی لڑکی ہوگی۔عمارت کے باہر آ کر ڈچز نے عمران سے کہا۔میری قیامگاہ تک چلو۔۔۔۔میں بہت زیادہ ڈر گئی ہوں۔

میرا تو دم ہی نکل گیا ہے۔۔۔۔میں کیا چلوں گا۔۔۔۔مجھے کیلی پیٹرسن سے کیا غرض۔۔۔۔کیا اس کے لئے مکلارنس سے اپنی حجامت بنواتا پھروں۔

اوہ ڈیئر ڈھمپ میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

اس لئے مناسب یہی ہے کہ کل کے اخبارات میں کیلی پیٹرسن کا پتہ شائع کرا دیجئے۔

پتہ میں نہیں جانتی۔تم یقین کرو ڈھمپ۔۔۔۔آج پورے ایک سال بعد میں نے اس کی آواز

سنی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔یقین کرو۔

یقین کرلیا۔۔۔۔۔۔۔۔کیا مصیبت ہے۔میں لینڈی ڈاگ پیدا کرنے کے چکر میں تھا۔بیچ میں یہ مکلارنس کا بچہ آ کودا۔

مگر ڈھمپ۔۔۔تم بہت۔۔۔۔تم بہت دلیر ہو۔۔۔۔میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتی تھی۔تم نے ان لوگوں کو تھکا مارا تھا اگر کیلی نہ آ جاتی تو وہ تمہارے ہی ہاتھ لگتا۔۔۔شاید پہلی بار آج تم نے مکلارنس پر ریوالور اٹھایا تھا۔۔۔یہ تلخ تجربہ اسے زندگی بھر یاد رہے گا۔

عمران کچھ نہ بولا۔شاید وہ کسی الجھن میں پڑ گیا تھا۔کوئی نئی الجھن تھی۔اس کے چہرے پر کچھ اسی قسم کے آثار تھے۔بمشکل تمام وہ ڈچز سے پیچھا چھڑا سکا۔۔۔۔۔نہ جانے کیوں اس نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔

10

دوسری صبح کے اخبارات نے اس واقعہ کو بری طرح اچھالا۔لیکن عمران کا نام کہیں نہیں آنے پایا۔۔۔اس کا تذکرہ ایک غیر ملکی طالب علم کی حیثیت سے کیا گیا تھا۔نام سرے سے ہی نہیں لیا گیا۔حقیقت یہ تھی اس سلسلے میں عمران نے سر ڈیکن کو مجبور کیا تھا ان کے اثر و رسوخ کی بناء پر اس کا نام اور پتہ اخبارات میں نہیں آ سکا

تھا۔۔۔دوسرے دن صبح صبح عمران پھر سنگ ہی کے پاس جا پہنچا۔۔۔قبل اس کے کہ عمران کچھ کہتا سنگ ہی بول پڑا۔

مجھے افسوس ہے لڑکے۔۔۔۔۔۔۔دراصل میرے آدمی سے غلطی ہوئی۔۔۔بارش ہوتے ہی انہوں نے تعاقب کرنا چھوڑ دیا تھا۔مگر میں تمہارے کمالات کا معترف ہوں۔۔۔کیا وہ تمہیں اپنے گھر لے جا رہی تھی۔

نہیں۔۔۔۔۔۔۔ہم دونوں کو مکلارنس لے گیا تھا۔

میں نے اس وقت اخبار میں دیکھا ہے۔۔۔۔ظاہر ہے کہ وہ غیر ملکی طالب علم تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔۔۔۔مجھے اس کے متعلق بتاؤ

عمران نے اسے مختصراً اسے حالات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔۔۔۔۔لیکن پیٹرسن کا نام آتے ہی سنگ ہی نے کہا۔تو یہ لڑکی بھی کسی فلم کی ہیروئین کی طرح۔۔۔۔۔۔۔

میں ساری رات اس کے متعلق سوچتا رہا۔۔۔۔عمران نے مغموم لہجے میں کہا۔بڑی سریلی

آواز تھی۔۔۔۔۔اب میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں میں کٹی کو بھول نہ جاؤں

سنگ ہی معنی خیز انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

کیا سروگفیلڈ تمہارا دوست ہے۔

ہاں یہ تقریباً بیس سال پہلے کی بات ہے ہم اسپین میں ملے تھے۔

یہاں آنے کا بعد کبھی اس سے ملے ہو۔

نہیں اب ملنے کا ارادہ ہے۔سنگ ہی نے کہا۔

ہرگز نہیں۔۔۔۔۔اسے یہ بھی نہ معلوم ہونا چاہئے کہ تم کہاں مقیم ہو۔

یہ تو تمہیں بھی نہیں معلوم بھتیجے کہ میں کہاں مقیم ہوں۔۔۔۔۔مگر تم یہ کیوں کہہ رہے ہو۔

میرے پاس کیلی پیٹرسن کے متعلق تھیوری ہے۔

تھیوری۔۔۔۔واہ بھتیجے۔۔۔۔۔۔۔اب تم تھیوریاں بھی بنانے لگے شاباش ہاں بتاؤ تو کیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ کیلی پیٹرسن ڈچز اور سر وگفیلڈ کا بنایا ہوا ایک فراڈ ہے۔ممکن ہے کل رات میں نے ایک دلچسپ ڈرامہ دیکھا ہو۔

لیکن تم سر وگفیلڈ کو کیوں گھسیٹ رہے ہو۔

وہ دونوں گہرے دوست ہیں۔۔۔۔۔۔اور بہت دنوں تک آسٹریلیا میں رہ چکے ہیں۔

تو اس کا یہ مطلب کہ تم پچھلی رات مکلارنس سے نہیں ٹکرائے

میرا یہی خیال ہے۔۔۔۔مکلارنس کی آڑ میں یہ ڈرامہ کھیلا گیا تھا۔۔۔۔کیلی پیٹرسن اس طرح اچانک آ ٹپکی تھی جیسے وہ اس واقعہ کی منتظر رہی ہو۔۔۔۔اس کے آدمیوں نے مکلارنس اور اس کے ساتھیوں پر پے در پے فائر کئے لیکن شاید کوئی زخمی بھی نہیں ہو سکا تھا۔اب اسی لائن پر سوچنے کی کوشش کرو کیا یہ ممکن ہے نہیں ہے کہ ڈچز کیلی پیٹرسن کی رقمیں خود ہضم کر رہی ہو۔۔۔۔کیا سر وگفیلڈ فرشتہ ہے۔

فرشتے سنگ کے دوست نہیں ہو سکتے بھتیجے۔۔۔تم نے مجھے الجھنوں میں ڈال دیا ہے۔

ہاہا۔۔۔۔۔۔۔لاؤ نکالو۔۔۔۔۔آج کی رقم۔۔۔۔۔۔۔کل تو میں نے شہزادہ بننے کے سلسلے میں ساری رقم برباد کر دی تھی۔

اب کوئی رقم نہیں ملے گی۔

کیوں عمران آنکھیں نکال کر بولا

تم اب تک میرے ساتھ فراڈ کرتے رہے ہو۔۔۔۔

کیا مطلب۔۔۔۔۔

کیا تم ڑیکن ہال میں نہیں رہتے۔۔۔۔

اب نہیں رہتا پہلے رہتا تھا۔۔۔۔عمر انے بڑی سادگی سے کہا

مجھے وہاں لڑکیاں بہت پریشان کرتی ہیں اس لیے میں اب ایک ہارلے اسٹریٹ کے ایک بورڈنگ میں اٹھ آیا ہوں

تم میرے لئے نہیں بلکہ ڈیکن کے لئے کام کر رہے ہو۔۔۔۔سنگ ہی نے تیز لہجے میں کہا

میں دونوں کا کام تمام کر سکتا ہوں عمران دانت پیس کر بولا۔

اچھا تو ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔۔۔۔اپنے تابوت کے لئے آرڈر سے آؤں۔۔۔۔ انگلینڈ میں تابوت کے بغیر دفن ہونا بیکار ہے آؤٹ آف فیشن سمجھ لو۔۔۔۔مگر آج کے سو پونڈ تو تمھیں دینے ہی پڑیں گے۔۔۔۔۔ورنہ میں تابوت کا انتظام کہاں سے کروں گا

سنگ ہی نے اسے تھپڑ مارا لیکن اس کا ہاتھ اس کی گال کی بجائے کرسی کی پشت سے ٹکرا گیا۔۔۔۔۔عمران نے کرسی الٹ دی اور سنگ ہی اچھل کر پیچھے ہو گیا

دیکھو خبردار ہاں اگر میرے چوٹ آئی۔۔۔۔میرے ڈیڈی تمھیں گولی مار دیں گے عمران نے ہانک لگائی۔سنگ ہی بڑی طرح جھلا گیا اس کے چہرے پر وردنگی نظر آنے لگی۔دھورے ہی لمحے عمران نے چاقو کھلنے کی کڑکڑاہٹ سنی۔۔۔۔۔سنگ ہی کے داہنے ہاتھ میں چاقو کی چمک دیکھ کر عمران نے پینترا بدلا اور جلدی سے فاؤنٹین پین نکالتا ہوا بولا

آؤ دیکھو کیسی درگت بناتا ہوں تمھاری لیکن سنگ ہی خاموش تھا اس کے پتلے پتلے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور آنکھیں کسی شاری کتے کی طرح اپنے شکار پر جم کر رہ گئیں تھیں

عمران کے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی لیکن پھر بھی ڈٹا رہا۔اوسان نہیں خطا ہونے دیے۔۔۔۔اچانک سنگ ہی نے اس پر چھلانگ لگائی۔۔۔۔۔لیکن شاید اس

دھماکے نے اسے چونکا دیا جو عمران کے فاؤنٹین پن سے نکلنے والے شعلے کی بنا پر ہوا تھا

سنگ ہی ایک کرسی سمیت فرش پر ڈھیر ہو گیا اور عمران اچھل کر باہ بھاگا کمرے میں دھواں پھیل رہا تھا۔۔۔۔۔سنگ ہی نے چیخ کر چینی میں کچھ کہا اور کھانستا ہوا باہر نکل گیا۔۔۔۔وہ بڑی طرح اپنی آنکھیں مل رہا تھا۔۔۔۔اور کھانسی تھی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔۔۔۔

عمران دوڑتے دوڑتے پھر پلٹ پڑا۔۔۔۔اور سنگ ہی کے سر پر چپت رسید کرتا ہوا بولا بھتیجے کی طرف سے۔۔۔۔سنگ ہی ابھی تک آنکھیں مل مل کر کھانس رہا تھا۔۔۔۔۔چینیوں نے بڑی شدمد سے حملہ کیا تھا عمران کو جان چھڑانی مشکل ہو گئی اس پر چاروں طرف سے مکوں اور تھپڑوں کی بارش ہو رہی تھی اتنے میں اسے کسی کے ہاتھ میں چاقو کی چمک دکھائی دی۔۔۔۔اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ خود کو زمین پر گرا لیتا۔۔۔۔وہ صرف ایک سکینڈ مہلت چاہتا تھا۔۔۔۔اور یہ مہلت اسے زمین پر گرتے ہی مل گئی چونکہ تین آدمیوں کے ہاتھ میں کھلے ہوئے چاقو تھے۔اس لئے شاید وہ یہی سمجھا کہ کسی کا وار چل گیا۔۔۔۔۔عمران گرا بھی تو چیخ مار کر۔۔۔۔اس کا ارادہ کچھ اور تھا لیکن حالات نے دوسری صورت اختیار کر لی۔۔۔۔۔چینی کے گر جانے پر سنگ ہی کی طرف متوجہ ہو گئی جو اب بھی پہلے ہی کی طرح اچھل اچھل کر کھانس رہا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ آنکھوں پر تھے

عمران نے لیٹے ہی لیٹے جست لگائی اور دوسرے کمرے میں پہنچ گیا اس کے آگے طویل راہداری تھی جو صدر دروازے کی طرف جاتی تھی۔

راہداری میں پہنچ کر عمارن نے آگا گچنا شروع کر دیا کیونکہ چینی اکے پاس دوڑتے ہئے آ رہے تھے صدر دروازہ بند تھا عمران نے سوچا کہ اگر اس دفعہ وہ ان کے ہتھے چڑھا تو نہیں۔۔۔۔مگر چاید اس کے ستارے اچھے ہی تھے ٹھیک اسی وقت ایک آدمی دروازہ کھول کر راہداری میں قدم رکھ ہی رہا تھا کہ عمران اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا گلی میں چل

پڑا۔۔۔۔اور اس کے اٹھتے ہی اس نے ایک بار پھر آگ لگی ہانک لگائی اسے کہ ساتھ وہ آدمی بھی اختیارانہ طور پر آگ آگ چیخ اٹھا جسے عمران گھسیٹتے ہوئے گلی میں لے آیا تھا۔۔۔۔باہر کے لوگوں کی طرف جھپٹنے اور اندر سے نکلنے والے چیخیوں سے ٹکرا کر رہ گئیہر طرف آگ آگ کا شور مچ گیا لیکن سمگ ہی کے آدمی اس بھیڑ میں اپنا سر پیٹ رہے تھے۔۔۔کیونکہ اب عمران

کہیں پتا نہ تھا۔

(11)

اسی دن ٹچر عمران کی تلاش میں ڈیکن ہال پہنچ گئیعمران موجود تھا سنگ ہی اسے جھگڑا کر لوٹنے کے بعد سے اب تک ڈیکن ہال سے باہر نہ نکلا تھا اب اسے ایک نئے سرے سے سکیم مرتب کرنی تھی۔۔۔۔کیونکہ سمگ ہی جیسے آدمیں کو دشمن بنا کر مطمئین ہو کر بیٹھنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا۔

ڑچرڈ اسے سٹڈی میں ملیسر ڈیکن موجود نہیں تھے

میں آج وینڈلیمر جا رہی ہوں ڈھمپ۔۔۔۔

شکریہ۔۔۔۔عمران نے اس طرح کہا کہ جیسے لندن میں اس کی موجودگی اس کے لئے تکلیف کا باعث رہی ہو

کل رات تم نے کمال کر دیا میں تو سمجھتی تھی کہ وہ تمہیں مار ہی ڈالیں گے لیکن تم تو دلیر ہو

رات میرا ہارٹ فیل ہوتے ہوتے بچا تھا۔میں سمجھ رہا تھا کہ اگر ریوالور چل ہی گیا تو کیا ہوگا۔۔۔مگر وہ لڑکی کیلی پڑیسنمن اس کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے بیہوش ہونے سے بچالیا

واقع وہ حیرت انگیز اور پراسرار ہے۔۔۔۔کیلی پڑیسن۔۔۔۔اسے خود بھی اس

بات کا احساس ہو گا کہ بوڑھی ڈچز آف ونڈلمیر خطرے میں ہے۔۔۔ حقیقتا مین خطرے میں ہوں اگر کل تم ساتھ نہ ہوتے تو میرا کیا ہوتا

پتہ نہیں کیا ہوتا۔۔۔ مگر مین آپ کو کای سمجھوں عمران نے اسے گھرتے ہوئے سوال کیا

کیا میں نہیں سمجھی

ایک بار ایک تلخ تجربے سے دو چار ہونے کے بعد بھی آپ اس طرح آزادی سے گھوم پھر رہی ہیں۔ آپ کع معلوم ہونا چاہیئے کہ مکلارنس لندن کا وا ہے

میری گاڑی مین وہ مسلح گارڈ موجود ہیں اور پھر مکلارنس مجھ پر قاتلانہ حملہ کع ہی نہیں سکتا۔۔۔

کیوں نہیں کر سکتا

میرے علاوہ۔۔۔ اور کوئی کیلی کو نہیں پہچانتا

لیکن یور ہائی نس ایک بات سمجھ میں نہیں آئی

کیا بات

مکلارنس کیلی کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔۔۔

خدا جانے۔۔۔ میں زرا الجھن میں ہوں لندن مٰن اس سے بھی زیادہ مالدار عورتیں موجود ہیں

عمران کچھ نہ بولا وہ احمقوں کی طرح ڈچز کی طرف دیکھ رہا تھا ڈچز نے مسکرا کر کہا تم اسی وقت میرے ساتھ ونڈلیمر چلو گے

مٰس معافی چاہتا ہوں یور ہائی نس ابھی میری شادی بھی نہیں ہوئی۔۔۔ میں کسی صورت مین مرنا پسند نہ کروں گا

:میں تمھیں اتنا بزدل نہیں سمجھتی تھیڈ شز نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے ریسیور اٹھالیا۔۔۔ یس ڈھمپ سپیکنگ

دوسری طرف سے سر ڈیکن کی آواز آئی۔اوہ۔۔۔۔کیا تم گھر پہنچ گئے

ہاں مُن مسٹر چرچل سے مل چکا ہوں عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور میں نے اسے کہ دیا ہے کہ میں اس سکیم پر چار لاکھ پاؤنڈ خرچ کا سکتا ہوں

کیا بک رہے ہو سر ڈیکن نے جھنجھلا کر کہا۔

پرواہ نہیں ویسے تو میں دس لاکھ پاؤنڈ تک خرچ کر سکتا ہوں لیکن فی الحال چار لاکھ ہی کہے ہیں مسٹر چرچل مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے ہیں

عمران۔۔۔۔آواز غصیلی تھی

اچھی بات ہے۔۔۔۔۔مگر چرچل کو مجھ سے کہنا تھا کہ میں رات کا کھانا اس کے ساتھ ہے کھاؤں۔۔۔۔۔خیر میں پھر کسی وقت نکالوں گا۔۔۔۔

میں آرہا ہوں سر ڈیکن نے آپے سے باہر ہوتے ہوئے کہا تم وہیں ٹھہرنا۔۔۔۔ورنہ مجھ سے بڑا آدمی کوئی نہ ہوگا۔۔۔۔

اچھا اچھا۔۔۔۔ٹھیک ہے فی الحال ڈیڑھ سو گھوڑے خرید لو عمران نے جواب دیا اور

دوسری طرف سے ریسیور پٹخنے کی آواز آئی۔ڈچز اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔اس نے تھوک نگل کر کہا آج کل لمبی لمبی رقمیں خرچ کر رہے ہو

ارے واہ عمران احمقانہ انداز مُن بھسا بات دراصل یہ ہے کہ مین ایک نیا تجربہ کرنے جا رہا ہوں آسٹریلیا کے ویلر اور عرب کے مشکی سے گھوڑوں کی ایک نئی نسل بناؤں گا مسٹر چرچل سے اس موضوع پر میں نے ایک گھنٹے گفتگو کی تھی۔ان کا خیال ہے کہ یہ سکیم بڑی منفقت بخش ثابت ہوگی۔۔۔۔۔

چرچل نے تمہیں الو بنایا ہوگا ڈچز ہنسنے لگی یا سی تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔فرصت کے لمحات میں دو اپنا بڑا اپن بالکل بھلا دینا چاہتا ہے۔

تب میں مسٹر چرچل اور گرینا گارلبو سے ایک نئی نسل بنانے کی امکانات پر غور کروں گا مجھے یقین ہے کے مسٹر جارج برنارڈ شا میری اس سکیم کو بہت پسند کریں گے

کای تم نشے مین ہو

اس نسل کے لوگ گول اور خوبصورت ہوں گے۔ یہ میرا دعوی ہے

تو تم میرے ساتھ نہیں چلو گے۔

نہیں اب مجھے لینڈی ڈاگ سے دلچسپی نہیں رہ گئی۔۔۔

خیر۔۔۔پھر سہیمگر ایک بار تمھیں وانڈلیمر ضرور آنا پڑے گا من تمھیں بہت پسند کرتی ہوں تم بزدل نہیں ہو خوامخواہ بننے کی کوشش کرتے ہو۔۔۔۔اچھا

ڈچز اٹھ گئی عمران اسے جاتے دیکھتا رہا ڈچز کے جاتے ہی رومیلا اور رینا آندھی کی طرح اسٹڈی میں داخل ہوئیشاید وہ ملحقہ کمرے سے ان کی گفتگو سنتی رہیں تھیں عمران نے دیکھ کر سر کے بل کھڑے ہونے کی کوشش کیلیکن رینی نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔۔۔عمران بسورتا ہوا سیدھا کھڑا ہو گیا

یہ ڈچز سے تمھارا کیا رشتہ ہیرینی نے چڑانے والے انداز میں کہا

ہم دونوں شاہی نسل سے ہیں عمران نے اکڑ کر کہا

خیر ہو گا رینی بولیہم تو افسوس ظاہر کرتے ہیں

کس بات پر

زلزلے نے تمھارا کمرہ تباہ کر دیا رینی نے مغموم لہجے میں کہا

عمران کی جان نکل گئی۔۔۔۔اس نے سوچا کہ یقیناً زلزلوں نے ان دونوں کمروں میں تباہی مچا دی ہو گی۔ دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے دوڑتا ہوا اپنے کمرے میں جا رہا تھا۔۔۔وہاں سچ مچ اسی طرح کے زلزلے کی تباہی نظر آئیمیزیں اور کرسیاں الٹی پڑی تھیں۔تصویروں کے فریم دیواروں سے گر کر چکنا چور ہو گئے تھے۔بہر حال آسانی سے ٹوٹنے والی چیزوں میں سے ایک بھی چیز صحیح سلامت نہیں تھیعمران نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اس طرح سر ہلانے لگا جیسے سچ مچ قہر خداوندی ہی رہا ہو اس نے گھنٹی بجا کر اپنے ملازم آئرش کو بلایا۔۔۔۔

وہ بھی کمرے کی حالت دیکھ کر بوکھلا گیا عمران نے جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

جناب والا۔۔۔۔۔میں نہیں جانتا۔۔۔۔

کیا نہیں جانتے

میں نے اپنی ماں سے سنا تھا کہ گدھوں کے گرد روحیں منڈلاتی رہتی ہیں۔۔۔

۔دیواروں پر گدھوں کے سر دیکھ کر مس ہمیشہ کانپ جاتا تھا۔۔۔۔

چلو ٹھیک کرو عمران اسے گھونسا دکھا کر چیخا۔۔۔۔۔

نوکر خاموش کھڑا اپنی چکنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرتا رہا۔۔۔۔

کیا تم نے سنا نہیں۔۔۔۔

مجھے یقین نہیں آتا۔۔۔کک۔۔۔۔کہ۔۔۔۔

کای یقین نہیں آتا۔۔۔۔

بھبو۔۔۔۔بھوت۔۔۔۔اچانک بوڑھے آیرش کے گلے سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلنے لگیں اور عمران سچ مچ بوکھلا گیا ادھر نوکر گرتا پڑتا کمرے سے بھاگا

ڑھیک اسی وقت ہٹلر نے آ کر سر ڈیکن کی آمد کی اطلاع دیوہ شاید فون کا ریسیور رکھ کر ہی اپنے آفس سے نکل پڑے تھے

عمران اسٹڈی مس چلا گیا سر ڈیکن ابھی بیٹھے بھی نہیں تھے۔

یہ کیا بکواس شروع کی تھی تم نے

یہاں ڈچز آف وندولیمر تشریف رکھتی تھیں وہ اس لئے تشریف لائی تھیں کہ مجھے اپنے

ساتھ وندلیمر لے جائیں

تو پھر۔۔۔۔

تو پھر آپ سوچیے کہ وہ مجھ پر مہربان کیوں ہوں گئیں ہیں

:میں سمجھتا ہوں یہ کیلی پیٹرسن کا معاملہ۔۔۔۔ڈچز نے پچھلی رات تمہیں بیوقوف بنانے کی کوشش کی تھی۔۔۔۔۔اگر وہ اس سازش میں شریک ہے تو مجھے بڑا افسوس ہوگا

شریک۔۔۔۔۔یہ آپ کیا فرما رہے ہیں کیلی پیٹرسن ڈچز کی ایک اسسٹنٹ ہے

اب میں بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔سر ڈیکن بولے

مگر یہ قصہ زیادہ دنوں تک نہیں چل سکتا۔۔۔۔۔

کیوں۔کوئی خاص بات ہے

کیلی پیٹرسن شاید اب لندن کی سب سے مالدار خاتون ہوگئی ہے

وہ کس طرح

مرحوم لارڈ بیوشام کی جائیداد بھی اسی کو ملے گی

یہ ہرگز نہیں ہوسکتا عمران بگڑ گیا لارڈ بیوشام کی جائیداد مجھے ملے گی کیا یہ ضروری ہے کہ دنیا بھر کی جائیدادیں اسی کے حصے میں آئیں

پھر بکواس شروع کردی تم نے۔۔۔۔

عمران کچھ نہ بولا۔۔۔۔وہ کچھ سوچنے لگا تھا

سر ڈیکن نے کہا مگر لارڈ بیوشام کا وکیل کیلی پیٹرسن سے مطمئن نہیں ہے۔لہذا لارڈ بیوشام کا ترکہ اس وقت کیلی کی طرف منتقل نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ کیلی منظر عام پر نہ آجائے

مگر لارڈ بیوشام کا کیلی پیٹرسن سے کیا تعلق

کیلی پیٹرسن کی دادی بیوشام خاندان سے تعلق رکھتے تھی

کاش میری دادی بھی۔۔۔۔عمران اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا

اب ہیو خاندان یعنی اپنے نانہال کے ترکے کی مالک کیلی پیٹرسن ہوگیا اس خاندان کا آخری فرد لارڈ ہیوشام تھا۔۔۔۔

کیا لارڈ ہیوشام اور ڈچز آف ونڈلیمر میں بھی کوئی تعلق تھا

ہاں۔۔۔آں۔۔۔۔ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں دوست رہے ہوں

بس یا اور کچھ بھی۔۔۔۔میرا مطلب رشتہ داری سے ہے۔۔۔۔۔

نہیں رشتہ داری نہیں تھی۔۔۔۔

خیر اب آپ یعنی لندن کی پولیس اس بارے میں کیا کرے گی

لندن کی پولیس اب کیلی پیٹرسن کے بارے میں تحقیقات شروع کرے گی۔کیونکہ مرحوم لارڈ ہیویشام کا وکیل اس پر اسرار کیلی پیٹرسن پر مطمین نہیں ہے۔۔۔۔وہ بذات خود اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہے۔اس لیئے ڈچز کی یقین دہانی کافی نہیں ہوسکتی

میرے خدا۔۔۔۔عمران اچھل پڑا تب تو مجھے ہیویشام کے تابوت کے لئے بھی اسے آرڈر دے دینا چاہیئے۔ورنہ ہوسکتا ہے کہ وقت پر تیار نہ ملے

پھر بکواس کرنے لگے

اس کی موت بڑی پر اسراری ہوگی جناب آپ لکھ لیجیئے

آخر کیوں

اگر کیلی پیٹرسن آپ کی دانست میں فراڈ ہے تو یہی ہونا چاہیئے آپ خود سوچیئے کوئی ایسا وکیل کیوں کر زندہ رہ سکتا ہے جسے ڈچز کی بات پر یقین نہ ہو

سنو ڈچز انگلینڈ کی بڑی عورتوں میں سے ہے لیکن وہ پولیس سے ٹکرانے کی ہمت نہیں کر سکے گی مجھے یقین ہے

کیوں نہیں کر سکے گی مس آپ سے متفق نہیں ہوں وہ بڑے جوڑ توڑ والی عورت ہے مجھے علم ہے کہ بارسوخ بھی ہے کیا لندن کا پولیس کمشنر بھی اس کا احترام نہیں کرتا سر ڈیکن نے کوئی جواب نہیں دیا عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا مجھے لارڈ ہیویشام کے وکیل کا پتہ چاہیئے

سکس اپر برکلے میوز

شکریہ۔۔۔۔

لیکن اس سے مل کر کیا کرو گے۔۔۔اوہو ٹھہرو۔۔۔۔اس سلسلے میں سنگ ہی کا کیا

رویہ ہے

سنگ ہی کا نام بھی نہ لیجیئے آج ہم دونوں میں محبت کا آ کری اسٹیج بھی ہو گیا اتفاق تھا کہ بچ کر

نکل آیا۔۔۔بس اپنا لیو بوٹری ورک کام آ گیا ورنہ مجھے اپنا تابوت تک خریدنے کی مہلت نہ ملتی۔

سر ڈیکن کے استفار پر اس نے پوری کہانی دہرا دی

اوہ۔۔۔تو مجھے اس کا پتہ بتاؤ ورنہ ہو سکتا ہے کہ تمھاری زندگی خطرے میں پڑ جایئے۔تم نے دنیا کے ایک خطرناک آدمی کو چھیڑ دیا ہے تم سنگ ہی کو نہیں جانتے وہ ان لوگوں مینا سے ہے جو قانون کی روح سے باہر رہ کر قانون شکنی کرتے ہیں تم نے بہت بڑا کیا اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم اس طرح اس سے ٹکراؤ گے تو مُن تمھیں ہرگز اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتا

میں دنیا کا احمق ترین آدمی ہوں جناب۔۔۔۔مجھے میرے حال پر ٹھوڑ دیجیئے

تم سنگ کو کا ہی سمجھتے ہو اس کی دسائی وزارت عظمی تک ہیا گر یہ بات نہ ہوتی تو وہ انگلینڈ کے ساحل پر قدم بھی نہ رکھ پاتا

میری دسائی بھی۔۔۔۔کیر چھوڑیئیان باتوں میں کیا رکھا ہے۔بہر حال اب مجھے نئے سرے سے کام شروع کرنا ہے۔۔۔۔

نہیں 1 میرا خیال ہے کہ اب تم اس قصے سے الگ ہی ہو جاؤ ہم دیکھ لیں گے

اب یہ مشکل ہے جناب بلکہ ناممکن بھی۔۔۔۔یا تو وہ مجھے مار ڈالے گا یا زندگی بھر یاد رکھے گا۔۔۔پرنس آف ڈھمپ کو

اچھا اگر اس معاملے میں الجھنے ہی کا خیال ہے تو پاول کے ساتھ مل کر کام کرو

یاں یہ ہو سکتا ہے۔۔۔۔مگر پاول بڑا چڑ چڑا آدمی ہے اور عقل بھی موٹی رکھتا ہے اس سے بہتر تو ینڈ پیکٹر گول رہے گا۔۔۔

نہیں۔۔۔مکلارنس کے پیچھے پاول شروع ہی سے رہا ہے
اور مجھے یقین ہے کہ آخر تک ہی شروعات ہی رہے گی
بہر حال میں نے پاول سے تمھارا تذکرہ کیا ہے۔۔۔۔مگر وہ تمھیں صرف اسی طالب علم کی حیثیت سے جانتا ہیجو پچھلی رات ڈچز کے ساتھ تھا۔۔۔۔اگر تم اسے حیرت زدہ کر سکے تو اسے اپنا سب سے بڑا مداح پاؤ گیپاول اسی قسم کا آدمی ہے

(12)

مکلارنس حقیقتاً خواہ کوئی چوہا ہی رہا ہو لیکن لندن والے اس کا نام سن کر ہی حواس کھو بیٹھے
تھے۔۔۔۔اس کے حملہ بھی عجیب دھج سے ہوتے۔۔۔۔۔اس کی بہترین مثل وہ حملہ تھا جو ڈچز وِنڈلیمر والے واقعے کے دو دن بعد کیا گیا یہ حملہ کیلی پیٹرسن کے وکیل پر ہوا تھا لوگوں کا خیال تھا کہ مکلارند اس کو ہاتھ پر ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ مور گیٹ پولیس کی چوکی پر رہتا ہے۔عمارت کہ نچلے حصے میں پولیس چوکی تھی۔اس کے اوپر کے فلیٹ میں وکیل کا آفس تھا اور وہ وہیں رہتا بھی تھا۔۔۔۔۔
اچانک ایک پولیس پٹرول کار چوکی کے سامنے آ کر رکی اور اس پر سے چار باوردی آفیسر وکیل کے فلیٹ میں پہنچنے کے لیئے زینے طے کرنے لگے
چھیک اس وقت ریڈیو سے ہیڈ کوارٹر پر اعلان ہوا کہ کچھ پٹرول کاریں پراسرار طریقے سے غائب ہوں گیئں ہیں لہزا جہاں کہیں بھی کوئی پٹرول کار نظر آیئے اسے ضرور چیک کیا جایئے۔۔۔۔مور گیٹ چوکی کے انچارج نے یہ اعلان سنا اور گمشدا کاروں کے نمبر بھی نوٹ کیئے پھر سامنے سڑک پر کھڑی ہوئی کار کی طرف نظر پڑی اور وہ باہر نکل آیا۔۔۔۔کار خالی تھی اس میں بیٹھنے والے اوپر جا چکے تھے۔۔۔لیکن انچارج مطمئین ہو گیا کیونکہ گمشدہ کاروں کے نمبر ان کاروں کے نمبر سے مختلف تھے۔انچارج

واپس چلا گیا۔۔۔تھوڑی دیر بعد وہ چاروں وکیل سمیت نیچے اترے اور پٹرول کار فراٹے بھرتی ہوئی مورگیٹ سے نکل گئیلیکن اگلے ہی چوراہے پر اسے رکنا پڑا۔کیونکہ اس سے پہلے بھی وہاں پر ایک پٹرول کار روکی جا چکی تھیاسکاٹ لینڈ یارڈ کا ایک زمہدار آفیسر بھی وہاں موجود تھا اور اس اتفاق کو کیا کہا جائے کہ کچھ دیر قبل چیک کی جانے والی پٹرول کار کے نمبروں میں کوئی فرق نا تھا حالانکہ یہ ایک ناممکن بات تھی اور ان میں سے ایک کار کے نمبر یقینی طور پر جعلی تھے۔

اسکیٹ لینڈ یارڈ کا آفیسر کیلی پیٹرسن کے وکیل کو بھی جانتا تھا۔لہزا اسے شبہ ہو گیا اس نے کیلی کے وکیل سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہےجواب میں وکیل نے بتایا کہ کیلی پیٹرسن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے اسے ہیڈ کوارٹر میں طلب کیا گیا ہے

میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ چپ چاپ نیچے اتر آؤ آفیسر نے ان لوگوں سے کہا۔لیکن کار کے اندر سے ایک بیآواز ریوالور نے اس کا استقبال کیا۔۔۔آفیسر کے حلق سے ایک طویل چیخ نکلی اور وہ سڑک پر گر کر تڑپنے لگا اس کے سینے سے خون ابل رہا تھا

پھر اسی کار کے مایکروفون سیمکلارنس کا نعرہ بلند ہوا۔اور کار پھر فراٹے بھرنے لگی۔لوگ اسے کام سے خوفزدہ ہو جاتے تھےلیکن محض سنسنی پھیلانے کے لئے انہوں نے دو چار راہ گیروں کو بھی ڈھیر کر دیا۔

پھر اس کے بعد حقیقی معنوں میں مکلارنس کے آدمیوں نے تفریح شروع کر دیاور بے کھٹکے نکلے چلے گیےاور یہ اور بات ہے کہ کسے اور گلی میں اسے نمبر کی دوسری گاڑی گھیر لی گئیہو۔۔۔یہی مکلارنس کے آدمیوں جبکی تفریح تھیوہ برابر لندن کی پولیس کو ٹرانسمیٹر کے زریعے گمراہ کئے جا رہے تھیاور پھر وہ جلد ہی کامیاب ہو گئے کیونکہ کسی اور جگہ اسے نمبر کی ایک کار پکڑ لی گئی

بہر حال مکلارنس کے آدمی صاف نکل گئے۔۔۔۔وہ ٹرانسمیٹر کے زرعے صرف ایسے ہی راستوں کے متعلق اطلاعات دیتے جن سے انہیں نا گزرنا تھا۔۔۔نتیجہ یہ ہوا

کہ پولیس ادھر ادھر ناچتی رہی اور کیلی پیٹرسن کا وکیل مکلارنس کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔

دوسرے دن وہی کار آکسفورڈ کی سٹریٹ میں ایک جگ کھڑی پائی گئی سکاٹ لینڈ یارڈ کے فوٹوگرافر اس پر ٹوٹ پڑے اور انگلیوں کے نشانات کی نشاندہی شروع ہوگئی۔۔۔ ۔اس کے بعد کیا ہوا یہ عوام کو کبھی معلوم نہ ہوسکا۔

عمران باقاعدہ انسپیکٹر پاول کے ساتھ کام کر رہا تھا اور پاول۔۔۔وہ اپنی زندگی سے عاجز آ گیا تھا۔۔۔کیونکہ عمران بار بار اس کا نام بھول جاتا تھا اور اسے ہزاروں بار اب تک دہرانا پڑا کہ اس کا نام چاول نہیں پاول ہے۔

پاول کا خیال تھا کہ سر ڈیکن نے خواہ مخواہ ایک بل اس کے سر ڈال دی ہے۔کیونکہ پاول دراصل آرام کرسی کا سراغرساں تھا وہ تھیوریاں بناتا منطقے ماشگافیاں کرتا۔۔۔اور اس کے ماتحت ادھر ادھر دوڑتے پھرتے۔۔۔اس کا طریقہ استدلال بالکل شرلاک ہومز کا سا تھا۔۔۔

حتی کہ بعض اوقات وہ شرلاک ہی کی ایکٹنگ بھی کرنے لگتا تھا۔۔۔گفتگو کرتے کرتے کرسی کی پشت سے ٹک جاتا آنکھیں بند ہو جاتیں اور انگلیوں کے سرے آپس میں مل جاتے۔۔۔۔

اور اسی حالت میں وہ اکثر سو بھی جاتا۔۔۔لہٰذا عمران اسے زیادہ پینے نہیں دیتا تھا ایسے موقع پر پاول کو عمران پر بڑا غصہ آتا۔۔۔وہ سوچتا یہ کیسا کمینہ آدمی ہے کہ اسے مفت کی شراب بھی

گراں گزرتی ہے

پاول نے عمران پر ایک احسان ضرور کیا تھا۔۔۔وہ یہ کہ اس کا حلیہ بدل کر رکھ دیا تھا۔۔۔پاول ذہنی طور پر خواہ کیسا ہی رہا ہو۔لیکن میک اپ میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔سکاٹ لینڈ یارڈ کے سارے آفیسروں کو اس کا اعتراف تھا۔۔۔میکاپ کی

تجویز پاول ہی نے پیش کی تھیاس کا خیال تھا کہ اکلارنس عمران کو پہچان گیا ہے لہزا اب اس کی زندگی خطرے میں ہوسکتی ہیہ اور بات ہے کہ عمران نے اسے سنگ ہی سے پیچھا چھڑانے کا بہترین طریقہ سمجھا ہو۔۔۔وہ جانتا ہے کہ سنگ ہی اس کی تلاش میں ہوسکتا ہے۔۔۔یہ وہ زمانہ تھا جب عمران میں زیادہ پختگی نہیں ائی تھی۔پہتیرے معاملات میں وہ کچا تھا۔خصوصا میک اپ میں تو بالکل ہی کچا تھا۔۔۔خصوصا میک اپ کا تو بالکل ہی سلیقہ نہیں تھا۔۔۔لہزا اس نے پاول کو نانس پر چڑھا کر اس سے پہتیری گڑ کی باتیں معلوم کر لی تھیاور اس کے عیاض اس نے پاول سے وعدہ کرلیا کہ فرصت ملتے ہی اسے مشرقی سپہ گری سکھائے گا۔۔۔مشرقی فنون سپہ گری کا نام سنتے ہی پاول کی باچھیں کھل جاتی۔۔۔اس کے متعلق اس نے قصہ کہانیوں میں بہت کچھ پڑھا تھا۔۔۔۔

بہر حال دونوں میں کچھ چیزیں ایسی تھی جس کی بنا پر دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھیانہی نے اپنی تفتیش کا آغاز اس مکان سے کیا تھا جہاں عمران کو پہلی بار مکلارنس کے درشن ہوئے تھے۔۔۔وہاں انہیں صرف ایک ہی بات معلوم ہی سکی۔۔وہ ماکن عرصہ سے خالی تھا۔۔۔وہاں سے ایک آدمی بھی نکل آیا جو اسے پہچانتا تھا اور اسے اس کا نام بھی معلوم تھا۔۔۔اس نے بتایا کہ اس کا نام بروشو ہے اور عام طور پر بندر گاہ کے علاقے کے ایک ہوٹل سی سام میں دیکھا جاتا ہیہو سکتا ہے وہاں ملازم ہیلیکن ملازم والی وردی اس کے جسم پر نہیں دیکھی گئی۔

پاول اور عمران اس آدمی بروشو کا حلیہ زہن نشین کر کے بندرگاہ کی طرف چل دیے سیسام ہوٹل اس علاقے میں گمنام نہیں تھا نفاست پسند جہاز عموما اسی ہوٹل کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے

وہ دونوں سر شام ہی وہاں پہنچ گئے۔آج پاول بھی میک اپ میں تھا خیر عمران تو ہر وقت آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر لعنت بھیجتا رہتا پاول کا خیال تھا کہ اسے اس وقت تک اپنی صحیح شکلو صورت میںنہ نکلنا چاہیئے جب تک کہ مکلارنس گرفتار نہ ہو جایئے

وہ سی سام ہوٹل کے ایک میز پر جم گئے کمرے کی فضا مختلف قسم کی شراب کی بو سے اوگل سی ہو رہی تھی اور اس کے ساتھ بھانت بھانت قسم کے تمباکو کا دھواں بھی چکراتا پھر رہا تھا پاول ہونٹوں پر زبان پھیر کو منہ چلانے لگا۔۔۔وہ بے تحاشہ پیتا تھا۔۔۔اور اتنے جاش سے پیتا جیسے محبوبہ کے والدین کا خون پی رہا ہو ومران نے اسے نادیدوں کی طرح منہ چلاتا دیکھ کے مایوسی سے سر ہلانے لگا

پھر پاول نے ویٹر کو بلانے کا اشارہ کیا ہی تھا کہ عمران نے کہا۔ہم یہاں شراب پینے نہیں ائے مسٹر چاول۔۔۔ار۔۔۔۔پاول

تو پھر کیا ہن یہاں بیٹھ کر بھجن گائیں گے۔۔۔۔بھجن یا اور کچھ کہتے ہیں اسے۔۔۔ ۔مقدس گیت۔۔۔میں نے ایمرسن کی ایک نظم میں پڑھا تھا

شش۔۔۔عمران اس کے پیر پر پیر رکھتا ہوا بولا بروشو شاید وہی ہے۔۔۔۔ادھر دیکھو یلماری کے قریب۔۔۔کاؤنٹر۔۔۔کے پیچھے

ومران نے جس ادمی کی طرف اشارہ کیا تھا وہ کاؤنٹر کے پیچھے شراب کی بوتلیں رومال سے صاف کر رہا تھا اس کے جبرے بھاری تھے اور پیشانی بہت تنگ۔۔۔اتنی غیر متناسب کی وہ آدمی تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔۔۔۔

ہاں۔۔۔آں۔۔۔۔ہوسکتا ہے۔پاول اپنے مخصوص لہجے میں ٹھیر ٹھہر کر بولا۔۔۔ اور ومران کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے بروشو کے وجود کی تمام تر زمہ داری اسی پر ہو۔۔۔

میں اسے دوسرے نام سے جانتا ہوں پاول نے آہستہ سی کہا اطالوی ہے۔۔۔۔اور اس کا نام شاہد اسکانٹو ہیمیں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا اس کا نام مجھے صحیح طرح یاد نہیں ہے۔۔۔۔بہر حال یہ ایک خطرناک آدمی ہے کئی بار کا سزا یافتہ

تب تو ہمیں ایک کام کا آدمی مل گیا عمران نے کہا۔

کیوں نہ فون کر کے کسی کو یہاں بلا لیں جو اس کی نگرانی کر سکے

ہم خود ہی کر لیں گے نگرانی۔۔۔عمران نے کہا۔

ہ میرے اصول ک خلاف ہپاول نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔
میں اصول کا سبق آج تک نہیں پڑھا۔۔۔۔یہ میری خوشقسمتی ہے
میں بہت تھک گیا ہوں پاول بڑبڑایا۔وہ چارپگ لئے انہیں یہاں سے اٹھوں کا ساتھ ہی اس نے ویٹر کو بلا کر وسکی کا آرڈر دیا۔۔۔عمران کع بڑا تاؤ آیا لیکن وہ خاموش ہی رہا ادھر عمران نے اصول سراغرسانی پر لیکچر دینا شروع کر دیا۔جس کا ان تھا آرام کرسیوہ بھاگ دوڑ کی بجائے ذہنی جمناسٹک کا قایل تھا اور اس کا خیال تھا کہ سراغرساں خود ہی بھاگ دوڑشروع کر دے تو ماتحت کاہل ہو جاتے ہیں
اہسکی اور ساڈا آ گیا پاول نے برے پیار سے اپنے پائپ میں تمبا کو بھری اور تھوڑی دیر تک اسے سہلاتا رہا اور پھر اہسکی کے دو چار چسکیاں لے کر تمبا کو کی دیا سلائی جلائی اور فضا میں نئی قسم کے تمبا کو کے دھوئیں کا اضافہ ہو گیہا۔
ومعان بہت شدت سے بول رہا تھا کہ اچنک اس نے بروشو کو کونٹر کے پیچھے سے دیکھا وہ چند لمحے کمرے میں نظر دوڑاتا رہا پھر کسی کو اشارہ کیا۔۔۔ایک آدمی ایک گوشے سے اٹھا اور وہ دونوں باہو نکل گیپاول نیم باز آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہا تھا جیسے ہی عمران نے اس کا بازو پکڑلیا
یہ کیا حماقت ہے بیٹھو کل اسے ٹھیک کریں گیاس نے اسے بٹھانے کی کوشش کی لیکن عمران ہاتھ چھڑا کر ایک طرف ہٹ گیا
جہنم مہں جاؤ پاول بڑبڑایا اور پھر شراب پینے لگا

(13)

عمران پندرہ منٹ تک ان کا تعاقب کرتا رہا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے وہ دونوں سیر سپاٹے کے لئے ہوٹل سی سام سے نکلے ہوں وہ ایک سڑک سے دوسری سڑک تک چلتے رہے۔

عمران نے بھی تہیہ کرلا کہ خواہ اسے ساری رات پیدل ہی کیوں نہ چلنا پڑے وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا وہ دونوں چلتے رہتی کہ عمران نے محسوس کیا کہ اب وہ گودی کی طرف جا رہی ہیں پھر وہ وہاں رک گئے جہاں گودی کی نگران پولیس چوکی تھی۔۔۔۔ پھاٹک پر کھڑے ہوئے کو شاید انہوں نے اپنے پاس دکھائے اور پھاٹک سے گزر گئیعمران بھی آگے بڑھا وہ جانات تھا کہ

وہ اس طرح پھاٹک سے نہیں گزر پائے گالہز ا اس نے سنتری کو وہ بیج دکھایا جو پاول نے اسے وقتی طور پر استعلام کرنے کے لئے دیا تھا یہ سکاڑ لینڈ یارڈ والوں کا بیج تھا۔۔ ۔وہ دیکھنے کے بعد وہ نہایت ادب سے ایک طرف ہٹ گیا۔عمران نے پھاٹک سے گزرتے وقت محسوس کیا کہ تعقب کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہیکیونکہ بروشو اور اس کا ساتھی نظروں سے غائب ہو چکے تھے۔وعمران پھر پلٹ پڑا اس نے سنتری سے پوچھا

کای وہ دونوں روزانہ آتے ہیں

کون دونوں جنابمیں نہیں سمجھا جناب

وہی دونوں جو کچھ دیر قبل یہاں سے گزرے تھے

اسے یاد رکھنا بہت مشکل ہیکانسٹیبل نے برے ادب سے جواب دیا

عمران پھر آگے بڑھ گیا وہ دراصل اسی چکر مٰن تھا کہ وہ بروشو سے ٹکرا جائیمگر دشواری یہ تھی کہ س کے ساتھ ایک اور آدمی تھا ویسے اگر وہ سکاٹ لینڈ والوں کا سہارا لیتا تو بروشو کی گرفتاری عمل میں آ سکتی تھیمگر عمران یہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔اسے تو یہ کرنے کی دھن تھی کہ آخر یہ مکلا رنس ہے کیا بلا

پھر ایک چانکا دینے والی بات بھی سامنے آئی۔۔۔اس بروشو کی نگرانی ایک اور آدمی بھی کر رہا تھا۔۔۔یہ ایک چینی تھا اور اسے پہچاننے میں عمران کو زرا دشواری نہیں ہوئی تھییہ سنک ہی کے ساتھیوں میں سے تھا۔اور پچھلے دنوں حملہ کرنے والوں مین یہ بھی شامل تھا۔۔۔

اب عمران کے لئے ایک چھوڑ دو آدمی ہو گئے تھیا سے بروشو اور چینی دونوں پر نظر رکھنی تھی

بروشو کچھ دیر وہاں رکا ہوا جہازی قلیوں سے گفتگو کرتا رہا پھر ایک طرف چل پڑا۔

چینی برابر اس کا تعق کرتا رہا عمران ان دونوں کی پیچھے تھا وہ ٹیم کے اس حصے کے قریب پہنچے جہاں بڑی بار بردار کشتیاں کھڑی تھی۔۔۔۔ان میں دہانی اور بار برداری دونوں طرح کی کشتیاں تھی۔۔۔کچھ چھوٹیں لانچیں بھی تھی۔بروشو ایک بڑی بادبانی کشتیسی ہا کے سامنے جا رکا یہاں روشنی زیادہ نہیں تھی۔۔۔۔کچھ عجیب طرح کی ملگجی روشنی جس نے

تاریک پانی پر جابجا لہریے ڈال کر ماحول کو حد درجہ پراسرار بنا دیا تھا

بروشو نے کسی آدمی کع آواز دی۔ہو۔۔۔آر بنڈا۔۔۔۔

چلع جلدی کرو۔۔۔بروشو نے ہانک لگائی

سی یاک کے عرشے پر ایک بڑی ہرے کین روشن تھی۔۔۔عمران اس کے قریب ہی ایک ایک کشتی پر جا چڑھا تھا جو بالکل تاریک تھی اور شاید وہ کشتی ماہی گیری کے لئے تھی عمران ایک جگہ جال کے ڈھیر سے الجھ کر گرتے گرتے بچا۔یہاں اسے مچھلی کی بساند بھی محسوس ہوئی تھی۔

بہر حال اس کشتی پر اس وقت عمران کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا پھر اسے سی ہاک کے عرشے پر ایک مضبوط ہاتھ پیر والا لمبا تڑنگا آدمی دکھائی دیا جس کا چہرہ گل مچھوں کی وجہ سے خافناک دکھائی دیتا تھا اس کے جسم پر ایک پتلون ایک قمیض تھی اور سر پر ایک جہاز رانوں والی ٹوپی۔

کیا ہے۔۔۔اس نے غصیلی آواز میں کہا۔

اسے لے جاؤں گا۔بروشو نے کہا

ہاں لے ہی جاؤ ورنہ وہ شاید۔۔۔اس نے ایک گندی سی گالی کا اضافہ کر کے کہا مر

ہی جائے۔میرا ہاتھ اٹھنے کے بعد رکنا نہیں جانتا اور پھر وہ کتیا اک بچہ پاگل کی سی باتیں کرنے لگا ہے:

میں اسے لے جاؤں گا۔۔۔۔بروشو نے کہا لانچ کدھر ہے۔۔۔۔

گلچھے والے نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر کہا ٹھہرو من چلتے چلتے اس کی مرمت اور ہی کردوں ورنہ وہ تمہیں حیران کر ڈالے گا

وہ کیبن میں گھس گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک آدمی کو دھکا دیتا ہوا باہر لایا۔۔۔عمران اسے دیکھتے ہی بے ساختہ چونک پڑا۔۔۔اس کے جسم کا اوپری حصہ ننگا تھا اور اس نے صرف پتون ہی پہن رکھی تھی۔۔۔۔وہ کیبن سے نکل کر عرشے پر آ گرا۔۔۔اور ساتھ ہی گلچھے والے خافناک آدمی نے اس پر ہنٹر چلایا۔

مجھے مت مارو۔۔۔مجھے مت مارو۔۔۔۔پٹنے والا آہستہ آہستہ بڑبڑایا ہنٹروں کی اس مار

اور اس کی آواز میں بڑا غیر فطری سا تعلق تھا۔۔۔اسے عرشے سے اٹھانے کے لئے اس پر ہنٹروں کی بارش ہتی رہی لیکن اس کی آواز ہلکی سی بڑبڑاہٹ کے آگے نہیں بڑھی۔

عمران نے اس سے اندازہ کرلیا کہ وہ ہوش میں نہیں ہیورنہ چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیتا

آخر گلچھے والے نے ہنٹر ایک طرف ڈال دیا اور بروشو سے غصیلی آواز میں بولا ارے کھڑا منہ کیا دیکھتا ہیا سے اٹھاتا کیوں نہیں

اس کے جواب نے آربنڈا نے اسے ایک گندی سی گالی دی اور عرشے سے چابک اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔۔۔دوسرے ہی لمحے بروشو عرشے پر پہنچ چکا تھا

آربنڈا تو شاہد نشے مین ہیبروشو نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔چ۔۔۔۔میں اس وقت تجھ سے گھکڑا نہیں کروں گا۔اسے اٹھانے میں میرے مدد کرو۔

کیا میں تیرے باپ کا نوکر ہوں۔۔۔آربنڈا نے چابک کو چکر دے کر کہا اچنک

چاپک کی نوک بروشو کے گال سے ٹکرا گئی۔ پھر بس کیا تھا بروشو آربنڈا پر ٹوٹ پڑا۔۔۔ ۔دونوں جنگلی بھینسوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکریں مار رہے تھے۔۔۔۔۔کبھی وہ گتھے ہوئی نیچے گر جاتے کبھی اٹھ کر ایک دوسرے کو ریلنے لگتیا س طرح وہ کیبن کی دوسری طرف پہنچ گئے۔۔۔غالباوہ اس کوشش میں تھے کہ ان میں سے ایک پانی میں گر جائے۔

۔۔

عرشے کا وہ حصہ جہاں بے ہوش آدمی پڑا تھاویران ہوگیا۔۔۔۔دفعتا عمران کع چوتھی شکل دکھائی دیییہ وہی چینی تھا جو بروشو کا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا۔وہ چوہے کی طرح رینگتا ہوابت ہوش آدمی کے قریب آ گیا۔

پھر کسی بندر کی طرح اسے اپنی پشت پر لاد کر پھتی سے مڑا عمران نے معنی خیز انداز مین سر ہلاتے ہوئے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں پھر وہ چپ چاپ کشتی سے اتر گیا

چینی اسے لادے کشتی کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔۔۔

عمران سوچنے لگا کہ وہ اسے کس طرح اور کہاں لے جائے گا کیونکہ آگے ہی بحری پولیس کی چوکی تھی۔

چینی چلتے چلتے رک گیا۔۔۔یہاں اس جگہ بالکل سناٹا تھا اور پانی مین متعدد لانچیں پڑی ہوئی تھیچینی نے بے ہوش آدمی کو زمین پر ڈال دیا اور پاکٹس گھس کر لانچوں کو ٹٹولنے لگا شاید اسے کسی ایسی لانچ کی ضرورت تھی جس کا انجن مقفل نہ ہو دوسرے ہی لمحے عمران نے کسی لانچ کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔۔۔ایک لانچ دوسری لانچوں کی قطار سے آگے نکل کر بڑھ رہی تھی۔۔۔سی ہاک سے اب بھی دھول بھر کے اور گالی گلوچ کی آواز آ رہی تھی شاید ان کی لڑائی ابھی فیصلہ کن سٹیج پر نہیں پہنچی تھیلانچ کچھ دور جا کر بالکل کنارے سے لگ گئیاس کا انجن بند کر دیا گیا اور چینی کود کر بے ہوش آدمی کے قریب آنے لگا۔۔۔لیکن عمران رینگ کر پہلے ہی اس کے قریب آ چکا تھاوہ چند لمحے پڑا چینی کی آمد کا انتظار کرنے لگا

پھر جیسے ہی چینی بے ہوش آدمی کو اٹھانے کے لئے جھکا۔۔۔عمران نے اس کے گردن پکڑ لی اور اس انداز میں گرفت مضبط کرتا گیا کہ چینی کے حلق سے ہلکی سی بھی آواز نہ نکل سکے۔۔۔زراسی دیر میں وہ کسی شہتیر کی طرح عمران پر ڈھیر ہوگیا۔وہ بے ہوش ہو چکا تھا عمران نے اسے پیچھے دھکیل کر بے ہوش آدمی کو اپنی پشت پر لادا اعمران کی طرف چلنے لگا۔۔۔وہ جلد سے جلد لانچ پر بیٹھ کر پولیس چوکی پر جانا چاہتا تھا کیونکہ اس کپشت پر جو کوئی بھی تھا اس کے لئے بہت اہم تھا وہ اسے پچانتا تھا اور اس سے پہلے کئی بار مل چکا تھا۔۔۔یہ ڈچز آف منڈلیمز کا پرائیویٹ سیکرٹری گوہن تھا اس نے اسے اس رات بھی ڈچز آف منڈلیمز کے ساتھ دیکھا تھا۔جب وہ سر ڈیکن کے یہاں تقریب میں شرکت کے لئے آئی تھی

(14)

دوسرے دن عمران شام کو پاول سے ملا تھا پاول اسے دیکھتے ہی اچھل پڑا وہ شاید ابھی بھی کہیں سے تھکا ہارا واپس آیا تھا،،،اس کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے

میں نے تمہیں منع کیا تھا اس نے چیخ کر کہا۔

یہ پچھلے سال کی بات ہے مسٹر چاول

پاول۔۔۔۔۔پاول میز پر گھونسا مار کر غرایا اپنا سر کھوپڑی میں رکھا کرو۔سمجھے۔۔۔۔

تم نے پچھلی رات بروشو کا تعقب کر کے سارا کھیل بگاڑ دیا

کیا قصہ ہے عمران نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا

قصہا گر سر ڈیکن نے مجھے تمیارے ساتھ نہ لگایا ہوتا تو میں تمہیں گولی مار دیتا

میں گولی کا جواب گولی سے دیتا ہوں پرواہ نہ کرو۔۔۔۔۔یہ بتاؤ کہ مجھ ست غلطی کیا ہوئی ہی

تمہاری وجہ سے بروشو قتل کر دیا گیا۔۔۔

ہائیں۔۔۔کب۔۔۔کہاں۔۔۔

اس کی لاش ٹیمز کے کنارے ملی ہے۔۔۔

کس جگہ

جہاں ماہی گیروں کی کشتیاں رہتی ہیں۔۔۔۔

کیا وہاں کوئی بڑی کشتی سی ہا کبھی موجاد تھی

کیا تم مجھے بالکل الو سمجھتے ہو پاول دہاڑا۔۔۔وہ اس وقت بھی نشے میں تھا

میں نے سی آؤ نہیں سی ہا کہا عمران نے سنجیدگی سے جواب دیا

میں کشتیاں نہیں دیکھ رہا تھا تم مجھے کیا سمجھتے ہو

تم اپنے وقت کے شرلاک ہومز ہو عمران نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اس لئے متوقع رہتا ہوں کہ تم معمولی سے معمولی چیز کو بھی نظر انداز نہیں کرو گے

پاول خاموشی سے عمران کو دیکھتا رہا پھر میز کی دراز سے رائی کی وہسکی نکالی پھر بوتل سے کاک نکال کر دو تین گھونٹ لیئے۔۔۔پھر اسے دوبارہ دراز میں رکھتا ہوا بولا۔تم میں سراغرسانی کی صلاحیت ضرور ہے۔لیکن ذہنی تربیت کی کمی کی وجہ سے جلد باز ہو تمہیں پچھلی رات اس کا تعاقب نہیں کرنا چاہیئے تھا ہوسکتا ہے کہ مکلارنس کے کسی دوسرے آدمی نے تمہیں تعقب کرتے دیکھ لیا ہو

میں بہت بےوقوف آدمی ہوں۔۔۔مسٹر۔۔۔چچ۔۔۔پاول۔عمران نے رو دینے والی آواز میں کہا۔۔۔وہ جانتا تھا کہ پاول کتنا خوشامد پسند آدمی ہے۔۔۔وہ دراصل بروشو کی لاش کی متعلق تفصیل معلوم کرنے کے لئے بےچین تھا۔۔۔

پاول اس وقت نشے میں بھی تھا اس لئے یہ ضروری تھا کہ اسے عرش سے فرش پر لانے کے لئے عمران اس کی تھوڑی سی چاپلوسی بھی کریو یا ے پاول کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ

عمران نے پچھلی رات کون سا کارنامہ انجام دیا ہے۔۔۔پاول تو الگ رہا عمران

نے تو سر ڈیکن کو بھی اس بارے مین کچھ نہیں بتایا۔۔۔وہ بیہوش آ صدمی کو لانچ میں ڈال کر سیدھا پولیس چا کی پہنچا تھا۔۔۔وہاں سکاڑ لینڈ یارڈ کا بیج دکھا کر دو کانسٹیبلوں کو حاصل کیا اور اب کی مدد سے گوہن کو ایک پرایوٹ ہسپتال میں داخل کروایا یہا آں بھی ساکڑ لینڈ کی شناخت نے ہی اس کی مدد کی ورنہ شاید وہ اے کبھی اتنی آسانی سے داخل نہ کروا پاتا۔یہ شناخت اسے سر ڈیکن کی سفارزش پر ملا تھا عمران نت یہی شرط رکھی تھی۔۔ ۔ظاہر ہے کہ لندب جیسے شہر میں غیر قانونی طور پر کچھ کر گزرنا اتنا آسان نہیں تھا۔۔۔ اس لئے عمران نے سر ڈیکن سے وہی آسانیاں طلب کی تھی جو سکاٹ لینڈ یارڈ کے سراغرساں کو حاصل تھی

پچھلی رات سے اب تک وہ متعدد بار اس پرایوٹ ہسپتال کے چکر لگا چکا تھا لیکن ابھی بھی اسے تسلی بخش رپارٹ نہیں ملی تھی۔۔۔ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اس کی زہنی حالت صحیح نہیں تھیی۔حد سے بڑھے ہوئے تشدد نے اس کا دماغ الٹ دیا ہیمگر وہ اس کے مستقبل سے مایوس نہیں تھیان کا خیال تھا کہ آہستہ آہستہ اس کت حواس واپس آ جائیں گے

عمران اس وقت پاول سے گفتگو کے دوران بھی اسی کے متعلق سا چتا رہا تھا۔۔۔

پاول نے اس کے رو دینے والی آواز سنی تو اٹھ کر اس کا شانہ تھپک نے لگا ایسا نہ کرو۔ ۔۔میں تمہیں دنیا کا سب سے بڑا سراغرساں بنا دوں گا۔۔۔مگر پہلے تم تمبا کو اور شراب کی عادات ڈال لو،،پہلے اس کی عادات ڈال لو پھر میری طرح خالڈو ہسکی پینے لگو گے

اچھا میں اگلے اتوار سے شروع کر دوں گا عمران نے سعادتمندانہ انداز مین کہا۔وہا آں کسی نے کشتی کے قریب بروشو کی لاش کی شناخت کی تھی

کسی نے بھی نہیں۔۔۔وہاں شاید اسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔۔۔میں صبح ہی سے پریشان ہوں اس کی لاش اٹھوا کر آیا ہی تھا کہ پھر فون آیا کہ ایک اور لاش۔۔۔

ہائیں۔۔۔ایک اور۔۔۔۔عمران نے احمقانہ انداز مٰن منہ کھول دیا۔۔۔۔

ایک چینی سور کی لاش مجھے چینیوں سے بڑی نفرت ہے۔۔۔

ہو کہاں ملی تھی عمران نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔۔۔

وہیں قریب ہیکسی نے اسے ریت میں دفن کرنے کی کوشش کی تھی

وہ لاشیں غالباً ابھی بھی مردہ خانہ میں ہی ہوں گی

ہاں وہیں ہیں۔۔۔لیکن مجھے اس کے زرہ بھر بھی پرواہ نہیں ہے کہ وہ چینی کون تھا میرا بس چلے تو لندن میں ایک چینی بھی دکھائی نہ دے

اچھا تو اٹھو عمران نے اسے اٹھنے کا اشارہ کر کے کہا۔

کہاں چلوں نہیں اب میں کہیں نہیں جاؤں گا

اگر تم نہٰں جانا چاہتے تو یارڈ کے تین فوتو میرے ساتھ کر دو

کیا کرو گے۔۔۔۔

اپنا اور تمہارا پیٹ بھاڑ کر آنتیں باہر کھینچ لوں گا پھر فوٹو گرافروں سے کہوں گا کہ اب تصویر لے لو

میں تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔۔۔احمق آدمی۔۔۔تم پاول سے گفتو کر رہے ہو

مجھے تین فوٹو گرافر چاہئیں اگر تم انتظام نہ کر سکو تو مٰن سر ڈیکن کو فون کر دوں

پاول نے فون اٹھا کر فنگر پرنٹ سیکشن کے تیں فوٹو گرافر کو طلب کیا جو دس منٹ کے اندر اندر پاول کے آفس پہنچ گئیا س دوران وہ عمران کو جرمن زبان می گالیں دیتا رہا یہ سمجھ کر کہ عم،ران جرمن سے نابلد ہے

عمران نے وہاں سے چلتے چلتے جرمن ہی میں کہا جب تم مجھے دنیا کا سب سے بڑا سراغرساں بنا دو گے تو م تمہیں لاچینی مٰس گالیاں دوں گا۔۔۔ٹاٹا۔۔۔۔

پاول حیرت سے منہ پھاڑے اسدے جاتا دیکھتا رہا

عمران سب سے پہلے مردہ خانی پہنچا۔۔۔چینیی کی لاش پر نظر پڑتے ہی اس نے اسے پہچان لیا یہ وہی تھا جو پچھلی رات بروشو کا تعقب کرتا رہا تھا اور جسے عمران بے ہوش کر کے وہیں ڈال آیا تھا۔۔۔اس کے سینے مین عمران کو زخم نظر آیا خنجر یا کسی دوسری دہاڑ دار

زیز سے وار دل کے مقام پر کیا گیا تھا۔۔۔ایاس ہی زخم اسے بروشو کے سینے پر بھی دکھائی دیا۔

مردہ خانہ سے نکل کر وہ فوٹو فرافروں سمیت بندرگاہ کی طرف روانہ ہوا اسے یقین تھا جکہ وہسی ہاکپر آرگندا کو نہن پا سکے گا چینی کے قتل سے ظاہر ہو رہا تھا سی ہاکی موجودگی ان حالات مین ناممکن تھیآ ربندا اسے کہیں اور لے جا کر اپنے لئے خود ہی کنواں کھود نے کی حماقت کبھی نہ کرتا۔۔۔۔چینی کا قتل اس پر دلالت تھا کہ آربندا اسے وقت ہوشیار ہو گیا

تھا۔۔۔۔بروشو کو ختم کر کے وہ عرشے کے اسی حصے مٰس ایا ہوگا۔یہاں اس نے گوہن کو چھاڑا تا ھا اسے وہاں نہ پا کر وہ نیچے اترا ہوگا۔۔۔پھر ظاہر ہے کہ اس کی نظر بے ہوش چینی پر پڑ گئی ہوگی۔۔۔۔گوہن غائب۔۔۔۔۔ایک بے ہوش چیچنی کی موجودگی۔۔۔۔اس صورت میں۔۔۔ار بندا کا ہوشیار ہو جانا لازمی تھا

عمران کا خیال درست نکلا سی ہاکی موجود تھیلیکن آربندا غائبا سے صبح ہی سے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔۔۔کشتی کا کیبن خالی پڑا تھا اس میں کسی قسم کا سامان بھی نہیں ملا کشتی بڑی تگھی اور شاہیں اسے ماہی گیرے کے لئے استعمول کیا جاتا رہا تھا کیونکہ عرشے کے ایک حصے مٰس جال پڑا تھا عمارن نے فوٹو گرافروں کو کچھ حصے دکھائے جہاں انگلیوں کے نشانات تلاش کرنے تھے فوٹو گرافر بھورے رنگ کا پاؤڈر چھڑک کر تصویریں لیتے رہیعمران دوسرے ماہی گیروں سے کچھ پوچھ گچھ کرنے لگا

اس تفتیش کا محصل یہ تھا کہ آربندا ہی اس کشتی کا مالک تھا پانچھ آدمی اس کا ہاتھ بٹاتے تھے لیکن جب اس کا چھاٹا بھائی یہاں آیا تھا تو آربندا نے ماہی گیرے قریب قریب ترک کر دیبھائی کی وجہ سے وہ پریشان تھا وراسے دن رات کیبن میں ندر کھات تھا اکثر رات کیبن سے چیخیں بلند ہوتی اور دوسرے ماہی گیر سمجھتے کہ آربندا کے بھائی پر پھر دارہ پڑا ہے

آربندا کو کب سے جانتے ہو عمران نے ایک بوڑھے ماہی گیر سے پوچھا

پچھلے دس سال سے جناب۔۔۔ماہی گیر نے جواب دیا

تم یہاں کب سے ہو۔میرا مطلب اس گھاٹ سے ہے

چودہ سال کی عمر سے جناب۔۔۔اب میرا بہتر واں سال شروع ہوا ہے

کیا آربندا۔۔۔ہمیشہ کشتی پر رہتا تھا

نہیں جنابوہ کبھی کبھی۔۔۔یہاں آتا تھا۔۔۔لیکن جب سے اس کا بھائی آیا وہ رات یہیں رہتا تھا۔۔۔

لیکن آربندا کی مستقل قیام گاہ کہاں ہے۔

یہ شاید کسی کو بھی نہ معلوم ہو۔۔۔اس نے کبھی کسی کو نہیں بتایا۔۔۔ویسے شاید آپ کو بحری پولیس کی چوکی سے معلوم ہو جائے کیونکہ وہاں ہمارے نام اور پتے نوٹ کیے جاتے ہیں ماہی گیروں کی طرف سے سمگلنگ اک خطرہ بھی رہتا ہے نا

فوٹو گرافر اپنا کام ختم کر چکے تھے عمارن انہیں رخصت کر کے تنہا ہی پولیس چوکی پر پہنچا وہاں آربندا سکانتی اک پتہ معلوم کر کے وہاں روانہ ہو گیا۔۔۔مگر مایوسی۔۔۔وہاں اس نام اور حلیے کے آدمی کو کوئی نہیں جانتا تھا۔۔۔اس عمارت میں اربندا نام کا کوئی آدمی کبھی نہیں رہا۔۔۔عمارن نے مکان کی مالکہ کو آربندا اک حلیہ سمجھانے کی کوشش کی۔۔۔لیکن مالکہ نے خوفزدہ سی آوازیں کہا گلمچھے۔۔۔خدا کی پناہ مجھے گلمچھے والے آدمیوں سے دن میں بھی خوف آتا ہے۔۔۔میں ایسے آدمی کو اپنا کرایہ دار نہیں بنا سکتی

عمارن کسی اداس بھیڑ کی طرح تھوتھنی لٹکائے واپس آیا۔۔۔

(15)

دوسرے دن ایک حیرت انگیز رپورٹ عمران کے سامنے آئیر پورٹ سکاٹ لینڈ ہارڈ

کے ایک ماہر انگشت نے ترتیب دی تھی۔۔۔۔رپورٹ کا سب سے زیادہ سنسنی خیز حصہ وہ تھا۔جس مُس ایک مخصوص نشان کے متعلق بحث کی گئی تھی۔یہ نشان تین مختلف مقامات پر ملا تھا سی ہا کنامے کشتی پر کئی جگہ۔۔۔اس جگہ پر جہاں ڈچز آف ولمیز اور عمارن کو پکڑ کر لے جایا گیا تھا۔۔۔اور بروشو کی لاش پر۔۔۔اس کے گلے مُن ایک چاندی کا مسطح تعویز تھا۔۔۔۔۔اسی پر یہ نشان ملا تھا۔۔۔

جب عمران پرورٹ پڑھ چکا تو اس کے زہن میں کیلی پیٹرسن کے الفاظ گونج رہے تھے

مکلارنس یہ ہے۔۔۔۔لمبا آدمی۔۔۔۔۔یہ نکل کر جانے نہ پائے

لمبا آدمی۔۔۔۔۔اس عمارتر مُن اتنا لمبا آدمی اور کوئی نہیں تھا۔۔۔اور یہ آربندا۔۔۔عمران سوچنے لگا آربندا بھی کم وبیش اتنا ہی لمبا رہا ہوگا۔۔۔تو کای مکلارنس۔۔۔وہی ہے۔۔۔۔۔عمارت میں صرف وہی لمبا آدمی تھا۔۔۔اور وہ نشان اس کرسی کے ہتھے پر ملا تھا جس پر عمران نے اسے بیٹھتے دیکھا تھا۔۔۔وہی نشان کشتی پر بھی موجود تھا۔۔۔متعدد جگہوں پر۔۔۔۔پھر۔۔۔۔وہی نشان بروشو کے تعویز پر بھی تھا۔۔۔ہوسکتا ہے کہ آربندا نے لڑائی کے دوران اس کا گلا گھر نٹنے کی کوشش کی ہو اور نتیجے کے طور پر بے خیالی مُن اپنے انگلی کے نشان یہیں چھوڑ گیا ہو

ہو۔۔۔وہ سوچتا رہا۔۔۔اور پھر اسے یہ خیال ترک کرنا پڑا کہ ڈچز آف کیملیز کیلی پیٹرسن کے معملے میں فراڈ کر رہی تھی۔۔۔پھر یک بیک ایک سوال اس کے زہن میں ابھرا۔۔۔اگر آربندا ہی مکلارنس ہوتا تو بروشو اس سے تلخ کلامی نہ کرسکتا۔۔۔ظاہر ہے کہ بروشو اس کے گروہ کا ایک ادنی فرد رہا ہوگا۔۔۔عمارن سوچتا رہا۔۔۔۔کچھ دیر بعد اس نقطے میں جان نہیں رہ گئی کیونکہ مکلارنس جیسے مجرموں کے ہزار روپ ہوتے ہیں ایک ہی آدمی کے سامنے وہ مختلف شکلوں میں آتے ہیں۔۔۔۔۔ورنہ ان کا بھانڈا ہی نہ پھوٹ جائے۔۔۔ہوسکتا ہی کہ آربندا مکلارنس کا ہی ایک روپ ہو۔۔۔

۔۔کچھ لوگوں سے وہ اس شکل میں رابطہ رکھتا ہو۔۔۔۔یہی ہو سکتا ہی۔۔۔۔۔۔ورنہ وہ لوگ انتہائی تشدد سہنے کے بعد بھی مکلارنس سے لاعلمی ظاہر نہ کرتے وہ اکثر اس کا اکم کرتے ہوئے پولیس کے ہتھے چڑھ جاتے تھے

اس پر تو عمران کع سو فیصد ہی یقین ہو گیا تھا کہ وہ لمبا نقاب پوش ایک آدمی ہی تھا پھر اسے خیال آ گا کہ لمبے نقاب پاش کے لہجے مٰن شائستگی بھی تھی۔۔۔۔اس کے بر خلاف آربندالاجی جاہلوں اور نچلے طبقے والوں جیسا تھا گو کہ مماثلت تھی پر اب یہ خیال اس کے زہن مٰن جڑ پکڑنے لگا کہ مکلارنس بیک وقت مختلف شکلوں مین گروہ کے سامنے آتا تھا اس لئے اب اس کی صحیح شخصیت پر روشنی نہیں پڑ سکیگی بھی وہ مکلارنس بن جاتا تو کھر ایک ادنی آدمی

پھر ڈچز کے پرایوٹ سیکرٹری گوہن کا معاملہ تھا ہو سکتا ہے کہ ڈچز سے مایوس ہو جانے کے بعد اس نے پرایوٹ سیکرٹری کو کیلی کے متعلق علم ہو وہ اسے پہچانتا بھی ہو

ویسے اس بیچارے کا پورا جسم زخموں کی وجہ سے چھلنی ہو رہا تھا کئی جگہ آگ سے جلنے کے نشانات بھی تھے۔۔بس ایسے لگا تھا کہ ازیت رسانے کی آکرے حسیں اس کے جسم پر آکت ختم ہو گئی ہوں۔۔۔یہ اس بات اک پکا اثبات تاھ کہ گوہن کیلی کہ متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا تھا ورنہ اسے ایک معمولی زدہ کوب کے بعد چھوڑ دیا جاتا جیسے پیٹرسن چنگ کارپوریشن کے مینیجر کو چھوڑ دیا تھا۔۔۔اس طرح آج ہی پیٹرسن کے وکیل کو بھی چھوڑ دیا گیا تھا۔۔۔اس کا بیان تھا کہ اسے زیادہ تر ڈرایا دھمکایا جاتا تھا مار پیٹ بھی ہوئی مگر زیادہ نہیں۔

مورگیٹ سٹریٹ کی پولیس چوکی سے اطلاع ملتے ہی خود سر ڈیکن وکیل سے ملنے کے لئے

گئے تھے۔۔۔۔انہوں نے اس سے بات کر کے جو خاص بات معلوم کی تھی وہ کم از کم عمران کی نظروں میں عام بات تھی۔۔۔وکیل کا بیان تھا کہ مکلارنس ایک پست قد آدمی

تھا۔۔۔۔ویسے وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا کیونکہ اس کے چہرے پر سیاہ نقاب تھا۔۔ ۔وکیل یہ بھی نہ بتا سکا کہ وہ اس کو کہاں لے گئے تھے کیونکہ کچھ دور چلنے کے بعد اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ گئی تھی۔۔۔اور جب اس نے کھلا ہوا آسمان دیکھا تھا تو وہ بیہوشی کی حالت میں تھے یعنی وہ اسے بے ہوش کر کے شاہراہ پر ڈال گئے تھے

بہر حال عمران اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچ سکا کہ گوہن پر اس قدر تشدد اس لئے کیا گیا ہوگا کہ کہیں وہ حقیقت نہ کھول دے۔۔۔ڈچز پر تو اب وہ ہاتھ ڈالنے سے رہی کیونکہ پچھلے دنوں کی خبر کے مطابق ڈچز آف ونڈلیمز مصلح فوگ کا ایک دستہ طلب کیا تھا جو ونڈلیمز کے گرد گھیرہ ڈالے پڑا تھا ایسے حالت میں مکلارنس یا اس کے آدمیوں کا گزرنا ناممکن تھا عمران دن بھر واقعات کی چالیں ملاتا رہا۔۔۔ابھی تک گوہن کی ذہنی حالت اتنی درست نہیں ہوئی تھی کہ اس کے بیان پر یقین کر لیا جاتا ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق وہ خطرے سے باہر ہا گیا تھا لیکن ذہنی حالت قابل اعتبار نہیں تھی کبھی وہ بالکل ہوشمندی کی باتیں کرتا اور کبھی بالکل ہی بہک جاتا۔

اسی دب لندن میں دوپہر کو گویا زلزلہ آ گیا۔۔۔کئی جگہ مکلارنس کے ناکام حملے ہوئے لیکن وجہ کسی کی بھی سمجھ میں نہ اسکی۔۔۔یہ حقیقت ہے کہ مکلارنس کے آدمی ہی اس نام سے فایدہ اٹھاتے تھے۔۔۔وہ جہاں بھی حملہ آور ہوتے اس کے نام کا نعرہ ضرور لگاتے۔۔۔مکلارنس کا نام سنتے ہی سراسیمگی پھیل جاتی اور وہ اپنا مقصد حاصل کر کے نو دو گیارہ ہو جاتے۔

مگر آج حملے حیرت انگیز تھے۔۔۔۔۔۔۔کیونکہ وہ زیادہ تر سرکاری ہسپتال میں ہوئے تھے۔۔۔ان حادثات کی بنا پر سارے لندن میں بے چینی پھیل گئی۔۔۔جنگ کے زمانے میں بھی دشمن بھی ہسپتالوں پر دیدہ بمبارے نہیں کرتے تھے۔۔۔مگر یہ مکلارنس۔پولیس کا مجرم ہسپتالوں پت حملے کر رہا تھا۔۔۔متعدد ہسپتالس سے دل کے مریضوں کی اموات ہی اطلاعات مل رہی تھیا ور یہ اموات انہی حملوں کا نتیجہ تھے۔۔۔

۔۔لندن کی پولیس حیران تھی کہ آخر ہسپتالوں پر حملہ کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔۔۔۔ سارے حملے قریب قریب سرکاری ہستالوں پر ہی ہوئے تھے صرف

عمران ان حملوں کا مطلب سمجھتا تھا۔۔۔اس نے گوہن کو ایک پرائیویٹ اسپتال میں داخل کروایا تھا مگر اس خیال سے نہیں کہ وہاں مکلارنس کی دسترس سے محفوظ ہو سکے گا بلکہ ہو پہلا قریبی اسپتال تھا۔یہاں عمران جلد سے جلد پہنچ سکتا تھا۔یہ بات اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی مکلارنس کو بہن کی تلاش کت سلسلے میں ہسپتالوں پر حملہ شروع کر دے گا۔

بہر حال اس واقعے سے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ گوہن کی مکلارنس کے لیئے بڑی اہمیت ہے۔۔۔دچز آف ونڈلیمر اور کیلی کے وکیل سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔۔۔ ۔ورنہ وہ اس لیئے اتنی دردسری کیوں مول لیتا۔ظاہر ہے کہ اس طرح دن دہاڑے عام شہر بھر کے حصوں پر حملہ آور ہونا آسان کام نہیں تھا۔

چار بجے شام کو اطلاع ملی کہ سوہو کے علاقے میں دو مختلف پارٹیوں کے درمیان خوب گولیاں چلیں ان میں سے ایک پارٹی مکلارنس کے نام کے نعرے بھی لگا رہی تھی۔ ۔۔لیکن دوسری پارٹی کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا عمران سمجھ گیا کہ وہ سنگ ہی کے آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔کیونکہ سوہو می سنگ کی زریات کی آبدی بکثرت تھی

۔

بعد کیا طلاع تھی کہ کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آ سکی۔

عمران کے سامین ایک پروگرام تھا اور اس نے پاول کو بھی اس سے، طلع کر دیا تھا۔

پاول بڑی حد تک رام ہو چکا تھا اب وہ عمران سے بہر کم اختلاف کرتا تھا۔سی باک والے معاملے نے اس کی عقل درست کر دی تھی۔اور اس نے عمران سے خوشآمدانہ لہجے میں کہا تھا کہ وہ اس کی کوتاہی کا تزکرہ سر ایکسن سے نہ کرے۔عمران نے اس شرط پر وعدہ کر لیا تھا کہ پاول اس کی تجاویز کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔

پروگرام یہ تھا کہ آج رات وہ دونوں ونڈلیمز جائیں گے۔ظاہر ہے کہ وہ کیسل کی حدود میں بلا روک ٹوک داخل ہو جائیں گے۔کیونکہ اسکارٹ لینڈ یارڈ کا شناختی نشان فوجیوں کے لیئے بھی بہت ہی اہم ہوتا ہے جتنا کہ پولیس والوں کے لیئے۔

چھ بجے وہ دونوں کار میں بیٹھ کر ونڈلیمز کی طرف روانہ ہو گئے۔آج موسم خوشگوار تھا اس لیئے عمران کو توقع تھی کہ پاول کی کار میں کہیں نہ کہیں وہسکی کی بوتل ضرور موجود ہو گی

،

مگر اس بھاگ دوڑ کا مقصد تو تم نے بتایا ہی نہیں پاول نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

میں نے ڈچز کو بہت دنوں سے نہیں دیکھا عمران نے ایک طویل سانس لے کر دردناک لہجے میں کہا۔اس کی یاد دل میں چٹکیاں لے رہی ہے۔۔۔آہ بھرنے کی کوشش کرتا ہوں تو دل میں اس طرح کھجلی ہونے لگتی ہے جیسے مچھر کاٹ رہے ہوں۔

ہاہا۔۔۔پاول نے قہقہہ لگایا۔آج تم نے ضرور پی رکھی ہے۔تو پھر میرے ساتھ بھی پیونا۔۔تمہیں خالص نہیں پلاؤں گا۔میرے پاس لائم جوس کی بوتلیں بھی ہیں۔۔۔

میں ایک مکھی چوس باپ کا بیٹا ہوں۔

مکھی چوس کیا ہوتا ہے؟ پاول نے حیرت سے کہا۔

لائم جوس کا الٹا ہوتا ہے۔۔۔مگر چچا پاول تم اس مہم می شراب نہیں پیو گے۔

لیکن پاول تو پہلے ہی سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر بوتل نکال چکا تھا۔

کیوں نہ پیوں۔۔۔کیا مصیبت ہے۔

اگر تم نشے میں ڈچز پر عاشق ہو گئے تو میں کیا کروں گا؟

تم اس کے کتوں سے کھیلنا۔۔ملک معظم بھی مجھے شراب پینے سے نہیں روک سکتے

عمران کا موش ہو گیا وہ کار خود ڈرائیو کر رہا تھا۔۔پاول نے کاک نکال کر دو تین گھونٹ لیئے پھر کاک بند کر کے بوتل کو گود میں ڈال لیا۔۔وہ اسے اس طرح سہلا رہا تھا جیسے کوئی ماں اپنے بچے کا تھپک تھپک کر سلاتی ہو۔

کیا تم اپنی ساری تنخواہ کی شراب ہی پی جاتے ہو۔عمران نے پوچھا۔

پھر کیا کروں؟

بیوی بچے نہیں ہیں؟

اس غمناک تذکرے کو نہ چھیڑو۔

: کیوں۔۔۔کیا اس سے کوئی دردبھری کہانی وابستہ ہے؟

ہاں آں۔۔۔پاول نے ٹھنڈی سانس لی۔اسے جانے ہی دو۔

جاؤ بھائی۔عمران نے اس انداز میں کہا جیسے پاول نے کسی آدمی کو چلے جانے کا مشورہ دیا ہو۔

پاو اپنا دماغ گرمانے کے چکر میں تھا اس لیئے اس نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ورنہ جھلا جاتا، اسے بڑی مشکل دیسے برداشت کرسکتا تھا کہ کوئی اس کا مضحکہ اڑالے۔۔ ۔اپنے ساتھیوں

میں وہ کھٹکنے کتے کے نام سے مشہور تھا۔۔۔

تقریبا آٹھ بجے وہ قصبہ ونڈلیمز میں داخل ہوئے۔۔۔پھر کیسل تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی کیونکہ پاول پہلے بھی یہاں کئی بار آ چکا تھا۔۔۔کیسل کے باہر پڑی ہوئی فوج نے انہیں ٹوکا۔۔۔لیکن اسکاٹلینڈ یارڈ والوں کا کون روک سکتا ہے۔ جیسے ہی انہوں نے اپنے بیج لیفٹیننٹ کو دکھائے انہیں پھاٹک سے گزرنے کا راستہ دے دیا گیا۔

ڈچز جوڑتوڑ والی عورت تھی۔اس کے ایک ہی اشارے پر اس کے لیئے فوجی دستہ بھجوا دیا گیا تھا۔۔۔

وہ پھاٹک سے گزر کر ایک لمبی روش طے کرنے لگے جس کے دونوں طرف سدا بہار جھاڑیوں کی باڑھی سامنے قدیم وضع کی عمارت نیم تاریکی میں کھڑی تھی۔

کون آتا ہے۔۔؟کسی نے انہیں للکارا۔۔غالبا یہ ڈچز کے پہرہ دار کی آواز تھی

دوست ۔۔۔عمران نے جواب دیا اور ہو دونوں آگے بڑھتے رہے۔

اب ہو کئی بھاری قدموں کی آوازیں بھی سن رہے تھے ۔۔۔ دفعتاً چھ مسلح پہرہ دار ان کے قریب آ کر رک گئے۔

اگلے پہریدار نے پوچھا۔آپ کون ہیں؟

ہم اسکاٹ لینڈ یارڈ سے آئے ہیں۔ڈچز سے ملنا ہے۔عمران نے کہا۔

پاول قطعی خاموش رہا کیونکہ اسے یہاں آنے کا مقصد ہی نہیں معلوم تھا۔

ہز ہائینس شاید اس وقت نہ مل سکیں ۔۔کیونکہ یہ آرام کا وقت ہے۔

اوہ تم اطلاع تو کرا دو ہماری ۔۔۔یہ بہت ضروری ہے۔

انکا حکم ہے کہ اطلاع نہ دی جائے۔

تو پھر ہم رات بھر یہیں کھڑے رہیں گے۔عمران نے سنجیدگی سے کہا۔اگر ہمارا ڈچز سے ملنا بہت ضروری نہ ہوتا تو کمانڈر ہمیں پھاٹک سے گزرنے ہی نہ دیتا۔

پہرہ دار کوئی جواب دینے کے بجائے ایڑھیوں پر گھوم گیا ۔۔۔اب وہ سب کھٹ کھٹ عمارت کی طرف چلے جا رہے تھے ۔۔۔پاول اور عمران وہیں کھڑے رہے ۔۔ پاول نے کچھ دیر بعد برا سا منہ بنا کر کہا۔تم کھڑے رہنا رات بھر ۔۔۔میں کار میں لیٹ کر سو جاؤں گا صبح ڈچز سے ضروری باتیں کرنے کے بعد مجھے جگا دینا میں قطعی برا نہ مانوں گا

اگر تم کار میں سوئے تو میں پیٹرول پی کر سو رہوں گا۔سمجھے۔

اور یہی ہماری مصیبتوں کا واحد حل ہے۔پاول نے بڑے خلوص سے کہا۔۔۔پھر یک بیک غصیلے لہجے میں بولا۔یہ کتیا کی بچی کیلی پیٹرسن ہی اس مصیبت کی جڑ ہے۔نہ یہ ہوتی نہ مکلارنس کا قصہ پھر اٹھتا نا جانے وہ اس سے کیا چاہتا ہے ۔۔۔ویسے وہ پچھلے ایک سال سے بالکل خاموش بیٹھا رہا تھا۔۔۔ہم تو یہ سمجھے تھے مکلارنس اپنی کسی مہم میں کام آ گیا ہوگا۔۔۔مگر یہ کیلی پیٹرسن خدا اسے غارت کرے۔

مگر پیارے اب آگے بڑھو۔ہم کب تک یہاں کھڑے رہیں گے۔عمران نے کہا۔

اس وقت تک جب تک ڈچز کی منظوری نہ آ جائے ورنہ ہم اس کے کتوں کے منظر و نظر ہو جائیں گے۔

عران بڑی بیچینی سی محسوس کر رہا تھا وہ جلد سے جلد ڈچز کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد پہرے داروں کے بھاری قدموں کی آواز پھر سنائی دی۔

آپ چل سکتے ہیں حضرت پہرہداروں کے انچارج نے کہا۔ہر ہائی نس آپ کو شرف بازیابی بخشیں گی۔

وہ دونوں پہریداروں کے پیچھے چلنے لگے۔۔۔اصل عمارت تک پہنچنے میں پانچ یا چھ منٹ صرف ہوئے ہوں گے۔پھر اس کے بعد بھی وہ دس منٹ تک ڈچز تک نہ پہنچ سکے کیونکہ یہاں پھر رسمی کاروائیاں شروع ہوگئی تھیں آٹھ یا دس آدمیوں کی جانچ پڑتال کے بعد وہ اس کمرے تک پہنچ سکے جہاں ڈچز ان سے ملنے والی تھی۔۔۔پھر اس نے بھی وہاں پہنچنے میں دس منٹ لے لیئے۔۔وہ اس وقت سیاہ سوٹ میں تھی اواس کا چہرہ زرد تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آج کل دن رات صرف مکلارنس کے بارے میں سوچتی رہی ہو۔

اس کی آمد پر دونوں تعظیما کھڑے ہو گئے۔عمران میک اپ میں تھا اس لیئے ڈچز اسے نہ پہچان سکی۔اسنے سر کی خفیف سی جنبش سے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ہاں کہو۔اس نے پاول کی طرف دیکھ کر کہا۔

ہم صرف آپکی خیریت دریافت کرنے کے لیئے حاضر ہوئے تھے۔اوہر سے حکم آیا تھا اس کے لیئے۔

خیریت تو ملازموں سے بھید ریافت کی جاسکتی تھی ڈچز نے چڑ چڑے پن کا مظاہرہ کیا۔اب عمران شاید اسے اس کے حقیقی روپ میں دیکھ سکا۔وہ یقیناً ایک چڑ چڑی عورت تھی۔عمران نے یہی رائے قائم کی تھی۔

دمرت ہے یور ہائینس ۔عمران نے بڑے ادب سے کہا۔مگر ہمیں یہی حکم ملا تھا۔

ہاں۔۔۔اچھا۔۔۔ڈچز اٹھتی ہوئی بولی ۔میں ابھی تک خیریت سے ہوں اور کچھ؟

نہیں یور ہائینس ۔شکریہ۔۔ہم کچھ دیر باہر کمپاؤنڈ میں چکر لگا کر واپس آ جائیں گے۔

ڈچز سر کو خفیف سی جنبش دے کر چلی گئی جیسے کہو ہو۔جہنم میں جاؤ۔پاول حیرت سے منہ کھولے عمران کو دیکھ رہا تھا پھر وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا اس کے ساتھ باہر جانے لگا۔

کمپاؤنڈ میں پہنچتے ہی بڑبڑاہٹ بلند آواز میں بدل گئی۔

یا تمہاری کھوپڑی بالکل ہی الٹ گئی ہے کیا؟

نہیں صرف پچھتر ڈگری کے زاویے پر ہے تم اسکی پرواہ نہ کرو سب ٹھیک ہے۔

کیا ٹھیک ہے؟

ڈچز پہلے سے زیادہ حسین نظر آ رہی تھی میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تم بھی ٹھنڈی آہیں نا بھرنے لگو۔کیونکہ تمہرے پیچھے بھی ایک دردناک کہانی لگی ہے۔

میں بہت برا آدمی ہوں مجھے الو بنانے کے کوشش نہ کرو۔پاول غرایا۔

بوتل تمہاری جیب میں ہوگی۔

ہاں ہے تو۔پاول جلدی سے بولا۔

جلدی سے دو چار گھونٹ لگا لو سردی بڑھ گئی ہے تمہیں زکام نہ ہو جائے۔

اوہ ہاں ہوسکتا ہے۔پاول نے کہا۔۔۔اور جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر اسے خالی کیا۔وہ اکثر چھوٹی چھوٹی شیشیاں بھی رکھتا تھا تا کہ جیبیں پھول رک بدنما نہ ہوں۔

اتنے میں کیا وگا اور پیٹو۔۔۔

اوہو۔۔تم حد سے زیادہ شریف ہوتے جا رہے ہو۔پاول نے ہنس کر ایک اور شیشی

نکالی یہ کوٹ کی اندرونی جیب سے برآمد ہوئی تھی پھر چند لمحے بعد بولا۔

شکریہ اب میں خود کو بہتر محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ڈچز گوہ کہ بوڑھی ہے مگر ایسی بری بھی نہیں۔۔اگر تم پر عاشق ہو جائے تو سمجھو تقدیر کھل گئی۔ڈیڑھ سو کتے مفت ہاتھ آئیں گے۔

میں اس پر ڈورے ڈال رہا ہوں عمران نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔پچھتر کتے میرے پچھتر تمہارے۔

:اوہ بہت بہت شکریہ۔پاول نے اسکا ہاتھ گرمجوشی سے دباتے ہوئے کہا۔جتنے زیادہ کتے ہوں اتنا ہی آدمی بڑا سمجھا جاتا ہے دو چار تو ہر ایک رکھ لیتا ہے۔

پاول نے تیسری شیشی پتلون کی جیب سے نکالی اور اسے بھی خالی کر دیا۔

لیکن۔۔۔ڈچز پر ڈورے ڈالنے سے پہلے ہمیں اس کے مالی کو پھنسانا پڑے گا۔۔عمران نے کہا۔

ضرور پھانسو پاول نے وجہ پوچھے بغیر کہا۔کیونکہ اس کے معدے میں تقریبا پانچ چھٹانک رائی کی خالص وہسکی پہنچ چکی تھی اور وہ کافی مگن تھا عمران نے آگے بڑھ کر پہرے داروں کو آگاہ کر دیا کہ وہ تھوڑی دیر تک کمپاؤنڈ میں ٹہر کے حالات کا جائزہ لیں گے۔انکو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا جبکہ آج کل حالات ہی ایسے تھے۔

پھر دونوں آگے بڑھ گئے، مالی کا کواٹر پھاٹک کے قریب تھا۔یہانہوں نے پہریدار ہی سے معلوم کیا تھا۔انہوں نے وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔

کون ہے۔۔۔اندر سے بھرائی ہوئی آواز آئی۔

میں ہوں یار دروازہ کھولو۔عمران نے کسی دیہاتی کے لہجے میں کہا۔

دروازہ کھلا، بوڑھا مالی سامنے کھڑا حیرت سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔

عمران بے دھڑکا اندر گھستا چلا گیا۔پاول نے بھی اسکا ساتھ دیا۔

بیٹھو بھائی بیٹھو عمران نے مالی سے بیتکلفانہ انداز میں کہا۔ہمیں باہر سردی لگ رہی

تھی ہم نے سوچا یہاں تھوڑا سا گرمالیں۔۔۔۔آتشدان میں دہکتے ہوئے کوئلے کتنے حسین معلوم ہوتے ہیں۔

جی ہاں۔۔جناب۔مالی نے مودبانہ انداز میں کہا۔آپ لوگ بھی تشریف رکھیئے اور میرے لائق کوئی خدمت ہوتو بتایئے۔

بس ہمیں کچھ دیر یہاں گرم ہو لینے دو۔عمران بولا۔

کہوتو رائی کی وہسکی پیش کروں پاول نے پوچھا۔

نہیں جنابشکریہ۔میں رات کے کھانے کے بعد کبھی نہیں پیتا۔

بہت اچھی عادت ہے۔عمران بولا۔مرتے دم تک تمہارا معدہ بڑا شاندار رہے گا۔

ارے معدے کی آپ کیا کہتے ہیں میرے پیٹ میں معدہ سرے سے ہے ہی نہیں۔اس نے سنجیدگی سے کہا۔بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں خدا کی شان ہے۔

ہاں بھئی ہے تو۔۔۔ہم لوگ دراصل تمہاری مالکہ کی حفاظت کے لیئے یہاں پہنچے ہیں۔مگر سردی کتنی شدید ہے کوئی آدمی زیادہ دیر تک باہر نہیں رہ سکتا۔

جی ہاں جناب۔۔۔

عمران ایک اسٹول پر بیٹھ رک آتشدان میں اپنے ہاتھ سیکنے لگا۔پاول نے بھی آتشدان کے قریب اسٹول کرلیا۔

یہاں میرا ایک دوست تھا گوہن عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا۔مگر آج وہ نظر نہیں آرہا۔

گوہن صاحب شاید یہاں سے چلے گئے ہیں مالی بولا۔

کہاں۔۔۔؟

یہ مجھے معلوم نہیں۔

یہ تو بہت برا ہوا۔میرے پاس اس کے لیئے اس کی والدہ کا ایک خط ہے۔۔وہ کب گیا یہاں سے؟

جیاہاں ۔۔۔شاید پچھلے ہی جمع کو مالی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔پچھلے جمعے کو وہ نظر نہیں آئے تھے میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ عارضی طور پر گئے ہیں یا ہمیشہ کے لیئے۔

گوہن بہت اچھا آدمی ہے۔کیوں تمہارا کیا خیال ہے؟

جی ہاں وہ شریف آدمی ہے۔۔آسٹریلیا والے عموماً شریف ہوتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ وہ ڈچز کے ساتھ ہی آسٹریلی سے آیا تھا۔

جی ہاں لیکن انہیں لندن بہت پسند ہے۔

ڈچز آسٹریلیا سے کب آئی تھیں شاید پانچ سال ہوئے جی ہاں اتنا ہی عرصہ گزرا ہوگا ۔۔۔میرا بھتیجا اس وقت ایک ماہ کا تھا۔اب وہ پانچ سال کا ہے۔۔مجھے اس لیئے یاد ہے کہ ڈچز نے اسے گود میں لے کر پیار کیا تھا۔۔۔۔میری مالکہ بہت اچھی ہے جناب۔۔۔:آ۔۔۔۔ہاں۔۔کیا کہنے۔۔ہمیں بھی اسکا اعتراف ہے۔۔مگر آج وہ آئے تھے۔۔ارے کیا نام تھا۔۔دیکھا می نام بھول گیا۔۔آج یہاں کون کون آیا تھا؟۔

۔۔

میں کیا بتا سکتا ہوں جناب۔

کیا تمہیاں آنے والوں کو نہیں جانتے؟

جو اکثر آتے رہتے ہیں۔انہیں ضرور پہچانتا ہوں۔۔ویسے آج ہی ایک صاحب ایسے آئے تھے جنہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔۔۔ہر ہائینس ان سے ملی بھی نہیں وہ آج کل اجنبیوں سے نہیں ملتیں۔۔۔حالانکہ وہ صاحب بہت دور سے آئے تھے۔

اچھا میں سمجھ گیا۔عمران سر ہلا کر بولا۔وہی صاحب رہے ہوں گے۔۔کیا نام ہے انکا ۔۔میں نام بھولا جاتا ہوں۔۔۔بہر حال وہ چھوٹے سے قد کے دبلے پتلے آدمی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے) ابھی ابھی قبر سے اٹھ کر آئے ہوں (۔۔۔۔

نہیں صاحب۔۔۔میں نے اتنا لمبا چوڑا چنگا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔۔۔وی یقیناً بڑا شاندار آدمی تھا۔لیکن ہر ہائینس نے ملنے سے صاف انکار کر دیا۔۔۔کمپاؤنڈ

میں بھی داخل نہیں ہونے دیا۔۔لیفٹیننٹ نے اسے پھاٹک پر ہی روک کر اسکا کارڈ ہر ہائی نس کے پاس بھیجا تھا

اوہ۔۔۔بہت اچھا کیا۔۔۔ہر ہائی نس نے۔۔۔کہ نہیں ملیں۔

مگر جناب یہ کیا قصہ ہے۔۔۔یہاں فوج کیوں پڑی ہے۔

کائی خاص بات نہیں۔۔۔آج کل ڈچز کے کچھ دشمن پیدا ہو گئے ہیں۔۔۔اچھا عمران اٹھ کر طویل انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔اب ہم کافی گرم ہو گئے ہیں۔

وہ دونوں مالی کے کواٹر سے نکل کر پھاٹک کی طرف چلنے لگے۔۔پاول کا دماغ اگر گرم نہ ہوتا تو شاید وہ عمران کو مار بیٹھتا۔۔۔چونکہ اسے حالات کا علم نہیں تھا اس لیئے وہ مالی سے اتنی دیر تک بکواس کرتے رہنے کو تصنع اوقت ہی سمجھا تھا۔مگر وہ کچھ نہیں بولا کیونکہ وہاں سے نکلنے

پر عمران نے چوتھی شیشی پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

عمران لیفٹیننٹ کے ٹینٹ میں جا گھسا۔۔۔مگر پاول اس کے ساتھ جانے کے بجائے دوسری طرف چلا گیا۔کیونکہ اب اس کے پاس کوئی پانچویں شیشی نہیں تھی۔اس نے سیٹ کے نیچے سے بوتل نکالی۔۔اور دو تین گھونٹ بھر لیئے۔۔۔پھر کار سے ٹک کر سگریٹ سلگانے لگا۔۔اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔عمران نے اس لمبے آدمی کے متعلق لیفٹیننٹ سے کچھ معلومات حاصل کیں اور ٹینٹ سے نکل کر کار کی رطف چل پڑا۔کار تقریبا یہاں سے ایک فرلانگ کے فاصلے ہر تھی۔

اچانک اس نے پاول کی غراہٹ سنی ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی سے لڑ پڑا ہو۔

پاول۔عمران نے اسے آواز دی اور کار کی رطف دوڑا لیکن اس نے دوسرے پل کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی عقبی سرخ روشنی اندھیرے میں چمک رہی تھی۔۔عمرا پوری قوت سے دوڑنے لگا۔۔کار کی عقبی روشنی دور ہوتی جا رہی تھی۔لیکن وہ پاول کی کار نہیں تھی پاول کی کار تو وہیں کھڑی تھی۔

پاول عمران نے پھر اسے آواز دی۔لیکن جواب نہ ملا۔۔عمران نے بڑی پھرتی سے کار اسٹارٹ کی اور کے پیچھے روانہ ہوگیا جس کی عقبی روشنی اب بھی دکھائی دے رہی تھی۔ عمران رفتار تیز کرتا رہیا پھر دونوں کاروں میں بہت تھوڑا فاصلہ رہ گیا۔اچانک اگلی کار سے فائر ہوااور گولی پاول کی کار کی ونڈ اسکرین توڑتی دوسری طرف نکل گئی۔۔عمران بال بال بچا۔۔شیشے کے ٹکڑے ٹوٹ کر اس کی گود مین گرے اس نے دوسرے ہی لمحے میں اپنی کار کی ہیڈ لائٹس دیں لیکن کار کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا۔۔۔اب اس نے ایک موٹر سائیکل کا شور سنا جو اس کی کار کے پیچھے آرہی تھی عمران نے سوچا ممکن ہے کوئی فوجی چل پرا ہو۔۔موٹر سائیکل اس کی کار کے برابر آ گئی۔عمران کو یقین تھا کہ وہ فوجی دستے کا لیفٹیننٹ ہی ہوگا، :انہوں نے انسپیکٹر پاول کو پکڑ لیا ہے۔عمران نے چیخ کر کہا۔آ گے والی کار۔

موٹر سائیکل آگے بڑھ گئی۔۔۔اس کی اگلی روشنی آگے جانے والی کار کے پچھلے حصے پر پڑ رہی تھی۔موٹر سائیکل کو ایک ہاتھ سے سنبھالے دوسرے ہاتھ سے فائر کرنا آسان نہیں تھا۔۔۔اور فائر بھی کیسا جس نے ٹائر کے چھیتڑے اڑا دیئے۔وہ ای زوردار آواز کے ساتھ پھٹا اور اگلی کار گویا لنگڑانے لگی۔عمران نے بھی اپنی کار کی رفتار کم کر دی۔اگلی کار رک گئی۔

اور اس پر سے گولیوں کی بوچھار ہونے لگی۔وہ شاید برین گن تھی۔موٹر سائیکل فرائیٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی عمران نے کار روک دی تھی اور چپ چاپ اندھیرے مین نیچے رینگ گیا تھا۔۔۔اگلی کار کی اسری روشنیاں بھی گل ہوگئی تھیں اور اس پر سے برابر فائر ہو رہے تھے۔۔۔عمران سڑک کے نشیب میں اتر گیا۔۔پھر ریوالور کا دستہ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے اس کار کی طرف پلٹا جس پر سیفائر ہو رہے تھے۔۔۔اس نے اس دوران یہ بھی محسوس کیا تھا جیسے موٹر سائیکل کچھ دور جا کر رک گئی ہو۔۔وہ نشیب میں پرا ہوا سڑک کی رطف رینگتا رہا۔۔۔

سڑک کے دونوں اطراف میں گھنی جھاڑیوں اور اونچے نیچے درختوں کے سلسلے کھڑے ہوئے تھے۔ دفعتاً عمران نے محسوس کیا کہ اس کے قریب کوئی اور بھی موجود ہے۔

عمران جہاں تھا وہیں رک گیا۔۔ اچانک اس کے قریب ہی سے کار کی طرف ایکفائر ہوا۔۔ ایک چیخ بلند ہوئی اور پھر شاید برین گن کا رخ اسی طرف ہو گیا۔۔ عمران کو پھر نشیب میں کھسک جانا پڑا۔۔ گولیاں سائیں سائیں کرتی اس کے سر پر سے گزرتی رہیں کار کی طرف فائر کرنے والا کھسک کر عمران کے قریب آ گیا۔

لیفٹیننٹ ہائیر۔ عمران نے آہستہ سے ہا لیکن اسے جواب نہیں ملا۔ وہ آدمی پھر کھسکتا ہوا چڑھائی کی رطف جانے لگا۔ عمران نے پھر ایک فائر کی آواز سنی ایک چیخ پھر بلند ہوئی اور برین گن یک بیک خاموش ہو گئی۔ پھر کوئی اس کار سے کود کر بھاگا۔ اس بار عمران اور نامعلوم آدمی نے ایک ساتھ فائر کیئے لیکن شادی بھاگنے والا دوسری طرف کی جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔۔ یہ سنگ ہی تھا۔

اب وہ سیدھا کھڑا ہو کر عمران کی طرف جا رہا تھا۔۔ عمران بھی اٹھا اور آواز بدلتے ہوئے بولا میں آپکا شکر گزار ہوں۔

سنگ ہی نے کوئی جواب نہ دیا وہ کار کا جائزہ لے رہا تھا۔ عرمان بھی اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس میں دو لاشیں نظر آئیں۔ ایک کے ہاتھ میں برینگن تھی اور پوال پچھلے سیٹ پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

پاول پاول عمران نے اسے جھنجھاڑ کر آواز دی۔

یار میں نہیں جانتا گو ہن کون ہے،۔۔۔ کیوں پریشان کرتے یو مجھے۔ پاول کا جواب نشے کی انتہائی منزلوں پر تھا۔

چلو نیچے اتر۔ عمران نے اسے کھینچ کر نیچے اتارتے ہوئے کہا۔ سنگ ہی نے ٹارچ کی روشنی میں دونوں کو غور سے دیکھ رہا تھا

اسکاٹ لینڈ یارڈ۔ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

ہاں۔۔مسٹر سنگ ہی۔۔عمران نے جواب دیا۔

تم مجھے پہچانتے ہو

ہاں مسٹر سنگ ہی۔۔۔اسکاٹ لینڈ یارڈ والوں کے لیئے ضروری ہے کہ وہ سب کو پہچانیں۔خیر تم جا سکتے ہو۔ہم تم سے ان دو لاشوں کے لیئے جواب نہیں طلب کریں گے۔

گوہن کا کیا قصہ ہے؟ سنگ ہی نے پوچھا۔

میں نے یہ قصہ کہیں نہیں پڑھا مسٹر سنگ ہی کس مصنف نے لکھا ہے؟: ہاں۔۔۔ دفعتاً سنگ عمران کو گھورتا ہوا خاموش ہو گیا۔

پھر بولا۔تو تم ہو۔۔۔یہی میں سوچ رہا تھا کہ آنکھیں کچھ جانی پہچانی سی ہیں تمہیں میک اپ کرنا نہیں آتا بھتیجے اوہو۔۔۔میں سمجھا۔۔۔تم اسکاٹ لینڈ یارڈ والوں کے لیئے کام کر رہے ہو۔

جب چچا اور بھتیجے میں نچا کی ہو جائے تو انجام یہی ہوتا ہے۔

خیر۔۔۔کوئی بات نہیں مکلارنس سے نپٹنے کے بعد تم سے سمجھوں گا۔

مکلارنس میرا شکار ہے۔مسٹر سنگ تم اسے نہ پا سکو گے۔عمران نے اکڑ کر کہا۔

پہاڑ کے سامنے چیونٹی لاف وگزاف کر رہی ہے۔سنگ ہی تحقیر آمیز انداز میں ہنسا۔

میں کہتا ہوں۔۔۔اس وقت تمہارا شکار تمہارے جبڑوں سے نکل گیا ہے۔

اوہ۔۔تو کیا بھاگنے والا مکلارنس تھا۔عمران نے حیرت ظاہر کی۔

ہاں وہ مکلارنس تھا اور کار خود ڈرائیو کر رہا تھا۔

یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا مسٹر سنگ۔

خیر ہو گا کار کے اسٹیرنگ ہر تمہیں اس کی انگلیوں کے نشان ضرور ملیں گے۔

مجھے افسوس ہے مسٹر سنگ اگر نشانات مل بھی گئے تو ہم انہیں کسی طرح بھی مکلارنس کی انگلیوں کے نشان نہیں ثابت کر سکیں گے۔۔۔بات یہ ہے مسٹر سنگ کہ ہمارے ہاں

مکلارنس کا ریکارڈ نہیں ہے:۔

بڑی عجیب بات ہے۔سنگ ہی نے طنزیہ انداز میں کہا۔اسکاٹ لینڈ یارڈ میں مکلارنس کا کوئی ریکارڈ نہ ہو۔یہ میرے لئے نا قابل یقین ہے۔

نہیں ہے۔۔۔۔۔۔حقیقت ہے۔

باعث شرم ہے اسکاٹ لینڈ یارڈ کے لیئے۔۔۔۔۔اچھا بھتیجے اب چلا۔مگر نہیں ٹھہرو۔۔

اچانک پاول غرایا۔۔تم چلتے کیوں نہیں۔میرا وقت برباد نہ کرو۔۔۔۔۔اور یہ گوہن کا کیا قصہ ہے۔۔۔تم نے مالی سے بھی اس کے متعلق پوچھا تھا۔

کیوں بھتیجے کیا تم گوہن کے متعلق کچھ جانتے ہو۔سنگ ہی نے پوچھا۔یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہم تینوں ہی یک بیک گوہن کی تلاش میں ہیں۔

بھئی گوہن سے میری جان پہچان تھی۔اس وقت ڈچز سے ملنے گیا تھا۔سوچا گوہن سے بھی ملتا چلوں۔مگر معلوم ہوا کہ وہ پچھلے جمعہ سے غائب ہے۔

اتنا ہی یا کچھ اور بھی۔۔سنگ ہی کے لہجے میں شبہ تھا۔

اور کیا ہوسکتا ہے۔

تم چچا بھتیجے میرا دماغ کیوں چاٹ رہے ہو۔پاول پھر غرایا۔

اگر میں اپنے چچا کا تعارف تم سے کرادوں تو تم یہیں گر کر ٹھنڈے ہوجاؤ عمران نے اکڑ کر کہا۔

تم دونوں جہنم میں جاؤ پاول لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

اچھا بھتیجے پھر سہی۔سنگ ہی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔دو یا تین منٹ بعد عمران نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے کی آواز سنی۔

پھر وہ پوری رات بڑی مصروفیتوں میں گذری۔عمران نے قصبہ ونڈلیمر میں واپس آ کر اسکاٹ لینڈ یارڈ کے لئے تار دیا۔جس میں ایک مردہ ڈھونے والی گاڑی اور دو فوٹو

گرافر طلب کئے گئے تھے۔فوٹو گرافر تقریباً ایک بجے پہنچے اور کار میں انگلیوں کے نشانات کی تلاش شروع ہوگئی۔

موقعہ واردات کے متعدد فوٹو لئے گئے۔۔۔۔بہر حال رات گذر گئی۔

16

دوسرا دن لندن کے لئے یوم قیامت ہی تھا۔۔۔۔یہ حقیقت ہے کہ لندن میدان حشر سے کسی طرح کم نہیں تھا اس دن۔۔۔۔۔۔۔۔شاید ہی کوئی ایسی سڑک بچی ہو جس پر ہنگامے نہ ہوئے ہوں

خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ سب کچھ مکلارنس ہی کی طرف سے ہوا تھا یا دوسرے بھی مکلارنس کی آڑ میں آپس کی دشمنیاں نکال رہے تھے۔

لندن لاشوں کا بازار بن گیا۔۔۔۔۔۔۔۔اتنا زبردست کشت و خون امن کے زمانے میں شاید ہی کبھی ہوا ہو۔کم از کم تاریخ تو اس کے بارے میں خاموش ہی تھی۔۔۔۔البتہ لوگوں کا خیال تھا کہ لندن کی عظیم آتشزدگی کے بعد یہ دوسرا ہیجان آفرین واقعہ تھا۔

اسکاٹ لینڈ یارڈ والے بھی اسی نتیجے پر پہنچے تھے کہ اکیلا مکلارنس ہی اس ہیجان کا ذمہ دار نہیں ہے۔بلکہ کچھ دوسرے لوگ بھی اس کی آڑ میں وارداتیں کر رہے ہیں۔

ان حالات میں فوج طلب کئے بغیر کام نہ چلتا کیونکہ پوری طرح لاقانونیت پھیل گئی تھی۔سارے بازار ویران پڑے تھے۔۔۔۔اور سڑکوں پر صرف ملٹری کی گاڑیاں دوڑتی نظر آرہی تھیں۔

لیکن لندن کے ہسپتالوں پر مکلارنس کے آدمیوں کے حملے اب بھی جاری تھے۔جہاں بھی انہیں موقع ملتا وار کر بیٹھتے۔صرف عمران سمجھتا تھا کہ ہسپتالوں پر مکلارنس ہی کی طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور اب تو چھوٹے موٹے پرائیویٹ ہسپتالوں کی بھی

باری آ گئی تھی۔لیکن قبل اس کے کہ اس ہسپتال پر حملہ ہوتا جہاں گوہن تھا۔عمران نے اسے ہٹا ہی دیا۔۔۔اس کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی اور وہ ہوشمندی کی باتیں کر رہا تھا۔

پھر عمران ہی کی تجویز پر شہر کے چھوٹے موٹے ہسپتالوں کے قرب و جوار میں سادہ لباس والے مسلح آدمیوں کی ٹولیاں گشت کرنے لگیں۔

اور اس وقت تو عمران بھی موجود تھا۔جب ایک گشت کرنے والی فوجی ٹولی نے ایک چھوٹے سے ہسپتال پر ہلہ بول دیا۔عمران اور اس کے ساتھی پہلے تو یہی سمجھے کہ شاید وہ لوگ حملہ آور پر جھپٹے ہیں لیکن تھوڑی ہی دیر میں حقیقت واضح ہوگئی۔اس ہسپتال میں ان فوجیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔تو پھر یہ سو فیصد مکلارنس ہی کے آدمی تھے۔جنہوں نے فوجی لباس پہن رکھے تھے اور اسی یونٹ کے لباس میں جس کے سپاہی لندن کی حفاظت کے لئے طلب کئے گئے تھے۔۔۔عمران کا اشارہ پاتے ہی سادہ لباس والوں نے چھوٹی چھوٹی ٹامی گنیں نکال لیں۔

پہلے ہی حملہ میں مضوعی فوجیوں کی ٹولی منتشر ہوگئی۔۔۔لیکن سادہ لباس والے ان کے گرد گھیرا ڈال چکے تھے۔۔۔۔چونکہ ان کی کمانڈ سو فیصدی عمران کے ہاتھ میں تھی۔اس لئے وہ اپنی مصلحتوں کو بروئے کار نہیں لا سکتے تھے۔ویسے ہی عمران نے ان کی بزدلی کا مضحکہ اڑا اڑا کر انہیں اپنی زندگیوں سے بیزار کر دیا تھا۔

مکلارنس کے آدمیوں کو مجبوراً پھر ہسپتال میں گھسنا پڑا۔بری تیزی سے گولیاں چلنے لگیں۔کچھ سادہ لباس والے عمران کے اشارے پر ہسپتال کی پشت پر چلے گئے۔تاکہ وہ لوگ ادھر سے فرار نہ ہو سکیں۔لیکن حقیقت یہ تھی کہ مکلارنس کے آدمی عمارت میں داخل نہ ہو سکے تھے۔کیونکہ ان کے باہر نکلتے ہی سارے دروازے اندر سے بند کر لئے گئے تھے۔وہ برآمدے میں ستونوں کی اوٹ سے گولیاں چلاتے رہے۔باہر بچاؤ کے لئے کافی سامان تھا۔ادھر عمران نے ریڈیو کار سے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع کرائی کہ مکلارنس

کے آدمی فلاں ہسپتال میں گھیر لئے گئے ہیں۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر ساٹھ فوجیوں کا ایک دستہ ان کی مدد کو پہنچ گیا۔ اور آتے ہی پوزیشن لے کر اس نے باڑھ ماری۔ پھر دونوں طرف سے فائر ہوتے رہے۔ لیکن یہ سلسلہ پانچ منٹ سے زیادہ نہیں چل سکا۔ فوجی دستہ آہستہ آہستہ ہسپتال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک بار انہیں غفلت میں ڈال کر اچانک چڑھ دوڑا اور مکلارنس کے آدمی جان بچتی نہ دیکھ کر سامنے آ گئے۔ ان کی برین گنیں گولیاں اگل رہی تھیں۔ لیکن ایک منٹ کے اندر ہی اندر ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہ رہ گیا کہ اپنے پیروں پر کھڑا رہتا۔

پندرہ نفوس بیک وقت برآمدے کے فرش پر ڈھیر ہو گئے تھے۔۔۔۔ان میں سے کچھ تڑپ رہے تھے کچھ دم توڑ رہے تھے اور کچھ گرتے ہی ختم ہو چکے تھے۔ پندرہ لاشیں۔۔۔مگر ایک لاش عمران کے لئے بڑی پرکشش تھی۔ یہ ایک بہت لمبے اور زیادہ بھاری جسم کے آدمی کی لاش تھی۔ اور پھر اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر میک اپ کیا ہوا ہے۔

ایک گھنٹے بعد اسکاٹ لینڈ یارڈ میں بڑی مصروفیت نظر آنے لگی اور پھر وہاں ایک سنسنی پھیل گئی مسرت آمیز سنسنی کہنا مناسب ہوگا۔۔۔۔پاول نے سر ڈیکن کے دفتر میں داخل ہو کر اطلاع دی کہ وہی لمبا آدمی مکلارنس تھا۔ کیونکہ اس کی انگلیوں کے نشانات ان نشانوں سے ملتے ہیں جو سی ہاک بروشو کے تعویز اور اس عمارت میں ملے تھے جہاں ڈچز اور عمران کو پکڑ کر لے جایا گیا تھا۔۔۔ویسے ہی نشانات اس کار کے اسٹیرنگ پر بھی پائے گئے تھے۔ جس پر پچھلی رات پاول کو اغواء کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔۔۔۔اس ریڈیو کار کے اسٹیرنگ پر بھی نشانات تھے جس پر کیلی پیٹرسن کا وکیل لے جایا گیا تھا۔

ہوسکتا ہے کہ وہ مکلارنس کا کوئی ملازم ہو۔۔سر ڈیکن نے کہا۔

مگر جناب والا۔۔۔۔اس عمارت کی کرسی پر اس کے نشانات ملے تھے۔ اس پر ایک

جگہ پر اس کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ اور کسی قسم کے نشانات نہیں ملے۔ واضح رہے کہ بروشو اس کے مکان کی صفائی کیا کرتا تھا اور اس کرسی پر وہی لمبا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔۔۔۔۔یہ عمران اور ڈچز دونوں ہی کا بیان ہے۔۔۔۔اور وہ لمبا آدمی۔میرے یا آپ کے لئے گمنام بھی نہیں ہے۔۔۔۔یہ وہی خطرناک آدمی پیلویدا ہے جو آج سے دس سال پہلے برازیل سے یہاں آیا تھا اور اس نے یہاں ہلچل مچادی تھی۔۔۔۔ہم اسے گرفتار کرنے سے قاصر رہے تھے۔۔۔۔اور پھر یک بیک غائب بھی ہوگیا تھا۔ اس کے ٹھیک دو سال بعد مکلارنس کا نام سنا گیا تھا۔

سر ڈیکن کچھ نہیں بولے۔

اسی شام بی بی سی سے مکلارنس کے انجام کا اعلان کردیا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کی ہسٹری براڈکاسٹ کی گئی جس کے مطابق وہ جنوبی امریکہ کا ایک خطرناک بدمعاش پیلویدا تھا۔ جو سالہا سال مکلارنس کے نام سے لندن پر چھایا رہا۔

17

سروگفیلڈ کو ڈچز آف ونڈلیمر سے بڑی شکایت تھی کہ اس نے کیلی پیٹرسن کے معاملے میں اسے بھی تاریکی میں رکھا تھا۔ ویسے تو یہ شکایت پورے لندن کو ڈچز سے ہوسکتی تھی۔لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔ کیلی پیٹرسن سروگفیلڈ کی حسین سیکرٹری لارا نکلی۔۔۔۔۔اس کے بیان کے مطابق وہ تین سال سے اس کی سیکرٹری کے فرائض انجام دیتی رہی تھی۔۔۔۔۔۔سروگفلیڈ کو ڈچز سے شکایت اس لئے تھی کہ ان دونوں کے تعلقات بہت اچھے تھے۔

کیلی پیٹرسن کا وجود بھی لندن والوں کے لئے کافی سنسنی خیز رہ چکا تھا۔لہذا سروگفیلڈ نے ایک بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا۔جس میں لندن کی چیدہ چیدہ ہستیاں مدعو کی گئیں۔۔۔ان میں سروگفیلڈ کا پرانا دوست سنگ ہی بھی تھا۔وہ لوگ بھی تھے جنہوں

نے مکلارنس کو فنا کرنے میں حصہ لیا تھا۔ پھر ان میں عمران کیوں نہ ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ تو سب سے آگے تھا اور اس وقت کیلی پیٹرسن اور ڈچز آف ونڈلیمر کے درمیان اسے جگہ ملی تھی۔

آٹھ بجے کے قریب جب حاضرین کے دماغ عمدہ قسم کی شرابوں کے سرور میں ہچکولے

لے رہے تھے۔ کیلی پیٹرسن تقریر کرنے کھڑی ہوئی۔ ہال میں تالیوں سے گونج اٹھا۔۔۔سر وگفیلڈ کا بھتیجا لارڈ وگفیلڈ کیلی پیٹرسن کو لگاوٹ کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

لیڈیز اینڈ جنٹلمین۔ کیلی نے پرجوش تالیوں کے جواب میں تشکرانہ انداز میں جھک کر سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

میری پچھلی زندگی میرے لئے بڑی سنسنی خیز تھی۔ اور میں اس میں بہت خوش تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مکلارنس یا وہ جو کوئی بھی رہا ہو مجھ میں اتنی دلچسپی کیوں لینے لگا تھا۔ اب وہ مر چکا ہے اس کا جواب کون دے۔۔

کیلی پیٹرسن خاموش ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

میں دے سکتا ہوں اس کا جواب۔ دفعتاً عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔

مجھے خوشی ہوگی جناب۔ کیلی نے کہا۔

مکلارنس یہ سمجھتا تھا کہ کیلی پیٹرسن۔۔۔۔۔۔۔۔ہر ہائی نس ڈچز آف ونڈلیمر کا ایک اسسٹنٹ ہے وہ خود ہی کیلی پیٹرسن کی دولت سمیٹ رہی ہیں۔

ہاں جناب۔ کیلی نے کہا۔ میں خود بھی اس نتیجے پر پہنچی ہوں۔ اس نے یہ سب کچھ دراصل اس لئے کیا تھا کہ اگر یہ واقعی ہر ہائی نس کا فراڈ ہے تو وہ اس کا اعتراف کر لیں اور مکلارنس انہیں بلیک میل کر کے تا زندگی بڑی بڑی رقمیں وصول کرتا رہے۔ غالباً اسے پہلے ہی سے اسکا علم بھی ہو گیا تھا کہ لارڈ ہیوشم کا ترکہ بھی مجھے ہی ملے گا۔ لہذا وہ جلد از جلد ہر ہائی نس سے اعتراف کرا لینا چاہتا تھا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اس وقت اس کی

امیدوں پر اوس پڑ گئی ہوگی۔ جب لارڈ ہیوشم کے وکیل نے میرے منظر عام پر آ جانے کے بعد ہی ترکہ منتقل کرنے پر زور دیا تھا۔

کیلی خاموش ہو کر بڑے دلاویز انداز میں ہنسی پھر بولی۔۔آ گر وہ میرے چکر میں نہ پڑتا تو شاید اس طرح نہ مارا جاتا۔

یہاں میں تم سے متفق نہیں ہوں مس کیلی۔عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

کیوں میرا خیال ہے کہ میں غلط نہیں کہہ رہی۔

میں بھی صحیح عرض کر رہا ہوں کہ وہ ہسپتالوں کے چکر میں پڑ کر مارا گیا۔

میرا خیال ہے کہ پے در پے ناکامیوں نے اس کا دماغ الٹ دیا تھا۔

اور وہ مریضوں پر غصہ اتارنے لگا۔

خاموش رہو۔۔۔۔۔۔خاموش رہو۔چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔

کیوں خاموش رہوں۔عمران نے کھڑے ہو کر کہا۔مکلارنس کا کیس میں نے مکمل کیا تھا۔مس کیلی نے نہیں۔۔۔۔۔۔آپ کو کیا معلوم کہ مکلارنس کے چکر میں پڑ کر میں نے اپنا معدہ برباد کر لیا۔۔۔۔۔۔۔۔

لوگ ہنسنے لگے۔۔۔۔۔۔اور عمران بولا۔یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے کہ مکلارنس نے ہسپتالوں پر کیوں حملے شروع کئے تھے۔

بیٹھ جاؤ۔۔۔وہ یقیناً پاگل ہو گیا تھا۔سر ڈیکن ہاتھ اٹھا کر بولے۔

نہیں جناب۔وہ مر جانے کے بعد بھی پاگل نہیں ہو سکا۔آپ یقین کیجئے۔

سنگ ہی اپنے دوست سر وگفیلڈ کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔لیکن شاید سر وگفیلڈ کو عمران کی بکواس بہت گراں گزر رہی تھی۔

یہ لڑکا بہت شاطر ہے سر وگفیلڈ سنگ ہی نے کہا۔

چھوڑو پیارے سنگ۔سر وگفیلڈ بڑبڑایا۔مجھے کتنی خوشی ہے کہ ہم اتنے دنوں کے بعد ملے ہیں۔لندن میں تم کسی بات کی تکلیف نہ اٹھانا۔میری تجوریوں ہر وقت

تمہارے لئے کھلی رہیں گی۔۔۔۔اب ان تقریروں کو ختم ہونا چاہیئے۔ میں اکتاہٹ کا شکار ہو رہا ہوں۔

اکتاہٹ تمہارا بہت پرانا مرض ہے سر وگفیلڈ۔

ہاں دوست سنگ۔زندگی ایسی ہی ہے۔

ادھر عمران کی اوٹ پٹانگ بکواس جاری تھی۔اچانک اس نے کیلی کو مخاطب کر کے کہا۔وہ تمہارے شوہر کی تلاش میں تھا۔

اس پر پھر لوگوں نے عمران کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔اور سر ڈیکن کے انداز سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اسے مار ہی بیٹھیں گے۔

ہاں کیلی پیٹرسن میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ وہ تمہارے شوہر کی تلاش میں تھا۔

کیا بکواس ہے۔۔۔۔کیلی نے کہا۔لیکن اس کے لہجے میں جھلاہٹ سے زیادہ خوف تھا۔

شوہر۔۔۔۔آ جاؤ پیارے۔عمران نے کسی کو آواز دی۔۔۔۔دفعتاً قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا یہ ڈچز کا گمشدہ سیکرٹری گوہن تھا۔جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا۔۔۔۔ایک آدمی اپنی جگہ سے اٹھا۔

نہیں جناب۔آپ براہ کرم بیٹھے رہے۔عمران نے کہا۔اس وقت اس کی آواز عجیب ہوگئی۔وہ کھلنڈرے عمران کی آواز نہیں معلوم ہوئی تھی۔وہ کسی انتہائی سفاک آدمی کی آواز تھی۔خود سر ڈیکن بھی چونک پڑے وہ شدت سے بوکھلا گئے تھے۔کیونکہ عمران نے جس آدمی کو بیٹھے رہنے کی تاکید کی تھی وہ سر وگفیلڈ تھا۔

سر وگفیلڈ تم مسٹر گوہن اور مسز گوہن کو بھی اچھی طرح پہچانتے ہو گے۔

اگر تم بے تکی بکواس کرو گے تو میں تمہیں دھکے دلوا کر نکلوا دوں گا۔

تم ایسا نہیں کر سکتے۔کیونکہ ابھی تک اسکاٹ لینڈ یارڈ نے مجھے میری خدمات سے سبکدوش نہیں کیا۔

عمران۔۔۔۔۔سر ڈیکن نے اسے ڈانٹا۔

میں کچھ نہیں بولوں گا جناب۔۔۔۔۔ہاں پیارے گوہن تم شروع ہو جاؤ۔

لارا میری بیوی ہے۔۔۔گوہن بولا۔۔۔۔وہ کیلی پیٹرسن نہیں ہے۔کیلی پیٹرسن ڈچز آف ونڈلیمر کی اسسٹنٹ ہے۔۔۔۔۔کیلی مر چکی ہے اور آسٹریلیا ہی میں دفن بھی ہے۔ ثبوت کیلئے میرے پاس کاغذات موجود ہیں۔ میں کیلی کو بہت قریب سے جانتا تھا۔۔۔بلکہ کہنا چاہئے کہ وہ میری محبوبہ تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ڈچز ان دنوں آسٹریلیا ہی میں تھیں اور اس غریب لڑکی پر بہت مہربان تھیں۔۔۔۔۔۔ایک دن وہ اچانک ہیضے کا شکار ہو کر مر گئی۔۔۔ظاہر ہے کہ وہ غریب لڑکی تھی اس لئے اس کی موت ایسی نہیں ہو سکتی جس کی شہرت ہوتی۔

یہ کیا بکواس ہے۔۔ڈچز ہسٹریائی انداز میں چیخی اور عمران کے ان ساتھیوں نے ریوالور نکال لئے جو اب بھی اس کے چارج میں تھے۔سر ڈیکن نے پھر دخل دینا چاہا لیکن وزیر داخلہ جو معزز مہمانوں میں سے تھے۔ ہاتھ اٹھا کر بولے۔ اسے کہنے دو۔۔۔۔اگر وہ ثابت نہ کر سکا تو دیکھا جائے گا۔

لیکن میں اپنی چھت کے نیچے ہر نائی نس کی توہین نہیں برداشت کر سکتا۔سر وگفیلڈ غرایا۔

یہ تمہاری نہیں **ملک** معظم کی چھت ہے۔چپ چاپ بیٹھے رہو۔۔۔۔۔وزیر داخلہ نے پرسکون اور پروقار لہجے میں کہہ کر گوہن کو بیان جاری رکھنے کی اجازت دی۔

حضور والا۔۔۔۔۔۔۔۔۔گوہن گلوگیر آواز میں بولا۔میں بہت برا آدمی ہوں۔ خدا معاف کرے۔میں ڈچز کے بہکانے میں آ گیا تھا۔انہوں نے مجھے کثیر دولت کا لالچ دیکر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ میں اس فراڈ میں شریک ہو جاؤں۔کیلی کی موت کے بعد ہی سے انہوں نے اس کے مالدار چچا سے خط و کتابت شروع کر دی۔۔۔مجھے علم تھا کہ کیلی اپنے کسی ایسے چچا کے وجود سے واقف نہیں تھی جن کی

موت اس کی تقدیر بدل دیتی۔۔۔۔بہر حال ڈچز کیلی کی طرف سے اس کے چچا سے خط و کتابت کرتی رہیں۔پھر کیلی کی موت کے ٹھیک دو سال بعد اس کے وکیل کا خط پہنچا کے کیلی پیٹرسن لندن پہنچ جائے۔اس کے چچا کا انتقال ہوگیا۔یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ وکیل بھی ڈچز سے ملا ہوا تھا۔ڈچز مجھے بھی اپنے ساتھ لندن لائیں۔اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ میں نے ایک بہت بڑی چالاکی کی تھی وہ یہ کہ کیلی کے کاغذات ڈچز کے حوالے نہیں کئے تھے وہ آج بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔اگر میں کاغذات ڈچز کے حوالے کر دیتا تو شاید آج یہ کہانی دہرانے کے لئے زندہ نہ ہوتا۔میں نے ڈچز سے صاف صاف کہہ دیا تھا اگر میں نے کاغذات ان کے حوالے کئے تو میں بھی ٹھکانے لگا دیا جاؤں گا۔لہذا میں نے وہ کاغذات اپنے ایک دوست کے پاس رکھوا کر اسے تاکید کر دی تھی کہ اگر کبھی میں غائب ہو جاؤں اور ایک ماہ تک میری کوئی خبر نہ ملے تو وہ کاغذات پولیس کے حوالے کر دیئے جائیں۔۔۔۔حالانکہ حقیقت ہے کہ کاغذات پہلے بھی میرے ہی پاس تھے اور اب بھی ہیں۔۔۔۔ڈچز نے کہا تھا اچھی بات ہے اگر تم نے اپنی حفاظت کے خیال سے یہ اقدام کیا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں پھر انہوں نے میری شادی اس لڑکی لارا سے کر دی۔۔۔۔اور وعدہ کیا کہ جب بھی ضرورت آئی اس کو کیلی پیٹرسن بنا کر پیش کر دیا جائے گا۔غالباً یہ لارڈ ہیوشام کی جائیداد حاصل کرنے کے لئے پیش بندی تھی۔۔۔پھر لارا نے سر وگیفلڈ یہاں ملازمت کر لی۔ہماری شادی چوری چھپے ہوئی تھی۔میرے پاس شادی کا سرٹیکیفٹ موجود ہے پھر جب مکلارنس نے فتنہ کھڑا کیا تو ایک شام ڈچز نے مجھے قید کر دیا۔۔۔۔۔۔۔اس کے بعد میری آنکھیں ایک کشتی میں کھلیں اور وہاں ایک خوفناک آدمی مجھ پر تشدد کرنے کے لئے موجود تھا۔اسکا مطالبہ تھا کہ کیلی کے کاغذات۔لیکن میں نے تہیہ کر لیا کہ ہرگز نہ دوں گا۔ورنہ موت ہی سے ملاقات ہوگی۔۔۔۔پھر دوسری بار جب مجھے ہوش آیا تو ان صاحب کی نگرانی اور حفاظت میں تھا۔گوہن نے عمران کی طرف

اشارہ کر کے کہا۔ایک لمحہ خاموش رہا۔پھر بولا۔یہ عورت جو خود کو کیلی پیٹرسن کہہ رہی ہے اس نے میرے ساتھ بیوفائی کی۔۔۔۔۔۔۔یہ لیڈی وگفیلڈ بننے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔

پھر تو نے میرا نام لیا۔۔۔۔۔۔۔ذلیل۔۔۔۔۔کتے۔سر وگفیلڈ دہاڑا۔

نہیں پیارے گوہن عمران احمقانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔تم ان کا نام نہ لو۔ان کا نام تو ابھی میں لوں گا۔۔۔۔۔بات یہیں پر ختم نہ ہو جائے گی۔

دفعتاً لوگوں نے سر وگفیلڈ کو اچھل کر پیچھے ہٹتے دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔نہ جانے کہاں سے اس نے ایک برین گن نکال لی تھی۔۔۔۔۔۔۔اس نے گرج کر کہا۔تم سب کھڑے ہو جاؤ۔قطار بناؤ اور باہر نکل جاؤ۔ورنہ میں سب کو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔

اس دوران عمران کے آدمی اس کہانی میں کچھ اس طرح محو ہو گئے تھے کہ انہوں نے اپنے ریوالور دوبارہ ہولسٹروں میں ڈال لئے تھے۔

دفعتاً عمران نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔تمہاری آخری حسرت بھی نکل جائے تو اچھا ہے مائی ڈیئر مکلارنس کرو فائر۔۔۔۔۔۔۔پرواہ نہ کرو ہم سب مر کر شہید ہو جائیں گے۔

برین گن کھٹکھٹا کر رہ گئی۔اس سے ایک بھی گولی نہ نکلی۔سر وگفیلڈ نے اسے مجمع پر کھینچ مارا اور اچھل کر بھاگا۔۔۔۔لیکن ہال سے نکل جانا آسان کام نہیں تھا۔عمران کے آدمی ہر دروازے پر موجود تھے۔ویسے عمران کی زبان سے مکلارنس کا نام سن کر کئی آدمیوں کی چیخیں نکل گئی تھیں۔

سر وگفیلڈ پاگلوں کی طرح پلٹ پڑا۔لیکن دوسرے ہی لمحے اس پر سادہ لباس والے ٹوٹ پڑے۔عمران دور سے تماشہ دیکھ رہا تھا۔لیکن پے در پے چیخیں ہال میں گونجیں اور حملہ آوروں میں سے کئی گر کر تڑپنے لگے۔سر وگفیلڈ کے ہاتھ میں بڑا سا چاقو چمک رہا تھا۔

پھر یک بیک کئی فائر ہوئے اور سر وگفیلڈ کا جسم چھلنی ہو گیا۔ پانچ زخمیوں کے درمیان وہ بھی فرش پر تڑپ رہا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم اکڑ گیا۔

دوسری طرف ڈچز اور لارا بے ہوش پڑی تھیں۔

دوسری صبح سر ڈیکن کے آفس میں عمران اور سنگ ہی داخل ہوئے۔ سر ڈیکن اس کے منتظر ہی تھے۔ عمران پچھلی رات ان واقعات کے بعد غائب ہی ہو گیا۔

اس نے سر ڈیکن کو گوہن کی دریافت کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ اگر مکلارنس سے ڈچز کا تعلق نہیں تھا گوہن ان کی قید سے ہاک نامی کشتی پر کیسے جا پہنچا تھا۔ مکلارنس اور ڈچز مشترکہ طور پر کام کر رہے تھے۔ مکلارنس نے ایک ہی پتھر سے دو پرندے شکار کرے تھے۔ کیلی کا معاملہ اس طرح ابھرنے کے بعد ہی اسے منظر عام پر لانے سے لوگوں کے شبہات بھی رفع ہو جاتے اور لارڈ ہیوشم کی جائیداد ہتھیانے میں بھی آسانی ہوتی پچھلی ہی رات وہاں کون ایسا تھا جسے اس کی کیلی پیٹرسن ہونے مین شبہ رہا تھا۔ ارے یہ لارڈ ہیوشم کا وکیل تک اس کی تقریر پر بے تحاشہ تالیاں پیٹ رہا تھا۔

بھئی یہ حماقت مجھ سے بھی سرزد ہوئی تھی۔ سر ڈیکن نے جھینپے ہوئے انداز میں مسکرا کر کہا۔ غالباً مسٹر سنگ بھی ہم سے پیچھے نہیں تھے۔

نہیں جناب۔ مجھے موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ میں تالیاں بجاتا۔۔۔۔۔ مجھے تو اس پر حیرت تھی کہ آخر سر وگفیلڈ مجھ پر اتنا مہربان کیوں ہو گیا ہے۔ وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ تم لندن میں کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانا۔ میری تجوریاں تمہارے لئے ہر وقت کھلی رہیں گی۔ اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ معاملہ دوسرا تھا۔۔۔۔۔۔۔ دراصل وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ گوہن میرے قبضے میں ہے۔۔۔۔ یہ بھی انہیں صاحبزادے کی حرکتوں کا نتیجہ تھا انہوں نے پہلے ہی میری طرف سے مکلارنس کیخلاف ایک چیلنج شایع کرا دیا تھا۔

ارے توبہ توبہ۔ عمران اپنا منہ پیٹنے لگا۔۔۔۔ اور سر ڈیکن ہنس پڑے۔ پھر انہوں نے پوچھا۔ اچھا اس کا دوسرا مقصد کیا تھا۔

دوسرا مقصد۔عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔دوسرا مقصد یہ تھا کہ اب مکلارنس کا خاتمہ ہو جائے تا کہ سر وگفیلڈ دو بڑی جائیدادوں پر بقیہ زندگی اطمینان اور آسائش سے گذار سکے اسی لئے وہ اپنے گروہ کے ایک آدمی پیلویدا کو بار بار سامنے لاتا رہا۔پیلویدا کی بہادری میں کوئی شک نہیں لیکن اس کی کھوپڑی خالی تھی اس کے گروہ کو وہی کنٹرول کرتا تھا اور گروہ والے بھی یہ سمجھتے تھے کہ ان کا سرغنہ وہی ہے اور وہی مکلارنس بھی ہے۔ پیلویدا میک اپ کا بھی ماہر تھا۔اس لئے اس کے گروہ والے اس کی اصلی شکل و شباہت سے ناواقف تھے۔یہی وجہ تھی کہ وہ گرفتار ہنے پر اس کی نشاندہی نہیں کر پاتے۔بہر حال سر وگفیلڈ کی ذہانت ہی سے مرعوب ہو کر پیلویدا نے اس کے لئے کام کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہوگی ورنہ اس قسم کے لوگ کسی کے غلام بننا پسند نہیں کرتے۔

سر وگفیلڈ بڑا ذہین تھا مگر کیا وہ پیلویدا کو یہ مشورہ نہیں دے سکتا تھا کہ وہ دستانے استعمال کرے مگر نہیں اب تو وہ مکلارنس کے نام سے کٹوا دینا چاہتا تھا تا کہ بقیہ زندگی چین سے بسر کر سکے۔یہی وجہ ہے کہ اس کی موت کے بعد سے لندن میں امن ہو گیا ہے۔۔۔۔سر وگفیلڈ ایک ہفتے تک گوہن کے معاملے کے اٹھنے کا منتظر رہا۔۔۔۔پھر اسے یقین ہو گیا کہ گوہن مسٹر سنگ ہی کے پاس ہے۔اگر پولیس کے قبضے میں ہوتا تو اب تک یہ مرحلہ بھی طے ہو جاتا۔اس لئے اس نے چچا سنگ کے لئے تجوریاں کھولنی شروع کر دی تھیں۔

مگر پچھلی رات والی برین گن کو کیا ہو گیا تھا وہ خالی تھی۔ظاہر ہے کہ اس نے خالی سمجھ کر نہ نکالی ہوگی۔

وہ پہلے ہی خالی کر دی گئی تھی۔اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم آپ اس وقت کہاں ہوتے۔

کیسے خالی کر دی گئی تھی۔

اب میں کہاں تک بتاؤں میری ٹانگوں میں درد ہونے لگا بولتے بولتے۔۔۔۔خیر جناب۔۔۔۔بات یہ ہے کہ گوہن کے ہوش میں آنے کے بعد ہی واقعات معلوم

کر کے میں نے چوبیس گھنٹے تک ان معاملات پر غور کیا اور اسی نتیجے پر پہنچا جو ابھی بیان کر چکا ہوں۔ ظاہر ہے اس کے بعد مجھے چین کہاں۔۔۔۔راتوں کو سر وگفیلڈ کی کوٹھی کی تلاشیاں لیتا۔ مجھے وہاں اسلحے کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ملا۔ دراصل مجھے کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس سے ان لوگوں کے گٹھ جوڑ کا ثبوت مل سکے۔ لہذا میں ایک ایک کونہ کھدرا ٹٹولتا پھرتا تھا۔۔۔جشن سے ایک رات پہلے میں پھر اس کی کوٹھی میں گھسا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اسی تلاش کے سلسلے میں اس ہال میں جا پہنچا جہاں دعوت کے لئے میزیں اور کرسیاں ایک دن پہلے لگا دی گئی تھیں۔ بس اتفاقاً میرا ہاتھ میز کے اس خفیہ خانے کے اسپرنگ سے جا لگا۔ خانہ کھل گیا اس میں برین گن موجود تھی۔ اسمیں میگزین موجود تھا۔۔۔۔اس کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر نظر ڈالی تو وہ میزبان کی ثابت ہوئی۔۔۔۔بس میں نے میگزین خالی کر کے برین گن پھر وہیں رکھ دی۔ سر وگفیلڈ بڑا محتاط آدمی تھا۔۔۔۔۔دوسری شام میں نے آنکھ بچا کر ایک بار پھر اس کا جائزہ لیا۔ لیکن میگزین بدستور خالی ہی تھا۔۔۔اف فوہ

مگر یہ ڈچز اس سے بھی زیادہ چالاک عورت ہے۔۔۔اس نے خواہ مخواہ کسی نک کارٹر کا حوالہ دیکر ہمیں الجھانا چاہا تھا۔۔۔۔۔۔

وہ قطعی نشے میں نہیں تھی۔۔۔۔بہر حال اب میں سوچ رہا ہوں کہ ڈچز اور چچا سنگ سے ایک نئی نسل پیدا کرنے کا تجربہ کروں جن کے افراد باریک اور بغیر ہڈی کے ہوں گے۔ اچھا ٹاٹا اب میں گھر جا کر اپنی ممی کو ایک خط لکھوں گا۔

عمران کسی خبط الحواس کی طرح اٹھا اور باہر نکل گیا۔ سنگ ہی اور سر ڈیکن ہنستے رہ گئے۔

ختم شد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تین سنکی

از

ابن صفی

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

وہ خلا میں گھورتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کھلی آنکھوں سے کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ ایک فیلڈ ورکر زور سے کھنکھارا تھا۔ لیکن لیزا اس کی طرف بھی متوجہ نہ ہوئی۔

عمران نے اپنے ساتھیوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ نکولس اور جیری کی نظریں بار بار ملتیں اور وہ کبھی عمران کی طرف دیکھنے لگتے اور کبھی لیزا کی طرف۔

لیزا کا ذہن خود اس کی گرفت سے اس حد تک نکل گیا تھا کہ وہ اپنے کسی خیال کا رخ بالا ارادہ کسی دوسری طرف نہیں موڑ سکتی تھی۔ اسے ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے بحالت بیداری خواب دیکھ رہی ہو۔ اور یہ خواب اس کے ماضی سے متعلق تھا۔ اس نے دیکھا کہ جیسے وہ ایک ننھی سی بچی کے روپ میں کاندھے پر بستہ ٹھکائے اسکول کی طرف جا رہی ہے ساتھ ہی سوچتی بھی جا رہی ہے کہ آج تو لنچ میں ہمبرگر ملیں گے۔ اور قیمے کی ٹکیہ پر لیمونچوڑے بغیر اپنا ہمبرگر نہیں کھائے گی۔

پھر اس نے دیکھا کہ وہ اپنے مکان کے سامنے والے میدان میں دوڑ لگا رہی ہے۔ اور اس کے ساتھ اس کی ہم عمر لڑکیاں بھی ہیں۔

یکا یک اس نے اپنے باپ کی لاش دیکھی۔ مڑی تڑی اور ناقابل شناخت لاش ۔۔۔۔ ایک تیز رفتار ٹرک اسے کچلتا ہوا گزر گیا تھا۔ وہ اپنی ماں کی چیخیں سن رہی تھی۔ اس کی ماں کا وہ دوست نظر آیا جو خود لیزا پر بھی نظر رکھتا تھا۔ لیزا جواب جوان ہو رہی تھی۔ طب کی طالبہ تھی۔ ہوسٹل کی زندگی نظروں میں پھر گئی۔

ماں کا دوست اس کی کفالت کر رہا تھا۔ لیکن لیزا پسند نہ کرنے کے باوجود بھی اس پر مجبور تھی۔ اپنا مستقبل بنانا چاہتی تھی۔

وہ اب ماں سے زیادہ خود اس کا دوست تھا۔ ماں اس سے لاعلم تھی وہ شادی شدہ اور بال بچے دار تھا۔ ایک لڑکی تو خود لیزا ہی کی ہم عمر تھی۔

زندگی کا وہ دور بھی نظروں کے سامنے سے گذر گیا۔

اب وہ خود کو ایک بہت بڑے ہسپتال میں دیکھ رہی تھی۔

لیزا۔۔۔۔۔ دفعتاً کسی نے اونچی آواز میں اسے مخاطب کیا۔ وہ چونک پڑی۔ خوابوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ چاروں طرف کالے جانور کھڑے نظر آئے۔ آلاو کی سرخی مائل روشنی میں بڑے ڈراونے لگ رہے تھے۔

لیزا۔۔۔۔۔ سامنے والے جانور نے اسے پھر آواز دی۔

میں سن رہی ہوں۔ وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

ہیڈ کوارٹر سے آنے والے پیغامات کو کس طرح ڈی کوڈ کرتی ہو؟۔ جانور نے سوال کیا۔

الفا کی جگہ بٹیا۔۔۔۔۔۔ بٹیا کی جگہ الفا۔ گاما کی جگہ ڈیلٹا۔۔۔۔۔ ڈیلٹا کی جگہ گاما۔

بس بس۔۔۔۔۔ جانور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ سمجھ گیا۔۔۔۔۔ سلیکیز۔

وہ خالی خالی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

جانور نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پیر کھول دیئے اور اس سے اٹھنے کو کہا اس نے چپ چاپ تعمیل کی تھی۔

اس کی تو شخصیت ہی بدل کر رہ گئی؟۔ نکولس نے آہستہ سے جیری کے کان میں کہا تھا۔ جیری سر ہلا کر پرتشویش نظروں سے لیزا کی طرف دیکھتا رہا۔

میرے ساتھ آؤ۔ جانور نے لیزا کا ہاتھ پکڑ کر غار کے دہانے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

وہ اس کے ساتھ اس طرح چلی جا رہی تھی جیسے دونوں سالہا سال سے ایک دوسرے کے شناسا ہوں۔ وہ اسے باہر لایا اور ایک جگہ رک گیا۔ یہاں اتنا اندھیرا تھا کہ وہ ایک دوسری کی شکل نہیں دیکھ سکتے تھے۔

کیا تم انہیں دوبارہ آدمی بنا سکو گی؟۔ جانور نے پوچھا۔

نہیں، میں صرف جانور بنا سکتی ہوں۔

کیا یہ دوبارہ آدمی نہیں بن سکیں گے؟۔

میرا خیال ہے کہ بن سکیں گے۔

کہاں بن سکیں گے۔۔۔۔۔کیسے بن سکیں گے؟۔

یہ میں نہیں جانتی۔

پھر کس بنا پر کہہ سکتی ہو کہ یہ دوبارہ آدمی بن سکیں گے؟۔

اس نے میرے بیٹے کو جانور بنا دیا تھا۔پھر آدمی بنایا۔اور پھر جانور بنایا۔

لیزا نے کہا اور اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ارے۔۔۔۔۔ارے جانور نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

وہ جلد ہی خاموش ہوگئی تھی۔

تو تم ان کے لیے کام کرتی ہو۔پھر تمہارے بیٹے کو کیسے جانور بنا دیا گیا؟۔عمران نے کہا۔

یہی کر کے تو انہوں نے مجھے اپنے کام کرنے پر مجبور کیا تھا۔مرد بڑے ظالم ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ذلیل کہیں کے۔

تمہارا بیٹا بھی تو مرد ہے؟۔

وہ میرا بیٹا ہے۔

ذرا دیر کو چپ ہوئی تھی۔پھر رو پڑی۔

عمران خاموش کھڑا اندھیرے میں گھورتا رہا۔آہستہ آہستہ وہ پھر پرسکون ہوتی جا رہی تھی۔

اگر انہوں نے تمہارے بیٹے کو جانور بنا دیا تھا تو تم نے قانون کی مدد کیوں نہیں حاصل کی ان کے خلاف؟۔

میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔لیکن مجھ سے کھڑا نہیں رہا جا سکتا۔لیٹ کر بات کر سکوں گی۔تم پادری تھے۔کسی قدر رحم دل تو ہونا ہی چاہئے تمہیں۔

اچھی بات ہے۔۔۔۔چلو۔

اب کہاں چلوں۔مجھ میں تو ہلنے کی بھی سکت نہیں ہے۔

میں تمہیں وہیں لے چلوں گا۔ جہاں تم نے ہیلی کاپٹر لینڈ کیا تھا۔عمران نے کہا اور جھک کر اسے کاندھے پر اٹھالیا۔

بس تم اسی طرح خاموش میرے کاندھے پر پڑی رہوگی۔میرا گلا گھونٹنے کی کوشش نہیں کروگی۔عمران نے کہا۔

بہت اچھا۔لیزا بولی تھی۔

راستے میں کئی جگہ اسے ٹارچ روشن کرنی پڑی تھی۔اور پھر وہ ہیلی کاپٹر کے قریب جا پہنچے تھے۔

اندر ہی بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔عمران نے کہا۔

جیسی تمہاری مرضی۔

ہیلی کاپٹر کے اندر وہ اپنے پیروں ہی سے چل کر داخل ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد عمران نے پھر اس کے ذہن کو موضوع گفتگو کی طرف کی کوشش کی۔

کیا بتاؤں۔۔۔۔۔کہاں تک بتاؤں؟۔

تم ان لوگوں کے ہاتھ کیسے لگی تھیں؟۔

میرا شوہر ان کے لیے کام کرتا تھا۔ میں یہی سمجھتی تھی کہ وہ ایک پرائیویٹ ہسپتال ہے۔ڈاکٹر برنارڈ اس کا انچارج تھا۔میرا شوہر بھی ڈاکٹر تھا اور اس کی ماتحتی میں کام کرتا تھا۔میں نے اسے مار ڈالا۔

شوہر کو؟۔عمران چونک کر بولا۔

ہاں اس نے مجھ سے بے وفائی کی تھی۔ایک نرس سے الجھ گیا تھا۔میں اپنی ماں کی طرح بزدل نہیں تھی کہ خودکشی کر لیتی۔

ہائیں ہو کیا تمہاری ماں نے خودکشی کر لی تھی؟۔

ہاں ۔۔۔۔۔ہاں ۔۔۔۔۔ہاں وہ کسی ننھی بچی کے سے انداز میں جھنجھلا کر بولی۔
شاید یہ بھی عمران کے دیئے ہوئے انجکشن کا اثر تھا کہ وہ نہ صرف اس کے احکامات کی تعمیل کر رہی تھی بلکہ خود اس کی شخصیت پر چڑھے ہوئے سارے غلاف بھی اتر گئے تھے۔

تمہاری ماں نے کیوں خودکشی کی تھی؟۔عمران نے سوال کیا۔

کیوں کہ اس کے محبوب نے مجھے محبوبہ بنایا تھا۔

ارے تو کیا باپ نہیں تھا؟۔

تھا ۔۔۔۔۔میں بہت چھوٹی تھی جب ایک حادثے کا شکار ہو کر مر گیا تھا۔میری ماں کے ایک دوست نے بڑا سہارا دیا۔ بہت مالدار آدمی تھا۔میرے تعلیم کے اخراجات اٹھائے ۔میری ماں بھی ایک میڈیکل اسٹور میں ملازمت کر کے تھوڑا بہت کما لیتی تھی۔ لیکن یہ اتنا نہیں ہوتا تھا کہ آسائش کی زندگی بسر ہو سکتی۔ میں طب کی تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی۔بہر حال ماں کے اس دوست نے اپنی شفقتوں کے جال میں مجھے جکڑ لیا۔ ماں کو علم ہوا تو اس نے خودکشی کر لی۔اس کا دوست ڈر کے مارے مجھے چھوڑ بھاگا۔ میں بڑی دشواری میں پڑ گئی تھی۔نادانی اور ناتجربہ کاری کا ثمر ملنے والا تھا۔ایک ڈاکٹر نے مشکل آسان کر دی۔اور وہ مجھ سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ بات شادی تک جا پہنچی تھی۔

لیزا خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

اور پھر تم نے اسے مار ڈالا؟۔عمران نے کہا۔

کیوں نہ مار ڈالتی۔وہ چونک کر بولی۔ میں اسے فرشتہ سمجھتی تھی۔اس پر ایمان لے آئی تھی اور پھر اس وقت اپنی عمر کی ان منزلوں سے نکل آئی تھی۔ جب ناکامی بھی بڑی رومینٹک لگتی ہے۔دکھوں میں بھی لذت ملتی ہے۔وہ حقیقت پسندی کی عمر تھی۔

میں سمجھ گیا ۔۔۔۔تم کیا کہنا چاہتی ہو۔

تمہیں سمجھنا ہی چاہئے پادری۔کیوں کہ تم بندوں تک خدا کا پیغام پہنچاتے ہو۔

میں اس قسم کا پادری نہیں ہوں۔

سبھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔ سبھی مرد ہیں۔۔۔۔۔ باسٹرڈ۔

ہاں تو تم نے اسے مار ڈالا؟۔

اور ٹھیک اسی وقت وہاں ڈاکٹر برنارڈ بھی پہنچ گیا۔ لیکن مجھے پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے اس نے میرے شوہر کی موت کو ایک اتفاقی موت بنا دیا۔ خدا غارت کرے اسے، کاش میں نے خود ہی قانون کے محافظوں تک پہنچ کر اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہوتا۔

اوہ، شاید بعد میں اس نے تمہیں بلیک میل کرنے کی کوشش کی ہوگی؟۔

ٹھیک سمجھے۔ اسی کے حوالے سے اس نے مجھے اپنے غیر انسانی کاموں میں شریک کرنا چاہا۔۔۔۔۔ میں نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ وہ بخوشی پولیس کے حوالے کر دے میں اپنے جرم سے انکار نہ کروں گی۔ دراصل میں نے اپنے شوہر کو فوری اشتعال کے تحت قتل کیا تھا۔ بعد میں پچھتائی تھی۔ اس حد تک کہ اپنے لیے سزا موت کو جائز سمجھنے لگی تھی۔ تب ایک دن اس نے میرے بچے کو جانور بنا دیا۔ تم بتاؤ پھر میں کیا کرتی۔ ایسی صورت میں جب یہ یقین آ گیا تھا کہ وہ ڈاکٹر برنارڈ ہی کا شکار ہوا ہے۔ کسی انوکھی بیماری نے اس پر حملہ نہیں کیا۔ یہ ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر اسے ایک بار پھر آدمی کی شکل میں لایا تھا۔ اور دوبارہ جانور بنا دیا تھا۔ اب وہ کہتا ہے کہ ایک معینہ مدت کے بعد وہ اسے پھر آدمی بنا دے گا۔ یہ معینہ مدت اتنی ہی ہے جتنے دنوں مجھے ڈاکٹر برنارڈ کے لیے کام کرنا ہے۔

یہاں شکرال میں اس حرکت کا کیا مقصد ہے؟۔

میں نہیں جانتی، مجھ سے جو کچھ کہا گیا ہے کہ رہی ہوں۔

مجھے ایسی کئی زبانیں سکھائی گئی ہیں۔

مثلاً؟۔

افریقہ کی کئی زبانیں۔

اس کے باوجود بھی تم نہیں جانتیں کہ ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟۔

نہیں۔ میں نہیں جانتی۔

ڈاکٹر برنارڈ کا اسپتال کہاں ہے؟۔

یونان کے شہر ایتھنز میں۔

کیا وہ یونانی ہے؟۔

نہیں، جرمن ہے۔

ہیلی کاپٹر رسد کہاں سے لاتا ہے؟۔

یہ بھی مجھے نہیں معلوم۔

تم براہ راست یونان سے آئی ہو؟۔

نہیں، دو سال ترکی میں رہی ہوں۔ ادویات کے تحقیقاتی ادارے سے منسلک تھی۔

اس کا دفتر کس شہر میں ہے؟۔

استنبول میں۔

پہاڑ کی عمارت کا سارا عملہ وہیں کے توسط سے آیا ہوگا۔

ہاں۔۔۔۔ وہ لوگ پہلے وہیں پہنچے تھے۔ کچھ دن وہاں کام کیا تھا۔ پھر ادھر منتقل کر دیئے تھے۔

ان جانوروں کے بارے میں کیا احکامات ہیں؟۔

ان سبھوں کو ہیڈ کوارٹر پہنچایا جائے گا۔

کس طرح؟۔

یہ ابھی تک نہیں معلوم ہو سکا۔

وہ ہیلی کاپٹر جو رسد لاتا ہے۔ اس میں کتنی گنجائش موجود ہے؟۔

پانچ آدمی سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتے۔

کیا وہ لمبی پروازوں میں استعمال ہو سکتا ہے؟۔

نہیں، اس قسم کا بھی نہیں ہے۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جہاں سے رسد اٹھاتا ہے زیادہ دور کی جگہ نہیں معلوم ہوتی۔

خدا جانے۔۔۔۔اب بس کرو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔

ذرا دیر اور جاگتی رہو۔ پھر میں تمہیں نہیں چھیڑوں گا۔ اب مجھے اس ہیلی کاپٹر کے بارے میں بتاو۔ کیوں کہ یہ معمولی ساخت کا نہیں ہے۔ اورنکولس نے وہاں کسی ہیلی کاپٹر کی موجودگی کا ذکر نہیں کیا تھا۔

میرے علاوہ اور کسی کو علم نہیں ہے۔

مجھے اس کے استعمال کا طریقہ بتاو؟۔

لیزا نے اس حکم کی تعمیل کی تھی۔ اسے اس کے استعمال کا طریقہ سمجھانے لگی تھی۔

حیرت انگیز۔ عمران سب کچھ سن لینے کے بعد بولا۔ تو گویا، اگر ہم یہاں سے پرواز کریں تو اس عمارت کی چھت پر اتارنا پڑے گا؟۔

ہاں۔ وہیں اتارنا پڑے گا۔ لیکن میں نہیں جانتی کہ اسے دوبارہ کس طرح لانچنگ پیڈ پر لے جایا جا سکے گا۔

تم اس کی پرواہ مت کرو۔

مجھے سو جانے دو۔

اس سے پہلے نہیں کہ تم مجھے اس عمارت کے اندر پہنچنے کے راستوں سے بھی آگاہ کر دو۔

وہ اسے بتانے لگی کہ کس طرح ہیلی کاپٹر لینڈ کر دینے کے بعد لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچ سکے گا۔

اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد عمران نے اس راستے سے متعلق استفسار کیا تھا جو خود اس کی دریافت تھی۔

لیکن وہ پوری طرح بتانے سے پہلے ہی گہری نیند سوگئی۔ ہوسکتا ہے غشی ہی کی سی کیفیت رہی ہو۔ کیونکہ جب عمران نے اسے اٹھا کر کاندھے پر ڈالا تھا تو اس کی آنکھیں نہیں کھلی تھیں۔



کئی گھنٹے گزر گئے۔ لیکن لیزا کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ سرینا نے اس کی ہدایت کے مطابق بے خوابی کی دوا کھائی تھی اور لفٹ کے دروازے کے قریب آرام کرسی ڈال کر بیٹھ گئی تھی۔

جس نے بھی اسے اس طرح بیٹھے دیکھا تھا حیرت ظاہر کرنے کے ساتھ ہی اس سے متعلق استفسار کیا تھا۔

مادام کا حکم ہے۔ سرینا کا جواب ہوتا۔ کسی کا انتظار کر رہی ہوں۔

رات گزری۔ صبح ہوگئی۔ وہ جوں کی توں بیٹھی رہی۔ لیکن بے خوابی کی دوا نے ذہن کو اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ وہ اتنی دیر ہوجانے پر تشویش ہی کرسکتی۔ بس بیٹھی ہوئی تھی۔ کسی ایسی مشین کی طرح جو بالارادہ حرکت کر رہی ہو اور بس۔ نہ احساسات میں سرعت رہی تھی۔ اور نہ ذہن کسی الجھاوے ہی کو قبول کرنے پر تیار تھا۔

آٹھ بجے کے قریب ریڈیو آپریٹر روبن ادھر آنکلا تھا۔

ارے تم ابھی یہیں بیٹھی ہو؟۔ اس نے حیرت سے کہا۔

ہاں۔ اس نے لاتعلقی سے جواب دیا تھا اور دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔

کیا وہ ابھی تک نہیں آیا جس کا انتظار تھا؟۔

نہیں۔ سرینا نے سوئچ بورڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھیک اسی وقت مطلوبہ روشنی نظر آئی تھی اور وہ اٹھ کر سوئچ بورڈ کی طرف جھپٹی تھی۔ پش سوئچ پر انگلی رکھے کھڑی رہی۔ حتی کہ لفٹ کا دروازہ کھلا اور پھر دونوں ہی بوکھلا کر

پیچھے ہٹ گئے تھے کیوں کہ لیزا کے ساتھ ایک عجیب الخلقت اجنبی نظر آیا تھا۔ خوف ناک آنکھوں کے نیچے پھولی ہوئی بدوضع سی ناک تھی۔ اور مونچھیں نچلے ہونٹ کی تہہ تک سائیباں کی طرح چھائی ہوئی تھیں۔

وہ لیزا کو سہارا دیئے ہوئے لفٹ سے باہر آیا تھا۔

روبن اور سرینا دم بخود کھڑے رہے۔

یہ۔۔۔۔یہ۔۔۔۔مسٹر نوبل اوڈھمپ ہے۔ ہیڈ کوارٹر سے آئے ہیں۔

لیزا نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کمزور آواز میں کہا۔ یہ سرینا ہے میری اسسٹنٹ اور یہ روبن ریڈیو آفیسر۔

ہاوڈویوڈو؟۔ ڈھمپ غرایا۔

دونوں نے کچھ بڑبڑا کر سروں کو جنبش دی تھی۔ اور لیزا اجنبی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

دونوں آہستہ آہستہ ان کے پیچھے چلے۔

خوفناک۔ سرینا دھیرے سے بولی۔

لیکن تم نے تو کہا تھا کہ مادام اپنی خواب گاہ میں ہیں؟۔

مجھے وہاں ٹھہرنے کا حکم دے کر وہ اپنی خواب گاہ میں گئی تھیں۔ اتنی پراسرار صورت آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔

پتہ نہیں بے چارے فیلڈ ورکرز کا کیا ہوا؟۔

خدا ہی جانے۔

دوسری طرف لیزا اجنبی کو سیدھی اپنی خواب گاہ میں لیتی چلی گئی تھی۔

میں بڑی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ مسٹر ڈھمپ۔ وہ بڑبڑائی۔

صرف ڈھمپ، تکلفات سے مجھے نفرت ہے۔ تمہیں صرف گورڈو کہوں گا۔

لیزا آگے بڑھ کر بستر پر ڈھیر ہوئی بولی۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اس لیے میرا لیٹنا

تمہیں برا نہیں لگے گا؟۔

ہرگز نہیں۔تم آرام کرو۔میں یہاں بیٹھ جاوں گا۔

ڈھمپ نے سامنے والی کرسیوں کی طرف رخ کیا تو لیزا اسے عجیب نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔جب وہ بیٹھ جانے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا تو بولی۔میں کچھ عجیب سا محسوس کر رہی ہوں۔

غیر معمولی حالات میں احساسات بھی معمولات سے مختلف ہوتے ہیں۔

میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا؟۔

یہی میری طرف سے بھی سمجھ لو۔

ہیڈ کوارٹر کو میری ناکامی کا علم کیونکر ہوا؟۔

ہیڈ کوارٹر کو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم کہ یہاں راکٹ پلین استعمال کیا گیا ہے۔

میں نہیں جانتی تھی کہ اسے آپریٹ کرنے سے ہیڈ کوارٹر میں اطلاع ہو جائے گی۔

سبھی ہر راز سے واقف نہیں ہے۔میں تمہاری کہانی کا منتظر ہوں گورڈو۔آخر راکٹ پلین کو استعمال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟۔

اس بار سفید مادہ شہباز کو دیکھ کر چیخنے لگی تھی۔تم کیوں پلٹ آئے۔جہنم میں جاو۔درندے کہیں کے۔تم سے مطلب تم کون ہوتے ہو۔جاو۔چلے جاو۔

شہباز خاموشی سے سنتا رہا۔کرتا بھی کیا۔کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا۔

آخر وہ شارق کو گھونسہ دکھا کر بولا۔یہ سب کچھ تیری وجہ سے ہو رہا ہے۔

میری وجہ سے کیوں؟ نہ سردارنی میری بات سمجھ سکتی ہیں اور نہ میں ان کی بات سمجھ سکتا ہوں۔

اب بیٹھ بھی جا گھوڑے پر ورنہ سچ مچ جان سے مار دوں گا۔شہباز نے کہا اور گھوڑا موڑ کر نکلا چلا گیا۔اس کے ساتھ بیٹھا ہوا فیلڈور کر گم صم تھا۔

شارق کو بہر حال گھوڑے پر بیٹھنا پڑا اور سفید مادہ نے مضبوطی سے اس کی کمر تھام لی۔



ہیلی کاپٹر میں پہنچ کر عمران نے کھال اتار دی۔ اور پھر ڈھمپ کے میک اپ میں آ گیا۔ لولیتا کو ہدایات دے کر لفٹ کے پاس بٹھا کر آیا تھا۔ اسی طرح جیسے لیزا نے سرینا کو بٹھایا تھا۔

لیزا کی قوت ارادی قطعی طور پر ختم ہو چکی تھی کیونکہ وہ معینہ مدت کے اختتام سے پہلے ہی اسے شراب میں خواب آور دوا دے کر غافل کرتا تھا اور قوت ارادی پر اثر انداز ہونے والا انجکشن دیتا تھا وہ پوری طرح اس کے قابو میں تھی۔ جو کہتا تھا وہی کرتی تھی فی الحال اس نے اسے آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ بات ذہن نشین کرا دی تھی کہ وہ خود اس کی قائم مقامی کر رہا ہے اور ہیڈ کوارٹر کو بھی اس کی اطلاع دے چکا ہے۔

ہیلی کاپٹر روز روشن میں پہاڑ کی طرف پرواز کر رہا تھا اور عمران پوری طرح مطمئن تھا کہ وہ جب تک چاہے گا۔ اسی طرح من مانی کرتا رہے گا۔ کیوں کہ ہیڈ کوارٹر سے رابطے کا واحد ذریعے فی الحال وہ خود ہی ہے۔

ہیلی کاپٹر سے اتر کر وہ لفٹ کے دروازے پر رکا تھا اور دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کے ایک پش بٹن پر انگلی رکھ دی تھی۔۔۔ تھوڑی دیر بعد لفٹ اوپر آئی۔ دروازہ کھلا اور وہ لفٹ میں داخل ہو گیا۔

لولیتا نے بڑے ادب سے اس کا استقبال کیا تھا۔

تم یہاں بور تو نہیں ہوئیں؟۔

نہیں جناب، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

لیزا کی علالت کی وجہ سے مجھے تشویش ہے۔

لیکن اس کے ماتحت تو بہت خوش ہیں؟۔

یہ اچھی علامت نہیں ہے۔خیر۔۔۔۔۔میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔

کیا وہ حق بجانب نہیں ہیں جناب؟۔

حالات کے تحت تو حق بجانب ہی معلوم ہوتے ہیں۔ویسے میں نے محسوس کیا ہے کہ لیز ازیادہ ذہین عورت نہیں ہے۔اس سے کہیں زیادہ تم ذہین ہو۔

شکریہ جناب۔

کچھ دیر بعد وہ سب یہیں ہوں گے۔

کون جناب؟۔لولیتا چونک کر بولی۔

ہمارے سب آدمی۔اور وہ سارے جانور۔

وہ کس طرح جناب،آپ تو تنہا گئے تھے؟۔

تم ابھی دیکھ لوگی۔۔۔۔خیر۔۔۔۔اب سرینا کو یہاں میرے پاس بھیج دو اور آپریشن روم میں میرا انتظار کرو۔

بہت بہتر جناب۔

وہ چلی گئی اور عمران وہیں کھڑا رہا۔تھوڑی دیر بعد سرینا وہاں پہنچی تھی۔

کاشن۔عمران ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

یس سر۔

پولیئٹ نمبر پانچ والی سرنگ میں جاؤ اور دوسری طرف سے سرنگ میں داخل ہونے کا راستہ بند کر دو۔

بہت بہتر جناب۔

آپریشن روم میں تمہارا منتظر رہوں گا۔

او کے سر۔

پھر عمران آپریشن روم کی طرف چل پڑا۔ روبن اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔

لولیتا ڈھمپ کی منتظر تھی۔ روبن اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

بیٹھو۔۔۔۔ بیٹھو۔ وہ ہاتھ اٹھا کر نرم لہجے میں بولا تھا۔

کیا میں آپ کے لیے کافی لاوں جناب؟۔ لولیتا نے چہک کر پوچھا۔

شکریہ ماموزئیل، تم چہرے پڑھ سکتی ہو۔ ہاں میں شدت سے ایک کپ کافی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ ہاٹ اینڈ بلیک۔

ابھی پیش کرتی ہوں۔

وہ آپریشن روم سے چلی گئی۔ عمران نے روبن سے کہا۔ ذرا وہ اسکرین روشن کر دو۔ جس کا تعلق عمارت میں داخلے کے راستے سے ہے۔

بہت بہتر جناب۔

اسکرین روشن ہوئی۔ جنگل نظر آیا۔ لیکن فاصلے کے ساتھ پیش منظر میں پہاڑ کے سامنے پھیلا ہوا میدان تھا۔

اسے روشن رکھو۔

بہت بہتر۔

وہ عمارت پر دھاوا بولنے والے ہیں۔

کون جناب؟۔ روبن چونک پڑا۔

تمہارے فیلڈ ورکر اور سب جانور۔۔۔۔ بعد میں جانے والے چاروں فیلڈ ورکرز کو مادام گوردو نے راستے سے آگاہ کر دیا تھا۔

مجھے حیرت ہے۔ روبن بڑبڑایا۔

کس بات پر؟۔

کہ وہ ہم پر حملہ کرنے آ رہے ہیں؟۔

قیادت سے بد دلی ایسی ہی گل کھلاتی ہے۔ عمران نے طویل سانس لے کر کہا۔

لیکن فیلڈ ورکرز تو مادام کی آنکھوں کے تارے تھے؟۔

عموماً یہی دیکھا گیا ہے کہ آنکھوں کے تارے ہی ایسے حالات میں پیش پیش رہتے ہیں۔

تو کیا ان پر فائرنگ کی جائے؟۔

نہیں جال میں پھانسے جائیں گے۔ جانور ہیڈ کوارٹر کے لیے ہیں۔ انہیں معمولی سا زخمی بھی نہیں ہونا چاہیئے۔

کیسے کیسے حالات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے؟۔ روبن نے ٹھنڈی سانس لی۔

عورت کی قیادت ہمیشہ حالات کو بگاڑتی ہے۔ محض اس لیے کہ وہ جذباتیت کو بھی تعقل سمجھنے لگتی ہے۔ ہوائی قلعوں کو تفکر سمجھتی ہے۔ لہٰذا ضد اس کی منطق ٹھہرے گی۔

آپ بڑی سچی باتیں کر رہے ہیں جناب۔

ذمہ دار افراد کو برف ہونا چاہیئے۔

دروازہ کھلا تھا اور لولیتا کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے سرینا دکھائی دی۔

حکم کی تعمیل ہوگئی جناب۔ اس نے کہا۔

شکریہ سرینا، بیٹھ جاو۔

وہ بھی اسکرین کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

لولیتا نے عمران کے لیے کافی بنائی اور پیش کرتی ہوئی بولی۔ مادام گوردو سو رہی ہیں۔

وہ بیمار ہے اسے آرام کرنا چاہیئے۔ عمران نے کہا۔

سرینا اسکرین سے توجہ ہٹا کر ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ عمران نے اس سے کہا پچیس قیدیوں کی خوراک کا انتظام تمہارے ذمے کر رہا ہوں۔ ماموزیل سرینا۔

سرینا خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

نکولس سمیت چودہ جانور ہیں اور دس تمہارے فیلڈ ورکرز۔ لڑکیاں تو مہمان رہیں

گی۔انہیں میں خود دیکھوں گا۔

میں بالکل نہیں سمجھی جناب؟۔

ہاں جیری کو تو بھول ہی گیا تھا۔۔۔۔وہ بھی قیدی ہے۔بات دراصل یہ ہے کہ وہ سب مل کر ہم پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔

فیلڈ ورکرز بھی؟۔سرینا کے لہجے میں حیرت تھی۔

ہاں۔۔۔۔گوردو کے رویئے نے انہیں بغاوت پر آمادہ کر دیا ہے۔

کمال ہے۔۔۔۔۔مادام تو بہت مہربان ہیں۔

وفادار ماتحت ہو سرینا۔۔۔۔اس لیے تم بھی قابل قدر ہو۔

سرینا نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔لولیتا اس کی طرف دیکھ کے طنزیہ انداز میں مسکرائی تھی۔اور پھر اسکرین کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

عمران کافی پیتا رہا۔سب خاموش تھے۔کافی کا پیالہ خالہ کر کے عمران اٹھتا ہوا بولا۔میرا خیال ہے کہ انہیں دیر لگے گی۔جب تک میں گوردو کی مزاج پرسی کر لوں۔تم لوگ یہیں ٹھہرو۔

وہ باہر نکلا تھا۔اور لیزا کی خواب گاہ کی طرف چل پڑا تھا۔وہ بستر ہی پر نظر آئی۔آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔آواز دینے پر پلکیں اٹھائی تھیں۔لیکن خود اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

سب ٹھیک ہے گوردو۔۔۔۔۔تم مطمئن رہو۔

شکریہ ڈھمپ۔وہ نحیف سی آواز میں بولی۔

میرا خیال ہے کہ تمہیں باقاعدہ طور پر طبی امداد کی ضرورت ہے۔میں کوشش کر رہا ہوں کہ تمہیں کچھ دنوں کے لیے کسی پرفضا مقام پر پہنچا دیا جائے۔

میں یہی چاہتی ہوں۔اس ماحول میں میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔

میں ہیڈ کوارٹر سے گفت وشنید کر رہا ہوں۔فی الحال میں ہی یہاں کا کام سنبھالوں

گا۔سب کچھ سمجھ چکا ہوں۔

بس ایک چیز باقی رہ گئی ہے۔

وہ کیا ہے؟۔

وہ سیرم جس سے جانور بنائے جاتے ہیں؟۔

مجھے محدود تعداد میں ایمپیولز ملے تھے۔بیس عدد ۔۔۔۔چودہ عدد استعمال ہو چکے ہیں۔چھ عدد باقی بچے ہیں۔وہ ادھر تجوری میں رکھے ہوئے ہیں۔

تجوری۔وہ اس کی اٹھی ہوئی انگلی کی سمت دیکھنے لگا۔

اس فریم کے نیچے ہے۔فریم کو ہٹاو۔سرخ بٹن کو تین بار دباو۔زرد بٹن کو دو بار۔خانہ ظاہر ہو جائے گا۔کتھئی رنگ کے چھ ایمپیولز ڈبے میں رکھے ہوئے ہیں۔

ٹھیک ہے۔

مجھے پھر نیند آ رہی ہے ڈھمپ؟۔

سو جاو۔۔۔۔سوتے رہنے سے زیادہ بہتر اور کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔

تم بہت مہربان ہو۔

ایسی کوئی بات نہیں۔حالات سب کچھ بنا دیتے ہیں۔

لیزا نے مزید کچھ کہے بغیر آنکھیں بند کر لی تھیں اور گہری گہری سانسیں لینے لگی تھی۔

عمران چپ چاپ بیٹھا گھڑی دیکھتا رہا۔پانچ منٹ بعد اٹھا تھا اور لیزا کے بتائے ہوئے طریقے سے تجوری کھولنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ آپریشن روم میں واپس آیا تو ان تینوں کو کسی موضوع پر بڑے جوش و خروش سے گفتگو کرتے پایا۔

اسے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔سرینا بہت غصے میں معلوم ہوتی تھی۔لولیتا نے شاید کچھ کہنا چاہا تھا لیکن عمران اسے نظر انداز کرتا ہوا روبن سے بولا۔اتنی دیر تو نہ ہونی چاہیئے۔وہ تیز رفتار گھوڑوں پر تھے؟۔

حالات بدل بھی سکتے ہیں جناب، شکرالی ویسے ہی جانور ہوتے ہیں۔

حالات بدلنے سے کیا مراد ہے؟۔

دوست بن کر چلے ہوں گے لیکن راستے میں جھگڑا بھی ہوسکتا ہے۔ ہمارے فیلڈ ورکرز کم بد دماغ نہیں ہیں۔

یہ غلط ہے۔ سرینا جھنجھلا کر بولی۔

کیا غلط ہے؟۔ عمران اس کی طرف متوجہ ہوگیا

فیلڈ ورکرز کے بارے میں روبن کی رائے درست نہیں ہے۔

ہم اس وقت یہاں اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے اکٹھا نہیں ہوئے ہیں۔ عمران نے خشک لہجے میں کہا۔

ٹھیک اسی وقت لولیتا بولی۔ پس منظر میں حرکت دکھائی دیتی ہے۔

وہ سب اسکرین دیکھنے لگے۔ بہت دور درختوں کی قطار کے قریب ننھے ننھے متحرک نقطے دکھائی دے رہے تھے۔

ٹھیک ہے۔ عمران سر ہلا کر بولا۔



وہ اس بڑے کمرے میں پھنس چکے تھے۔ واپسی کے لیے مڑے تو دیوار بھی برابر نظر آئی جس کے دروازے سے وہ اس بڑے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ بس چاروں طرف دیواریں ہی دیواریں تھیں۔ دروازہ کوئی نہیں تھا۔

کیا تم یہیں سے گزر کر باہر نکلے تھے؟۔ پارٹی کے لیڈر نے ان چاروں میں سے ایک سے پوچھا۔ جو بعد میں عمارت سے جنگل کی طرف گئے تھے۔

ہاں، ہم یہیں سے گزر رہے تھے۔

تو پھر واپسی ہی کا دروازہ کھول کر دکھاو۔

اب یہاں وہ نشان نظر نہیں آ رہا جس کے نیچے دروازہ ظاہر کرنے والا مکینزم تھا۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم پھنس گئے ہیں۔

ہاں تم پھنس گئے ہو غدار۔ ایک غرائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔ اور وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔

آواز پھر آئی۔ تم ان جانوروں سے اشتراک کر کے مادام گوردو کے خلاف بغاوت کے مرتکب ہونے والے تھے۔

کیا اس نے ہمارے ساتھ کوئی اچھا برتاو کیا تھا؟۔ پارٹی لیڈر دہاڑا۔

کیا کہنا چاہتے ہو؟۔

وہ اس غار میں ٹائم بم چھپا آئی تھی۔ جہاں ہم تھے۔ ہمارے وہاں سے نکلنے کے دو منٹ بعد ہی وہ پھٹ گیا تھا۔

کیا تمہیں بتا کر انہوں نے ٹائم بم رکھا تھا؟۔

نہیں ہمیں بتا کر نہیں رکھا تھا۔

پھر تمہیں کیونکر علم ہوا؟۔

بس ہمیں عین وقت پر معلوم ہو گیا تھا۔

بکواس ہے، کیا فرشتوں نے تمہیں اطلاع دی تھی؟۔

جس نے بھی اطلاع دی تھی۔ ہم اسے فرشتہ ہی سمجھتے ہیں۔

تم سب قیدی ہو۔

کہاں ہے وہ گوردو کی بچی۔ لیڈر دہاڑا۔ لیکن انہیں کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

تھوڑی دیر تک سناٹا رہا پھر سبھی بولنے لگے تھے۔ لیکن جانوران میں شامل نہیں تھے۔ مگر وہ جانور جس نے کپڑے بھی پہن رکھے تھے۔ یعنی کے نکولس حلق پھاڑ پھاڑ کر دیوانہ وار قہقہے لگا رہا تھا۔

یہ کیا کر رہے ہو۔ چپ رہو۔ خاموش رہو۔ جیری اسے جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

اب ہم سب پاگل ہو جائیں گے۔

دوسری طرف شارق نے شہباز کے کان میں کہا۔سردار آپ یقین کریں یا نہ کریں میں نے چچا کو اس آواز میں بھی بولتے سنا ہے۔

کس آواز میں؟۔

یہی جو ابھی سنائی دی تھی۔

وہ نہ ہوتب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔پہلے ہی مجھے اطمینان دلا چکا ہے کہ عمارت اس کے قبضے میں ہے اور کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

ادھر سارے فیلڈ ورکرز پارٹی کے سر ہو گئے تھے۔

تم نے چھوٹتے ہی سچی بات کیوں کہہ دی تھی؟۔اس سے پوچھا جا رہا تھا۔

میں سپاہی ہوں۔اس نے جھلا کر کہا۔مجھے سیاست نہیں آتی۔

بہر حال،جس کام کے لیے آئے تھے وہ نہ ہو سکا۔

میں کچھ نہیں جانتا۔

اب چوہوں کی طرح مارے جائیں گے۔

کوئی کچھ نہ بولا۔سبھی کو یقین ہو گیا کہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے تھے۔دفعتاً پارٹی لیڈر نے کہا۔ان جانوروں کے پاس ان کا اسلحہ موجود ہو گا۔ہماری طرح نہتے تو نہیں ہیں۔

لیکن انہیں کیا سمجھائیں اور کس طرح سمجھائیں۔

اچانک انہیں ناک اور حلق میں جلن محسوس ہوئی تھی اور وہ کھانسنے لگے تھے۔

گیس۔پارٹی کا لیڈر پھنسی پھنسی سی آواز میں چیخا۔

پھر انہیں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔

پھر سب سے پہلے شارق بیدار ہوا تھا۔ذہن بھی جلد ہی صاف ہو گیا۔بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔چاروں طرف نظر دوڑائی۔صرف اسی کے ساتھی بکھرے پڑے تھے۔نہ فیلڈ ورکر تھے ورنہ دونوں مادائیں۔نکولس اور جیری کا بھی پتہ نہیں تھا۔اس نے ایک ایک کو جھنجھوڑنا

شروع کر دیا۔لیکن کسی نے بھی آنکھ نہ کھولی۔آخر تھک ہار کر ایک کنارے بیٹھا رہا۔اس پر دوبارہ غنودگی طاری ہو رہی تھی۔دیوار سے ٹک کر لمبی لمبی سانسیں لیتا رہا تھا اور پھر سو گیا تھا۔

دوسری مرتبہ جاگا تو وہ سب بھی بیدار ہو چکے تھے اور اسی صورت حال سے متعلق الجھن میں پڑے ہوئے تھے۔

شائد ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔شارق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا۔شہباز کی آواز آئی۔

چچا سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق تو ہے نہیں۔

اگر ایسا ہوا ہے تو ساری محنت ضائع ہو گئی۔شہباز بولا۔

اپنے آدمیوں کو وہ نکال لے گئے۔کسی نے کہا۔

اور مادائیں بھی ہاتھ سے نکل گئیں۔شارق بولا۔

تو چپ کے نہیں بیٹھ سکتا؟۔شہباز کی غراہٹ سنائی دی۔

اب صرف مردانہ کائیں کائیں سننی پڑے گی۔شارق نے مردہ سی آواز میں کہا۔

اب ہم کیا کریں سردار؟۔ہمارے ساتھیوں سے ہمارا اسلحہ بھی نکال لیا گیا ہے۔کسی نے کہا۔

خاموش بیٹھو۔مجھے یقین ہے کہ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں ہوا۔شہباز بولا۔

دفعتاً کسی نے شکرانی میں کہا۔یہی ہمارے روحانی رشتے کا ثبوت ہے۔

اور وہ سب چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔

اس کی آواز تھی۔شہباز نے دبے دبے سے جوش کے ساتھ کہا۔

چچا۔۔۔۔۔زندہ باد۔۔۔۔۔۔شارق نے نعرہ لگایا۔

☆

نوبل ڈھمپ کی آمد سے لیزا کے علاوہ اور سب کے لیے اس عمارت میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ طرح طرح کی تفریحات کا دور شروع ہوا تھا۔ لطیفے، داستانگوئی، رقص و نغمہ، رندی و سرمستی کے مظاہرے۔

صرف سرینا شروع شروع میں کسی قدر کشیدہ اور کبیدہ خاطر رہی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ وہ بھی اسی رو میں بہتی نظر آنے لگی۔ اور لولیتا کو تو اس ڈراونی شکل والے آدمی میں خالص مرد دکھائی دیتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ تو یہاں تک سمجھ بیٹھی تھی کہ خالص مرد اس پر خصوصی نگاہ رکھتا ہے۔

پہلے تم بتاؤ کہ تم مجھ تک کیسے پہنچے؟۔ لیزا نے کہا۔

سیدھی سی بات ہے۔ میں ہیلی کاپٹر سے آیا تھا۔ راکٹ اپنی جگہ پر نہ دکھائی دیا۔ لہذا ہم نے جنگل پر پرواز شروع کی۔ سرچ لائیٹ کے ذریعے تلاش جاری رکھی۔ بالآخر راکٹ پلین دکھائی دیا۔ اپنے ہیلی کاپٹر کو اسی جگہ لینڈ کرانے کے بعد نیچے تک اترا۔ تم راکٹ پلین میں پڑی بے خبر سو رہی تھی۔

کک۔۔۔۔۔۔ کوئی جانور بھی تھا وہاں؟۔ لیزا نے سوال کیا۔

نہیں۔۔۔۔۔ دور دور تک سناٹا تھا۔

لیکن بیدار ہونے پر تمہارا ہیلی کاپٹر وہاں میں نے نہیں دیکھا تھا۔

میں نے اسے واپس بھجوا دیا تھا۔ راکٹ پلین تو تھا ہی۔ میں اسے آپریٹ کرنے کے طریقے سے واقف ہوں۔

لیزا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اس نے اپنی کہانی شروع کر دی اور اتنا احساس تو بہر حال باقی ہی تھا کہ اگر اس نے نکولس اور جیری والا ٹکڑا بھی داستان میں شامل کر دیا تو اس سے متعلق سچی بات بھی اگل ہی دینی پڑے گی۔ اور یہ کسی طرح بھی مناسب نہ ہوگا۔

اس کے خاموش ہو جانے پر ڈھمپ نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا تھا۔ البتہ اس کی آنکھوں

سے حیرت ظاہر ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ لیزا کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ہوسکتا ہے ان شکرالیوں میں کوئی انگلش بول سکتا ہو۔ لیکن ان کے درمیان کسی عیسائی مبلغ کی موجودگی ناممکنات میں سے ہے۔

میں نہیں سمجھی؟۔

وہ اپنے مذہبی اصولوں پر کاربند نہ ہوں لیکن مذہب کے خلاف ایک لفظ بھی برداشت کر سکتے۔ لہذا دوسرے مذاہب کے مبلغین ان سے دور ہی دور رہتے ہیں۔

لیکن وہ تو کہہ رہا تھا۔۔۔۔۔؟۔

کہہ رہا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔ لیکن میں اس کے قول پر یقین نہیں کر سکتا۔

اسی نے مجھے اس حال پر پہنچایا ہے۔

تو پھر اب تم کیا کرو گی؟۔

میں اس ذمہ داری سے دستبردار ہونا چاہتی ہوں۔

میں اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ تمہیں سبکدوش کر دوں۔

اب مجھ میں سکت نہیں رہی۔

اس مسئلے کے حل کے لیے ہیڈ کوارٹر سے رجوع کرنا پڑے گا۔ ڈھمپ نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ اور وہ جانور جو انگلش بولتا ہے۔

بے حد چالاک معلوم ہوتا ہے۔

کچھ بھی ہو وہ کوئی مذہبی مبلغ نہیں ہوسکتا۔

پھر کون ہوسکتا ہے؟۔

کسی ترقی یافتہ ملک کا جاسوس بھی ہوسکتا ہے۔

تو پھر اب۔۔۔۔۔ کیا کرنا چاہیئے؟۔

یہ تمہارے سوچنے کی بات نہیں ہے۔ ڈھمپ نے نرم لہجے میں کہا۔ خیر تم کچھ آرام کر لو۔ میں ٹیلی پرنٹر پر ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کروں گا۔

اچھی بات ہے۔وہ مضمحل سی آواز میں بولی۔پھر اس نے انٹر کام پر کسی لولیتا کو آواز دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔

لولیتا۔لیزا ڈھمپ کی طرف دیکھ کر بولی۔یہ میری دوسری اسسٹنٹ ہے۔اور یہ مسٹر نوبل ڈھمپ۔۔۔۔۔۔ہیڈ کوارٹر سے۔

ہاو ڈو یو ڈو؟۔لڑکی نے کہا اور ڈھمپ سر کو جنبش دے کر اٹھ گیا تھا۔

لولیتا۔مسٹر ڈھمپ کو آپریشن روم میں لے جاو۔

اوکے مادام۔کہہ کر اس نے سہمی ہوئی نظروں سے ڈھمپ کی طرف دیکھا تھا۔کمرے سے نکل کر وہ ایک طرف کھڑی ہوگئی۔

بائیں جانب جناب۔وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بڑے ادب سے بولی تھی۔

تم مجھ سے اپنی مادری زبان میں گفتگو کر سکتی ہو۔ڈھمپ نے فرانسیسی میں کہا۔

بہت بہت شکریہ جناب۔

وہ اسے آپریشن روم میں لائی۔یہاں روبن پہلے ہی سے موجود تھا۔ڈھمپ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

بیٹھو۔۔۔۔۔بیٹھو۔۔۔کیا تم مجھے جنگل کے منظر نہیں دکھاو گے۔

تین پوائنٹس۔۔۔۔بالکل تباہ ہو چکے ہیں جناب۔

کیا مطلب؟۔

ان لوگوں نے کیمرے تلاش کر کے انہیں توڑ پھوڑ دیا ہے۔

اوہ۔۔۔۔تو کیا وہ اتنے ہی ہوش مند ہیں؟۔

میرا یہی خیال ہے جناب، ان لوگوں کے بارے میں ہیڈ کوارٹر سے اندازے کی غلطی ہوئی ہے۔

لیکن مجھے تو دو باغیوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس عمارت ہی سے نکل کر ان

سے جا ملے ہیں۔

روبن کچھ نہ بولا۔لیکن اس کی آنکھوں سے ناگواری مترشح ہو رہی تھی۔ڈھمپ نے لولیتا کی طرف دیکھا۔وہ بھی کچھ کہنا چاہتی تھی۔

کیا بات ہے؟۔ڈھمپ نے فرانسیسی میں سوال کیا۔

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی اپنی مرضی سے نکل سکے اس عمارت سے؟۔

اس کا مجھے علم نہیں۔ڈھمپ بولا۔

مادام کے علاوہ اور کوئی بھی باہر نکلنے کا راستہ نہیں جانتا۔اس لیے اس کا سوال کب پیدا ہوتا ہے کہ کوئی یہاں سے نکل کر ان لوگوں میں جا ملے۔

اگر یہ بات ہے تو سوچنا پڑے گا۔

مادام سخت گیر ہیں،اور یہاں کوئی ان سے خوش نہیں ہے۔جنہیں خوش رکھتی تھیں، صرف وہی ان جانوروں میں جا پھنسے ہیں۔

سخت گیری ہی بغاوت کی طرف لے جاتی ہے۔ڈھمپ آہستہ سے بولا۔

لیکن ہم صرف احتجاج کرتے رہے ہیں۔بغاوت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جناب، بہر حال ہم ہیڈ کوارٹر کے پابند ہیں۔

احتجاج کس بات پر کرتے رہے ہو؟۔

دو سفید فام لڑکیوں کو بھی جانور بنا دیا گیا ہے۔

اوہ،حماقت کی باتیں۔ڈھمپ ہاتھ ہلا کر بولا۔وہ دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آ جائیں گی۔

لولیتا کچھ نہ بولی۔

تو بقیہ پوائنٹس دکھانا شروع کروں جناب؟۔روبن نے پوچھا۔

ضرور۔۔۔۔۔ضرور۔۔۔۔۔

اس نے یک بعد دیگرے اسکرین پر مختلف جگہوں کے مناظر دکھائے۔لیکن یہ ساری

جگہیں بالکل ویران ثابت ہوئیں۔

بس ٹھیک ہے۔ڈھمپ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ بند کردو۔

پھر وہ ٹیلی پرنٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کاغذ پنسل اٹھا کر اسی کوڈ میں ایک پیغام ترتیب دینے لگا جو لیزا استعمال کرتی تھی۔

لولیتا اور روبن خاموش کھڑے رہے۔ وہ اسے ٹیلی پرنٹر استعمال کرتے دیکھ رہے تھے۔ڈھمپ کوڈ ورڈز میں پرنٹ کرتا رہا۔

تیرہ جانور جنگل میں موجود ہیں۔لیکن اب لڑکیاں خطرے میں ہیں۔ ہدایات کا انتظار ہے۔خدشہ ہے کہ دیر ہو جانے پر شاید لڑکیوں کی لاشیں ملیں۔ایم ایل، گوردو۔

جواب کے انتظار میں اسے وہیں بیٹھنا تھا۔

تم دونوں کھڑے کیوں ہو۔بیٹھ جاو؟۔ڈھمپ نے ان سے کہا اور وہ اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئے۔ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔

لولیتا نے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔ پانچ آدمی باہر کھڑے تھے۔ان میں سے ایک بولا۔ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں جو ہیڈ کوارٹر سے آیا ہے؟۔

لولیتا نے مڑ کر ڈھمپ کی طرف دیکھا۔

آنے دو۔اس نے کہا۔

وہ اندر آئے تھے اور گم صم کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ انداز ایسا ہی تھا۔جیسے اسے دیکھ کر سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا ہو۔

کیا کہنا چاہتے ہو؟۔دفعتاً ڈھمپ غرایا۔

ہم نے پہلے کبھی آپ کو نہیں دیکھا؟۔ایک بولا۔

یہی کہنے کے لیے آئے ہو؟۔

نن ۔۔۔۔نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ ہم یہاں جڑی بوٹیوں کی تلاش کے لیے بھیجے گئے تھے۔

اچھا تو پھر؟۔

لیکن ہم سے کچھ اور کام لیا جا رہا ہے؟۔

کیا تم صرف جڑی بوٹیوں کی تلاش کے لیے پیدا ہوئے ہو؟۔

یہ مطلب نہیں تھا۔

پھر کیا مطلب تھا؟۔

یہاں ایک غیر انسانی حرکت ہو رہی ہے۔

کیا تمہارے ساتھ؟۔

نن۔۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔۔۔لیکن۔۔۔۔۔۔؟

جاو۔وہ ہاتھ اٹھا کر غرایا۔ اپنے کام سے کام رکھو۔

لیکن وہ جوں کے توں کھڑے رہے۔البتہ کوئی بولا نہیں تھا۔

جو کچھ تم سوچ رہے ہو وہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں اور نہ تمہاری سمجھ میں آ سکتی ہیں۔عقل مند ہی ہیں جو صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔

ہم کب تک یہاں قید رہیں گے؟۔

جب تک اوپر والے چاہئیں گے۔

آپ کی حیثیت کیا ہے؟۔

انسپکٹر سمجھ لو۔۔۔۔لیکن میں اپنے اختیار سے تمہاری حیثیتوں میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس لیے واپس جاو۔یہاں کی انچارج مادام گوردو ہیں۔وہی تمہاری باتوں کا جواب دے سکیں گی۔

کسی اور کو انچارج بنایا جائے۔ہم اسے پسند نہیں کرتے۔

تمہاری تجویز ہیڈ کوارٹر پہنچا دی جائے گی۔بس اب جاو۔

وہ طوعاً و کرہاً مڑے تھے اور باہر نکل گئے تھے۔

بہت بد دلی پھیلی ہوئی ہے موسیو۔لولیتا آہستہ سے بولی۔

کیالیزا اتنی غیر مقبول ہے۔

لولیتا کچھ نہ بولی۔روبن بھی خاموش رہا۔

میں یہاں کی فضا میں خاصی کشیدگی محسوس کر رہا ہوں۔

میں پہلے ہی عرض کر چکی ہوں کہ لوگ خوش نہیں ہیں۔لولیتا نے آہستہ سے کہا۔

ٹیلی پرنٹر پر جواب آنے لگا تھا۔وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جواب آیا تھا۔پہلے ہی تمہیں ہدایت دی جا چکی ہے کہ لڑکیوں کو وہاں سے بلوالو۔ان کی واپسی کا انتظام کر کے تمہیں مطلع کیا جائے گا۔

ڈھمپ نے سر کو جنبش دی۔

پھر وہ وہاں سے اٹھ گیا۔لیکن اس سے قبل پیغام کو ضائع کر دینا نہیں بھولا تھا۔لولیتا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ماموزئیل، میں تم سے علیحدگی میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

ضرور۔۔۔۔ضرور۔۔۔۔موسیو،میرے کمرے میں چلیئے۔

گوردو۔۔۔فرانسیسی بولتی ہے یا نہیں۔

نہیں موسیو،لیکن میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ جانتی بھی ہے یا نہیں۔

خیر۔۔۔۔خیر۔۔۔۔اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔مجھے بہر حال ہیڈ کوارٹر کو حالات سے مطلع کرنا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اس عمارت میں کسی قسم کی بھی گفتگو ہو۔گوردو کہیں نہ کہیں سے سن سکتی ہے۔لولیتا نے کہا۔

تم اس کی فکر نہ کرو۔میں ایک با اختیار آدمی ہوں۔

مجھے یقین ہے جناب۔

وہ اسے اپنے کمرے میں لائی تھی اور بڑے ادب سے کرسی پیش کرتی ہوئی بولی تھی۔

آپ اہل زبان کی طرح فرانسیسی بول سکتے ہیں موسیو۔

حالانکہ میں نسلاً ریڈ انڈین ہوں۔

بڑی عجیب بات ہے موسیو، آپ کو دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے۔لیکن جب آپ نرمی سے گفتگو کرتے ہیں تو طمانیت کا احساس ہوتا ہے۔

میری یہی سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔کہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔کوئی مجھ سے محبت نہیں کرتا۔

کسی کے اندر جھانکنے کا سلیقہ بہت کم لوگ رکھتے ہیں۔

تم بہت ذہین معلوم ہوتی ہو۔۔۔۔آخر یہاں کا اسٹاف گوردو سے بدل کیوں ہے؟۔

اس کی سخت گیری کی بنا پر۔۔۔۔۔۔خصوصاً وہ مردوں کا ذرہ برابر بھی احترام نہیں کرتی۔اس حد تک چلی جاتی ہے کہ لوگوں کو سزائے موت تک دے بیٹھتی ہے۔

نہیں۔ڈھمپ چونک کر بولا۔

یقین کیجیے، یہیں اسی عمارت میں اس نے ایک فیلڈ ورکر ٹونی کو سزائے موت دی تھی۔اسے اس کے حکم سے گولی مار دی گئی تھی۔

ہیڈ کوارٹر سے ایسا کوئی حکم جاری نہیں کیا گیا۔۔۔۔ٹونی کا قصور کیا تھا؟۔

نکولس کے جانور بنائے جانے پر تشویش کا اظہار کر رہا تھا۔

کون نکولس؟۔

ریڈ ویو آپریٹر تھا۔اسے گوردو نے جانور بنا دیا۔وہ بھی جنگل ہی میں پھکوا دیا گیا ہے۔اسٹاف کا ایک آدمی جیری بھی غائب ہے۔گوردو کے بیان کے مطابق گیسپر نامی ایک فیلڈ ورکر جانوروں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔خدا ہی جانے اس میں کتنی صداقت ہے۔

تب ہیڈ کوارٹر کو اس طرف توجہ دینی ہی پڑے گی۔شکریہ لولیتا۔

لیکن گوردو کی دستبرد سے آپ ہی مجھے بچائیں گے، موسیو۔

میں نہیں سمجھا۔

وہ ہماری گفتگو سن رہی ہوگی۔ٹونی کی موت کے بعد سے ہمارا شبہہ یقین میں تبدیل ہوگیا ہے۔وہ ہر جگہ ہماری گفتگو سن سکتی ہے۔

ہم فرانسیسی میں گفتگو کر رہے ہیں۔

وہ ایک پراسرار عورت ہے۔ہوسکتا ہے فرانسیسی جانتی ہو۔

خیر اس وقت وہ سو رہی ہے۔

دوسری بات۔۔۔۔سرینا اس کی ہم راز ہے اور یہاں وہ بھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھی جاتی۔

اوہ۔۔۔۔وہ لڑکی۔۔۔۔۔۔جو لفٹ کے قریب میری منتظر تھی۔

میں نے اسے لفٹ کے قریب دیکھا تھا۔

وہ میری ہی منتظر تھی۔

گوردو شاید آپ کے استقبال کو گئی تھی۔

ہاں۔۔۔۔اس نے مجھے پہاڑ کی چوٹی پر خوش آمدید کہی تھی۔

کچھ بھی ہو موسیو ہمیں گوردو کی ماتحتی قبول نہیں۔

تم فکر نہ کرو۔اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔

اور ہم قطعی غیر محفوظ ہیں۔دسوں فیلڈ ورکر کو جانوروں نے پکڑ لیا ہے۔

میں اس معاملے کو بھی دیکھوں گا۔

لولیتا پھر کچھ نہ بولی تھی۔

ڈھمپ نے تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔رسد لانے والا ہیلی کاپٹر کہاں لینڈ کرتا ہے؟۔

کیا آپ وہ جگہ دیکھنا چاہتے ہیں؟۔

ہاں۔ڈھمپ اٹھتا ہوا بولا۔

☆

وہ اب بھی اسی غار میں تھے۔اور دسوں فیلڈ ورکرز کے ہاتھ پیر اسی طرح بندھے ہوئے تھے۔لیکن انہیں بھوکا پیاسا نہیں رکھا گیا تھا۔ جانوروں نے اپنے ہاتھوں سے انہیں ناشتہ کرایا تھا۔

جیری اور نکولس پہلے ہی کی طرف آزاد تھے۔دونوں ماداوں پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔لیکن اب وہ ایک دوسرے کے مافی الضمیر سے آگاہ نہیں ہو سکتے تھے کیوں کہ ان کا درمیانی رابطہ صف شکن رات ہی سے غائب تھا۔لیزا کو ساتھ لے کر غار سے باہر نکلا تھا اور پھر پلٹ کر نہیں آیا تھا۔اور نہ انہیں یہی معلوم ہو سکا تھا کہ لیزا پر کیا گزری۔

ایک فیلڈ ورکر نے جیری کو آواز دے کر پوچھا تھا۔اب کیا ہوگا؟۔

خدا ہی جانے۔جیری نے جواب دیا۔

کاش ہم ان سے گفتگو کر سکتے۔

کیوں؟۔ان سے گفتگو کر کے کیا کرو گے؟۔

کم از کم شرمندگی ہی ظاہر کر سکتے۔

فضول۔۔۔۔لایعنی۔۔۔۔کیا تمہیں پہلے سے علم نہیں تھا کہ تم ان لوگوں کے لیے کیا کر رہے ہو؟۔

پہلے انہوں نے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا تھا۔

ہم مہذب لوگوں سے غیر مہذب ہی اچھے ہیں۔جیری بولا۔

ہاں، اب ہمیں احساس ہو رہا ہے۔یہ حرکت قتل کر دینے سے زیادہ ہی بھیانک ہے۔

اور مجھے یقین ہے کہ لیزا انہیں دوبارہ آدمی بنا دینے کے وسائل نہیں رکھتی۔

اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔لیکن پچھلی رات وہ کہہ رہی تھی کہ اگر انہوں

نے ہمیں مار ڈالا تو دوبارہ آدمی نہ بن سکیں گے۔

وہ تو اس نے جانور کو سنانے کے لیے کہا تھا جو انگلش بول سکتا ہے۔ نکوس نے خشک لہجے میں کہا۔

وہ کیا جھوٹ بول رہی تھی؟۔ فیلڈ ورکر نے حیرت سے کہا۔

تم مجھے دیکھ ہی رہے ہو۔ اگر وہ اس پر قادر ہوتی تو میرے جسم پر استرہ کیوں چلواتی۔

فیلڈ ورکر کچھ نہ بولا۔

کیا تم لوگ اب بھی لیزا ہی کے ساتھ ہو؟۔ جیری نے فیلڈ ورکرز سے سوال کیا۔

یہاں سے ہماری واپسی کا انحصار لیزا ہی پر ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمیں کس طرح یہاں سے لے جایا جائے گا۔ اپنے طور پر ہم کہاں جائیں گے۔

اس بحث میں نہ پڑو۔ نکولس نے جیری سے کہا۔ اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ یہ لیزا کے ساتھ ہیں یا نہیں۔

دوسری طرف شارق طربدار کو مسلسل چھیڑے جا رہا تھا۔ شہباز کے علاوہ اور سب ہنس رہے تھے۔ مادائیں دور بیٹھی آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

سردار، اس لڑکے سے میرا پیچھا چھڑاو۔ بالآخر طربدار تنگ آ کر بولا۔

شارق، ادھر آو۔ شہباز نے سخت لہجے میں کہا۔

وہ چپ چاپ اٹھ کر اس کے قریب جا بیٹھا۔ شہباز بولا۔ کام کی باتیں کرو۔ صف شکن ابھی تک واپس نہیں آیا۔ مجھے تشویش ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ عمارت میں تنہا جائے۔

وہ کسی کی کب سنتے ہیں۔

یہ بات تو طے ہوگئی کہ ہمارا علاج اس عورت کے پاس نہیں ہے۔

تو پھر۔۔۔۔۔؟ شارق چونک کر پڑا۔

عورت کے ساتھ عمارت کی طرف جانے سے قبل وہ مجھے سب کچھ بتا گیا ہے۔

تو پھر علاج کہاں ہے سردار؟۔

عورت بھی یہ نہیں جانتی۔

تو یہ بھی کیا ضروری ہے کہ علاج ممکن ہی ہو۔

وہ یقین کے ساتھ کہہ رہی تھی کہ ہم دوبارہ آدمی بن سکیں گے۔لیکن یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ کہاں بن سکیں گے اور کس طرح۔

ہوسکتا ہے اپنی جان بچانے کے لیے ایسی کوئی بات کہہ بیٹھی ہو۔لیکن یہ حقیقت نہ ہو۔

دیکھا جائے گا۔لیکن سوال تو یہ ہے کہ صف شکن کے بارے میں کیسے معلوم کیا جائے۔

میں جاوں پہاڑ کی طرف۔

نہیں۔کچھ دیر اور انتظار کرو پھر ہم سبھی چلیں گے۔

اور ان کا کیا ہوگا؟۔

صف شکن ہی جانے،اس نے روکا نہ ہوتا تو اب تک ان کی ہڈیوں کا بھی پتا نہ چلتا۔

پتہ نہیں۔۔۔۔۔وہ ان کے ساتھ کس قسم کا برتاو کرنا چاہتا ہے۔

اس کے معاملات وہی جانے۔میں دخل اندازی نہیں کرسکتا۔

اتنے میں نکولس اور جیری ان کے قریب آ کھڑے ہوئے اور نکولس نے اشاروں میں بتانا شروع کیا کہ وہ بقیہ کیمروں کو بھی تباہ کردینے کے لیے جانا چاہتا ہے۔

پتہ نہیں کیا کہہ رہا ہے۔شارق بڑبڑایا۔

ماداوں نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر وہ بھی قریب ہی آ کھڑی ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کس طرح اپنی بات سمجھاو۔نکولس نے ان کی طرف مڑ کر کہا۔

کیا بات ہے؟۔سفید مادہ نے پوچھا۔

میں چاہتا ہوں کہ بقیہ کیمروں کو بھی تباہ کر دوں۔

کیا ہم اس غار سے بھی دیکھے جا رہے ہوں گے۔

نہیں۔

تو پھر اس عقل مند کی واپسی کا انتظار کرو۔ سوائے اس عورت لیزا کے اور کوئی نہیں جانتا کہ ہم یہاں ہیں۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔۔لیزا اس کے قابو میں تھی۔

پتہ نہیں وہ اسے کہاں لے گیا ہے؟۔

مجھے یقین ہے کہ وہ دھوکا نہیں کھائے گا۔

نکولس واپس چلا گیا۔ اور مادائیں وہیں کھڑی رہیں۔ شارق نے شہباز سے کہا۔

سردار کیا یہ سفید مادہ آپ کو پہچان لیتی۔

میں نہیں جانتا۔ شہباز غرایا۔

میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو پہچان سکتی ہے۔ کیونکہ سنہری مادہ طربدار کے علاوہ اور کسی کی طرف رخ نہیں کرتی۔

ارے تجھے ان کی فکر کیوں پڑی رہتی ہے۔ شہباز جھنجھلا کر بولا۔

ٹھیک اسی وقت اس حصے سے شور سنائی دیا تھا جہاں قیدی تھے۔ وہ تیزی سے اس طرف جھپٹے۔

جیری اور نکولس قیدیوں کی طرف ہاتھ ہلا ہلا کر چیخ رہے تھے۔ اور قیدی بھی کچھ کہہ رہے تھے۔

خاموش رہو۔۔۔۔۔خاموشی رہو۔ شہباز دونوں ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

دفعتاً اس طرح سناٹا چھا گیا۔ جیسے ان کی روحیں قبض کر لی گئی ہوں۔

نکولس مڑ کر مادوں سے کہنے لگا۔ یہ لوگ نکل بھاگنے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں۔

مارے جائیں گے۔ سفید مادہ نے کہا۔

یہ غلط ہے۔ ایک فیلڈور کر بولا۔

میں ایک بار پھر تمہیں سمجھادوں کہ اپنی موت کو دعوت نہ دو۔نکولس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

تم ہو کون؟۔خود کو کیا سمجھتے ہو؟۔فیلڈ ورکر کو بھی غصہ آ گیا۔

سفید مادہ نے شہباز کی طرف دیکھ کر کچھ اس قسم کے اشارے کئے جیسے کہہ رہی ہو کہ تم جاو۔اطمینان سے بیٹھو۔میں یہاں موجود ہوں۔سب کچھ سن اور سمجھ رہی ہوں۔اور کوئی ایسی ویسی بات ہوگی تو تمہیں آگاہ کردوں گی۔

دیکھا سردار۔شارق چہک کر بولا۔میں نہ کہتا تھا کہ آپ کو ضرور پہچانتی ہوگی۔

بکواس نہ کرو،آو۔وہ مڑتا ہوا بولا۔ صف شکن کی عدم موجودگی نے مجھے الجھن میں مبتلا کردیا ہے۔

وہ دونوں چلے گئے۔سفید مادہ فیلڈ ورکرز سے کہہ رہی تھی۔ہر چند تم لوگ مجرم ہو لیکن مجھے تم سے ہمدردی ہے۔

لڑکی،یقین کرو کہ تم ہم لوگوں کے توسط سے جانور نہیں بنائی گئی ہو۔

پارٹی کے لیڈر نے کہا۔ہم میں بددلی پھیلنے کی وجہ ہی تم دونوں ہو۔

اس سے بحث نہیں کہ کون ذمہ دار ہے۔لیکن تم بہر حال آلہ کار ہو۔آخر ان لوگوں کا کیا قصور تھا انہیں جانور بنادیا گیا۔

ہم تو اب اس پر بھی نادم ہیں۔قاعدے سے انہیں چاہئے تھا کہ ہمیں مار ڈالتے لیکن انہوں نے مہربانی کا سلوک کیا۔ہمیں اعتراف ہے کہ یہ بہر حال ہم سے بہتر ہیں۔

تو پھر شور شرابے کی کیا ضرورت ہے؟۔

نکولس ہمیں خواہ مخواہ چھیڑتا رہتا ہے حالانکہ یہ خود بھی ہمارا ساتھی رہ چکا ہے اور جب ان شکرالیوں کو جانور بنایا جارہا تھا اسے اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

نکولس نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا۔لیکن سفید مادہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔تم خاموش رہو۔

میں بھی تمہاری ہی ہمدردی میں اس حال کو پہنچا ہوں۔نکولس نے کہا۔

کئی بار کہہ چکے ہو۔ کب تک دہراتے رہو گے؟۔

یہ سنکی ہے۔ ایک فیلڈ ورکر بولا۔

نہیں، صرف چڑچڑا ہو گیا ہے۔ دوسرے نے کہا۔

ذرا شکل تو دیکھو؟۔ دوسرا بولا۔

جہنم میں جاو۔ نکولس پیر پٹخ کر دہاڑا اور وہاں سے چلا گیا۔ سارے فیلڈ ورکرز ہنس پڑے تھے۔ جیری وہیں کھڑا طرح طرح کے منہ بنا تا رہا تھا۔

سفید مادہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ دیکھو، یہ شکرالی کتنے اچھے ہیں کہ تم اس حال میں بھی ہنس سکتے ہو۔

ہمیں اس سے کب انکار ہے۔

تو پھر کیا خیال ہے؟۔

کس سلسلے میں؟۔ پارٹی لیڈر نے پوچھا۔

تمہیں ان کا ساتھ دینا چاہیئے۔

وہ کس طرح؟۔

یہ تو میں نہیں بتا سکتی، خود سوچو۔

دیکھو مس۔ پارٹی کے لیڈر نے کہا۔ ہم صرف اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ کسی ایسے حکم کی تعمیل نہ کریں۔ جس سے انہیں گزند پہنچتا ہو۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کس کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔

میرے لیے۔ دفعتاً غار کے دہانے کی جانب سے غراتی ہوئی سی آواز آئی اور وہ چونک کر اسی طرف متوجہ ہو گئے۔۔۔۔۔ عمران جانور کے روپ میں سامنے کھڑا تھا۔

اوہ۔۔۔۔ فادر۔۔۔۔۔ پارٹی کے لیڈر نے خوش ہو کر کہا۔ بہت اچھا ہوا تم آ گئے۔ نکولس تمہارے آدمیوں میں ہمارے خلاف نفرت پھیلا رہا ہے۔

میرے آدمیوں میں نہیں۔۔۔۔ جانوروں میں کہو۔

ہم نہیں بتا سکتے کہ کتنے شرمندہ ہیں فادر۔

فادر کے بچو۔۔۔۔۔۔تم سب نہ جانے کس وقت بھک سے اڑ جاو۔

کک۔۔۔۔۔کیا مطلب؟۔

وہ عورت یہاں کہیں ایک ٹائیم بم چھپا گئی ہے۔

خدا کی پناہ۔۔۔۔۔اب کیا ہوگا؟۔

صرف تمہاری ٹانگیں کھلوا دیتا ہوں۔نکل بھاگو۔

مگر جائیں گے کہاں؟۔

پہاڑوں کی طرف، کیا اس عورت کو سزا نہ دو گے؟۔

مگر وہ ہے کہاں؟۔

ہیڈ کوارٹر سے آیا ہوا ایک آدمی اسے مجھ سے چھین لے گیا۔لیزا نے اسی سے کہا تھا کہ وہ اس غار میں ایک ٹائیم بم رکھ آئی ہے۔

تب پھر خدا کے لیے جلدی کرو فادر۔

نکولس بھی آ گیا تھا۔اور جیری تو پہلے ہی سے وہاں موجود تھا۔عمران کے اشارے پر انہی دونوں نے جلدی جلدی ان کے پیر کھولے تھے۔

تم دونوں بھی انہی کے ساتھ جاو۔عمران نے ان سے کہا اور یہ لڑکیاں بھی تمہارے ساتھ ہوں گی۔

اور تم لوگ؟۔

ہماری فکر نہ کرو۔ہم بھی تمہارے پیچھے ہی پیچھے پہنچیں گے۔زندہ رہنا ہے تو اس پر ہمارا قبضہ ہونا چاہیئے۔

اگر ہمارا ساتھ دینا مقصود ہے تو پھر ہمارے ہاتھ بھی کھلوا دو۔پارٹی کے لیڈر نے کہا۔

ممکن ہے۔لیکن اسی صورت میں جب تم آسمانی باپ کی قسم کھا کر کہو کہ نکولس جیری

سے دشمنی نہیں کرو گے۔

ان سبھوں نے بیک آواز ہو کر قسم کھائی تھی۔

اچھا پہلے باہر تو نکلو۔ اور تیزی سے دوڑتے جاو۔ کچھ فاصلے طے کرنے کے بعد نکولس اور جیری تمہارے ہاتھ بھی کھول دیں گے۔

ہم ایسا ہی کریں گے۔ نکولس نے کہا۔

اور پھر وہ سب دوڑتے ہوئے غار سے باہر نکل گئے۔ شکرالی خاموش کھڑے سب کچھ دیکھتے رہے۔ عمران نے ان کی طرف مڑ کر قہقہہ لگایا اور بولا۔ بالکل گھامڑ۔

تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟۔ شہباز نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ انہیں آزاد کیوں کر دیا۔

اب ہم ان کے پیچھے دوڑ لگائیں گے۔ چلو نکلو۔ یہاں سے۔

وہ سب اپنے اپنے تھیلے اٹھا کر آہستہ آہستہ غار سے باہر نکلے تھے۔

میں نے انہیں پہاڑ کی جانب بھیجا ہے۔ تم بھی ان کے پیچھے اسی طرف جاو۔ عمران نے کہا۔

اور تم ۔۔۔۔۔؟

میں بھی عمارت ہی میں ملوں گا۔ لیکن دوسرے روپ میں۔

او بھائی صف شکن، رب عظیم کے لیے ہمیں الجھن میں نہ ڈالو۔ شہباز بولا۔

تم نے دیکھا تھا کہ وہ لوگ کتنے بدحواس ہو کر غار سے نکلے تھے۔

اسی پر تو حیرت ہے کہ تم نے ان سے کیا کہا تھا؟۔

یہی کہ لیزا غار میں کسی جگہ ایک ایسا بم چھپا گئی ہے۔ جو مخصوص وقت پر خود بخود پھٹ جائے گا۔

کیا یہ سچ ہے؟۔

میں تو سچ کر کے دکھاوں گا۔ تم لوگ ذرا دور ہٹ جاو۔ میں دھماکہ کرنے کا رہا ہوں۔

عمران نے کہا اور تھیلے سے ہینڈ گرینڈ نکال کر غار کے دہانے کی طرف اچھال دیا۔

زوردار دھماکہ ہوا تھا۔ اور وہ شمال کی طرف دوڑتے چلے گئے تھے۔

کچھ دور دوڑنے کے بعد عمران نے رکنے کو کہا تھا اور شہباز کے قریب پہنچ کر بولا تھا۔

پورے تیرہ عدد نہیں ہوں گے۔

میں نہیں سمجھا؟۔

میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا۔

تم کہاں ہوگے؟۔

پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ عمارت ہی میں ہوں گا۔ لیکن تم مجھے پہچان نہیں سکو گے۔ مگر نہیں، شاید میرا بھتیجا پہچان لے کیونکہ ایک بار وہ مجھے اس روپ میں دیکھ چکا ہے۔

سوال تو یہ ہے کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟۔

میں تم سبھوں کو وہیں لے جانا چاہتا ہوں۔ جہاں آدمی بن سکو گے۔ عمارت میں ایسی کوئی دوا موجود نہیں ہے لیکن کہیں نہ کہیں ضرور ہوگی۔

تو کیا ہم قیدی بنائے جائیں گے؟۔

مصلحتاً۔۔۔۔ لیکن تمہیں کوئی فکر نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ پوری عمارت پر میرا قبضہ ہوگا۔

تم جادوگر ہو۔۔۔۔۔۔ صف شکن۔

نہیں، ایک معمولی سا آدمی جس کا دماغ رب عظیم کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جب، جس طرح جو کام لینا چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ بس اب جاؤ۔ تمہیں ان کے ساتھ ہی ساتھ رہنا ہے۔ اگر ان کی نیت میں فتور دیکھو تو پھر تمہیں اختیار ہوگا۔ جس طرح بھی نپٹ سکتے ہو۔

☆

وہ سب لیزا کو گالیاں دیتے ہوئے پہاڑ کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔ انہوں نے دھماکا بھی سن لیا تھا۔ آخر ایک جگہ نکولس نے رکنے کو کہا۔ اور بولا۔

اتنے بدحواس ہوئے تو ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔

کرنا کیا ہے؟۔ ایک فیلڈ ورکر ہانپتا ہوا بولا۔

لیزا سے انتقام لینا ہے۔ جیری بولا۔

عقل کے ناخن لو۔ پارٹی لیڈر نے کہا۔ کیا ہمیشہ کے لیے اس جنگل کے قیدی بن کر رہنا چاہتے ہو؟۔

تو پھر ہم کیا کریں گے؟۔

جیسا وقت کا تقاضا ہوگا۔

وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ نکولس بولا۔

اب تم ہماری ذمہ داری ہو۔ پہلے ہم مریں گے پھر تم پر آنچ آئے گی۔ پارٹی کے لیڈر نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔

ٹھیک اسی وقت انہوں نے بہت سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنی تھیں۔

شاید وہ بھی ادھر ہی آ رہے ہیں۔ سنہری مادہ زور سے چیخی۔

کیا ہم چھپ جائیں؟۔ پارٹی لیڈر نے نکولس سے پوچھا۔

نہیں، میرا خیال ہے کہ اس کی ضرورت نہیں۔ اس نے انہیں سمجھا دیا ہوگا۔ اگر وہ ہماری زندگیوں کا خواہاں نہ ہوتا تو ہمیں ٹائم بم کی اطلاع دے کر وہاں سے نکل جانے کو کیوں کہتا۔

یہ بھی ٹھیک ہے۔

وہ وہیں رک کر انتظار کرتے رہے۔ پھر گھوڑے دکھائی دیئے جو سیدھے انہی کی طرف آ رہے تھے۔

قریب پہنچ کر وہ گھوڑوں سے اترے تھے۔ اور ان کے قریب ہی کھڑے ہو گئے

تھے۔نکولس انہیں اشاروں میں سمجھانے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ پہاڑ کی طرف جانا چاہتے ہیں۔

تیرھواں گھوڑا خالی تھا۔شہباز نے ماداوں کی طرف اشارہ کیا کہ وہ دونوں اس پر بیٹھ جائیں اور پھر بقیہ گھوڑوں پر انہوں نے فیلڈ ورکرز نکولس اور جیری کو بیٹھنے کی دعوت دی تھی۔اس طرح ہر گھوڑے پر دو دو آدمی تھے۔اور تیرہ گھوڑے پہاڑ کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔

نکولس شارق کے حصے میں آیا تھا اور اس کے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ کیوں کہ شارق نے زور زور سے گانا شروع کر دیا تھا۔

گھوڑے دوڑتے رہے۔وہ ان جانوروں سے گفتگو کرنا چاہتے تھے۔لیکن مجبور تھے۔تیرھواں نہ جانے کہاں رہ گیا تھا؟۔

دفعتاً شارق نے شہباز کی آواز سنی۔ارے تو کیوں حلق پھاڑ رہا ہے؟۔

کیا رجز نہ پڑھوں سردار۔شارق نے چیخ کر کہا۔کیا ہم ان پر حملہ آور ہونے نہیں جا رہے ہے؟۔

شہباز اپنا گھوڑا اسی کے برابر لے آیا۔

کیا وہ تمہیں کوئی خاص ہدایت دے گیا ہے؟۔اس نے شارق سے سوال کیا۔

نہیں تو سردار۔بھلا میری کیا حقیقت ہے کہ مجھے وہ معلوم ہو جو تمہیں نہ معلوم ہو۔

ہم پہاڑ کے پاس پہنچ کر کریں گے کیا؟۔

چچا نے یہ بات تو تمہیں بتائی تھی کہ دس قیدیوں میں سے وہ چار قیدی ہیں جو بعد میں آئے تھے عمارت تک پہنچنے کے راستے سے واقف ہیں۔

ہاں مجھے یاد ہے۔

تب پھر وہ باہر ہی تو ٹھہرے رہیں گے۔

سوال یہ ہے کہ ہم۔۔۔۔؟ شہباز کچھ کہتے رک گیا۔اس نے کچھ چیخیں سنی تھیں اور

اگلے گھوڑے رکتے دیکھے تھے۔

کیا ہوا؟ شارق بولا۔

پتہ نہیں۔ کہتا ہوا شہباز اپنا گھوڑا آگے بڑھا لے گیا۔

دونوں مادائیں گھوڑے سے گر گئیں تھیں اور پڑی چیخ رہی تھیں۔

شارق اپنے گھوڑے سے کود کر انہیں اٹھانے لگا پھر شہباز سے بولا۔ یہ بیچاریاں کیا جانیں گھوڑے پر کیسے بیٹھتے ہیں۔ ہونا یہ چاہئے کہ اپنی کو آپ سنبھالیں اور طربدار اپنی والی کو۔

مت بکواس کر۔

سردار۔۔۔۔ یہ سفید مادہ پوری قوم کی عزت بن گئی ہے۔ کسی اور کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتی۔

سچ مچ اتنا ماروں گا کہ بے ہوش ہو جائے گا۔

اچھا دوسری کو تو طربدار کے حوالے کیجیے۔

میں کچھ نہیں جانتا۔

او طربدار بھائی۔ شارق نے ہانک لگائی۔ کیا بے غیرت بھی ہو گئے۔ آ کر اٹھاؤ اپنے وبال کو۔ میں مادر قوم کی خدمت میں ہوں۔

چپ رہ بد بخت۔ شہباز دانت پیس کر بولا۔

دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور سنہری مادہ سچ مچ طربدار کے گھوڑے کی طرف جھپٹی تھی۔ اور طربدار کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچنے لگی تھی۔

قیدی کو اتار کر اسے بٹھا لے۔ شہباز نے گرج کر کہا۔

اس طرح وہ طربدار کے گھوڑے پر پہنچ گئی تھی۔ لیکن سفید مادہ وہیں کھڑی شہباز کو گھورتی رہی۔

نکولس کو اتار۔۔۔۔ اسے بٹھا لے اپنے گھوڑے پر۔ شہباز نے شارق سے کہا۔

اور اپنا گھوڑا آگے بڑھا لے گیا۔

شارق نے نکولس کو اپنے گھوڑے سے اتار کر خالی گھوڑے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ پھر وہ طربدار کے گھوڑے سے اترنے والا فیلڈ ورکر اس گھوڑے پر بیٹھ گئے تھے۔ شارق نے بڑے ادب سے سفید مادہ کو گھوڑے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر شارق کے گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ شارق گھوڑے کی لگام پکڑے پیدل ہی چلتا رہا۔ ظاہر تھا کہ وہ اس طرح سواروں کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ وہ سب جلد ہی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

سفید مادہ شارق سے کہہ رہی تھی وہ بھی بیٹھ جائیے۔ لیکن وہ انجان بنا چلتا رہا۔ انداز سے سمجھ تو گیا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے قریب آتے ہوئے کسی گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی تھی۔ لیکن وہ معمولی رفتار ہی سے چلتا رہا۔ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ واپس آنے والا شہباز کے علاوہ اور کوئی نہ ہوگا۔

یہ تو پیدل کیوں چل رہا ہے؟۔ شہباز نے قریب پہنچنے سے قبل ہی پوچھا۔

اب تم مجھے گولی ہی مار دو سردار۔ شارق بولا۔

چل بیٹھ۔

لیزا کے حصے میں خواب آور دوائی آئی تھی۔ یا پھر انجکشن جو قوت ارادی کا تیا پانچہ کر کے رکھ دیتے تھے۔

ویسے عمران حقیقتاً وقت گزاری کر رہا تھا۔ اسے ہیڈ کوارٹر سے جانوروں کے بارے میں واضح احکامات کا انتظار تھا۔ لیزا کی طرف سے ہیڈ کوارٹر کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ لڑکیوں کے ساتھ ہی سارے جانور بھی پکڑے گئے ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے سارے جنگل کو سر پر اٹھا رکھا تھا۔ مقامی شراب پی کر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے تھے۔ خدشہ تھا کہ کہیں وہ سب ختم ہی نہ ہو جائیں۔ اس اطلاع پر ہیڈ کوارٹر سے جواب آیا تھا کہ

بہت جلد ان سے متعلق کوئی فیصلہ کر کے آگاہ کر دیا جائے گا۔ لیکن اٹھارہ گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی بہت جلد کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔

اس وقت وہ سب ہال میں اکٹھا تھے۔ ایک شخص کلارنٹ بجا رہا تھا اور دوسرا بونگو ۔۔۔۔ جتنی بھی لڑکیاں تھیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے پارٹنر بدل بدل کر رقص کئے جا رہی تھیں۔ البتہ عمران کی حیثیت صرف ایک تماشائی کی سی تھی۔ نہ تو اس نے کسی سے رقص کی درخواست کی تھی۔ اور نہ کسی لڑکی ہی کو اس کی طرف بڑھنے کی ہمت ہوئی تھی۔ بس ایک لولیتا تھی جو مسلسل سوچے جا رہی تھی کہ شاید وہ اس سے درخواست کرے۔

ویسے عمران خصوصیت سے کسی کی طرف بھی متوجہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد لولیتا ہی اس کی طرف آئی تھی۔

آپ رقص نہیں کریں گے؟۔ اس نے بڑی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

رقص؟۔ وہ چونک کر بولا۔ صرف دیکھنے کی حد تک شائق ہوں۔

بڑی عجیب بات ہے؟۔

لوگوں سے ذہنی طور پر دور رہنا میرا مقدر ہے اچھی لڑکی۔

آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔

یہی ذہنی دوری کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

لیکن میں آپ سے قریب رہنا چاہتی ہوں۔

اس کے باوجود بھی دوری برقرار رہے گی۔ میں کسی کی بھی ذہنی سطح کے برابر آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

یہاں کی زندگی میں پہلی بار ہل چل نظر آئی ہے۔ اور یہ ہل چل کتنی خوشگوار ہے۔

آپ کچھ بھی ہوں لیکن دوسروں کا خیال بہت رکھتے ہیں۔

میں نے کبھی نہیں چاہا کہ لوگ میرے ہی جیسے ہو جائیں۔

اور یہی آپ کی عظمت کا ثبوت ہے۔

عظمت نہیں اسے ناکارہ پن کہو۔

میں نہیں سمجھی؟۔

وہ جو دوسروں کو اپنے سانچے میں نہ ڈال سکیں۔ ناکارہ ہی کہلاتے ہیں۔ انہیں بے فیض سمجھتے ہیں۔

میں تو نہیں سمجھتی۔

فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ ابھی بہتیرے باقی ہیں لڑکیاں کم ہیں۔

میں تو اب تھک گئی ہوں۔ اس سے زیادہ مجھے آپ کی باتوں میں لطف آ رہا ہے۔

یہ بھی کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔

میں نہیں سمجھی؟۔

اس طرب گاہ سے ویرانے کی طرف دوڑ نہ لگاؤ۔ میرے پاس کچھ دیر ٹھہری تو زندگی ہی سے بیزار ہو جاؤ گی۔

میں لوگوں کے باطن میں بھی جھانک سکتی ہوں۔

یہ صلاحیت تو ذہنی سکون کے لیے زہر ثابت ہوتی ہے لولیتا۔ عام لوگوں کی طرح زندگی گزارنا سیکھو۔ میں اسی لیے ویران ہو گیا ہوں کہ دوسروں کے باطن میں اتر جاتا ہوں۔

میرے بارے میں کیا خیال ہے؟۔

باطن میں اتر کر آئینہ دکھانا میری سرشت نہیں ہے۔ دوسروں کے داغ اپنے چہرے پر سجا لیتا ہوں۔

پھر بھی بتائیے تو؟۔

تم میری طرف رخ بھی نہیں کرو گی اگر آئینہ دکھا دیا۔

آپ بتائیے تو سہی؟۔

بایاں ہاتھ ادھر بڑھاؤ۔

لولیتا نے بائیں ہتھیلی سامنے کر دی۔

عمران اسے بغور دیکھتا رہا۔ پھر حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

کک ۔۔۔۔۔ کیا بات ہے؟ ۔وہ گڑبڑا گئی۔

مت پوچھو۔

بتائیے تو سہی؟۔

تم نے اپنی بہن کے شوہر سے رشتہ استوار کیا تھا؟۔

نن ۔۔۔۔ نہیں ۔اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔ اور دوڑتی ہوئی رقاصوں میں جا ملی تھی۔

عمران کی مسکراہٹ گھنی مونچھوں سے برآمد ہونے کی کوشش کرتی رہ گئی۔

پھر سر یناسر پر مسلط ہوتی نظر آئی ۔شاید وہ انہیں دیکھتی رہی تھی۔

آپ نے اس کا ہاتھ دیکھ کر کیا بتایا تھا کہ اس طرح بھاگ گئی؟۔ اس نے چہکی ہوئی سی آواز میں سوال کیا۔

بچوں کی تعداد۔

وہ منہ دبا کر ہنسی تھی۔

عمران ناگواری کے ساتھ بولا تھا۔ میں لیزا کی علالت سے تشویش میں مبتلا ہوں۔ اور وہ مجھ سے رقص کرنے کو کہہ رہی تھی۔ حیرت اس پر ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ کوئی طبیب بھی نہیں ہے۔ پتا نہیں ہیڈ کوارٹر کو اس کی اطلاع بھی ہے یا نہیں۔

کیا آپ کو علم نہیں کہ مادام لیزا ڈاکٹر آف میڈیسن بھی ہیں؟۔

ہوا کرے۔ اپنا علاج تو وہ خود نہیں کر سکتی۔ آخر کون بتائے کہ اس پر بار بار غفلت کیوں طاری ہو جاتی ہے۔

مجھے تو اب ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے اب وہ ہم میں سے کسی کو پہچانتی ہی نہ ہوں۔

قیدیوں کا کیا حال ہے؟۔

فیلڈ ورکرز مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ جانور کہاں گئے؟۔

پھر تم نے کیا کہا؟۔

آپ کی ہدایت کے مطابق لاعلمی ہی ظاہر کی تھی۔

کیا وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہیں؟۔

نہیں جناب، وہ اب بھی مادام گوردو کے خلاف اپنے غصے کا اظہار کر رہے ہیں۔

حالانکہ گوردو انہی کی رہائی کے سلسلے میں اس حال کو پہنچی ہے۔

مجھے تفصیل کا علم نہیں ہے جناب۔

یہی بہتر ہوگا کہ تم اپنے کام سے کام رکھو۔

میں تو شروع ہی سے اسی اصول پر کاربند ہوں۔

اسی لیے میں نے تمہارا انتخاب کیا تھا۔ پورے عملے میں تین بہترین افراد چن لیے ہیں۔ تم، روبن اور لولیتا۔

شکریہ جناب۔

ٹھیک اسی وقت انہوں نے ہال کے باہر راہداری میں چیخیں سنی تھیں اور پھر لیزا لڑکھڑاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اس کی بڑی بڑی اور سرخ آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلی پڑتی تھیں۔

یہاں شور کیوں ہو رہا ہے۔ وہ چیخ کر بولی۔ لیکن اس کی آنکھیں بھیڑ کی طرف نگراں نہیں تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کوئی نابینا عورت اپنی بے نور آنکھوں سے خلا میں گھورے جا رہی ہو۔ صرف شور سن رہی ہو کچھ دیکھے بغیر۔

بتاؤ، شور کیوں ہو رہا ہے۔ کیا تم سب بہرے ہو گئے ہو؟۔

عمران جھپٹ کر اس کے قریب پہنچا اور سہارا دیتا ہوا بولا۔ یہ تم نے کیا کیا گوردو، تم اس حالت میں نہیں ہو کہ اپنے اعصاب پر زور ڈالو۔

ہاٹ ۔۔۔۔ جاو ۔وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر چیخی ۔ میں سب کو فنا کر دوں گی ۔ یہ جانور میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔

ہاں ۔۔۔۔۔ ہاں ۔ میں نے سبھوں کو گرفتار کر لیا ہے ۔تم اپنے کمروں میں چلو ۔

سب کچھ تباہ کر دوں گی اگر میرا بچہ آدمی نہ بنا ۔

تمہارا بچہ ۔۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ ۔

ہاں میرا بچہ ۔۔۔۔۔۔ میرا بچہ ۔۔۔۔۔۔ میرا بچہ ۔ وہ زور سے چیختی رہی پھر بے ہوش ہو کر عمران کی داہنی کلائی پر جھول گئی ۔

مجمے پر پہلے ہی سناٹا چھا گیا تھا عمران بایاں ہاتھ اٹھا کر بولا ۔اب بس ۔ یہ سب کچھ ختم کرو ۔لیزا گوردو کی حالت نازک ہے ۔

پھر اس نے بے ہوش لیزا کو ہاتھوں پر اٹھا لیا تھا ۔اور اس کی خواب گاہ کی طرف چل پڑا تھا ۔لولیتا اور سرینا اس کے پیچھے تھیں ۔

اسے بستر پر لٹانے میں انہوں نے مدد دی تھی ۔دونوں ہی پریشان نظر آ رہی تھیں ۔

آخر انہیں ہوا کیا ہے؟ ۔لولیتا گہری گہری سانسیں لے کر بولی ۔

میں نہیں سمجھ سکتا ۔

سچ مچ عمران کو لیزا کی طرف سے تشویش ہو گئی تھی ۔قوت ارادی پر اثر انداز ہونے والے انجکشنوں کا کورس طویل ہوتا جا رہا تھا ۔لیکن اس کے علاوہ اور کوئی صورت بھی اسے قابو میں رکھنے کی نہیں تھی ۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ انجکشن کی کثرت لیزا کو ذہنی اختلال کی طرف بھی لے جا سکتی ہے ۔

میں اندر آ سکتا ہوں؟ ۔باہر سے روبن کی آواز آئی ۔

آ جاو ۔عمران لیزا پر نظر جمائے ہوئے بولا ۔

روبن اندر داخل ہو کر خاموش کھڑا رہا ۔وہ بھی لیزا کی طرف پر تشویش نظروں سے دیکھے جا رہا تھا ۔عمران نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا ۔کتنا اچھا ہو ۔اگر تم میں سے کوئی

یہیں ٹھہر کر لیزا کی نگہداشت کر سکے۔

میں ٹھہر جاوں گی جناب۔سرینا بولی۔

بہت بہت شکریہ۔عمران نے کہا اور روبن سے بولا۔تم میرے ساتھ آپریشن روم تک چلو۔

وہ سامنے کی طرف بڑھ گیا۔لولیتا بھی انہی کے ساتھ نکلی تھی۔لیکن عمران کے ساتھ جانے کی بجائے دوسری طرف مڑ گئی تھی۔وہ اب اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے بھی ہچکچاتی معلوم ہوتی تھی۔

آپریشن روم میں پہنچ کر عمران روبن کی طرف مڑا اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ مجھے سخت حیرت ہے۔

روبن کچھ نہ بولا۔

میری عدم موجودگی میں تم لوگ کیا کرتے؟۔

میں نہیں سمجھا جناب؟۔

اگر لیزا کبھی ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم رکھنے سے معذور ہو جاتی تو تم کیا کرتے؟۔

ہم ہیڈ کوارٹر کو مطلع کر دیتے۔

کس طرح؟۔تم کوڈ سے تو واقف نہیں؟۔

ایسے حالات میں ہم سیدھے سادھے الفاظ میں پیغام بھیج سکتے ہیں۔لیکن یہ ہدایت بھی ہر ایک کے لیے نہیں ہے۔صرف مجھے یہ اختیار مادام گوردو کی طرف سے ملا ہے۔

اوہ، یہی تو میں کہہ رہا تھا کہ ایسا ناممکن ہے۔کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور ہو گا۔

آپ کو علم نہیں تھا جناب؟۔روبن نے حیرت سے کہا۔

آرگنائیزیشن کا ہر فرد اپنے فرائض کی ادائیگی تک ہی محدود رکھا جاتا ہے اور انہی کی مناسبت سے اس کی معلومات بھی محدود ہوتی ہیں۔بہر حال۔جب تک میں یہاں موجود ہوں تم لوگ بےفکری سے اپنا کام کرو۔

آخر مادام کو کیا ہو گیا ہے؟۔

میں خود بھی اس سلسلے میں پریشان ہوں روبن۔ میرا خیال ہے کہ اب اس کی جگہ کوئی اور لے گا۔ میں ہیڈ کوارٹر کو یہاں کے حالات سے آگاہ کر چکا ہوں۔

آپ نہ ہوتے تو ہم سچ مچ بڑی دشواریوں میں پڑ جاتے۔

بس جاؤ۔۔۔۔اب آرام کرو۔

تھوڑی دیر بعد عمران تیسرے پوائنٹ کے اس کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں جیری اور نکولس کو رکھا گیا تھا۔ وہ دونوں خاصے پریشان نظر آ رہے تھے۔

عمران کو دیکھ کر ان کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔ وہ خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ پھر جیری کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ تم سے کیا غلطی سرزد ہوئی تھی؟۔

مم۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔مگر آپ کون ہیں۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا؟۔

میں ہی ہوں جس نے لیزا کو ان درندوں سے رہائی دلائی ہے۔ اور تمہاری گرفتاری کا بھی باعث بنا ہوں۔

میرا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔

اور تم؟۔ عمران نے نکولس کی طرف دیکھ کر کہا۔

میں نے دو سفید فام لڑکیوں کے جانور بنائے جانے پر احتجاج کیا تھا۔ نکولس نے سنبھالا لے کر کہا۔ ویسے جیری کو میری ہی وجہ سے جنگل میں پھنکوا دیا گیا تھا۔

پھر اس نے عمران کے مزید استفسار پر اپنی اور جیری کی پوری کہانی دہرائی تھی اور عمران بغور سننے کی اداکاری کرتا رہا تھا۔

کیا ہوتا رہا ہے یہاں۔ بالآخر وہ بہت زیادہ حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

وہ اذیت پسند، ظالم اور لالچی ہے۔ نکولس نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

تو تم نے ان جانوروں کو بھی سب کچھ بتا دیا ہے۔

مجھے شکر ادا نہیں آتی۔

لیزا کہہ رہی تھی کہ ان جانوروں میں کوئی انگلش بھی بول سکتا ہے؟۔

نکولس نے استہزائیہ قہقہہ لگا کر کہا۔ واقعی وہ بہت چالاک عورت ہے۔ اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اچھی کہانی گڑھی ہے۔ وہ اور اس کے فیلڈ ورکرز اول درجے کے جھوٹے ہیں۔

عمران نے جیری کی طرف دیکھا۔

میرے لیے بھی یہ اطلاع مضحکہ خیز ہے۔ جیری نے کہا۔

عمران نے طویل سانس لی۔ ان دونوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا کہ یہ کسی انگلش بولنے والے جانور کا ذکر تک زبان پر نہیں لائیں گے۔

اچھی بات ہے۔ وہ آہستہ سے بولا۔ میں تمہارا کیس ہیڈ کوارٹر تک پہنچاؤں گا۔

مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ نکولس نے بیزاری سے کہا۔

میں نہیں سمجھا؟۔ عمران نے حیرت سے کہا۔

ایک جانور کو ان باتوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔

ہو سکتا ہے تم پھر آدمی بن سکو۔

یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا۔

یقین دہانی میرے اختیارات سے باہر کی چیز ہے۔

وہاں سے نکل کر اس نے جانور کی کھال پہنی تھی۔ اور اس کمرے میں جا پہنچا تھا جہاں فیلڈ ورکرز قید تھے۔ ان میں کچھ جاگ رہے تھے۔ اور کچھ سو چکے تھے۔

یہ میں ہوں دوستو، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اگر میں پیچھے نہ رہ جاتا تو تمہیں رہائی نہ دلا سکتا۔ عمران نے کہا۔

لیکن تم اندر کیسے پہنچے؟۔ ایک نے سوال کیا۔

اس کی فکر نہ کرو۔ بس یہاں سے فرار کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ورنہ جیسی باتیں میرے علم میں آئی ہیں۔ اس کے مطابق کل صبح ناشتے میں تم لوگوں کو زہر دے دیا جائے گا۔

پھر تو وہ بری طرح بوکھلا گئے تھے۔ اور سوئے ہوؤں کو جگانا شروع کر دیا تھا۔

عمران خاموش کھڑا رہا۔

کچھ دیر تک انہوں نے آپس میں مشورے کئے تھے۔ پھر پارٹی کے لیڈر نے عمران سے کہا۔ ہمارے پاس تو اسلحہ بھی نہیں ہے؟۔

ہمارے پاس بھی نہیں ہے۔ عمران بولا۔

لیکن تم لوگ آزاد ہو۔

ہم لوگ نہیں، بلکہ صرف میں۔ وہ سب قیدی ہیں۔

تو پھر بتاو، ہم کیا کریں؟۔

نکل بھاگو جنگل کی طرف۔

وہاں کیا کریں؟۔

ہم لوگوں کی واپسی کا انتظار۔ جنگل میں پھلدار درخت بھی بکثرت ہیں۔ اور شکار بھی ہیں۔ بھوکے نہیں مرو گے۔

تمہیں یقین ہے کہ ہمیں زہر دیا جانے والا ہے؟۔

ہاں، ظاہر ہے کہ اب وہ تمہارے دوست نہیں رہے۔ ورنہ تم قیدی کیوں بنائے جاتے۔

یہ بھی ٹھیک ہے۔ پارٹی لیڈر نے کہا اور اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ میری دانست میں یہ تجویز مناسب ہے کہ ہم جنگل ہی میں واپس چلے جائیں۔

اچھا تو پھر سنو، میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم لوگ بالکل نہتے ہو۔ جس آلاو کے گرد ہم نے موت کا رقص کیا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک کھوکھلے تنے والا خشک درخت ہے۔ اس میں رائفلیں اور ڈیڑھ سو راونڈ موجود ہیں۔ انہیں سنبھال لینا۔

بہت بہت شکریہ فادر۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر کبھی اس لعنت سے نجات مل سکی تو شریف آدمیوں کی سی زندگی بسر کریں گے۔

ضرور۔۔۔۔ضرور۔۔۔۔۔اب اٹھواور اسی وقت نکلو چلو۔عمران سر ہلا کر بولا۔



دوسری صبح سرینا فیلڈ ورکرز کے لیے ناشتہ لے کر وہاں پہنچی تو کمرہ خالی نظر آیا۔ تھوڑی دیر حیرت سے چاروں طرف دیکھتی رہی۔پھر ناشتے کی ٹرالی وہیں چھوڑ کر دوڑتی ہوئی لفٹ تک پہنچی تھی۔

کچھ دیر بعد عمران کے سامنے کھڑی رہی تھی۔اور وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

میرا قصور نہیں ہے جناب۔وہ بالآخر بولی۔

پھر کس کا قصور ہے؟۔عمران دہاڑا۔

مجھ سے کبھی کسی نے اس لہجے میں گفتگو نہیں کی۔وہ روہانسی ہو کر بولی۔

اور تم سے کبھی کوئی ایسی غلطی بھی سرزد نہ ہوئی ہوگی؟۔

ہم اس عمارت کے رازوں سے ناواقف ہیں، جتنا مادام نے بتا دیا تھا۔اس سے زیادہ نہیں جانتے۔

تم صرف اپنی بات کرو۔اگر وہ فیلڈ ورکرز بھی تمہاری ہی طرح لاعلم ہوتے تو نکل کیسے جاتے؟۔

وہ خاموش کھڑی رہی اور عمران اٹھتا ہوا بولا۔میں واپس چلا جاوں گا۔یہاں کا چارج نہیں لے سکتا۔ابھی ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کرتا ہوں۔

وہ اسے وہیں چھوڑ کر آپریشن روم کی طرف چل پڑا تھا۔لیکن آپریشن روم خالی نظر آیا۔

ٹیلی پرنٹر کے ذریعے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کرنے کا وقت قریب آ گیا تھا اور پھر کسی اور کی موجودگی بھی ضروری نہیں تھی۔اس لیے وہ وہیں بیٹھ گیا۔

نظر دیوار سے لگے ہوئے کلاک پر تھی۔ جانوروں کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آخر اتنی دیر کیوں؟۔وہ سوچ رہا تھا۔کہیں ہیڈ کوارٹر سے سچ مچ کوئی آدمی نہ آپہنچے۔اس صورت میں دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ساری محنت برباد ہو جائے۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ ٹیلی پرنٹر پر پیغام کی آمد شروع ہوگئی تھی وہ اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا۔

سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا پیغام طویل تھا۔ساتھ ہی ساتھ وہ اسے ڈی کوڈ بھی کرتا رہا۔

گوردو۔۔۔۔۔لڑکیوں سمیت سارے جانوروں کو وہاں سے روانہ کر دو ۔۔۔۔۔ایسا ہیلی کاپٹر بھیجا جائے گا۔جس میں دس افراد کی گنجائش ہوگی ۔۔۔۔۔دو پھیروں میں تم یہ کام نپٹا سکو گی۔۔۔۔انہیں بے ہوش کر کے روانہ کرنا۔۔۔۔کم از کم ایک گھنٹے کی بے ہوشی ہونی چاہئے ورنہ ہوسکتا ہے وہ ہنگامہ برپا کر دیں۔

اس کے علاوہ عمارت کے انتظامی امور سے متعلق بھی کچھ ہدایات تھیں۔عمران نے مکمل پیغام اور ڈی کوڈ کئے ہوئے مضمون کو نظر آتش کر دیا۔اور اب وہ پھر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔۔۔۔سرینا خلاف توقع وہیں بیٹھی ہوئی ملی۔

اوہ۔۔۔تم یہیں ہو؟۔عمران نے حیرت سے کہا۔

اپنی صفائی میں مزید کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

اوہ۔۔۔بھول جاو۔عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔جو کچھ ہو چکا۔فی الحال اس کا ازالہ ممکن نہیں۔لہذا اس کے بارے میں بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔

میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ ان راستوں سے بھی واقف تھے جس کا علم مجھے نہیں۔

یہ تم پہلے بھی کہہ چکی ہو۔آخر مجھے ناشتہ کب ملے گا؟۔

اوہ۔۔۔۔ مجھے بے حد افسوس ہے جناب، اس وقوعے نے میرے اعصاب پر برا اثر چھوڑا ہے۔

ختم بھی کرو۔۔۔۔ دیکھا جائے گا۔

وہ اس کا شکریہ ادا کر کے کمرے سے چلی گئی۔ عمران سوچ رہا تھا کہ جو کچھ بھی کرنا ہے جلد ہی کرنا چاہیئے۔ پتہ نہیں ہیلی کاپٹر کب پہنچ جائے۔

سرینا نے واپسی میں دیر نہیں لگائی تھی۔

عمران کا رویہ اس کے ساتھ ایسا ہی رہا جیسے کچھ دیر پہلے کی ساری باتیں قطعی طور پر فراموش کر چکا ہو۔ لیکن سرینا شاید اسی سے متعلق گفتگو کرنے کے لیے بے چین تھی۔

زنانہ اور مردانہ قیادت کا فرق آج ہی معلوم ہوا ہے۔ وہ بالآخر بولی۔

میں نہیں سمجھا۔

مادام کم از کم مجھے ایک ہفتے تک سخت سست کہتی رہتیں۔

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جو ہوا سو ہوا۔ اب اس کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے۔ اس سے نپٹنے کی تیاری کرنی چاہیئے۔ باتوں میں کیا رکھا ہے۔

کاش آپ شروع ہی سے ہمارے سربراہ ہوتے۔

میں کسی وقت بھی واپس جا سکتا ہوں۔

وہ کچھ نہ بولی۔ ناشتہ کر چکنے کے بعد عمران نے کہا۔ جاتے جاتے روبن کو میرے پاس بھیجتی جانا۔

بہت بہتر جناب۔

وہ چلی گئی اور عمران اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر بعد روبن پہنچا تھا۔

میں اپنے بعد یہاں کا چارج تمہیں دیتا ہوں۔ عمران نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

مم۔۔۔۔ مگر جناب۔

تمہارے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا۔تمہارا رویہ لیزا کے ساتھ ہمدردانہ ہوگا۔

وہ تو ٹھیک ہے جناب،لیکن مجھ میں انتظامی صلاحیت نہیں ہے۔

میری جگہ جلد ہی کوئی آدمی یہاں پہنچ جائے گا۔عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ تمہیں سب سے اہم کام یہ انجام دینا ہے کہ جانوروں کو ہیلی کاپٹر پر پہنچادو۔

جج۔۔۔۔۔جانوروں کو۔وہ بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

ڈرو نہیں۔۔۔وہ تمہیں بے ہوش ملیں گے۔سٹریچر پر اٹھوا کر ہیلی کاپٹر تک پہنچوا دینا۔دس افراد کی گنجائش والا ہیلی کاپٹر آئے گا۔تیرہ جانور ہے۔ایک نکولس اور دو لڑکیاں۔آٹھ آٹھ کے دو پھیرے ہوں گے۔لڑکیاں بھی بے ہوش ہوں گی۔اور اب دوسری بہت اہم بات سنو۔جس کی وجہ سے مجھے فوری طور پر رخصت ہونا پڑا ہے۔

عمران خاموش ہوگیا۔اور روبن مضطربانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔تھوڑی دیر بعد عمران بولا۔فیلڈورکرز فرار ہوگئے ہیں۔

نہیں۔روبن اچھل پڑا۔

ہاں۔۔۔۔۔لیزا نے انہیں شاید پوری راستوں سے آگاہ کر دیا تھا۔میں سمجھا تھا کہ وہ صرف آمدورفت کے راستے سے آگاہی رکھتے ہوں گے۔

یہ تو بہت برا ہوا جناب۔

تم فکر نہ کرو۔میں تنہا قابل ہوں کہ انہیں پہاڑ کے نزدیک بھی نہ آنے دوں۔ اور زیادہ سرکشی دکھائیں گے تو ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

روبن تھوک نگل کر رہ گیا۔

اور ہاں۔۔۔۔۔جیری قطعی بے قصور ثابت ہوا ہے۔اس نے ان دسوں کا ساتھ نہیں دیا۔وہ موجود ہے۔

میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ آخر جیری کس قصور کی بنا پر جنگل میں پھکوایا گیا تھا۔ لیزا ہی بتا سکے گی۔میں نہیں جانتا۔بہر حال وہ یہیں رہے گا۔اور اس کی حیثیت بھی

بحال رہے گی۔

بہت بہتر جناب۔

نکولس اور لڑکیوں کو ایک ہی کمرے میں اکٹھا کروں گا۔ اور جیری تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔

بہت بہتر جناب۔

بس اب جاو، بہت بڑی ذمہ داری سونپ رہا ہوں۔ اور یقین کرو کہ مستقبل قریب میں تمہیں اس کا فائدہ معلوم ہو گا۔

شکریہ جناب۔

روبن کے چلے جانے کے بعد وہ پھر کمرے سے نکلا تھا اور لفٹ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

☆

وہ سب خاموش تھے۔ حتی کہ شارق کی بھی زبان بند تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ سچ مچ جانور ہی ہوں۔

اچانک ایک جانب دیوار میں شگاف نمودار ہوا۔ اس تبدیلی سے قبل ہلکی سی آواز بھی ہوئی تھی۔ اور وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

شگاف سے نکولس برآمد ہوا تھا۔ اس کے پیچھے دونوں مادائیں تھیں۔ اور پھر انہوں نے صف شکن کی آواز سنی۔

بھڑکنے کی ضرورت نہیں ساتھیوں۔۔۔۔

وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ دیوار کا شگاف غائب ہو چکا تھا۔

تم جادو کرتے پھر رہے ہو میرے بھائی صف شکن۔ شہباز کی کپکپاتی ہوئی آواز آئی۔

ہم منزل سے قریب ہیں۔عمران بولا۔

مگر چچا۔۔۔۔شارق نے کچھ کہنا چاہا۔

خاموش رہو، بھتیجے میں بہت تھک گیا ہوں۔

میں پیر دبا دوں؟۔

نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو۔ہم یہاں کل سولہ عدد ہیں۔آٹھ آٹھ کی تعداد میں کہیں اور پہنچائے جائیں گے۔ادھر اس دیوار کی طرف دیکھو۔جیسے ہی سرخ روشنی نظر آئے۔ہمیں فوری طور پر بیہوش بن جانا پڑے گا۔

پتہ نہیں تم کیا کر رہے ہو۔میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔شہباز نے کہا۔

ہم بے ہوش بنے پڑے رہیں گے۔اور وہ ہم میں سے کسی آٹھ کو اٹھا لے جائیں گے۔لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔چپ چاپ چلے جانا۔ایک اڑنے والی مشین تمہیں کہیں پہنچا کر واپس آ جائے گی۔اور پھر بقیہ کو اٹھا لے جائیگی۔

آخر وہ بقیہ آٹھ کب تک بیہوش پڑے رہیں گے؟۔طربدار نے سوال کیا۔

جیسے ہی وہ آٹھوں کو لے جائیں اور راستہ بند ہونے کی آواز سنو ہوش میں آ جانا۔لیکن تمہیں دیوار پر ہونے والی سرخی پر نظر رکھنی پڑے گی۔

پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو۔پہلے وہ روشنی دکھائی تو دے؟۔شہباز بولا۔

وہ روشنی پل بھر کے لیے نظر آئے گی۔اور پھر غائب ہو جائے گی۔جیسے ہی نظر آئے بے ہوش ہو جانا۔ان کے جانے کے بعد ہوش میں آ جانا۔اور دیوار کے اس حصے کی برابر نگرانی کرتے رہنا جہاں روشنی نظر آئے۔کیونکہ جیسے ہی وہ دوبارہ ادھر آئیں گے روشنی پھر ہو گی۔

میں سمجھ گیا چچا۔شارق جلدی سے بول پڑا۔

ان سے گفتگو کر کے وہ دونوں ماداوں اور نکولس کو ایک گوشے میں لے گیا تھا۔

اب کیا ہو گا فادر؟۔نکولس مردہ سی آواز میں بولا۔

پرواہ مت کرو۔تم نے دیکھا کہ جو کچھ میں چاہ رہا ہوں وہی ہو رہا ہے۔

جیری کا کیا ہوگا؟۔

کچھ بھی نہیں۔یہاں اس کی پہلی والی حیثیت برقرار رہے گی۔

یہ سب کیونکر ممکن ہوا؟۔

نکولس، کیا تم سچ مچ خود کو جانور ہی سمجھنے لگے ہو۔ہم ناممکنات کو ممکن بنانے کے لیے اس دنیا میں آئے ہیں۔

وہ تو ٹھیک ہے فادر۔لیکن نہ جانے کیوں اب مایوسی میرے ذہن میں جڑ پکڑنے لگی ہے۔

اس احساس کو ذہن سے جھٹک دو۔کیا تم نئے تجربات کے شایق نہیں ہو۔

وہ کچھ نہ بولا۔

سیفد مادہ عمران کو گھورے جا رہی تھی۔

کیوں؟۔تم کیا دیکھ رہی ہو؟۔

میں دیکھ رہی ہوں۔۔۔۔میں کیا دیکھ رہی ہوں۔۔۔۔۔میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا دیکھ رہی ہوں؟۔

کیا اب میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں؟۔عمران نے کہا۔

نہیں، پتہ نہیں کیا دیکھ رہی ہوں۔

فی الحال کچھ بھی نہ دیکھو۔صرف میری ہدایات یاد رکھنے کی کوشش کرتی رہو۔

یہ سرخ روشنی۔۔۔۔نکولس کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

کیا تم نہیں جانتے کہ کہاں ہو؟۔عمران نے حیرت سے پوچھا۔

نہیں۔۔۔۔میں ادھر کبھی نہیں آیا۔

پولیئٹ تھری کی طویل راہداری ہے۔جس میں ایسے ہی متعدد کمرے ہیں جیسے ہی لفٹ پولیئٹ تھری پر رکتی ہے۔ساری کمروں میں پل بھر کے لیے سرخ بلب روشن

ہو جاتے ہیں۔

فادر۔۔۔۔۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم بھی ہم ہی میں سے کوئی شخصیت ہو اور کسی بنا پر انتقامی کاروائی کا شکار ہو گئے ہو۔ جیسے میں ہوا ہوں۔

ہم جہاں بھی جائیں گے شکرالی ہی رہیں گے۔ اور تم میرے سلسلے میں اپنی زبان قطعی بند رکھنا ورنہ پھر کبھی آدمی نہ بن سکو گے۔

زبان کاٹ دینا اگر اس کے خلاف ہو۔

اور تم دونوں۔۔۔۔۔؟ عمران نے مادوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

ہم دونوں۔۔۔۔؟ وہ سوالیہ انداز میں بولیں۔

تم طربدار کے ساتھ رہو گی۔ اس نے سنہری مادہ کی طرف انگلی اٹھائی اور سفید مادہ کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ وہ بول پڑی۔

بہت ذہین ہو۔ میں یہی چاہتا تھا۔ اس پر خاک ڈالو جسے تمہاری پرواہ نہیں ہے۔

اب میں ان لوگوں کی بھیڑ میں صاف پہچان سکتی ہوں۔

بس اتنا ہی کافی ہے۔ عمران نے سر ہلا کر کہا اور شکرالیوں کے قریب جا کھڑا ہوا۔

سنہری مادہ طربدار کے ساتھ رہے گی۔ اگر اس کا موقع دیا گیا۔ اس نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ اور سفید مادہ کی ذمہ داری میں خود لیتا ہوں۔ خدا کرے اس کا موقع مجھے نصیب نہ ہو۔

شارق زور سے ہنس پڑا تھا۔

بس۔ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ دانت توڑ دوں گا۔

شارق بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

بس ڈر گیا۔ عمران نے قہقہہ لگایا۔

سردار شہباز۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ تمہارے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔

اب تم خود کو قابو میں رکھو گے بھتیجے۔ شاید اب ہم اس مرحلے سے گزریں جہاں صرف تجربہ کاری ہی کام آ سکے گی۔

آخر ہم جائیں گے کہاں صف شکن؟۔ شہباز نے پوچھا۔

میں نہیں جانتا۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں خود لیزا بھی نہیں جانتی کہ ہم کہاں جائیں گے۔

یہ تو عقل مندی کی بات نہ ہوئی۔ طربدار بولا۔

ٹھیک ہے تو پھر جانور بنے رہو۔

تو بکواس نہ کر طربدار۔ شہباز غرایا۔ اس زندگی سے تو موت ہی بہتر ہوگی۔ تم لوگ ۔۔۔۔۔ چپ چاپ وہی کرو جو کہا گیا ہے۔

میرا یہ مطلب نہیں تھا سردار۔۔۔۔۔ طربدار بولا۔ پھر وہیں چیخا تھا۔ ارے سرخ روشنی۔

وہ بڑی پھرتی سے زمین پر گر پڑے تھے اور بے ہوش بن گئے تھے۔

آٹھ آٹھ لے گئے جن میں نکولس بھی شامل تھا۔ دونوں مادائیں رہ گئیں۔

ان کے چلے جانے کے بعد راستہ خود بخود بند ہو گیا تھا۔ انہوں نے کسی وزنی چیز کے سرکنے کی آواز سن کر اندازہ لگایا تھا کہ وہ لوگ چلے گئے۔

عمران نے آنکھیں کھول دیں اور آہستہ سے بولا۔ اب ہوش میں آ جاو۔ اور دیکھو کہ وہ کس کس کو لے گئے ہیں؟۔

کون۔۔۔۔۔۔؟ شہباز اٹھتا ہوا بولا۔ تم رہ گئے صف شکن۔ ارے یہ دونوں بھی نہیں گئیں۔ پھر کون کون گیا ہے؟۔

طربدار اور شارق بھی نہیں تھے۔

فکر نہ کرو۔ نکولس ان کے ساتھ ہے۔ عمران بولا۔

اوہ۔۔۔ صف شکن، میں تنگ آ گیا ہوں۔ کیوں نہ دس پانچ کو مار کر مر جاوں۔

دماغ ٹھنڈا رکھو سردار۔ یہاں دس پانچ کو مارنے سے کیا فائدہ۔۔۔۔ یہ بیچارے تو ہم سے بدتر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم تو کھلی ہوا میں سانس لیتے رہے ہیں۔ یہ بے چارے نہ جانے کب سے اس پنجرے میں بند ہیں۔ مرنا ہی ہے تو اسے مار کر مرنا جس کے اشارے پر تم جانور بنا دیئے گئے ہو۔ یہ بے چارے تو کرائے کے مزدور ہیں ہمیشہ اصل مجرم کی تاک میں رہا کرو۔

تو مجسم عقل ہے میرے بھائی۔ میں غلطی پر تھا۔

دونوں مادائیں بھی ان کے قریب آ بیٹھیں اور شہباز پرے سرک گیا۔

وہ۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ طربدار چلا گیا؟۔ سنہری مادہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

فکر نہ کرو۔۔۔۔۔ اس پھیرے میں ہم سب جائیں گے۔ عمران نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔

ارے ہٹاؤ اس کے شانے سے ہاتھ۔ سفید مادہ غرائی۔ تم میرے ہو۔

شاباش۔ عمران سر ہلا کر بولا۔ بہت اچھی جا رہی ہو۔

میں سنجیدہ ہوں۔

نیچرل ٹچ۔۔۔۔ ہیئر ہیئر۔

باتوں میں اڑاؤ گے تو منہ نوچ لوں گی۔

بس یہی نہ کرنا۔۔۔۔۔ بے حد مایوسی ہوگی تمہیں۔

مجھے تو سچ مچ نیند آنے لگی ہے۔ سنہری مادہ نے جماہی لے کر کہا۔

اچھی علامت ہے۔ عمران بولا۔

کیا مطلب؟۔

میں نے محسوس کیا ہے کہ تم زیادہ سوتی رہتی ہو۔

بکواس مت کرو۔ وہ بھنا کر بولی اور وہاں سے ہٹ گئی۔

کیا تمہاری زبان قابو میں رہنا نہیں جانتی؟۔ سفید مادہ نے عمران کو گھورتے ہوئے

کہا۔

تمہیں کیوں غصہ آ رہا ہے مجھ پر؟۔

مجھے تم پر کیوں غصہ آنے لگا؟۔

نہیں آتا؟۔

ہرگز نہیں۔

تب تو ٹھیک ہے۔

اب دیکھو ہمیں کتنی دیر اور یہاں رہنا پڑتا ہے۔

ہو رہے گا کچھ نہ کچھ۔ گھبرائیں کیا۔

تمہیں بالکل خوف نہیں معلوم ہوتا؟۔

خوف۔۔۔؟ کس سے؟۔

مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہو اور مجھ سے چلنے کو کہا جا رہا ہو۔ اب خدا ہی جانے اگلا قدم کسی اندھے کنوئیں میں لے جائے گا یا سمندر میں۔

تمہیں تیرنا آتا ہے؟۔

کیوں نہیں آتا۔

تب پھر تیرنا شروع کر دینا۔ اندھے کنوئیں میں گریں تو میں تمہاری ہڈیاں باہر نکال لاؤں گا۔

سچ بتاؤ تم کون ہو۔ مجھے تو نکولس ہی کی بات سچ معلوم ہوتی ہے۔ تم انہی میں سے ہو اور کسی وجہ سے جانور بنا دیئے گئے ہو۔ نکولس نے اس ظلم کے خلاف احتجاج ہی تو کیا تھا۔

میں خود نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔

باتوں میں اڑانے کے ماہر ہو۔

پھر وہ خاموش ہو گئی تھی۔ اور خود بھی اٹھ کر سنہری مادہ کے پاس جا بیٹھی تھی۔

کیا بکواس کر رہی تھی؟۔شہباز نے عمران سے پوچھا۔

تمہاری طرف سے مایوس ہو کر اب میری جوئیں نکالنا چاہتی ہے۔

اسے باتوں میں اڑاتے رہو ورنہ طربدار کی طرح کہیں کے نہ رہو گے۔

اسی حال میں کہاں کا ہوں؟۔

تم جانو۔۔۔۔آگاہ کر دینا میرا فرض تھا۔

دیکھو کیا ہوتا ہے؟۔

چاروں شکرالی خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔دفعتاً شہباز بولا۔

وہ عورت لیزا کس حال میں ہے؟۔

ہفتوں اس کا ذہن کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہ ہو سکے گا۔

آخر وہ دوا کیسی تھی جو تم نے اس کے جسم میں داخل کی تھی؟۔

بس ایسی ہی تھی کہ ہم اس وقت یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

تم نے سب کچھ معلوم کر لیا ہے اس سے؟۔

جتنا وہ جانتی تھی اسی دوا کے اثر کے تحت مجھے بتا چکی۔اور یقین کرو کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتی۔

کیا مطلب؟۔

اس سے زیادہ نہیں جانتی جتنا اس سے کرنے کو کہا گیا ہے۔



نکولس کے علاوہ اور سبھوں کی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔انہیں فضائی سفر کا کوئی تجربہ نہیں تھا اور ہیلی کاپٹر کی گھن گرج کانوں کے پردے الگ پھاڑے دے رہی تھی۔

آنکھیں بند کر کے اور کانوں میں انگلیں دے کر جو گردنیں ڈالی ہیں تو پھر سر نہیں اٹھا سکے۔

شارق کے دانت بھینچے ہوئے تھے۔اور معدہ حلق کی طرف آتا محسوس ہوتا تھا۔ساری چوکڑی بھول گیا تھا۔

نکولس انہیں ڈھارس دینا چاہتا تھا لیکن دشواری یہ تھی کہ وہ اس کی بات ہی نہ سمجھ سکتے۔

ایک گھنٹے کی پرواز کے بعد ہیلی کاپٹر نے نیچے اترنا شروع کیا۔شکرالیوں کو ابکائیاں آنے لگیں اور وہ دہاڑتی ہوئی آوازوں میں اپنے نادیدہ دشمن کو گالیاں دے رہے تھے۔

ہیلی کاپٹر لینڈ کرنے کے بعد دو مسلح آدمی اگلے حصے سے نیچے اترے تھے۔وہ حصہ جس میں ساتوں شکرالی اور نکولس تھے مقفل تھا۔

نکولس نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔باقاعدہ طور پر بنایا ہوا یہ ہیلی کاپٹر نظر آیا۔ سامنے ہی ایک عمارت بھی دکھائی دی۔جس کے دونوں اطراف میں درختوں کی قطاریں دور دور تک چلی گئی تھیں۔خاصی پرفضا جگہ معلوم ہوتی تھی۔

دونوں مسلح آدمی عمارت کی طرف جاتے دکھائی دیئے۔کسی سفید نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

شکرالیوں نے چیخنا بند کر دیا تھا اور کھڑکیوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔

شارق طربدار سے کہہ رہا تھا۔اس مشین کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔اور وقت بھی زیادہ نہیں لگا۔ہم اس منحوس پہاڑ سے زیادہ دور تو نہیں آئے۔

میرا بھی یہی خیال ہے۔طربدار بولا۔

لیکن حال تباہ ہوگئی ہے۔

اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔

نکولس انہیں اشارے کر رہا تھا۔

یہ کیا کہہ رہا ہے؟۔طربدار بڑبڑایا۔

شاید ہمیں تسلیاں دے رہا ہے۔

اس پر یہی ظاہر کرنا چاہئے کہ ہمیں زرا سی بھی تشویش نہیں ہے۔

کس طرح ظاہر کروں؟۔

زور۔۔۔زور سے قہقہے لگائیں ہم لوگ۔

ہاں یہ ٹھیک ہے۔

بس پھر کیا تھا ساتوں شکرالیوں نے آسمان سر پر اٹھالیا اور نکولس کی آنکھوں سے سراسیمگی مترشح ہونے لگی۔وہ سہم کر ایک گوشے میں سمٹ گیا۔شاید سمجھا تھا کہ ساتوں کے دماغ الٹ گئے ہیں۔

نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔ڈرو نہیں۔شارق ہاتھ ہلا کر بولا۔ہم پاگل نہیں ہوئے صرف خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔

نکولس کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

تھوڑی دیر بعد چھ آدمی عمارت کی طرف سے آتے دکھائی دیئے تھے۔ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

صف شکن کی ہدایات یاد رکھنا۔شارق نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔قطعی یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ تم اپنے اس حال پر غضب ناک ہو۔

کوئی کچھ نہ بولا۔عمارت سے برآمد ہونے والے قریب آ گئے۔یہ لوگ فوجی قسم کی خاکی وردیوں میں ملبوس تھے۔

دروازے کے قریب نصف دائرے کی شکل میں کھڑے ہو گئے۔رائفلیں اس انداز میں ہیلی کاپٹر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔جیسے گڑبڑ کی صورت میں فوراً فائرنگ شروع کر دیں گے۔

وہ سمجھتے ہیں کہ ہم باہر نکل کر ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔

نکولس اشاروں میں انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا وہ پرسکون رہیں۔

وہ نیچے اترے تھے اور اپنے ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔

میں انگریز ہوں۔نکولس نے مسلح آدمیوں سے کہا۔تم مجھ سے گفتگو کرسکو گے۔

ادھر چلو۔ان میں سے ایک آدمی نے بائیں جانب ہاتھ اٹھا کر خشک لہجے میں کہا نکولس شاید سمجھا تھا کہ یہاں بھی اپنے لیے ہمدرد پیدا کرلے گا۔لیکن ایسے مایوسی ہوئی اسے انگلش بولتے سن کر کسی نے بھی حیرت ظاہر نہیں کی تھی۔بے چارہ۔۔۔اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

وہ سب بتائی ہوئی سمت چل پڑے۔

دفعتاً شارق نے ہنسنا شروع کر دیا۔طربدار بھی ہنسا تھا۔اور پھر سب ہی ہنسنے لگے تھے۔مسلح چلتے چلتے رک گئے۔وہ انہیں حیرت سے دیکھے جا رہے تھے۔

یہ خلیف نہیں ہیں۔نکولس نے ان سے کہا۔

کیا تم ان کی زبان سمجھ سکتے ہو؟۔ایک آدمی نے پوچھا۔

زبان نہیں سمجھ سکتا لیکن ہفتوں ان کے ساتھ رہا ہوں۔زندہ دل لوگ ہیں۔

ہم نے سنا تھا کہ شکرالی بے حد خونخوار ہوتے ہیں؟۔

جانور بننے کے بعد سے ان میں بے حد انسانیت پیدا ہوگئی ہے۔

اچھا۔۔۔چلو چلتے رہو۔

نکولس نے اپنے ساتھیوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔اب انہوں نے گانا بھی شروع کر دیا تھا۔

تم لوگ کچھ اور نہ سمجھنا۔یہ گیت گا رہے ہیں۔نکولس نے مسلح آدمیوں سے کہا۔

آخر اتنے خوش کیوں ہیں؟۔سوال کیا گیا۔

جانور بننے کے بعد سے خوش ہی رہتے ہیں۔پتہ نہیں کیوں۔کاش میں ان سے گفتگو کرسکتا۔

درختوں کی قطار کے درمیان سے گزرنے کے بعد وہ ایک پتلی سی پگڈنڈی پر چلے تھے۔جن کی دونوں طرف پھولوں کی کیاریاں بنی ہوئی تھیں۔

ہم نے یہ جگہ پہلے کیوں نہیں دیکھی؟۔طربدار بولا۔زرد ریگستان ہی کا کوئی حصہ معلوم ہوتا ہے۔

ہمارا اپنا راستہ ہے۔دوسرے نے کہا۔پتہ نہیں یہ لوگ کدھر لائے ہیں۔ہوسکتا ہے ادھر نخلستان بھی ہوں۔

وہ چلتے رہے۔پھر انہیں ایک چھوٹے سے کچے مکان میں ہانک دیا گیا تھا۔ٹھیک اسی وقت انہوں نے ہیلی کاپٹر کو دوبارہ پرواز کرتے دیکھا تھا۔

تم ذرا ان لوگوں کو قابو میں رکھنا۔ایک مسلح آدمی نے نکولس سے کہا۔

اشاروں میں جتنا سمجھا سکتا ہوں کرتا رہوں گا۔ان کی زبان تو جانتا نہیں کہ کوئی بات پوری طرح ذہن نشین کرا سکوں گا۔

مگر۔۔۔۔۔ٹھہرو۔۔۔۔۔وہ نکولس کو گھورتا ہوا بولا۔کیا تم قید ہو؟۔

میں جانور بنا دیا گیا ہوں۔کیا تم دیکھ نہیں رہے۔

لیکن،تم نے تو کپڑے پہن رکھے ہے؟۔

جانور بنا دینے کے بعد کسی مقصد کے تحت نیچے سے اوپر تک میرے بال کتر دیئے گئے تھے۔سر اور چہرہ چھوڑ دیا تھا۔ظاہر ہے اس کے بعد تو کپڑے پہننے ہی پڑتے۔

کمال ہے،میں تو سمجھا تھا کہ تم نے جدید فیشن کے مطابق سر اور داڑھی کے بال بڑھا رکھے ہیں۔

ہمارا باس جو کوئی بھی ہو ہماری زندگیوں سے کھیل رہا ہے۔

بس خاموش رہو۔ورنہ گولی ماردی جائے گی۔یہاں حکومت کی پالیسی پر نکتہ چینی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

حکومت؟۔نکولس چونک پڑا۔

کیوں تمہیں حیرت کیوں ہے؟۔

ہم تو ایک دواساز کمپنی کے ملازم ہیں۔

وزارت صحت سے تعلق ہوگا تمہارا؟۔

شائد میں پاگل ہو جاوں گا۔نکولس بڑبڑایا۔

اچھا اچھا۔۔۔۔پاگل پن ہی کے اثرات تم میں پائے گئے ہوں گے۔تبھی جانور بنا دیئے گئے ہو۔

میں نے دوسفید فام لڑکیوں کے جانور بنا دیئے جانے پر احتجاج کیا تھا۔

تب پھر تمہیں گولی کیوں نہ ماردی گئی۔تم زندہ کیوں ہو۔اچھا میں سمجھا کسی قسم کی جواب دہی کے لیے تمہیں زندہ رکھا گیا ہے۔اچھا تو تم اپنے اس جانور پن کو حوالات ہی سمجھو، جواب دہی کے اسٹیج پر اگر تم حکومت کو مطمئین نہ کر سکے تو تمہیں گولی نہ ماردی جائے گی۔شائد تم تیسرے درجے کے شہری ہو اسی لیے تمہیں قوانین کا علم نہیں؟۔

نکولس سچ مچ چکرا کر رہ گیا۔آخر قصہ کیا ہے؟ دروازہ باہر سے مقفل کر کے مسلح آدمی چلے گئے۔

شکرالی مکان کا جایئزہ لیتے پھر رہے تھے۔یہاں کھانے پینے کی چیزیں وافر مقدار میں موجود تھیں۔ایک جگہ شراب کی بوتلیں نظر آئی تھیں۔

نکولس نے ایک بوتل اٹھائی اور اسے للچائی نظروں سے دیکھتا رہا پتہ نہیں کب سے شراب نصیب نہیں ہوئی تھی۔پھر اس نے کاگ نکالی تھی اور بوتل ہی کو منہ سے لگا دیا تھا۔

شکرالی اسے بغور دیکھتے رہے۔آپس میں کچھ سرگوشیاں بھی کی تھیں۔

فرنگی تیمال ہی معلوم ہوتی ہے۔شارق چہک کر بولا۔

بہت عمدہ ہوتی ہے۔طربدار نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ذرا نکولس کی آنکھیں دیکھو۔نشے میں ڈوبنے لگی ہیں۔

دوسرا بولا۔

ہم نے کب سے تیمال نہیں پی۔

اٹھاوں ایک بوتل؟۔شارق نے چہک کر پوچھا۔

بس دو گھونٹ ۔۔۔۔زیادہ نہیں ۔ایک گھگھیایا۔

ٹھہرو۔۔۔۔۔پہلے نکولس کا حشر دیکھ لیں ۔طربدار نے کہا۔

کیا حشر دیکھو گے ۔وہ تو بوتل سے منہ ہی نہیں ہٹا رہا۔ یہ پوری بوتل صاف کر دینے کے بعد وہ ویسے ہی مردہ نظر آنے لگے گا۔شارق بولا۔

سچ مچ نکولس پوری بوتل خالی کر کے لمبا لمبا لیٹ گیا تھا۔اور پھر ہچکیاں شروع ہو گئیں تھیں۔

بٹیر مر رہا ہے۔شارق ہنس کر بولا۔آخر تم دیکھنا کیا چاہتے ہو طربدار بھائی؟۔

شراب میں زہر بھی ہو سکتا ہے؟۔

زہر دینے کے لیے اتنی دور لانے کی زحمت کیوں کریں گے ۔چاہتے تو جنگل ہی میں ہمیں گولی مار دیتے۔اٹھاؤ بھی۔۔۔دو دو گھونٹ میں کیا ہرج ہے؟۔

اچھی بات ہے۔تو اٹھاؤ؟۔طربدار نے کہا۔

ایک نے بوتل اٹھایا اور اسے گھورتے ہوئے کہا۔

ہم فرنگی سے نفرت کرتے ہیں۔اس کی زبان سے نفرت کرتے ہیں۔اس کی عورت ہمیں نہیں بھاتی۔پھر ہم اس کی شراب کیوں پئیں؟۔

اوہ چپ رہ۔۔۔کیوں خواہ مخواہ بکواس کر رہا ہے؟۔طربدار بھنا کر بولا۔

صف شکن ٹھیک کہتا ہے کہ ہم لوگ احمق ہیں۔روایات کے جال میں پھنسے ہوئے بے بس پرندے۔

اچھی بات ہے تم مت پینا۔

میں نہیں پیوں گا۔جب سے صف شکن کی باتیں سنی ہیں۔بہت بدل گیا ہوں یہ جو تمہارے اردگرد کھڑے ہوئے ہیں۔میرے سائے سے بھی بھڑکتے تھے۔اس کا دم نکل جاتا تھا میری آواز سن کر لیکن اب دیکھو قریب کھڑے ہوئے ہیں۔

طربدار نے کاگ نکالی اور دو گھونٹ لے کر بوتل دوسرے کی طرف بڑھا دی۔

شام ہونے والی تھی۔ ایک نے باورچی خانہ سنبھال لیا۔ اور نکولس اس کا ہاتھ بٹانے لگا تھا تازہ ترکاریاں بھی وہاں موجود تھیں۔ خشک مچھلیوں کی وافر مقدار بھی نظر آئی تھی۔

نکولس مسلسل یہی سوچے جا رہا تھا کہ پتہ نہیں بقیہ لوگ کب پہنچیں گے۔ بولنے کے لیے بے چین تھا۔ لیکن اس وقت کس سے بولتا۔ نہ دونوں مادائیں تھیں اور نہ عمران۔ اس نے سوچا کیا ضروری ہے کہ وہ لوگ بھی یہیں لائے جائیں۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد جب سورج غروب ہو رہا تھا۔ انہوں نے دوبارہ ہیلی کاپٹر کی آواز سنی۔ دوڑ کر کھڑکی کے قریب پہنچے تھے۔ لیکن ہیلی ہیڈ تک نظریں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ البتہ ہیلی کاپٹر ضرور دکھائی دے گیا تھا اور ان کے اندازے کے مطابق وہیں اتر رہا تھا۔ جہاں وہ لوگ اترے تھے۔

دیکھو، وہ بھی یہیں لاتے جاتے ہیں یا کہیں اور جاتے ہیں۔ شارق بڑبڑایا۔

یہاں جگہ تو بہت ہے۔ طربدار نے کہا۔

لیکن ضروری نہیں کہ وہ دونوں بھی یہیں لائی جائیں۔

چپ رہو۔ طربدار بھنا کر بولا۔

میں شنگشت بھی ہوں اور خیرہ سر بھی۔۔۔ اسے ہر وقت یاد رکھو۔ اور یہ پانچوں میرے آدمی ہیں۔ تمہارے نہیں۔

تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟۔

دھمکی نہیں، یاددہانی۔ میں نے کہا شائد تم بھول گئے ہو۔

طربدار خاموش ہو گیا اور وہ پانچوں ہنسنے لگے۔ طربدار کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر اس ریک کے قریب جا ٹھہرا۔ جس میں شراب کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے پھر ایک بوتل سے کاگ نکالی اور پینے لگا۔

شارق کچھ نہ بولا۔ طربدار نے شائد اسی لیے یہ حرکت کی تھی کہ شارق کچھ بولے اور بات بڑھ جائے۔

تم لوگ اب ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔شارق نے سرخسانیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

جیسی تمہاری مرضی چھوٹے سردار۔ایک بولا۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔اتنی دیر میں طربدار پوری بوتل صاف کر چکا تھا۔

دروازہ کھلا تھا۔اور چھ جانور داخل ہوئے تھے۔دروازہ پھر بند ہو گیا تھا۔

میرا خیال غلط نہیں تھا۔وہ دونوں نہیں ہیں۔شارق بولا۔

خخ ۔۔۔۔۔خاموش،شنگشت ۔۔۔۔۔۔خخ ۔۔۔۔۔خیرہ سر۔طربدار ہکلایا۔وہ کسی مست ہاتھی کی طرح جھوم رہا تھا۔خالی بوتل اس کے ہاتھ میں تھی۔

خوب۔عمران بولا۔تو یہاں شراب بھی موجود ہے۔کیا سب نے پی رکھی ہے؟۔

میرے علاوہ۔شارق بولا۔

آپ نے کیوں کرم فرمایا؟۔

مجھے صرف تیمال پسند ہے۔فرنگی کی شراب نہیں پی سکتا۔

یہ ہوئی نا بات۔

شہباز خاموش کھڑا طربدار کو گھورے جا رہا تھا۔پھر وہ آگے بڑھا اور طربدار کے ہاتھ سے خالی بوتل چھین کر دور پھینک دی۔

اس کے بعد اس کی نظر ریک پر پڑی تھی۔بھری ہوئی بوتلیں دکھائی دی تھیں۔

نہیں،انہیں جوں کی توں رہنے دو۔عمران ہاتھ اٹھا کر بولا اور شہباز اس کی طرف گھوم گیا۔نکولس بھی قریب آ گیا تھا۔ابھی تک تھوڑے بہت نشے میں تھا۔

تم نے اندازہ لگایا کہ ہم کہاں ہیں؟۔اس نے عمران سے پوچھا۔

لگا لیں گے اندازہ بھی۔جلدی کیا ہے؟۔عمران نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

طربدار دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اور انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے جا رہا تھا۔پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔مجھ سے میری زندگی چھین لی گئی۔

چپکا بیٹھا رہ ورنہ کھال اتار دوں گا۔شہباز دھاڑا۔

اور۔۔۔۔کیا۔طربدار ہاتھ نچا کر بولا۔اب کس کے سہارے جئیوں گا؟۔

تم سن رہے ہو اس کی باتیں؟۔وہ عمران کی طرف دیکھ کر بولا۔

نشے میں ہے۔۔۔۔جانے بھی دو۔

میں اس شراب کو ضائع ہی کیوں نہ کر دوں؟۔

قطعی ضروری نہیں۔اب کوئی ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔

میں نے اپنے آدمیوں کو صرف دو گھونٹ کی اجازت دی تھی۔شارق بولا۔

اب ایک قطرہ بھی نہیں۔شہباز دہاڑا۔میں جس دن سے اس حال کو پہنچا ہوں۔

تیال کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔کم از کم ذہنی طور پر آدمی بنا رہوں۔

اب ایسا ہی ہوگا۔شارق جلدی سے بولا۔

کیا خیال ہے تمہارا؟ ہم کس طرف سے آئے ہیں؟۔عمران نے شہباز سے پوچھا۔

پہاڑ سے زیادہ دور نہیں آئے۔۔۔۔لیکن یہ نخلستان کہاں سے پیدا ہو گیا؟۔

میں نہیں جانتا۔۔۔۔زردریگستان تو موت اور ویرانی کی آماجگاہ ہے۔

ہو سکتا ہے۔یہ نخلستان اس راستے سے الگ ہو جس سے تم لوگ گزرتے ہو۔

یہی بات ہوگی۔شہباز پرتشویش لہجے میں بولا۔

ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے فادر۔دفعتاً نکولس بول پڑا۔

ہاں۔۔۔۔کہو۔۔۔۔۔کیا ہے؟۔عمران اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

میں اسے بڑے مجرموں کا کوئی گروہ سمجھا تھا۔لیکن یہ تو کسی قسم کی حکومت ہے۔

میں نہیں سمجھا۔

نکولس نے اپنی اور مسلح آدمی کی گفتگو دہرائی تھی۔عمران کچھ نہ بولا۔تھوڑی دیر

خاموش رہ کر پرتشویش لہجے میں کہا۔پتہ نہیں کیا چکر ہے۔خیر چھوڑو۔۔۔۔۔۔۔۔میں

ذرا اس مکان ہی کا جائزہ لے لوں۔

پھر وہ تینوں مکان کے مختلف حصوں کو دیکھتے پھرے تھے۔

ضرورت کی ساری چیزیں موجود ہیں۔عمران بولا۔

وہ دونوں کہاں گئیں؟۔نکولس نے پوچھا۔

ہیلی کاپٹر پر تو ساتھ ہی تھیں۔یہاں پہنچ کر کہیں اور لے جائی گئی ہیں۔مجھے یقین تھا کہ ہمارے ساتھ نہ رکھی جائیں گی۔

پتہ نہیں ان کا حشر کیا ہو؟۔

اپنی فکر کرو بیٹے؟۔

اپنی فکر تو یہاں بھی نہیں ہے۔جس نے مرنے کی ٹھان لی ہو۔اسے کیا فکر ہو سکتی ہے۔

ٹھیک اسی وقت صدر دروازہ کھلا تھا اور تین مسلح آدمی اندر آئے تھے ایک نے نکولس سے کہا۔کسی ایسی چیز کی ضرورت ہو جو یہاں موجود نہ ہو تو مجھے بتاو؟۔

جنہیں مرنا ہو۔انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہو سکتی ہے۔

کسے مرنا ہے؟۔مسلح آدمی نے حیرت سے کہا۔

ہمیں اور کسے؟۔

موت ان کے لیے نہیں ہے جو جانور بنا دیئے جاتے ہیں۔تم ہم سے بہتر ہو۔حالانکہ باتیں تیسرے درجے کے شہریوں کی سی کرتے ہو۔

کیا بات ہوئی؟۔

اول درجے کے شہری وہ ہیں جو جانور ہیں۔ہم بے چارے دوسرے اور تیسرے درجے کے شہری اس تمنا میں مر رہے ہیں کہ جانور بنا دیئے جائیں۔

عمران نے دوسری طرف منہ پھیر کر دیدے نچائے تھے۔

بات میری سمجھ میں نہیں آئی؟۔

اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم کسی قسم کا احتجاج کرنے کے باوجود بھی جانور بنا دیئے

گئے ہو۔حکومت کی آنکھوں کا تارا معلوم ہوتے ہو۔خیر دارالحکومت میں پہنچو گے۔تو تمہیں اپنے مرتبے کا علم ہوگا۔

ہم کب پہنچیں گے دارالحکومت؟۔نکولس نے پوچھا۔

کل ہی روانہ کر دیئے جاوگے۔

ہم سب؟۔

اور کیا۔۔۔ورنہ ہم دوسرے اور تیسرے درجے کے شہریوں میں تمہارا کیا کام؟۔

اگر مجھے کوئی ذمہ داری کی پوسٹ مل گئی تو تمہیں بھی جانور بنا دوں گا۔

شکریہ،میرے بچے تمہیں دعائیں دیں گے۔دیکھو،وعدہ کر رہے ہو بھول نہ جانا۔

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

وہ تینوں چلے گئے تھے اور نکولس طویل سانس لے کر عمران کی طرف مڑا تھا۔

سنا تم نے؟۔

بالکل سن لیا۔عمران ہنس کر بولا۔میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ جانور بن جانے میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔اے اول درجے کے شہری۔ویسے تم نے اچھا کیا کہ دارالحکومت کا پتہ پوچھنے نہیں بیٹھ گئے تھے۔

اتنا احمق نہیں ہوں۔پہلے ہی اسے بتا چکا ہوں کہ اسی تنظیم سے متعلق ہوں۔

وزارت صحت کے کوئی عہدہ دار۔عمران سر ہلا کر بولا۔

نکولس نے اس کے لہجے سے محظوظ ہو کر قہقہہ لگایا تھا۔

رات انہوں نے سکون سے گزاری تھی۔اور دوسری صبح انہیں اطلاع ملی تھی کہ دونوں ماداؤں نے خاصہ ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔اسی آدمی نکولس کو اس سے آگاہ کیا تھا جس سے پچھلے دن اس کی گفتگو ہوئی تھی۔

وہ دونوں انہی لوگوں کے ساتھ رہنے پر مصر ہیں۔تنہا نہیں رہنا چاہتیں۔اس نے کہا۔لیکن ہمیں حکم ملا ہے کہ انہیں الگ رکھا جائے۔

تو پھر ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟ ۔نکولس نے سوال کیا۔

انہوں نے اس مکان کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔ جہاں ٹھہرائی گئی ہیں۔فرنیچر توڑ ڈالا۔کراکری ریزہ ریزہ کر دی۔ پردے پھاڑ ڈالے۔

تب تو انہیں یہیں لے آو۔

لیکن اوپر کا حکم؟۔

یہاں اول درجے کے شہری مقیم ہیں۔اوپر کے معاملات سنبھالیں گے۔تم انہیں یہیں لے آو۔نکولس بولا۔

میں اس لیے آیا تھا کہ تم میرے ساتھ چل کر انہیں سمجھا دو۔

نکولس نے عمران کی طرف دیکھا اور اس نے سر ہلا کر منظوری دے دی تھی۔اس طرح کہ مسلح آدمی کو اس اشارے بازی کی خبر تک نہ ہو سکی۔

نکولس اس کے ساتھ باہر نکالا تھا۔اور وہ اسی پگڈنڈی سے گزر رہے تھے۔جس سے گزر کر پچھلے دن کچی عمارت تک پہنچے تھے۔

اب وہ اس عمارت کی طرف جا رہے تھے۔جو ہیلی کاپٹر سے اترتے وقت نظر آئی تھی۔ہیلی ہیڈ سے عمارت تک کا راستہ بہت سلیقے سے بنایا گیا تھا۔

نکولس نے سوچا شاید یہیں سے پہاڑ والی عمارت میں رسد پہنچائی جاتی ہے لیکن لیزا کا رابطہ ہیڈ کوارٹر سے تھا۔ہو سکتا ہے ہیڈ کوارٹر وہی ہو جسے مسلح آدمی دارالحکومت کہتا ہے۔

عمارت میں دم رکھتے ہی نکولس کو ایسا محسوس ہوا جیسے خوشبوؤں کے دیس میں آ گیا ہو۔ہر راہداری کے موڑ پر نئی خوشبو سے سابقہ پڑتا تھا۔

بالآخر وہ کمرے میں پہنچے جہاں مادائیں اداس بیٹھی تھیں۔نکولس کو دیکھ کر بڑی پھرتی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

تم کہاں ہو؟۔سفید مادہ نے پوچھا۔

بڑی واہیات جگہ ہے۔ہمیں ننگے فرش پر سونا پڑا تھا۔

سب ایک ہی جگہ ہیں؟۔

ہاں۔

لیکن ہمیں الگ کیوں کر دیا گیا ہے؟۔

تمہارے آرام کے خیال سے۔وہاں تمہیں تکلیف ہوتی۔مناسب یہی ہے کہ یہیں رہو۔

مسلح آدمی اسے کمرے میں پہنچا کر خود واپس چلا گیا اور کہہ گیا تھا کہ واپسی کے لیے وہ ایک پش سوئچ کو دبا کر اسے طلب کر سکے گا۔

یہاں تنہائی میں ہمارا دم گھٹتا ہے۔

سنو، یہاں ہمارا قیام عارضی ہے۔ہوسکتا ہے آج ہی کسی وقت یہاں سے بھی روانگی ہو جائیے۔اس لیے ہنگامہ مت برپا کرو۔

ویسے ہمارے ساتھ برتاو اچھا ہو رہا ہے۔سنہری مادہ بولی۔

اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ الجھو مت۔

وہ لوگ کس حال میں ہیں؟۔سنہری مادہ بولی۔

اور تو سب ٹھیک ہیں۔لیکن کل طربدار تمہاری یاد میں دہاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

تم جھوٹ بول رہے ہو؟۔

یقین کرو، وہسکی کی پوری بوتل صاف کر گیا تھا۔

اوہ تو نشے میں تھا۔

اس عمارت میں شراب کی بوتلیں بھی ہاتھ لگی ہیں۔

اور۔۔۔۔وہ۔۔۔۔افلاطون؟۔سفید مادہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

صف شکن۔وہ بالکل ٹھیک ہے اسی کی ہدایت پر میں یہاں آیا ہوں۔وہی چاہتا ہے کہ تم لوگ پرسکون رہو۔

یہ کون سی جگہ ہے۔اور یہاں کیا ہو رہا ہے؟۔

کوئی بھی نہیں جانتا اور نہ یہی معلوم ہے کہ اب کہاں جائیں گے۔ویسے یقین رکھو ہم لوگ زندہ رہیں گے۔

یہ بھی کوئی زندگی ہے؟۔

میں نے تو اس کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے۔تم بھی یہی عادت ڈالو زندگی بسر کرنے کی چیز ہے۔یہ سوچے بغیر کہ کیسی گزر رہی ہے۔ہمیں جانوروں ہی کی طرح زندہ رہنا چاہیئے۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔آدمیوں کی سوسائٹی میں بھی کبھی کبھی جانوروں کی سی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔سفید مادہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

بس تو پھر اب پرسکون رہو۔ورنہ ہوسکتا ہے ہم سے یہ آسانیاں بھی چھین جائیں۔

ہم تو صرف ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔سنہری مادہ بولی۔

دیکھا جائے گا۔اس کے بارے میں اگلی منزل پر سوچیں گے۔

ہمیں باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔

ہم کب آزاد ہیں۔دروازہ باہر سے مقفل کر دیا جاتا ہے۔اس وقت تو مجھے صرف اس لیے لایا گیا ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں۔

اچھی بات ہے۔اب ہم محتاط رہیں گے۔

نکولس زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔دفعتاً اسے ایک بات اور یاد آ گئی اور اس نے آہستہ سے کہا۔مجھے یاد پڑتا ہے۔اس نے ایک بات کہی تھی۔میرا مطلب ہے۔صف شکن نے۔۔۔۔اس کے بیان کے مطابق لیزا نے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی تھی کہ جنگل میں جانوروں کی بھیڑ ہو جانے کی وجہ سے لڑکیوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ گئی ہیں۔اس لیے انہیں فوراً بلوا لینا چاہئے اور شاید اسی لیے ہم وہاں سے ہٹا لیے گئے ہیں۔لہٰذا تمہیں بقیہ جانوروں کے لیے نفرت کا اظہار کرنا چاہیئے۔

مجھے علم نہیں تھا کہ ایسا ہوا ہے۔ ورنہ میں محتاط رہتی۔

اب محتاط رہنا۔ اگر کوئی یہاں سے تم سے اب اس مسئلے پر گفتگو کرے تو تم یہی کہنا کہ ہم صرف نکولس کی ہم نشین چاہتے ہیں۔ شکرالی درندوں سے ہمیں کیا سروکار۔

ہاں یہ ٹھیک ہے۔ سفید مادہ سر ہلا کر بولی۔

پھر نکولس نے بتائے ہوئے پش سوئچ پر انگلی کا دباؤ ڈالا تھا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہی آدمی پہنچ گیا تھا جس نے یہاں تک راہنمائی کی تھی۔

راستے میں نکولس نے اس سے کہا۔ وہ دراصل صرف یہ چاہتی تھیں کہ میں ان کے پاس پہنچ جاوں۔ دوسرے جانوروں سے تو وہ خائف ہیں۔

یہی بات ہوگی۔ وہ آدمی بولا۔ لیکن ہمیں تو یہی حکم ملا ہے کہ انہیں سب سے الگ رکھیں۔

ٹھیک ہے، اب وہ شور نہیں مچائیں گی میں نے انہیں سمجھا دیا ہے۔

قیام گاہ پر پہنچ کر نکولس نے عمران کو رپورٹ دی تھی۔ اور وہ خوش ہو کر بولا تھا۔ تم بہت ذہین ہو۔

میں اس وقت تم سے یہی کہنا چاہتا تھا کہ یاد دہانی کرا دینا۔ لیکن اس کی موجودگی میں نہیں کہہ سکا تھا۔

وہ دونوں خیریت سے ہیں نا؟۔ شارق نے قریب آ کر عمران سے پوچھا۔

کچھ زیادہ ہی خیریت سے ہیں۔ عمران نے جواب دیا اور نکولس سے بولا۔ کب تک روانگی کی توقع ہے؟۔

اس سے متعلق مزید گفتگو نہیں ہوئی۔

شارق نے طربدار کے قریب جا کر کچھ کیا تھا اور وہ اسے مارنے دوڑا تھا۔

اسے سمجھاو ورنہ پٹے گا میرے ہاتھ سے۔ شہباز نے عمران کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔

شارق۔ عمران نے اسے آواز دی۔

میں نے تو صرف خیریت بتائی تھی چچا۔

چچا کے بچے، میں تیری خیریت کا خواہاں ہوں۔ اگر شہباز کا ایک ہاتھ پڑ گیا تو ہفتوں اٹھ نہیں سکے گا۔

میں معافی چاہتا ہوں سردار۔ شارق بولا۔

شہباز نے دوسری طرف منہ پھیر لیا تھا۔

ٹھیک اسی وقت دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور ایک عجیب الخلقت آدمی اندر داخل ہوا۔ دبلا پتلا اور چھوٹے سے قد والا تھا۔ سر کے بال بے داغ سفید تھے۔ آنکھوں میں وحشت تھی۔ اور اس کے پیچھے دو قوی ہیکل اور باوردی باڈی گارڈ تھے جنہوں نے ہاتھوں میں مشین پستول سنبھال رکھے تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے نہیں معلوم ہوتے تھے جن سے اب تک سابقہ رہا تھا۔

دفعتاً بوڑھا آدمی شکرالی میں بولا۔ تم سب خوش تو ہو نا؟۔

بہت زیادہ۔ عمران نے جواب دیا۔

نہیں، ناخوش معلوم ہوتے ہو۔

بھلا کس طرح؟۔

مجھے دیکھ کر تم نے قہقہے نہیں لگائے۔ بوڑھا نے بچکانہ انداز میں کہا۔ میں جنرل ایڈوین ٹرنڈاون لیکز ہاسٹ ہوں۔

تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی لیکن اتنے لمبے نام کے باوجود بھی اتنے ڈرے سے کیوں ہو؟۔

خاموش، بدتمیز۔ وہ حلق پھاڑ کر چیخا تھا اور اسے کھانسی آنے لگی تھی۔ پھر اس نے اپنے باڈی گارڈز کی طرف مڑ کر انگلش میں کہا۔ ان لوگوں پر میرا ذرا سا بھی رعب نہیں پڑا۔

پڑا ہے یو آنر۔ ایک باڈی گارڈ بولا۔

آپ کو کھانسی آنے لگی ہے یور آنرز۔دوسرے نے کہا۔

ان پر رعب پڑنے کی وجہ سے؟۔

ہاں یور آنر۔

تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔

وہ پھر شکرالیوں کی طرف مڑا اور ان کی زبان میں بولا۔میں دنیا کی ستر ایسی زبانوں کا ماہر ہوں جو تحریر میں نہیں آتیں۔

پھر وہی عرض کروں گا۔جنرل صاحب کہ آپ اتنے ذرا سے تو ہیں۔عمران نے کہا۔

اور میرا باپ بھی اتنا ہی ذرا سا ہے۔اس کا نام سنجیدہ خان محتاط۔۔۔۔۔۔دیکھا کتنا بڑا نام ہے بس ثابت ہوا کہ اگر قد سے بڑے نام اختیار نہ کئے جائیں تو۔۔۔

اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی بوڑھا چیخا۔تم نے دیکھا۔۔۔۔وہ بھی میری ہی طرح عظیم ہوگا؟۔

کیا کہنے ہیں عظمت کے۔

کیا مطلب؟۔

کچھ بھی نہیں جنرل ایڈون ٹرنڈاون لیکر ہاسٹ۔

تم بہت ذہین معلوم ہوتے ہو۔ایک ہی بار میں تمہیں میرا پورا نام یاد ہوگیا۔بوڑھا خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

اپنی آمد کا مقصد بیان کرو جنرل؟۔

دیکھنا چاہتا تھا مستقبل کے بڑے آدمیوں کو۔

آدمی ایسے ہی ہوتے ہیں۔عمران چاروں طرف ہاتھ گھما کر بولا۔

میں نے مستقبل کے آدمی کہا تھا۔جس رفتار سے آدمی ترقی کر رہا ہے وہ اسی طرف لے جائے گی۔

میں سمجھ گیا۔تم کیا کہنا چاہتے ہو جنرل۔میں تم سے متفق ہوں۔مجھے خوشی ہے کہ ہم

سب مستقبل کے آدمی ہیں حال سے تو تنگ آ گئے تھے۔

اگر تم اسی طرح مجھ سے متفق ہوتے رہے تو حکومت کی باگ دوڑ تمہارے ہاتھ میں ہوگی۔

لیکن میں حکومت نہیں۔ ایک خوب صورت سی عورت چاہتا ہوں۔ جو میرے بالوں میں کنگھا کر کے جوئیں نکال سکے۔

ملے گی۔۔۔۔۔ضرور ملے گی۔۔۔۔۔اگر تم مجھ سے اسی طرح متفق ہوتے رہے۔

یہ لوگ کچھ نہیں بول رہے؟۔ بوڑھے نے دوسروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

میرے سامنے زبان کھولنے کی جرات نہیں کر سکتے کیون کہ میں ان کا سردار ہوں۔

یعنی یہ تمہارے قابو میں ہیں؟۔

بالکل میرے قابو میں ہیں۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہیں بھی متفق ہونا پڑے گا؟۔

نہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اچھا تو پھر میں تمہیں اپنا مصاحب بناوں گا۔ اور کے بعد تم اور زیادہ ترقی کرو گے۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ عمر نا نے شاہانہ انداز میں کہا۔

شارق بھی خاموش کھڑا تھا۔ عمران کے انداز سے اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ دوسروں کی خاموشی ہی مناسب سمجھتا ہے۔ ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس بوڑھے کو گود میں اٹھا کر سارے گھر میں ناچتا پھرے۔

اچھا تو پھر تیار ہو جاو۔ میں تمہیں دارالحکومت میں لے چلوں گا۔ بوڑھے نے عمران سے کہا۔

جیسا حکم ہو جنرل۔

بہت اچھے۔۔۔۔۔بہت اچھے۔۔۔۔۔تم تو میری توقعات سے بڑھ کر ثابت ہو رہے ہو۔ اچھا اب میں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد تمہیں روانگی کی اطلاع مل جائے گی۔

میرا نام یاد رکھنا۔

ہمیشہ یاد رکھوں گا جنرل۔

وہ چلا گیا اور شکرالی عمران کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔

آخر یہ کیا شے تھی؟۔شہباز نے پوچھا۔بڑی مشکلوں سے اپنے قہقہے روک سکا تھا۔

خدا ہی جانے کیا چکر ہے۔عمران نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

کیوں کیا تم کوئی اور بڑا خطرہ محسوس کر رہے ہو؟۔

ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔عمران نے کہا اور نکولس کی طرف مڑ کر انگلش میں کہا۔کیا خیال ہے تمہارا؟۔کیا یہ انہی تین بڑوں میں سے ایک ہو سکتا ہے جس کا ذکر لیزا نے کیا تھا؟۔

یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔کیا تم نے اس کی باتیں نہیں سنی تھیں۔اس کے باڈی گارڈز نے بھی اس کا مضحکہ اڑایا تھا۔لیکن تم اتنے سنجیدہ کیوں ہو رہے ہو؟۔

میں سوچ رہا ہوں کہ وہی لوگ زیادہ تر انسانیت کی سطح سے گر جاتے ہیں جنہیں دوسرے مضحکہ خیز سمجھتے ہیں اور مسلسل احساس کمتری میں مبتلا رہتے ہیں۔

یہ بات تو سوچنے کی ہے۔

یہی اندازہ کرنے کے لیے میں نے اس کا مضحکہ اڑایا تھا۔عمران بولا۔

ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو۔

اور وہ اسی لیے بار بار متفق ہونے کا ذکر کر رہا تھا کہ یہ خود اسی کا کارنامہ ہے۔

تمہارے اندازے کبھی تک تو غلط نہیں ہوئے۔

خیر دیکھا جائے گا۔عمران سر ہلا کر بولا۔اب تم لوگ سفر کی تیاری شروع کر دو۔پھر وہ شہباز سے گفتگو کرنے لگا تھا۔

☆

ویسی ہی لمبی سی گاڑی تھی جیسی سرکس والوں کے پاس ہوتی ہیں اور وہ اس میں اپنے

جانور ادھر سے ادھر لیے پھرتے ہیں۔

پچھلے حصے میں جانوروں کو بند کر دیا گیا تھا۔ اور اگلے حصے میں ڈرائیور کے ساتھ دو مسلح آدمی بیٹھے تھے۔

ماداؤں کے لیے علیحدہ سے کوئی انتظام نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی شکرالیوں کے ساتھ اسی گاڑی میں لے جائی جا رہی تھی۔ البتہ مسلح محافظوں نے نکولس کو آگاہ کر دیا تھا کہ اگر کسی جانور نے بھی ان سے چھیڑ چھاڑ کی تو اسے گولی مار دی جائے گی۔

نکولس نے عمران کو اس سے مطلع کر دیا تھا۔ اور اس نے ماداؤں سے بات کرنے پر بھی پابندی لگا دی تھی۔

واقعی اب تو ہمارے ساتھ جانوروں ہی کا سا برتاؤ ہو رہا ہے۔ شارق بولا۔

یہ سفر رات کو شروع ہوا تھا ورنہ شاید ان میں سے ایک بھی منزل تک زندہ نہ پہنچ سکتا۔ دن میں ریگستان کا سفر ناممکنات میں سے تھا۔

اس وقت بھی گرمی سے دم گھٹا جا رہا تھا۔ دوسروں پر جو بھی گزری ہو۔ لیکن عمران اور شارق کی حالت بہت ابتر تھی۔ وہ اپنی کھال میں تو تھے نہیں کہ گرمی بہ آسانی سہار جاتے۔

گاڑی معمولی رفتار سے کسی نامعلوم منزل کی طرف چلی جا رہی تھی۔

میں مر رہا ہوں چچا۔ شارق کراہا۔

دیکھو بیٹے، ریگستان کی چاندنی کتنی بھلی ہے۔ عمران نے کہا۔

پانی ۔۔۔۔ اگر تھوڑا سا پانی مل جاتا۔

عمران نے نکولس سے کہا۔ پانی کے لیے کہو۔ سبھی پیاسے ہوں گے۔

نکولس نے عمران کا پیغام مسلح محافظوں تک پہنچایا تھا۔ اور ان سے جواب پا کر عمران سے بولا تھا۔ ٹھنڈا پانی گاڑی کی چھت پر ٹنکی ہے۔ جس سے کولر لگا ہوا ہے۔

خوب۔ عمران کسی سوچ میں پڑ گیا۔ ڈرائیور کی پشت والی کھڑکی سے انہیں ایک بڑا

سا جگ دے گیا تھا۔ اور نکولس کو پانی حاصل کرنے کی تدبیر بتائی تھی۔

گاڑی کی چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ نکولس نے ایک جگہ جگ اونچا کر کے چھت سے لگا ہوا بٹن دبایا اور جگ میں ٹھنڈے پانی کی دھار گرنے لگی تھی۔

سبھوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور عمران شہباز سے بولا تھا۔ یہ گاڑی اور اس کا انتظام صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ کوئی نئی کہانی نہیں ہے۔

میں نہیں سمجھا؟۔

یہاں سے جانور سفر کرتے رہتے ہوں گے۔

شکرال کے لیے پہلا واقعہ ہے۔ شہباز نے کہا۔

یہاں صرف شکرالی تو نہیں ہے۔ کراغال اور مقلاق بھی ہیں۔

ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو۔ شہباز کہہ کر خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔ شاید میں نے سنا تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے۔ کس نے بتایا تھا۔ یہ یاد نہیں۔ مقلاق اور دوسرے بعض علاقوں سے کچھ لوگ غائب ہو گئے ہیں۔

اندازا کتنے عرصے پہلے کی بات ہے؟۔

یہی کوئی سات آٹھ ماہ سمجھ لو۔

یہ بڑا مناسب علاقہ ہے ایسے کاموں کے لیے۔ ادھر خانہ بدوشوں کے قبیلے بھی تو ہیں۔ ان پر بھی ہاتھ صاف کیا جا سکتا ہے۔

مگر آخر کیوں؟۔

یہی معلوم کرنے کے لیے میں نے یہ خطرہ مول لیا ہے۔

اگر یہ اتنا ہی بڑا معاملہ ہے تو تم تنہا کیا کر لو گے۔ پچھلی بار جب تم شکرال آئے تھے تو تمہارے ساتھ بہترین لڑاکے تھے۔ کلہاڑیوں کی جنگ میں آج تک نہیں بولا۔

اس بار شکرالیوں سے لڑائی نہیں ہو گی۔ یہ ذہنی جنگ کا معاملہ ہے اور ذہنی جنگ میں تنہا لڑتا ہوں۔ خواہ سامنے کتنی ہی بڑی فوج کیوں نہ صف آرا ہو۔

تم ہی جانو۔۔۔۔۔شہباز اکتا کر بولا۔

پھر گرمی اور حبس کے باوجود بھی ان کی آنکھیں نیند کے دباو سے بوجھل ہونے لگی تھیں۔عجیب ریگستان تھا جس کی راتیں بھی بے حد تکلیف دہ ہوتی تھیں۔

وہ سوتے رہے تھے اور خود سے نہیں جاگے تھے بلکہ گاڑی کے کریہہ اور کان پھاڑ دینے والے ہارن کی مسلسل آوازوں نے انہیں اٹھایا تھا۔

آنکھیں مل مل کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔گاڑی رکی ہوئی تھی اور کچھ فاصلے پر ایک بہت بڑا بار بردار طیارہ کھڑا نظر آیا۔

خوب، سبھی کچھ غیر قانونی طور پر ہو رہا ہے۔عمران نے نکولس سے کہا۔

ظاہر ہے۔نکولس بولا۔

اس رن وے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟۔

میں کیا بتاوں۔۔۔۔کچھ بھی تو نہیں جانتا۔

پہاڑ والی عمارت کی طرح یہ رن وے بھی پچھلی جنگ عظیم کی یادگار معلوم ہوتا ہے۔

لیکن یہ طیارہ۔۔۔۔۔یہ تو ایک مشہور کمپنی سے تعلق رکھتا ہے۔

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔پالتو گوریلے اور سرکس کے جانور فضائی سفر کرتے ہی رہتے ہیں۔ہم آدمیوں کے ساتھ تو ہوں گے نہیں کہ کسی کو اپنی دکھ بھری داستان سنا سکیں۔

صبر کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔نکولس نے مردہ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

وہ گاڑی سے اتار کر طیارے میں پہنچائے گئے تھے اور وہاں انہیں کٹہرا ہی نصیب ہوا تھا۔کٹہرے کے دروازے پر ایک قیمتی تختی آویزاں تھی۔جس پر تحریر تھا۔سرکس کے بے ضرر جانور۔۔۔۔پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔

سرکس کا یہ گوریلا کپڑے پہننے کا بھی شائق ہے۔عمران نے نکولس کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

نکولس کچھ نہ بولا۔اس کی آنکھوں میں فکرمندی ظاہر ہو رہی تھی۔

وہ دونوں مسلح محافظ پھر نہ دکھائی دیئے۔

اب ہمارے کھانے پینے کی کیا رہے گی؟۔شارق نے عمران سے پوچھا۔

بھوک لگے تو مجھے کھالینا۔

ناراض ہو گئے چچا؟۔

دفعتاً سفید مادہ نے عمران کو مخاطب کیا۔یہاں آس پاس کوئی نہیں ہے۔کیا تم اب بھی مجھ سے گفتگو نہیں کرو گے؟۔

کیوں نہیں۔اب تو میرے اور تمہارے علاوہ اس دنیا میں کچھ باقی نہیں رہا۔کیا میں تمہیں کیٹس کی کوئی پر درد نظم سناوں؟۔

پیٹ کی بات کرو۔یہاں کھانے پینے کی کیا صورت ہو گی؟۔سفید مادہ نے کہا۔

پیٹ ۔۔۔۔۔ہائے پیٹ ۔۔۔۔۔ابھی مشرق نے بھی یہی سوال کیا تھا۔جواب مغرب کر رہا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔دونوں جانور ہیں ۔۔۔۔۔اونچی اونچی باتیں کرو ۔۔۔۔۔ پیٹ اور کموڈ ۔۔۔۔۔۔۔۔ چھی چھی ۔۔۔۔۔ اونچی اونچی باتیں کرو خوبصورت باتیں۔۔۔۔

تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟۔

تم پیٹ سے سوچ رہی ہو۔دماغ سے سوچو۔۔۔۔روح کو بلندیوں کی طرف لے جاو۔پیٹ میں غلاظتوں کے علاوہ اور کیا ہے؟۔

میں چیخنا شروع کر دوں گی ورنہ یہ بکواس بند کر دو۔

بند کر دی۔۔۔۔۔لیکن اب مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔

تم اس کا دل کیوں دکھا رہے ہو؟۔نکولس نے آہستہ سے پوچھا۔

تم بھی خاموشی سے ایک طرف بیٹھو۔

نکولس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔لہذا وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد طیارے نے ٹیک آف کیا تھا اور وہ لڑکھڑا کر ایک دوسرے پر گرے پڑے۔ اور جانوروں ہی کی طرح چیخنے لگے تھے۔

بس بس، اب کچھ نہ ہوگا۔ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ چین سے بیٹھو۔

تم ہمیں کچھ کرنے ہی نہیں دیتے۔ طربدار بھنا کر بولا۔

رونا چاہتے ہو تو رو بھی سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

طربدار آہستہ سے کچھ بڑبڑایا اور اس کی طرف سے منہ موڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

تم آخر اتنے ناراض کیوں ہو چچا؟۔ شارق بولا۔

مجھ سے ایسی باتیں پوچھی جا رہی ہیں جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

ہم صرف تشویش ظاہر کر رہے تھے۔ ہمیں جواب نہیں چاہیئے۔

اب تم نے عقل مندی کی بات کی ہے۔۔۔۔۔ آؤ، خوب صورت لڑکیوں جھیلوں اور آبشاروں کی باتیں کریں۔

مقلاق میں تو ہوتی ہوں گی لڑکیاں؟۔ شارق شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

نہیں ہوتیں۔۔۔۔۔ ورنہ میں کیوں دربدر ہوتا؟۔

بھاگنے لگے چچا؟۔

او بھتیجے، جھیلوں اور آبشاروں کی بات۔

جھیلیں غرق کر دیتی ہیں۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ آبشار چیتھڑے اڑا دیتے ہیں۔

جہاز کی تیز آواز کی وجہ سے وہ چیخ چیخ کر گفتگو کر رہے تھے۔

دفعتاً دو آدمی کٹہرے کے پاس آ کھڑے ہوئے انہوں نے بڑے بڑے جھابے اٹھا رکھے تھے۔

عمران اور شارق خاموش ہو کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے جھابوں سے کیلے نکال کر کٹہرے کے اندر پھینکنے شروع کر دیئے تھے۔

عمران نے اپنے ساتھیوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا ایک ایک کیلا جھپٹ کر

چھلکے سمیت کھانے لگا۔ دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی۔ پھر ان دونوں آدمیوں کے چلنے جانے کے بعد بقیہ چھیل چھیل کر کھائے گئے تھے۔

واہ چچا۔۔۔۔بات بن گئی۔شارق بولا۔

اب ایسی ہی غذا ملے گی جس سے تمہارا خون ٹھنڈا ہو جائے فکر مت کرو۔

قریبا چار گھنٹے بعد جہاز نے اترنے کے لیے چکر لگانے شروع کر دیئے اور عمر نا نے ساتھیوں کو ہدایت کی تھی کہ وہ کٹہرے کی سلاخیں مضبوطی سے تھام کر بیٹھ جائیں ورنہ پھر ایک دوسرے پر گریں گے۔ بہر حال جہاز نے لینڈ کیا تھا لیکن کہاں؟ وہ نہ دیکھ سکے کیونکہ کھڑکیوں سے دور ایک کٹہرے میں محدود تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہی دونوں مسلح دکھائی دیئے۔جنہوں نے طیارے پر سوار کرایا تھا۔

اب تم لوگ نیچے اترو گے۔اس نے کٹہرے کے قریب آ کر نکولس کو مخاطب کیا۔

یہ کون سی جگہ ہے؟۔

ایک ویران جزیرہ۔یہاں سے ایک اسٹیمر تمہیں دارالحکومت تک پہنچائے گا۔خبردار، اسٹیمر پر کسی سے گفتگو کرنے کی کوشش نہ کرنا۔

میں سمجھتا ہوں۔نکولس بولا لیکن بھوک پیاس کی شکایت کس سے کریں گے؟۔

اس کی طرف سے بے فکر رہو۔۔۔۔انتظام ہے۔

شکریہ۔

وہ واپس چلا گیا۔اور اس کی ہدایت نکولس نے عمران کے گوش گزار کر دی۔

اب بحری سفر ہوگا۔عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔کم از کم یہ تو معلوم کر لیا ہوتا کہ یہ سفر کتنا طویل ہوگا؟۔

میرا ذہن اڑا اڑا ہے صف شکن۔سامنے کی بات کے علاوہ اور کچھ نہیں سجھائی دیتا۔

فطری بات ہے؟۔

دیکھو۔اس جہنم میں کیسی گزرتی ہے۔جسے دارالحکومت کہا جا رہا ہے۔

دیکھا جائے گا۔ہم اس اندھی چال پر مجبور تھے۔

کٹہرا کھول کر وہ جہاز سے اتر گئے تھے۔سورج غروب ہونے والا تھا۔ٹھنڈی اور تیز ہوا نے انہیں مسرور کر دیا۔

جزیرہ سرسبز مگر ویران تھا۔یہاں بھی ویسا ہی رن وے نظر آیا جیسا وہ فضائی سفر کے آغاز میں دیکھ چکے تھے۔۔۔۔

دور ساحل پر کسی اسٹیمر کا دھواں فضا میں مرغولے بناتا دکھائی دے رہا تھا۔

محافظوں نے انہیں خوشگوار فضا سے محظوظ ہونے کی مہلت نہیں دی تھی۔اور وہ بہت زیادہ محتاط بھی نظر آنے لگے تھے۔

ایک نے ساحل کی طرف ہاتھ اٹھا کر نکولس سے کہا۔بس اب چل پڑو۔

نکولس نے ساتھیوں کو روانگی کا اشارہ کیا۔عمران شہباز کی طرف مڑ کر بولا۔

اپنے ساتھیوں کو سمجھا دو کہ اب بالکل خاموش رہیں گے۔جب تک میں نہ کہوں ہلکی سی آواز بھی حلق سے نہ نکالیں۔

عمران کے اندازے کے مطابق اسٹیمر پر عملے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔دونوں محافظوں نے نکولس کو جانوروں کی بھیڑ سے الگ کیا اور اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

اس کا کیا مطلب؟۔نکولس انہیں گھورتا ہوا بولا۔

جانوروں کے ساتھ آدمی سفر نہیں کر سکے گا۔

میں بھی انہی میں سے ہوں۔میرے لباس پر نہ جاو۔چہرے اور سر کے علاوہ تمام جسم پر استرہ پھیر دیا گیا تھا۔

بات نہ بڑھاو۔۔۔۔۔چپ چاپ الگ ہو جاو۔

میں اگر ان کے ساتھ نہ ہوا تو مادائیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔

تم فکر نہ کرو۔

نکولس کو ایک چھوٹے سے کمرے میں تنہا بند کر دیا گیا۔ دوسری طرف شکرالیوں کو ایک بڑے کیبن میں رکھا گیا تھا۔لڑکیاں بھی انہی کے ساتھ تھیں۔

نکولس کو قیدی کیوں بنالیا گیا؟۔سفید مادہ نے عمران کی طرف دیکھ کر پوچھا۔لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی۔۔۔۔پھر شائد سفید مادہ کو اس کی ہدایت یاد آ گئی تھی اور اس نے بات آگے نہیں بڑھائی تھی۔

اسٹیمر نے بالآخر لنگر اٹھا دیا۔بحری سفر بھی شکرالیوں کے لیے نیا تجربہ تھا۔

جیسے ہی اسٹیمر بڑی لہروں کے درمیان پہنچا انہوں نے پیٹ دبا دبا کر ڈکرانا شروع کر دیا۔اور پھر گردنیں ڈال کر ادھر ادھر جا پڑے تھے۔ان کی دیکھا دیکھی ماداوں کی حالت بھی کسی قدر گڑبڑائی تھی لیکن پھر انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔

عمران ان کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ایک بار پھر یہ بات ذہن نشین کر لو کہ مجھے اپنی زبان کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں آتی اگر کسی طرح یہ بات کھل گئی کہ میں انگلش بھی بول سکتا ہوں تو پھر زندگی بھر ہم میں سے کوئی بھی دوبارہ اپنی اصلی حالت پر نہیں آ سکے گا۔

ہم سمجھتے ہیں،تم مطمئین رہو۔ایسا ہی ہوگا۔لیکن اس عورت کا کیا ہوگا۔کیا وہ ادھر کے لوگوں کو مطلع نہ کر دے گی؟۔سفید مادہ نے کہا۔

اس کا انتظام کر چکا ہوں۔بس تم اپنی زبان قابو میں رکھنا۔

ایسا ہی ہوگا۔

یہ سفر دو گھنٹے تک جاری رہا تھا۔اسٹیمر کسی ساحل پر لنگر انداز ہوا۔لیکن ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے جانوروں کو اتارنے کی جلدی نہ ہو۔یا پھر وہاں جانوروں کو اترنا ہی نہ رہا ہو۔اسٹیمر کسی اور مقصد کے تحت وہاں ساحل سے لگایا گیا ہو۔

عمران کے علاوہ اور سب فرش پر پڑے خراٹے لے رہے تھے۔کیبن کا دروازہ کھلنے کی آواز سن کر عمران بھی لیٹ کر سوتا بن گیا۔

اوہ۔۔۔۔یہ تو سو رہے ہیں۔کسی کی آواز آئی۔

تو پھر انہیں کیسے اتارا جائے؟۔

یہ پوچھو کہ کیسے جگایا جائے۔

جھنجھوڑنے کا خطرہ تو نہیں مول لیا جا سکتا۔

کیبن کا دروازہ بند کرو۔اور تیز قسم کی موسیقی ریکارڈ لگا کر اس کیبن کے لاوڈ اسپیکر کا سوئچ آن کر دو۔

خیال برا نہیں۔لیکن یہ جانور حیرت انگیز ہیں۔۔۔۔۔اس سے پہلے جو بھی آئے ہیں دردسر بن گئے۔کوئی چیخ رہا ہے تو کوئی دہاڑیں مار مار کر رو رہا ہے۔کوئی مارنے مرنے پر آمادہ ہے۔

چلو۔۔۔۔۔۔واپس چلیں۔۔۔۔۔۔دروازہ مقفل کر دو۔

تھوڑی ہی سی دیر بعد کیبن رقص کی موسیقی سے گونجنے لگا تھا۔کان پھاڑ دینے والی آواز تھی۔وہ سب بوکھلا کر اٹھ بیٹھے۔اور انہوں نے عمران کو رقص کرتے دیکھا۔اس نے انہیں بھی اشارہ کیا تھا۔سب سے پہلے شارق نے اس کی تقلید شروع کر دی۔پھر رفتہ رفتہ وہ سبھی ناچنے لگے تھے۔

دونوں مسلح محافظ حیرت سے آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتے رہے کیبن کا دروازہ دوبارہ کھول دیا گیا تھا۔اسٹیمر کے عملے کے۔۔۔۔لوگ بھی راہداری میں موجود تھے۔

حیرت انگیز۔۔۔۔حیرت انگیز۔۔۔۔۔۔عملے کا ایک آدمی بولا۔پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔

یہ آنریبل جنرل کے خاص جانور ہیں۔مجھے یہی اطلاع ملی ہے۔دوسرا بولا۔

عمران ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں بھی رقص کی دعوت دے رہا تھا۔اور وہ ہنس رہے تھے۔

ذرا ہی سی دیر میں عملے کے آدمی جانوروں کی طرف سے مطمئن ہو گئے کہ ان سے حقیقتہ کوئی جانور پن سرزد نہیں ہوگا۔ریکارڈ کے اختتام پر سناٹا چھا گیا۔اور عمران کے

اشارے پر وہ سب فرش پر بیٹھ گئے۔

میں نے کہا تھا کہ یہ جنرل کے خاص جانور ہیں۔ایک محافظ بولا۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد جنرل کے وہ خاص جانور ساحل پر اتار دیئے گئے تھے۔خاص الخاص جانور ساحل پر قدم رکھتے ہی بری طرح چونکا تھا۔پہلے تو بصارت ہی پر یقین نہیں آیا۔لیکن پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود بھی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ تو یہاں ایک بار پہلے بھی آ چکا ہے۔۔۔۔۔ہاربر کا احاطہ کئے ہوئے وہی اونچی اونچی چٹانیں تھیں جن پر جگہ جگہ سرخ اور سبز روشنیوں کے سگنل لگے ہوئے تھے۔اور وہ حیرت انگیز ہاربر تھا۔جس پر چھوٹی کشتیوں سے لے کر بہت بڑے بڑے اسٹیمر تک لنگر انداز ہو سکتے ہیں۔۔۔۔یہ لنگھم آئیل کا ہاربر تھا۔وہی لنگھم آئیل جہاں ایش ٹرے کی شکل کی ایک عمارت تھی۔اور عمران اسے اندر سے نہیں دیکھ سکا تھا۔

ہاربر سے نکل کر وہ ایک بڑی گاڑی میں بٹھا دیئے گئے تھے۔نکولس بھی ان کے ساتھ تھا۔

اس نے سفید مادہ سے پوچھا۔کیا گزری تم لوگوں پر؟۔

کچھ بھی نہیں،ہم زیادہ تر سوتے رہے ہیں۔اور ان لوگوں کو بحری علالت نے آدبوچا تھا۔

بڑی تکلیف اٹھائی ہوگی۔ان بے چاروں نے پہلے کبھی شاید ہی سمندر کی شکل دیکھی ہو۔

ہم ہیں کہاں نکولس۔

خدا ہی جانے۔

تم نے ان لوگوں سے پوچھا نہیں؟۔

ضرورت بھی کیا ہے۔جانوروں کو اس سے کیا سروکار وہ کہاں ہیں؟۔

تمہیں ہم سے الگ کیوں کر دیا گیا تھا؟۔

میں نہیں جانتا۔۔۔انہوں نے وجہ نہیں بتائی تھی۔

گاڑی حرکت میں آ گئی تھی۔

عمران اور شکرالی بالکل خاموش تھے۔



پہلے وہاں ۔گار کی شکل کی ایک ہی عمارت تھی۔لیکن اب کئی نظر آ رہی تھیں۔شفاف چاندی میں ان کئی منزلہ عمارات کو دور سے بھی دیکھا جا سکتا تھا۔

ایش ٹرے ہاوز بھی نظر آیا۔

ان کی گاڑی ایش ٹرے ہاوز کے قریب ہی رکی تھی۔قریب سے یہ عمارت بہت بڑی نظر آئی۔عمران نے پچھلے سفر کے دوران میں اسے دور ہی سے دیکھا تھا۔اور تب اس کے گرد آہنی سلاخوں والا احاطہ بھی نہیں تھا۔احاطے کے پھاٹک سے گاڑی گزری تھی۔ اور عمران نے اندازہ کرلیا تھا کہ اس آہنی احاطے میں برقی رو بھی دوڑائی جا سکتی ہوگی۔ احاطے سے عمارت کا فاصلہ دو ڈھائی فرلانگ ضرور رہا ہوگا۔

گاڑی تھوڑی دیر وہاں کھڑی رہی تھی۔پھر ایک محافظ نے دروازے کے قریب آ کر نکولس سے کہا تھا۔تم لڑکیوں سمیت باہر آ جاو۔اور اس سے بھی اترنے کو کہو جس سے جنرل نے شکرالی میں گفتگو کی تھی۔

عمران نے سنا تھا اور نکولس کے اشارے کا منتظر رہا تھا۔

شاید، میں جا رہا ہوں۔اس نے آہستہ سے شہباز کے کان میں کہا۔تم لوگ جہاں بھی رہو میرے منتظر رہنا۔میرے مشورے کے بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھانا۔

تم مطمئن رہو۔ایسا ہی ہوگا۔شہباز بولا۔

پھر وہ چاروں نیچے اترے تھے اور گاڑی دوسرے جانوروں سمیت وہاں سے چلی گئی تھی۔

دونوں مادائیں کسی اور طرف لے جائی گئی تھیں اور یہ دونوں محافظ کے ساتھ ایش ٹرے ہاوز میں داخل ہوئے۔

وہ جدھر سے بھی گزرتے تیز قسم کی روشنی میں نہا جاتے۔شائد روشنیاں عمارت کے کسی حصے میں ان کی تصویریں بنا رہی تھیں۔

بالآخر ایک بہت بڑے ہال میں انہیں پہنچایا گیا تھا۔یہ ہال بھی دائرہ نما تھا۔بالکل کسی اسٹیڈیم کا منظر پیش کر رہا تھا۔لیکن اسٹالز خالی تھیں۔البتہ البتہ ایرینا میں جنرل چار باڈی گارڈز کے ساتھ موجود تھا۔وہی مختصر سا جنرل جس سے عمران کی گفتگو ہوئی تھی۔

اوہو۔۔۔۔۔اس نے نکولس کو گھورتے ہوئے کہا۔اس چوکی پر میں نے تمہیں نظر انداز کر دیا تھا۔تم انگلش بول سکتے ہو؟۔

میں انگریز ہوں جناب۔

جناب نہیں۔۔۔۔جنرل۔

جنرل۔۔۔۔۔نکولس بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ہاں۔۔۔۔اب بتاو۔۔۔۔۔کیا لیزا گوردو کے اسٹاف سے تعلق رکھتے ہو؟۔

تم نے سفید فام لڑکیوں کے جانور بنائے جانے پر اعتراض کیا تھا؟۔

ہاں مجھ سے غلطی ضرور سرزد ہوئی تھی۔لیکن میں اس غلطی پر جانور نہیں بنایا گیا۔

تو پھر کس غلطی پر بنائے گئے تھے؟۔

نکولس نے جیری اور اس کی ڈائری کی کہانی شروع کر دی۔اور اس کے ایک حصے کو بدلتا ہوا بولا۔ لیزا کو کسی طرح اس کا علم ہو گیا تھا۔اس نے ہم دونوں کو طلب کر کے ڈائری طلب کی۔میں نے کہا کہ میں تو کی ہی میں ڈائری چھوڑ آیا ہوں۔لیکن شائد وہ اصل بات جیری سے علیحدگی میں پہلے ہی معلوم کر چکی تھی۔لہذا میرے کپڑے اتار کر مجھے چمڑے کے چابک سے پٹوایا۔کئی آدمیوں کے سامنے برہنہ کیا گیا تھا۔آپ خود سوچیئے۔میری کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔پھر یہی نہیں۔اس نے میرے کپڑے آتش دان

میں پھکوا دیئے اور وہ ڈائری میری آنکھوں کے سامنے جل کر راکھ ہوگئی۔

وہ کس طرح؟۔جنرل اچھل کر بولا۔

ڈائری اسی جیکٹ کے استر میں چھپی ہوئی تھی جو میرے جسم سے اتار دی گئی تھی۔

افسوس۔۔۔۔۔افسوس۔جنرل رانیں پیٹتا ہوا چیخا۔

اور پھر جب میں نے دیکھا کہ میری زندگی ہی خطرے میں ہے تو میں نے جیکٹ جل جانے کے بعد لیزا کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ سب کچھ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔اگر وہ مجھے مار ڈالے تب بھی نہیں بتاؤں گا۔

کیا سچ مچ۔۔۔۔۔وہ سب تمہارے ذہن میں محفوظ ہے؟۔

ہرگز نہیں جنرل۔وہ تو میں نے اس لیے جھوٹ بولا کہ لیزا مجھ سے اگلوا لینے کے لیے زندہ رہنے دے۔

میں پوچھ رہا تھا کہ اس نے تمہیں جانور کیوں بنایا؟۔

مجھے جانور بنا کر اس توقع پر جیری سمیت جنگل میں پھکوا دیا کہ ہیروں کی وادی تک جانے کا راستہ تلاش کروں گا اور وہ میری لاعلمی میں ہم دونوں کی نگرانی کرتی رہے گی۔

ہوں۔۔۔۔۔ہوسکتا ہے۔۔۔۔۔لیکن یہ کپڑے۔دوسرے جانور تو ویسے ہی ہیں۔

جنگل سے دوبارہ اٹھا دیا گیا۔آنریبل جنرل۔اور بے ہوشی کے عالم میں میرے جسم پر استرہ پھیرا گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔یہ کپڑے پہنائے گئے تھے اور ہوش میں آنے کے بعد مجھ سے کہا گیا تھا کہ گوردو آدمی بھی بنا سکتی ہے۔جہاں جہاں سے بال غائب ہیں وہاں اب نہیں اگیں گے۔اگر میں گوردو کے لیے نقشہ تیار کردوں تو پورا آدمی بنا دیا جاوں گا۔لیکن میں جلد ہی محسوس کرلیا کہ وہ محض فریب تھا گوردو مجھے پھر سے آدمی بنا دینے پر قادر نہیں ہے۔

یہ درست ہے،میرے علاوہ اور کوئی تمہیں آدمی نہیں بنا سکتا۔جنرل چہک کر بولا۔

بہر حال لیزا نے مجھے اسی لیے شاید زندہ رہنے دیا کہ اس کی دانست میں نقشہ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔

اور اب اطلاع ملی ہے کہ وہ پاگل ہوگئی ہے۔ جنرل میز پر گھونسہ مار کر چیخا۔

ضرور پاگل ہوگئی ہوگی۔ جنہیں اپنے جرائم کی جواب دہی کا خوف ہوتا ہے۔ وہ اسی طرح پاگل ہو جایا کرتے ہیں۔

میں دیکھوں گا، اب تم جاؤ۔ جنرل نے کہہ کر ایک باڈی گارڈ کو اشارہ کیا تھا اور وہ نکولس کو وہاں سے کہیں اور لے گیا تھا۔

جنرل عمران کی طرف متوجہ ہوا۔

تم ہی تھے جس سے اس چوکی پر میری گفتگو ہوئی تھی؟۔ اس نے شکرالی میں پوچھا۔

ہاں جنرل، میں ہی تھا۔

اور تم نے مجھے حیرت میں ڈال رکھا ہے۔

میں نہیں سمجھا جنرل؟۔

تم سے پہلے جتنے بھی آئے تھے ابھی تک ہمارے قابو میں نہیں آ سکے لیکن تم لوگ؟۔

ہم لوگ پہلے بھی آدمی نہیں تھے۔ یعنی ہم تیرہ شکرالی۔

کیا مطلب؟۔

آدمی وہ ہے جو صرف اپنے کام سے کام رکھے۔ لیکن ہم تیرہ آسمانوں کی سیر کرتے ہیں۔ ہمیں بہت پہلے علم ہو گیا تھا کہ ہماری ہیت بدلنے والی ہے۔

کیسے معلوم ہو گیا تھا؟۔

ہم آسمانوں کی سیر کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔

یعنی تم کاہن ہو؟۔

ہاں جنرل، اور وہ بارہ میرے شاگرد ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کونسی جگہ ہے۔ لیکن یہ جانتا ہوں کہ یہاں پہلے آٹھ بادشاہ تھے۔ اب صرف تین رہ گئے ہیں۔

حیرت انگیز۔جنرل ایک بار پھر اچھل پڑا اور باڈی گارڈز کی طرف دیکھ کر انگلش میں بولا۔اس معزز ہستی کو کرسی پیش کرو۔

شکریہ جنرل۔عمران بیٹھتا ہوا بولا۔

میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تمہیں اپنا مصاحب بناؤں گا۔

مزید شکریہ،لیکن۔

لیکن کیا؟۔

ستاروں کی چال کہہ رہی ہے کہ وہ دونوں بادشاہ اسے پسند نہیں کریں گے۔

انہیں پسند کرنا پڑے گا۔جنرل میز پر گھونسہ مار کر چیخا۔

عمران کچھ نہ بولا۔

کچھ اور بتاؤ۔مستقبل کے بارے میں؟۔جنرل اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

تمہارا یہ تجربہ ناکام رہے گا۔

کونسا تجربہ؟۔

بچے بالدار نہیں ہوں گے۔آدمیوں ہی جیسے ہوں گے۔

تب تو سب فضول ہے۔

اور ان دونوں میں سے صرف ایک ہی۔۔۔۔۔۔

دوسری،دوسری کیوں نہیں؟۔

وہ تمہارے مقدر میں ہے۔۔۔۔۔۔سفید مادہ۔

مم۔۔۔۔۔میرے۔۔۔۔نا ممکن۔۔۔۔سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

جنرل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

ستارے یہی کہہ رہے ہیں۔تم اسے دوبارہ عورت بنا کر تو دیکھو۔وہ بالکل دوسروں سے دور رہی ہے۔میں نے اپنے شاگردوں کو ہدایت کر دی تھی کہ کوئی اس کے قریب بھی نہ جائیے۔

تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟۔

اس لیے کہ وہ صرف تمہارے لیے پیدا ہوئی ہے جنرل۔ میں جانتا ہوں کہ یہ دنیا کے سب سے بڑے آدمی کی عورت بننے والی ہے۔

اوہ۔۔۔۔اوہ۔۔۔۔۔جنرل کچھ کہہ بھی نہیں سکا۔ اس وقت اس کی حالت کسی بچے کی سی ہو رہی تھی۔ عمران اسے بغور دیکھتا رہا۔ پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ اسے کبھی کسی عورت نے منہ نہ لگایا ہوگا۔

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ میں اسے عورت بنا دوں گا۔ اور تمہیں بھی آدمی بنا دوں گا۔

میں تو نہیں بننا چاہتا آدمی۔

کیوں؟ کیوں نہیں بننا چاہتے؟۔

اس حلیے میں خود کو زیادہ معزز محسوس کرتا ہوں۔

عجیب بات ہے۔

روزانہ نئے نئے ملبوسات کی بچت۔۔۔۔۔اپنی کھال میں مست۔۔۔۔

یہ بھی حیرت انگیز ہے کہ تم ہمارے نکتہ نظر سے بھی واقف ہو۔ جنرل خوش ہو کر بولا۔ ہم یہی چاہتے ہیں کہ ساری دنیا کے عوام کو جانور بنا دیں۔ فی الحال چھوٹے پیمانے پر تجربات شروع کئے ہیں۔

اچھا۔

ہاں۔۔۔۔ہم تمہیں مقابلے کی دوڑ سے بچانا چاہتے ہیں۔

بہت خوب۔

اس پر تفصیل سے باتیں پھر ہوں گی۔ یہ بتاؤ، کیا تم ان جانوروں کو بھی قابو میں کر سکو گے جو تمہارے شاگرد نہیں ہیں۔

کر سکوں گا۔ لیکن ان کا انحصار اس پر ہوگا کہ وہ کن خطہ ہائے زمین سے تعلق رکھتے

ہیں۔

سب تمہارے آس پاس ہی کے علاقوں کے ہیں۔

مثال کے طور پر۔

مقلاقی ہیں۔۔۔۔۔کراغالی ہیں۔

عمران نے پرتشویش انداز میں سر کو جنبش دی تھی۔اس سلسلے میں بھی اس کا اندازہ درست نکلا تھا۔

لیکن جنرل۔وہ کچھ دیر بعد بولا۔آخر یہ عنایت ہمیں پر کیوں؟اسی خطہ زمین کو کیوں منتخب کیا گیا۔۔۔۔پہل کرنے کے لیے؟۔

وہاں ہمارے پاس ایک محفوظ ٹھکانہ پہلے سے موجود تھا۔وہی عمارت جہاں سے لیزا گوردو نے تم لوگوں پر تجربہ کیا تھا۔اب ہم دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی ایسی محفوظ جگہیں تلاش کر رہے ہیں۔

اچھی بات ہے۔میں کوشش کروں گا کہ دوسرے جانوروں کو بھی تمہارا مطیع بنا دوں۔ویسے تمہارے وہ دونوں ساتھی کہاں ہیں؟۔

فی الحال یہاں موجود نہیں ہیں۔تم ان کی فکر نہ کرو وہ مجھ سے اختلاف نہیں کر سکتے۔

خدا کرے ایسا ہی ہو۔لیکن ستارے کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

کیا کہہ رہے ہیں؟۔

یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔اختلاف تو سمجھ میں آ رہا ہے لیکن انجام کی چال ابھی واضح نہیں ہے۔

کیا کہنا چاہتے ہو؟۔

ابھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ تم تینوں کا کیا ہوگا۔یا یوں کہو کہ اختلاف کا انجام کیا ہوگا۔

بری خبر مت سناؤ۔جنرل نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔مجھے اس عورت کے بارے

میں سوچنے دو۔ جو میرے مقدر میں ہے۔

میں کل اسے ایک بار پھر دیکھوں گا۔ عمران نے کہا۔ کبھی کبھی مقام بدلنے سے بھی فرق پڑ جاتا ہے۔

اس کے بعد عمران کو وہیں سے بھجوا دیا گیا تھا۔ جہاں اس کے ساتھی لے جائے گئے تھے۔

ایک بہت بڑا اشڈ تھا۔ جس کی چاروں اطراف میں سلاخوں دار جنگلے لگے ہوئے تھے اور تیز قسم کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔۔۔۔۔ لیکن وہاں تو درجنوں جانور تھے۔ اور ان کے ساتھیوں کی شناخت مشکل تھی۔ اگر شارق خود ہی جھپٹ کر عمران کی طرف نہ آتا تو اسے کسی نہ کسی کو آواز دینی پڑتی۔

شہباز کو اس نے اتنے ہی احوال سے آگاہ کیا تھا۔ جتنا مناسب سمجھتا تھا۔

یہاں۔۔۔۔۔ مقلاقی اور کراغالی بھی ہیں صف شکن۔ شہباز بولا۔ تمہارا خیال بھی درست نکلا۔

تم نے ان سے گفتگو کی ہے؟۔ عمران نے پوچھا۔

کیوں نہیں، کراغالیوں میں تین میرے شناسا نکلے ہیں۔ تم دیکھو مقلاقیوں میں شاید تمہارے شناسا بھی نکل آئیں۔

میں تو صرف نام کا مقلاقی ہوں۔ وہاں میرا کوئی شناسا نہیں نکلے گا۔ تم نے ان سے میرا ذکر تو نہیں کیا؟۔

نہیں۔

ایسا کبھی نہ کرنا۔

ضرورت ہی کیا ہے۔ شہباز نے کہا۔ لیکن یہ لوگ آپے سے باہر معلوم ہوتے ہیں۔

خیر۔۔۔ دیکھا جائے گا۔ پتہ نہیں کھانے پینے کا انتظام یہاں کس قسم کا ہے پھل تو اب کھائے نہیں جاتے۔ کیا ہم سچ مچ گوریلے ہیں شہباز؟۔

تم ہی جانو۔تم نے منع نہ کر رکھا ہوتا تو اب تک کئی جانیں میرے ہاتھوں جا چکی ہوتیں۔

شائد وہ وقت قریب ہے۔ابھی اپنے اس جذبے کو دبائے رکھو۔ان مقلاقیوں اور کراغالیوں کو بھی ٹھنڈا کرنا ہے۔میں نے جنرل سے وعدہ کیا ہے۔

مجھے تو وہ چھوٹا سا آدمی پاگل معلوم ہوتا ہے۔

کچھ پاگل ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں پاگل کہنے کی جرات نہیں کی جاسکتی۔

کچھ دیر بعد ان کے لیے کھانا آیا تھا۔جو بھنے ہوئے غلے اور ابلے ہوئے چاول پر مشتمل تھا۔

☆

دوسری صبح شارق نے عمران کو جگایا تھا۔ایسی ٹوٹ کر نیند آئی تھی کہ بیدار ہو جانے کے بعد بھی آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔

کیا ہے۔۔۔۔۔سونے دو؟۔عمران نے جھنجھلا کر کہا۔

وہی پاگل بالشتیا۔۔۔۔۔۔تمہیں پوچھ رہا ہے۔

کون؟۔

جسے جنرل کہتے ہو۔

عمران بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔جنرل ایڈون جنگلے کے باہر کھڑا تھا اس کے پیچھے دو مسلح گارڈ تھے۔جن کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔

تم ابھی تک سو رہے ہو؟۔اس نے عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔

پھر کچھ مقلاقی اور کراغالی بھی جاگے۔اور انہوں نے چیخ چیخ کر اسے گالیاں دینا شروع کر دیں تھیں۔

تم سن رہے ہو؟۔اس نے عمران سے کہا جواب جنگلے کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

میں سن رہا ہوں جنرل۔لیکن ابھی ان سے گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا۔

خیر۔۔۔۔خیر۔۔۔۔تم باہر آؤ۔

جیسا حکم جنرل۔۔۔۔۔۔اپنے آدمیوں سے کہیئے کہ دروازہ کھولیں۔

ایک نے اسٹین گن سیدھی کی تھی اور دوسرے محافظ نے قفل کھولا تھا۔

عمران کو باہر نکال کر دروازہ دوبارہ مقفل کر دیا گیا۔عمران کے ساتھیوں کے علاوہ سبھی چیخ رہے تھے۔

میں نے ان کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہا تھا جیسا تمہارے ساتھ کر رہا ہوں۔ جنرل نے کہا۔

مجھے یقین ہے۔تم بہت رحم دل ہو۔جنرل۔

اور تم بہت عقل مند ہو۔جنرل بولا۔

اس پر عمران نے کچھ نہیں کہا تھا۔وہ ایک طرف چل پڑے۔کچھ دیر بعد جنرل نے کہا۔میں تمہیں اسی لڑکی کے پاس لئے چل رہا ہوں۔

کسی چھت کے نیچے؟۔عمران نے سوال کیا۔

ہاں۔۔۔۔ایک بہت آرام دہ کمرہ اسے دیا گیا ہے۔

یہ تو ہونا ہی چاہیئے۔لیکن کسی چھت کے نیچے میرا اور اس کا قرب قطعی لاحاصل ہوگا۔ عمران نے چلتے چلتے رک کر کہا اور چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ٹھہرو۔مجھے اس کے ستارے کا مقام تلاش کرنے دو۔

کچھ دیر اسنے ایک چھوٹے سے ٹیلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔آج اس کا ستارہ ٹھیک اس ٹیلے کے اوپر ہوگا۔

تم کہنا کیا چاہتے ہو؟۔جنرل الجھ کر بولا۔

اسے ٹیلے پر بلواؤ۔وہیں اندازہ لگاؤں گا کہ اس پر تبدیلی مقام کا اثر تو نہیں پڑا۔ چھت کے نیچے کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔

ابھی بلواتا ہوں ۔۔۔۔ہم یہیں ٹھہریں گے۔جنرل نے کہا اور ایک محافظ کو لڑکی سے متعلق ہدایات دیں۔وہ چلا گیا۔

تمہارے ساتھی تو خوش ہیں؟۔جنرل نے پوچھا۔

ان کی خوشی اور ناخوشی کا انحصار مجھ پر ہے۔

تب پھر مجھے تم سے پوچھنا چاہیئے۔کہ کیا تم خوش ہو نا؟۔

میں ہر حال میں خوش رہنے کا عادی ہوں جنرل۔

میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں آدمی بنا کر دیکھوں۔

نہیں جنرل، میں جانور ہی رہ کر تمہارے لیے مفید ثابت ہوسکتا ہوں۔

میں سمجھ گیا۔دفعتاً جنرل نے قہقہہ لگایا۔

کیا سمجھ گئے؟۔

تم جانوروں کے بادشاہ بننا چاہتے ہوں۔

میرے علاوہ انہیں اور کوئی کنٹرول نہ کر سکے گا۔

مجھے یقین ہے۔۔۔۔اور خوشی ہے کہ ہماری سکیم سے تم متفق ہو۔آدمی کے رکھ رکھاو کا واحد علاج یہ ہے کہ اسے دوبارہ جانور بنا دیا جایئے۔ارتقا اور تہذیب نے اسے کہیں کا نہ رکھا۔سسک رہا ہے۔ایڑیاں رگڑ رہا ہے لیکن مقابلے کی دوڑ جاری ہے۔ایسی کی تیسی ایسے ارتقا کی۔۔۔۔جہنم میں جائے ایسی تہذیب۔

عمران کچھ نہ بولا۔جنرل اپنی تقریر جاری رکھنا چاہتا تھا۔لیکن یک بیک موضوع بدل گیا۔کیونکہ سفید مادہ آتی دکھائی دی تھی۔

ہائے۔۔۔۔ہائے۔۔۔۔آ رہی ہے۔جنرل نے تہذیب اور رتقا کی مزید ایسی کی تیسی کر کے سسکاری لی۔

بس اسے ٹیلے پر جانے دو۔اب اپنے محافظوں سمیت دور چلے جاو۔عمران نے کہا۔

اچھا۔۔۔۔اچھا۔جنرل مضطربانہ انداز میں بولا۔

تم نے کچھ بھی نہ کیا جنرل؟۔عمران نے کہا۔

کیا مطلب؟۔

قد بڑھانے کی کوئی تدبیر سوچی ہوتی تو جانور سازی کی نوبت نہ آتی۔

بکواس مت کرو۔جنرل ہتھے سے اکھڑ گیا۔

اپنی آواز بلند نہ ہونے دو۔۔۔۔۔۔وہ سن لے گی۔

اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اچھا۔۔۔۔۔وہ دھیما پڑ گیا۔لیکن تم اس سے کہو گے کیا؟۔

وہ میری زبان نہیں سمجھ سکتی۔میں اس سے کیا کہوں گا۔

اوہ۔ہاں۔یہ تو بھول ہی گیا تھا۔جنرل نے کہا اور چیخ کر محافظ سے بولا۔اسے اس ٹیلے پر پہنچا کر واپس آ جاو۔

محافظ سفید مادہ سمیت ٹیلے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

تم نے میرے قد کا مضحکہ اڑایا تھا۔میں تم سے اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔جنرل عمران کو گھورتا ہوا آہستہ سے بولا۔

میں نے مضحکہ نہیں اڑایا تھا۔سنجیدگی سے وہ بات کہی تھی۔تم لوگ اتنے ترقی یافتہ ہو کہ آدمی کو جانور تو بنا سکتے ہو

لیکن بے چارے کا قد نہیں بڑھا سکتے۔مشترکہ خلائی سرکس دکھا سکتے ہو۔لیکن زمین کے مسائل آج سے ہزاروں برس پہلے تھا وہی آج بھی ہے صرف طریق کار بدل گیا ہے۔

کیا تم واقعی شکرال کی پیداوار ہو؟۔

صد فی صد۔

یقین نہیں آتا۔۔۔شکرالی تو میں بھی بول سکتا ہوں۔

شکرالیوں میں کوئی غیر ملکی زندہ نہیں رہ سکتا۔

یہ بھی درست ہے۔اچھا وہ ٹیلے پر پہنچ گئی ہے۔اب تم بھی جاو۔ہاں ہم کتنی دور چلے

جائیں؟۔

اتنی دور کہ تمہیں دکھائی نہ دے سکیں۔اس سے بھی فرق پڑے گا۔

اچھا۔۔۔اچھا۔

وہ لوگ تیزی سے پیچھے ہٹتے چلے گئے تھے۔اور عمران ٹیلے کی طرف بڑھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سفید مادہ اس کی کہانی سن کر ہنس رہی تھی۔اختتام پر بولی۔جیسا تم کہو۔میں تو اس شدت سے اظہار عشق کروں گی کہ وہ پاگل ہو کر مر جائے گا۔

مقصد دراصل یہ نہیں ہے۔تمہیں صرف اس پر نظر رکھنی ہے کہ وہ تمہیں آدمی بنانے کے سلسلے میں کیا کرتا ہے۔

اگر میرے ہوش میں سب کچھ ہوا تو تم تفصیل سن لوگے۔

بہر حال،تمہارے سلسلے میں اپنا وعدہ پورا کر رہا ہوں۔اور ہاں ایک بار پھر سن لو۔اسے قطعی نہ معلوم ہونے پائے کہ میں انگلش جانتا ہوں۔

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔کاش تم بھی جلدی سے آدمی بن جاو۔میں ہر وقت تمہارے ہی متعلق سوچتی رہتی ہوں کہ تم کیسے ہوگے؟۔

جانور بن جانے کے بعد بھی مفر نہیں ہے۔وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

کیا کہہ رہے ہو؟۔

کچھ بھی نہیں۔۔۔بس محتاط رہنا۔

فکر نہ کرو۔

آو،بس چلیں۔

جنرل اور محافظوں کے قریب پہنچ کر ان کی راہیں پھر الگ ہوگئیں۔عمران کو تو رکنا پڑا تھا۔ایک محافظ اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

تم واقعی خوش قسمت ہو جنرل۔عمران بولا۔

کک۔۔۔کیا ہوا؟۔

مقام کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا۔ دو گھنٹے بعد سورج وہاں ہوگا۔ اس نے ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہی ساعت مناسب ہوگی۔ اسے عورت بنانے کا عمل دو گھنٹے بعد شروع کرا دو۔ خواہ تکمیل میں ایک ہفتہ لگ جائے۔

تنہا میں کچھ بھی نہیں کر سکتا، ان دونوں کی موجودگی بھی ضروری ہے۔

تنہا تم اسے عورت نہیں بنا سکتے؟۔

نہیں میرے دوست، جانور بنانے کا عمل بے حد آسان ہے تمہیں تدبیر بتا دی جائے تو تم بھی کر سکتے ہو۔ لیکن آدمی بنانے کے لیے کئی آدمی درکار ہوتے ہیں۔

یہاں سے کوئی آدمی لے لو؟۔

ہرگز نہیں۔ یہ راز ہم تینوں ہی تک محدود ہے۔ کوئی چوتھا اس میں شامل نہیں۔

تو پھر انہیں۔۔۔۔۔۔ بلوا لو۔

دو دن سے پہلے وہ یہاں نہیں پہنچ سکتے۔

اگر دو دن بعد ستاروں کی چال بدل گئی تو؟۔

میں بے بس ہوں میرے دوست، کچھ نہیں کر سکتا۔

تمہارا مقدر۔ عمران نے پر تاسف لہجے میں کہا۔ اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ تمہارے بلانے پر چلے ہی آئیں۔ اور پھر تم سے متفق بھی ہو جائیں؟۔

متفق تو ہونا ہی پڑے گا۔

ستارے کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

ستارے، ستارے، ستارے۔ جنرل بھنا کر بولا۔ اب چپ بھی ہو جاؤ۔

عمران خاموش ہو گیا۔

ہاں، کیا کہہ رہے ہیں ستارے؟۔ جنرل اسے گھورتا ہوا بولا۔

آپ کی خفگی نہیں مول لینا چاہتا۔ بہتر یہی ہے کہ آدمی اندھیرے میں رہ کر مار کھا جائے۔ ورنہ پیش از وقت علم پہلے ہی سے آدھ مرا کر دیتا ہے۔

ٹھیک کہتے ہو۔۔۔۔اچھی بات ہے۔میں دیکھوں گا۔

تم بذات خود دل کے برے نہیں ہو جنرل،لیکن ان دونوں میں سے نہ کوئی یہ چاہتا ہے کہ صرف ایک رہ جائے۔

میں نے تو کبھی یہ نہیں چاہا؟۔

مجھے یقین ہے۔کاش میں ان دونوں کی تصویریں ہی دیکھ سکتا۔

یہ دنیا بہت بری جگہ ہے۔جنرل ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ہم آٹھ تھے اب صرف تین رہ گئے ہیں۔میں تمہیں ابھی ان کی تصویریں دکھاوں گا۔

وہ پانچوں کس طرح مرے؟۔

یہی تو کہہ رہا ہوں کہ ہم دنیا کی بھلائی کے لیے کام کر رہے تھے لیکن دنیا ہماری دشمن ہوگئی۔وہ پانچوں مختلف ممالک کے جاسوسوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

ہوسکتا ہے۔خیر میں دیکھوں گا کہ ستارے کیا کہتے ہیں۔

چلو میں تمہیں ان کی تصویریں دکھاو۔

وہ اسے ایش ٹرے ہاوز میں لایا تھا۔۔۔۔بڑی عجیب عمارت تھی۔

یہ تو جادو گھر معلوم ہوتا ہے جنرل؟۔عمران نے کہا۔

ہاں،تمہیں تو جادو ہی معلوم ہوگا۔میں تمہیں جادو دکھاوں۔۔۔۔ان دونوں لڑکیوں کو ان کے کمرے میں دیکھو۔

جنرل اسے ایک ایسے کمرے میں لایا جو خواب گاہ معلوم ہوتی تھی۔ہوسکتا ہے اسی کی خواب گاہ ہو۔

عمران نے پہلے ہی محسوس کرلیا تھا کہ یہاں شارٹ سرکٹ ٹیلی ویژن کا انتظام موجود ہے۔۔۔۔ایک جانب دیوار پر اسکرین بھی نظر آیا تھا۔کنٹرول بورڈ کے ایک سوئچ کو ہاتھ لگاتے ہی وہ اسکرین روشن ہوگیا۔دوسرا بٹن دباتے ہی مادائیں دکھائی دیں۔سفید مادہ ریکارڈ موسیقی پر رقص کر رہی تھی اور سنہری مادہ چیخ چیخ کر اس کی خوشی کی وجہ پوچھ رہی

تھی ۔لیکن وہ صرف رقص کر رہی تھی اور قہقہے لگا رہی تھی ۔

عمران با آواز بلند حیرت ظاہر کر رہا تھا۔

پھر ریکارڈ ختم ہوا تھا۔رقص تھما اور سنہری مادہ اس کا شانہ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پوچھنے لگی اس خوشی کی وجہ؟۔

مجھے محبت ہوگئی ہے ۔سفید مادہ جھومتی ہوئی بولی۔

کیوں بکواس کر رہی ہو۔تمہیں کسی سے محبت نہیں ہوسکتی۔

یقین کرو۔لیکن میں تمہیں بتاوں گی نہیں ۔ہوسکتا ہے تم میرا مضحکہ اڑاو۔

نہیں میں مضحکہ نہیں اڑاوں گی۔

مجھے اس جنرل سے محبت ہوگئی ہے جو یہاں کا حاکم ہے۔

اس پدی سے۔سنہری مادہ ہنستے ہنستے پیٹ دبا کر دوہری ہوگئی ۔اور جنرل نے جھلا کر سوئچ آف کر دیا۔اور سنہری مادہ کو گالیاں دینے لگا۔

لیکن سفید مادہ سو فیصد مخلص ہے۔عمران بولا۔

جنرل کچھ نہ بولا۔اسکرین کی طرف پیٹھ موڑ کر کھڑا ہوگیا۔انداز کسی روٹھے ہوئے بچے کا سا تھا۔عمران خوش تھا کہ سفید مادہ اچھی جا رہی ہے چلتے چلتے اس نے اسے آگاہ کر دیا تھا کہ ایش ٹرے ہاوز میں شاید شارٹ سرکٹ ٹی وی کا نظام موجود ہے۔

میرا موڈ خراب ہوگیا ہے۔اب تم جاو۔جنرل نے عمران سے کہا۔

وہ۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔تصویریں۔

پھر کبھی۔جنرل آہستہ سے بولا۔پھر اس کی طرف مڑ کر چیخا۔چلے جاو،اگر وہ کتیا کی بچی حاملہ نا ہوتی تو اسے ابھی مار ڈالتا۔

☆

شکرالیوں میں سے جو کراغالی اور متلاقی بول سکتے تھے ۔چپکے چپکے عمران کا پیغام غیر

شکرالیوں تک پہنچا رہے تھے۔ انہیں سمجھا رہے تھے کہ جوش وخروش سے کام نہیں چلے گا۔ حکمت عملی کو بروئے کار لایا جائے۔۔۔۔ انہیں اپنے لیڈر کے بارے میں بتا رہے تھے۔ جو یہاں کے حاکم کو رام کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا وہ کسی قدر قابو میں آتے جا رہے تھے۔

دوسری طرف شارق عمران کا دماغ چاٹ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ عمران کٹہرے کے باہر بھی اسے اپنے ساتھ رکھے۔

زیادہ ہاتھ پیر ہلانے سے کھیل بگڑ جاتا ہے بھتیجے۔

پھر میں ان اونگھنے والوں میں بیٹھ کر کیا کروں گا۔ یہ سب جنت کے خواب دیکھا کرتے ہیں۔

میں دیکھوں گا کہ تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔

یہ لوگ تو اب ٹھیک ہوتے جا رہے ہیں۔

ٹھیک ہو جانا ہی ان کے حق میں بہتر ہوگا۔

پتہ نہیں ان بے چاریوں کا کیا حال ہے؟۔

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ اسے ان بے چاریوں کے حال سے لاعلم ہی رکھنا چاہتا تھا۔ ورنہ وہ اور زیادہ پاگل ہو جاتا۔ جنرل کے دونوں ساتھی بھی آج کسی وقت پہنچنے والے تھے۔ عمران نے ایک اندھی چال چلی تھی۔ نہیں جانتا تھا کہ وہ دونوں کس قسم کے ہوں گے۔ اس دن جنرل نے جھنجھلاہٹ میں ان کی تصویریں بھی نہیں دکھائی تھیں۔

اس دوران میں عمران سلاخوں سے ہاتھ نکال کر دروازے کے قفل تک پہنچانے کی مشق بہم پہنچائی تھی۔ صرف شارق ہی اس کی اس مصروفیت سے واقف تھا۔

ایسا کیوں کرتے ہو چچا؟۔ اس نے پوچھا۔

ضرورت پڑنے پر اسے کھول بھی سکوں گا۔

تمہارے پاس کنجی ہے؟۔

نہیں، تارکا کوئی ٹکڑا ابھی کافی ہوگا۔

کیا چوریاں بھی کرتے رہے ہو؟۔

اب کیا جواب دیتا۔ صرف غرا کر رہ گیا تھا اور شارق ہنسنے لگا تھا۔

یہاں ابھی تک ان سفید فاموں کی کوئی عورت نہیں دکھائی دی؟۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

دکھائی بھی دی تو تم کیا کرلوگے؟۔ عمران نے پوچھا۔

کچھ نہیں۔۔۔۔ بہت سفید ہوتی ہوں گی؟۔

لیزا گوردو کو تم دیکھ ہی چکے ہو؟۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟۔ شارق جھنجھلا کر بولا۔

بس اب خاموش ہو جاؤ۔ ورنہ سر کٹہرے سے لڑا دوں گا۔

شارق کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ دوسری طرف مڑ گیا۔ عمران ان دونوں محافظوں کا منتظر تھا جو اسے روزانہ جنرل کے پاس لے جایا کرتے تھے۔

عمران کٹہرے کے قریب کھڑا تھا کہ ایک مقلاتی اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا جو شکرالی بول سکتا تھا۔

کیا تم ان سور کے بچوں سے مل گئے ہو؟۔ اس نے عمران سے سوال کیا۔

نہیں بھائی، میں انہیں دھوکے میں رکھ کر اپنا کام نکالنا چاہتا ہوں۔

ہم کس طرح یقین کرلیں؟۔

یقین نہ کرنے کی صورت میں میرا کوئی نقصان نہیں ہے۔

آخر انہوں نے ہمیں اس حال کو کیوں پہنچایا ہے۔ یہ بھی تو معلوم ہو؟۔

دیکھو دوست، یہ پاگلوں کی سرزمین ہے۔ میں نہیں جانتا کہ پاگل کیا سوچتے ہیں۔ صرف یہ دیکھ سکتا ہوں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کبھی مقصد بھی معلوم ہو جائے۔

تم پر وہ مردود اتنا مہربان کیوں ہے؟۔

میں نے اس سے جھگڑا کرنے کی کوشش نہیں کی۔

تم کیا کرنا چاہتے ہو؟۔

جب بھی میرا داؤں چل گیا۔تم سبھوں کے ہاتھوں رائفلیں ہوں گی۔لیکن اس سے پہلے بھی مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ دوبارہ آدمی بن سکو گے یا نہیں۔

تم پر اعتماد کرنے کو جی چاہتا ہے۔

بس تو پھر وہی کرو جو میں کہتا ہوں۔جوش وخروش کا مظاہرہ بند کر دو۔آہا۔۔۔۔وہ لوگ ادھر ہی آرہے ہیں۔۔۔۔۔جنرل بھی ان میں ہے۔تم سب قطار باندھ کر کھڑے ہو جاو۔۔۔۔۔جیسے ہی میں تعظیم دو کا نعرہ لگاوں۔فوجی انداز میں سلامی دینا ۔۔۔۔جلدی کرو۔

شارق جو قریب ہی کھڑا سب کچھ سن رہا تھا اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھ گیا ۔۔۔۔۔۔۔پھر وہ سب بڑی پھرتی سے قطاروں میں کھڑے ہو گئے تھے۔دو تو وہی مسلح محافظ تھے۔جو روزانہ آتے تھے۔اور تیسرا جنرل اور بقیہ دو اجنبی تھے۔ایک دبلا پتلا اور بہت لمبا تھا۔دوسرا پستہ قد اور بہت موٹا۔۔۔۔شاید یہی دو بڑے تھے۔

جیسے ہی وہ قریب پہنچے۔۔۔۔عمران زور سے چیخا۔تعظیم دو۔

جانوروں نے فوجی انداز میں سلامی دی تھی۔آنے والے جہاں تھے۔وہیں رک گئے اور جنرل اچھل کر اپنے ساتھیوں سے بولا۔تم نے دیکھا، میں غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ اس نے انہیں بھی رام کرلیا۔جو سرکش تھے۔

دونوں اجنبی مضحکہ خیز انداز میں عمران کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔

کہیں یہ فریب نا ہو؟ موٹے نے کہا۔

ہاں ہوسکتا ہے۔لمبا آدمی بولا۔

سب بکواس ہے۔مجھے اس پر اعتماد ہے۔

اعتماد کی وجہ؟موٹے نے سوال کیا۔

تمہاری پیدائش کی کیا وجہ ہے۔جنرل بھنا کر بولا۔

میرے والدین کی بے ہودگی ہے۔میں کیا جانوں موٹا بھی بگڑ گیا۔

اگر میں تمہارا والدین ہوتا تو فوراً تم سے معافی مانگ لیتا۔لمبے آدمی نے مغموم لہجے میں کہا۔

ادھر عمران سوچ رہا تھا کہ تینوں سنکی تو نہیں ہو سکتے۔کوئی نا کوئی بے حد چالاک ہے۔ مگر کون؟

وہ ان تینوں کو غور سے دیکھتا رہا۔آخر جنرل کو مخاطب کر کے بولا۔جنرل محافظوں سے کہو کہ اپنی بندوقیں نیچی کر لیں۔دروازہ کھلنے پر بھی میرے حکم کے بغیر ان لوگوں میں سے کوئی باہر قدم نہیں نکالے گا۔

ضروری نہیں کہ میں تمہارا ہر مشورہ قبول کر لوں۔جنرل نے جھلائے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

تمہاری مرضی۔عمران نے بھی لاپرواہی سے کہا۔

صرف تم باہر آؤ گے۔

صرف میں باہر جاؤں گا۔عمران نے مڑ کر جانوروں کو اطلاع دی اور وہ خاموش رہے۔

معمول کے مطابق احتیاطی تدابیر کے ساتھ دروازہ کھولا گیا اور عمران باہر نکل گیا تھا۔

اس کا نام کیا ہے؟۔موٹے نے پوچھا۔

صف شکن۔

ہوگا، مجھے کیا۔لمبے آدمی نے لاپرواہی سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

عمران ان تینوں کے پیچھے تھا۔اور محافظ اس کے پیچھے تھے۔رخ ایش ٹرے ہاؤز کی طرف تھا۔

عمران سے کسی قسم کی بھی گفتگو نہیں ہو رہی تھی وہ صرف ان کی باتیں سنتا چلا جا رہا تھا۔

دفعتاً موٹے نے کہا۔ اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ عورت بننے کے بعد بھی تمہیں ہی چاہے گی۔ اور ہم دونوں کی طرف متوجہ نہیں ہوگی؟۔

تم دونوں گدھے ہو۔ جنرل نے سخت لہجے میں کہا۔

ہاں، یہ ہوسکتا ہے۔ موٹا آدمی ڈھیلے ڈھالے انداز میں بولا۔

اس جانور کو کیوں ساتھ لے چل رہے ہو؟۔ لمبے آدمی نے جنرل سے سوال کیا۔

میری مرضی۔

ٹھیک ہے۔

ایش ٹرے ہاؤز کے ایک بڑے کمرے میں پہنچ کر رکے تھے۔ اور جنرل نے عمران سے کہا تھا۔ یہ دونوں شکرالی نہیں جانتے۔ تم ان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بے تکلفی سے کر سکتے ہو؟۔

ان کے نام معلوم ہوئے بغیر ان کے ستاروں سے متعلق کچھ بھی نہ معلوم ہو سکے گا یا پھر پیدائش کے اوقات اور سال معلوم ہونے چاہئیں۔

یہ ڈاکٹر برنارڈ ہے۔ جنرل نے موٹے آدمی کی طرف دیکھ کر کہا۔ اور یہ پروفیسر ریٹ اوماونٹ۔

لمبا آدمی اپنا نام سن کر جنرل کو گھورنے لگا تھا لیکن ڈاکٹر برنارڈ کے چہرے سے کسی جذبے کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

عمران تھوڑی دیر خاموش کھڑا رہا پھر بولا تھا۔ آثار اچھے نہیں ہیں۔ لیکن میں فوری طور پر وضاحت سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

سوچتے رہو۔ غور کرتے رہو۔ یہ بے حد ضروری ہے۔ لیکن میں تمہیں اس تجربہ گاہ میں نہیں لے جاؤں گا جہاں وہ عورت بنی جائے گی۔

بھلا میں وہاں جا کر کیا کروں گا جنرل۔ میں ایسی کوئی احمقانہ خواہش ظاہر نہیں کر

سکتا۔

پھر عمران وہاں سے واپس کر دیا گیا تھا۔۔۔۔مزید وقت گزرنے کے ساتھ ہی ساتھ اس کی تشویش بھی بڑھتی جا رہی تھی۔خدشہ تھا کہ کہیں نوبل ڈھمپ کی کہانی بھی نہ پہنچ جائے۔لیزا کے پاگل ہو جانے کی اطلاع تو پہنچ ہی چکی تھی۔غالباً ایمرجنسی کے تحت روبن نے سیدھے سادھے الفاظ میں ہیڈ کوارٹر کو اس کی ذہنی حالت سے متعلق اطلاع دے دی تھی۔لیکن شاید کسی اور کے بھیجے جانے کی درخواست نہیں کی تھی۔ورنہ ڈھمپ کا حوالہ ضرور ہوتا۔اور جنرل کسی نہ کسی موقع پر اس کا ذکر عمران سے بھی کر دیتا۔۔۔۔۔بہر حال غیر یقینی حالات کی ابتدا ہو چکی تھی۔اندھی چالوں میں خدشات کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے۔لیکن سوال یہ تھا کہ کیا لیزا یہاں واپس بلوائی جائے گی۔اس قسم کا کوئی سوال جنرل سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ کٹہرے سے لگا کھڑا خیالات میں گم تھا کہ اچانک ڈاکٹر برنارڈ دکھائی دیا۔اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔مسلح محافظوں میں سے کوئی بھی ہمراہ نہیں تھا۔وہ کٹہرے ہی کی طرف آ رہے تھے۔ڈاکٹر برنارڈ کے ساتھی بھی اجنبی ثابت ہوئے۔عمران نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

تم سب پھر قطاروں میں کھڑے ہو کر انہیں سلامی دو گے۔اس نے مڑ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

ایسا ہی ہوگا۔۔۔۔۔ان کے قریب پہنچتے ہی عمران نے کاشن دیا تھا۔اور اس مظاہرے پر دونوں اجنبی متحیر نظر آنے لگے تھے۔

کمال ہے۔ان میں سے ایک بولا۔یہ کھیپ تو تربیت یافتہ معلوم ہوتی ہے۔

نہیں،کوئی خاص نہیں۔دوسرے نے خشک لہجے میں کہا۔اور ڈاکٹر برنارڈ بھڑک اٹھا۔

نہیں کوئی خاص نہیں کا کیا مطلب؟۔اس نے غرا کر پوچھا۔

بس، یونہی سے ہیں۔

تم چپ رہو۔ پہلے نے دوسرے کو گھورتے ہوئے کہا۔ اور ڈاکٹر برنارڈ سے بولا۔ نہیں ڈاکٹر۔ یہ کھیپ اچھی ہے۔

اچھا تو پھر کیا قیمت لگاتے ہو؟۔

چالیس ہزار ڈالر فی کس۔

ہرگز نہیں۔ یہ بہت کم ہے۔

عمران کے کان کھڑے ہوئے تھے اس گفتگو پر لیکن اس نے اپنی ظاہری حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہونے دی تھی۔

اس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔

تو جہنم میں جاو۔ ڈاکٹر برنارڈ پیر پٹخ کر بولا۔ مجھے علم ہے کہ ان دونوں جانوروں پر تم نے کتنا نفع کمایا ہے۔ تیس تیس ہزار ڈالر کے لے گئے تھے۔ اور امریکہ کی ایک دولت مند خاتون نے انہیں ڈیڑھ سو ڈالر میں تم سے خرید لیا تھا۔ اس طرح دونوں پر تم نے نوے ہزار ڈالر منافع کمایا تھا۔

دونوں کچھ نہ بولے۔

ہم بے خبر نہیں رہتے۔ ڈاکٹر برنارڈ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

چالیس ہزار مناسب ہیں ڈاکٹر۔ ضروری تو نہیں کہ ہر بار ایک ہی طرح کا بزنس ہو۔ اور پھر ہم اسی ریٹ پر پوری کھیپ کا سودا کر رہے ہیں۔

ساٹھ ہزار ڈالر فی کس سے ایک سینٹ کم نہ لوں گا۔

اچھی بات ہے۔ ہمیں سوچنے اور مشورہ کرنے دو۔ ہم ایک ہفتے بعد تمہیں جواب دے سکیں گے۔

چار دن سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔ ایک پارٹی اور بھی دلچسپی لے رہی ہے۔

کون ہے؟۔

یہ میں نہیں بتا سکتا۔ ڈاکٹر برنارڈ نے خشک لہجے میں کہا۔ تجارتی راز۔

اچھی بات ہے۔ چار ہی دن سہی۔

وہ وہاں سے چلے گئے تھے اور عمران دونوں ہاتھوں سے سر تھامے کھڑا رہا تھا۔

بھلا امریکہ میں شکرالی، کراغالی یا مقلاقی کون سمجھ سکتا۔ یہ کچھ کہنا چاہیں گے تو اسے کسی گوریلے کی، چیاوں میاوں سے زیادہ اہمیت نہ دی جائے گی۔ وہ سوچتا رہا اور عش عش کرتا رہا۔ چشم تصور نے امریکہ کے کسی بڑے سرمایہ کار کا ڈائننگ روم دیکھا۔ جہاں ایک شکرالی گوریلا بڑی شائستگی سے میز پر کھانا لگا رہا تھا۔ اور مہمان اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کر رہے تھے اور سرمایہ دار فخریہ، لہجے میں کہہ رہا تھا کہ وہ گوریلہ ایک صد ہزار ڈالر میں خریدا گیا ہے۔ ایسا گوریلا جو کسی آدمی کی طرح سیدھا کھڑا ہو کر چل سکتا ہے۔ اور آدمیوں ہی جیسی سوجھ بوجھ بھی رکھتا ہے۔ سستا مل گیا ہے۔ اس کی قیمت تو کم از کم ایک ملین ڈالر ہونی چاہیئے۔

عمران نے جھرجھری سی لی اور اردو میں بڑبڑایا۔ اچھا بیٹو، میں دیکھوں گا تمہیں۔

شارق پیچھے کھڑا پوچھ رہا تھا۔ کیا کہہ رہے تھے چچا؟۔

اب ہمیں ناچنا اور گانا بھی سیکھایا جائے گا۔ عمران نے کہہ کر ٹھنڈی سانس لی۔

آخر وہ چاہتے کیا ہیں؟۔

زیادہ سے زیادہ تفریح۔۔۔۔ اور میں انہیں خوش کر دینے کا تہیہ کر چکا ہوں۔



کٹہرے کے قریب پہرہ نہیں رہتا تھا۔ شائد اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی تھی۔ اسی بڑے سے قفل پر اعتماد کر لیا گیا تھا۔ جو کٹہرے کے دروازے میں پڑا رہتا تھا۔ اور سب سے زیادہ اچھی بات یہ تھی کہ وہاں کتے نہیں تھے۔ جنرل کتوں سے الرجک تھا۔ ہوسکتا ہے یہ واقعی کوئی کومپلکس ہی رہا ہو۔ پہلے عمران نے اس کے بارے میں اندازہ

لگایا تھا کہ وہ ذہنی امراض کا مجموعہ ہے لیکن برنارڈ کی گفتگو سننے کے بعد پیشتر اندازوں کا تیاپانچہ ہو گیا تھا۔

اب وہ تینوں اسے اعلیٰ درجے کے اداکار معلوم ہونے لگے تھے پچھلے دن سے جنرل کی شکل نہیں دکھائی دی تھی۔ برنارڈ اور پروفیسر ریٹ او ماونٹ بھی جزیرے ہی میں مقیم تھے۔ کبھی کبھی دونوں ایش ٹرے ہاوز کے باہر چلتے پھرتے دکھائی دے جاتے تھے۔

اسے اس کا بھی علم نہیں تھا کہ سفید مادہ کے سلسلے میں کیا ہو رہا ہے۔ اور آج اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ دروازے کا قفل کھول کر رات کے کسی حصے میں باہر نکل جائے گا۔ لیکن اس کی نوبت نہ آ سکی۔ قریباً گیارہ کا عمل رہا ہوگا۔ جب اس نے دو محافظوں کو کٹہرے کے قریب کھڑا پایا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جانوروں کی اس بھیڑ میں شاید عمران ہی کو تلاش کر رہے تھے۔ عمران آگے بڑھ کر دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا۔ محافظ اسے اشارہ کرتے رہے۔ آخر عمران نے لفظ۔ جنرل ادا کیا تھا اور دونوں زور زور سے سر ہلانے لگے تھے۔

وہ اسے ایش ٹرے ہاوز میں لائے تھے۔ جنرل اپنی خواب گاہ میں تنہا تھا۔ شراب پی رہا تھا لیکن نشے میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

آو کاہن اعظم آو۔ جنرل دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا۔ پھر اس نے میز کی دوسری جانب والی کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ عمران نے بیٹھتے ہوئے اس کا شکرہ ادا کیا۔ جنرل چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ تم بھی پیو گے؟۔

جانور کو جانور ہی رہنے دو جنرل۔ آدمی بنانے کی کوشش نہ کرو۔

وہ عورت بن گئی ہے۔ لیکن ابھی اس پر گہری نیند طاری ہے دیکھو گے؟۔

دیکھنے کی کیا ضرورت ہ۔ مبارک ہو تمہیں۔

بے حد خوبصورت ہے۔

عورت بن جانے کے بعد ایک بار پھر اسے اس ٹیلے پر جانا پڑے گا جنرل اور میں

اس کا جائزہ لوں گا۔

ان دونوں کے چلے جانے کے بعد۔

تمہاری مراد اپنے دونوں ساتھیوں سے ہے۔

ہاں وہی دونوں۔تمہارے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں۔انہیں یقین نہیں آتا کہ تم وہی ہو جو خود کو ظاہر کر رہے ہو۔

افسوس کہ یہی حال ان دونوں کا بھی ہے۔عمران نے کہا۔

میں نہیں سمجھا؟۔

وہ ہرگز نہیں ہیں جو خود کو ظاہر کرتے ہیں۔تم محض اس لیے ان کے ساتھ ہو کہ تمہیں متعدد ایسی زبانوں پر عبور حاصل ہے۔جو تحریر میں نہیں آتیں۔

تمہارا خیال درست ہے۔مجھ میں اس کے علاوہ اور کوئی خوبی نہیں ہے۔وہ دونوں بڑے سائنٹسٹ ہیں۔لیکن تمہاری زبان نہیں سمجھ سکتے۔

اسی مجبوری کی بنا پر تم اس کے ساتھ ہو۔لیکن اب ان میں سے صرف ایک ہی باقی رہنا چاہتا ہے۔بقیہ دو ختم کر دیئے جائیں گے۔

وہ کون ہے؟۔اس کی نشان دہی کر دو؟۔

ستارے اتنی وضاحت سے نہیں بتایا کرتے۔

پھر میں کیا کروں اس عورت کی وجہ سے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔

وہ دونوں کب جائیں گے؟۔

کل صبح، میں چاہتا بھی نہیں ہوں کہ اب وہ یہاں رکیں۔

کوئی خاص وجہ؟۔

اس عورت کی وجہ سے میرا مضحکہ اڑاتے ہیں۔

کیا عورت بن جانے کے بعد اس نے تم سے گفتگو کی تھی؟۔

نہیں، اس کے بعد سے وہ سو رہی ہے۔خود بخود جاگے گی۔ورنہ ذہنی توازن بگڑ

جائے گا۔

کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟۔

ہاں، اس لیے خود بخود ہی جاگنا چاہیئے۔ٹھہرو میں دکھاتا ہوں۔وہ کسی شہزادی کی طرح سو رہی ہے۔

وہ جھومتا ہوا اٹھا اور کنٹرول بورڈ کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔

عمران کی نظر اسکرین پر تھی۔اس کے روشن ہوتے ہی ایک پر تکلف بستر نظر آیا۔جس پر وہ محوِ خواب تھی۔واقعی خوب صورت تھی اور چہرے پر ایسی معصومیت طاری تھی جیسے عالم بالا سے سیدھی وہیں چلی آئی ہو۔کاروبارِ دنیا میں ملوث ہوئے بغیر۔۔۔۔۔

مبارک ہو جنرل،واقعی چاند کا ٹکڑا ہے۔پتہ نہیں دوسری کی شکل کیسی ہو؟۔

دوسری سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔۔۔۔۔وہ زیرِ تجربہ ہے۔

ٹھیک اسی وقت تیز قسم کی گھنٹی کی آواز گونجی تھی۔اور جنرل اچھل پڑا تھا۔اس نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ بڑھا کر سوئچ آف کر دیا۔اسکرین تاریک ہوتے ہی بولا۔ان ہی دونوں میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔

یعنی،وہ یہاں آ رہا ہے؟۔عمران نے پوچھا۔

ہاں۔یہی بات ہے۔

کیا تم میری موجودگی کی بنا پر کسی قدر خائف نظر آنے لگے ہو؟۔

خائف نظر آنے لگا ہوں؟۔اس نے جھلا کر پوچھا۔

معافی چاہتا ہوں جنرل۔لیکن تم اسی طرح اچھل پڑے تھے۔

بکواس ہے،تم یہیں ٹھہرو گے۔کہیں نہیں جا سکتے۔اس نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔پھر ماؤتھ پیس میں بولا۔ آ جاؤ۔

کچھ دیر بعد خواب گاہ کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔اور خود جنرل نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا۔لمبا آدمی ریٹ او مانٹ اندر داخل ہوا۔اس نے میز پر

رکھی ہوئی شراب کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔

اپنی مدد آپ کرو۔ جنرل نے کہا اور اوماونٹ آگے بڑھ کر خالی گلاس میں اپنے لیے انڈیلنے لگا۔

رات مجھے تھکا دیتی ہے۔ وہ ایک گھونٹ لے کر بولا تھا۔

اتنی رات گئے آنے کا مقصد؟۔ جنرل اسے گھورتا ہوا بولا۔

نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ تم اس کے جاگنے کے انتظار میں خود بھی جاگ رہے ہو گے۔

فرض کرو میں جاگ رہا ہوں پھر؟۔

تم کچھ بھی کر رہے ہو۔ لیکن خدا کے لیے اس گندے جانور کو یہاں سے نکال دو۔ اگر اس نے قالین پر مینگنیاں کر دیں تو دشواری میں پڑو گے۔

دشواری میں تو اس طرح بھی پڑ سکتا ہوں کہ تم تین چار پگ پینے کے بعد خود ہی قے کرنے بیٹھ جاو۔

اب میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں۔

میں نے کئی بار تمہیں ایسا کرتے دیکھا ہے۔

اس سے قبل میں نے تلے ہوئے چوہے کھائے ہوں گے۔

عمران کی آنکھوں سے قطعی نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ان دونوں کی گفتگو سمجھ رہا ہے۔

ایسی گھناونی باتیں نہ کرو کہ میں ہی قالین تباہ کر بیٹھوں۔ جنرل نے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میں دراصل اس کو ایک بار پھر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اوماونٹ نے آہستہ سے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

تمہاری شامت تو نہیں آئی۔ آخر تم میری عورت میں دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟۔

مجھے بھی اچھی لگتی ہے۔ اوماونٹ نے اپنے گلاس میں دوبارہ انڈیلتے ہوئے کہا۔ اس

کی توجہ گلاس اور بوتل کی طرف تھی۔ اچانک جنرل نے اچھل کر اس کی کمر پر لات رسید کی اور وہ لڑکھڑتا ہوا فرش پر جا پڑا۔ دوبارہ اٹھنے میں اس نے خاصی دیر لگائی تھی۔ اور بسورتا ہوا جنرل کو گھورے جا رہا تھا۔

اچھی بات ہے۔ میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ اس نے کہا اور پھرتی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

بام مچھلی کا بچہ۔ جنرل دانت پیس کر بولا تھا۔ اور اپنے لیے شراب انڈیلنے لگا تھا۔

عمران خاموش کھڑا رہا۔

جاؤ تم بھی دفع ہو جاؤ۔ جنرل اس کی طرف دیکھے بغیر چیخا تھا۔

واپسی انہی محافظوں کے ہمراہ ہوئی تھی۔ اور وہ کٹہرے کا دروازہ دوبارہ مقفل کر کے چلے گئے تھے۔ شارق جاگتا ہوا ملا۔ اٹھ کر تیزی سے عمران کی طرف آیا تھا۔

آج اتنی رات گئے؟۔ اس نے حیرت سے کہا۔ کیا بات ہے چچا۔ کچھ چھپا رہے ہو؟۔

کیوں بکواس کرتا ہے۔ کوئی سسرال سے آ رہا ہوں کہ کچھ چھپاؤں گا؟۔

بڈھے نے اس وقت کیوں بلوایا تھا؟۔

ستاروں کی باتیں کرنے کے لیے۔

کیا تم واقعی کاہن ہو؟۔

کسی دشمن نے اڑائی ہو گی۔

تو اسے بے وقوف بنا رہے ہو؟۔

اپنے کام سے کام رکھو فرزند۔

کوئی کام ہی نہیں ہے۔

اچھا بس جاؤ۔۔۔۔۔ سونے کی کوشش کرو۔

نیند نہیں آتی چچا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ شارق اس کے پاس سے ہٹ گیا۔ لیکن عمران نے صاف محسوس

کیا تھا کہ اس کا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

عمران تھوڑی دیر تک وہیں کھڑا رہا تھا۔ پھر اس رات قفل کھولنے کا ارادہ ملتوی کر کے خود بھی اس جگہ پہنچ گیا تھا۔ جہاں اسے سونا تھا۔

دوسری صبح جلد ہی آنکھ کھلی تھی حالانکہ دیر سے سویا تھا۔ وہ سبھی جاگ رہے تھے اور اس طرح کٹہرے سے لگے کھڑے تھے۔ جیسے کوئی دلچسپ تماشا دیکھ رہے ہوں۔ عمران بھی آگے بڑھا۔

ایش ٹرے ہاوز کے احاطے سے ایک ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا شاید وہ دونوں جا رہے ہیں۔ جنرل نے یہی تو کہا تھا کہ وہ دونوں چلے جائیں گے۔

فضا میں بلند ہیلی کاپٹر شمال کی طرف پرواز کر گیا تھا۔

کب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ صف شکن؟۔ شہباز اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

شاید جلد ہی ختم ہو جائے۔

ہم تنگ آ گئے ہیں۔

صبر کرو۔ میں تمہیں خودکشی کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اوہ۔ ہٹ جاو۔ پیچھے ہٹ جاو۔ وہ دونوں محافظ آ رہے۔ شاید مجھے پھر جانا پڑے گا۔

شہباز نے دوسروں کو بھی کٹہرے کے پاس سے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔

محافظ بہت جلدی میں معلوم ہوتے تھے۔ تیز رفتاری یہی ظاہر کر رہی تھی۔ اور انہوں نے دور ہی سے عمران کو اشارے کرنا شروع کر دیئے تھے۔

واپسی بھی تیز رفتاری ہی سے ہوئی تھی۔ انہوں نے عمران کو جنرل کی خواب گاہ تک پہنچایا تھا۔ جنرل بہت مضطرب سا معلوم ہوتا تھا۔ عمران کو دیکھتے ہی بولا۔

وہ بیدار ہو گئی ہے۔ اور دوسری اس سے جھگڑا کر رہی ہے۔

اسے وہاں سے ہٹا دو جنرل۔ الگ رکھو۔ بلکہ یہیں اپنے پاس بلوا لو۔

تم نے تو کہا تھا کہ اس سے پہلے تم اسے ٹیلے پر لے جاؤ گے؟۔

او۔۔۔ہاں۔۔۔۔یقیناً۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ سب سے زیادہ ضروری ہے۔

کیا وہ دونوں چلے گئے؟۔

گئے۔۔۔۔اور پتہ نہیں کب واپس آ جائیں۔لیزا گوردو کے پولینٹ پر کچھ گڑبڑ ہے۔

کیا وہیں گئے ہیں؟۔

پتہ نہیں۔مجھے ہر بات کا علم نہیں ہوتا۔

اچھا۔تو پھر جلدی کرو۔

وہ دونوں باہر نکلے تھے۔اور جنرل نے لڑکی سے متعلق ایک باڈی گارڈ کو کچھ ہدایات دی تھیں۔

تم پہلے ہی پہنچ جاؤ ٹیلے پر۔جنرل بولا۔

نہیں، پہلے اسے پہنچنا چاہیئے۔میں بعد میں جاؤں گا۔ہاں جنرل۔وہ ایک تمہاری ہی نسل کا جانور ہمارے ساتھ تھا۔وہ کہاں گیا؟۔

وہ دونوں اسے بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔

کیا آدمی بنا کر؟۔

ہاں،انہوں نے اسے بھی آدمی بنا دیا تھا۔

عمران سناٹے میں آ گیا۔حالات غیر یقینی ہو گئے تھے۔لیکن شاید نکولس ابھی تک اپنے عہد پر قائم ہے۔اس نے سوچا۔اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ دونوں جانے سے پہلے خود اس کا انتظام کرتے۔جنرل پر چھوڑ کر نہ چلے جاتے۔

تھوڑی دیر بعد لڑکی آتی دکھائی دی تھی۔محافظ اسے ساتھ لیے ہوئے ٹیلے کی طرف بڑھ گیا۔

اس کی واپسی پر عمران کی روانگی ہوئی تھی۔لڑکی مضطربانہ انداز میں اس کی منتظر نظر

آئی۔

مبارک ہو سلویا۔عمران نے قریب پہنچ کر کہا۔

تم نے جو کچھ کہا تھا کر دکھایا۔اب تم جو کچھ کہو گے کرونگی۔خواہ زندگی سے کیوں نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔

اس کی نوبت نہیں آئے گی۔بہر حال تمہیں بہت کام کرنا ہے۔جنرل سے اس عمارت کے بارے میں سب کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔اور یہ بھی کہ لیکن نہیں یہ تمہارا کام نہیں ہے۔آج شراب میں کسی طرح یہ کیپسول دے دو۔

عمران نے زرد رنگ کا ایک کیپسول اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

اس سے کیا ہوگا؟۔

بے ہوش ہو جائے گا۔عمران نے کہا۔اس کے محافظ کو طلب کر کے اس سے کہنا کہ جنرل اس جانور کو طلب کر رہا ہے۔لیکن دھیان رہے کہ محافظ سے راہداری ہی میں ملوں گی اسے خواب گاہ میں نہیں داخل ہونے دوگی۔

کیا یہ سب آج ہی کرنا ہے؟۔

جتنی جلد ممکن ہو۔۔۔۔وقت ضائع کرنے کا موقع نہیں ہے۔ان دونوں نے نکولس کو آدمی بنا دیا ہے اور اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔

یہ تو بہت برا ہوا۔کہیں وہ احسان مندی کے جوش میں سب کچھ اگل ہی نہ دے۔

اسی لیے جلدی کرنے کو کہہ رہا ہوں۔

اچھی بات ہے۔لیکن میں تمہیں کب دیکھ سکوں گی۔

دیکھ ہی رہی ہو۔ان باتوں کے اتر جانے کے بعد بھی تمہیں درندہ ہی لگوں گا۔مطمئن رہو۔

مجھے یقین نہیں آتا۔مجھے تو تمہارا تصور بھی تحفظ کا احساس دلاتا ہے۔

اچھا۔۔۔۔بس اب جاو۔عمران نے کہا تھا اور واپسی کے لیے مڑ گیا تھا۔نیچے جنرل

بڑی بے چینی سے اس کا منتظر تھا۔

سب ٹھیک ہے جنرل۔عمران نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔تم واقعی خوش قسمت ہو۔ لیکن اب ایک پل کے لیے بھی اسے علیحدہ مت رکھنا۔

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

عمران وہیں سے ایک محافظ کے ساتھ کٹہرے کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔نکولس کی کہانی اس نے شہباز کو بھی سنا دی۔

تب تو ہم خطرے میں ہیں۔شہباز بولا۔

میرا بھی یہی خیال ہے۔

تو پھر اب کیا کیا جائے؟۔

تھوڑی دیر بعد بتا سکوں گا۔ویسے تم میں سے کسی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔صرف میں خطرے میں ہوں۔اگر نکولس نے کسی انگلش بولنے والے جانور کا ذکر کر دیا۔

تم سے پہلے ہم مریں گے میرے بھائی۔شہباز اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

پھر وہی مرنے کی بات۔عمران غرایا۔کیا ہم سچ مچ چوہے ہیں؟۔

دیکھا جائے گا۔شہباز لاپرواہی سے بولا۔

دو گھنٹے بعد ایک محافظ آتا دکھائی دیا تھا۔قریب پہنچ کر اس نے عمران کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔

حسب معمول قفل کھول کر اس نے اسے۔۔۔۔باہر نکالا تھا۔عمران کے ساتھی بدستور پرسکون رہے۔البتہ شہباز کی آنکھیں خوفناک لگ رہی تھیں۔صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ محافظ پر حملہ کر بیٹھنے کی خواہش کو دبائے رکھنا چاہتا ہے۔

عمران ایش ٹرے ہاوز پہنچا۔خود اسی نے ہینڈل گھما کر جنرل کی خواب گاہ کا دروازہ کھولا تھا۔۔۔لیکن اب واپس مڑنے کی گنجائش نہیں تھی۔پیچھے مسلح محافظ تھا اور سامنے ڈاکٹر برنارڈ اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور سنبھالے کھڑا تھا۔

جنرل ایک کرسی سے بندھا نظر آیا۔ پروفیسر بھی موجود تھا۔ اور تیسرا تھا ایک سفید فام اجنبی۔ سلویا ایک طرف سر جھکائے بیٹھی تھی۔

جنرل کے ہاتھ پیر کرسی کے ہتھوں اور پایوں سے باندھے گئے تھے۔ عمران کو دیکھتے ہی وہ شکرالی میں چیخا تھا۔ ان حرام زادوں نے یہاں سے روانگی کا ڈرامہ کیا تھا۔ ہاربر تک جا کر پلٹ آئے۔ نکولس کہتا ہے کہ تم ایک پادری ہو۔۔۔۔ شکرالیوں میں تبلیغ کرتے تھے۔ انگلش بول سکتے ہو۔

اور تمہاری محبوبہ کیا کہتی ہے؟۔

وہ کہتی ہے نکولس جھوٹا ہے۔ اس نے تمہیں کبھی انگلش بولتے نہیں سنا۔

اور یہ دونوں کیا کہتے ہیں؟۔

ان کا خیال ہے کہ میں نے غداری کی ہے۔ میں انہیں ختم کر کے خود حاکم بننا چاہتا ہوں اور میں نے اپنا کوئی خاص آدمی لیزا گوردو کے ٹھکانے پر بھیجا تھا۔ نوبل ڈھمپ ۔۔۔۔ اس کا نام بتاتے ہیں۔۔۔ خدا کی قسم میں بالکل بے قصور ہوں۔ میں نے یہ نام آج پہلی بار سنا ہے لیکن نکولس کہتا ہے اس نے اس آدمی کو پہاڑو والی عمارت میں دیکھا تھا۔ اس سے گفتگو بھی کی تھی اور اس نے اسے بتایا تھا کہ وہ لیزا کی مدد کے لیے ہیڈ کوارٹر سے آیا ہے۔

ان دونوں کا میرے بارے میں کیا خیال ہے؟۔

بس تم سے حقیقت اگلوانا چاہتے ہیں۔ اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم نے ہم سے کیوں یہ بات چھپائی تھی کہ تم انگلش بھی جانتے ہو؟۔

عمران نے سر گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ مسلح محافظ موجود نہیں تھا۔ وہ حسب معمول راہداری میں رہ گیا تھا۔ اور دروازہ بھی بند ہو چکا تھا۔

ریوالور برنارڈ کے ہاتھ میں تھا۔ بظاہر اس کا ساتھی مسلح نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ عمران کی طرف متوجہ بھی نہیں تھا۔ بس سلویا کو گھورے جا رہا تھا۔

نکولس خاموش تھا اور اس کے چہرے پر خجالت کے آثار تھے۔عمران نے ریوالور پر نظر جمائے ہوئے شکرالی ہی میں کہا۔ اس سے کہہ دو جنرل کہ میں پادری ہوں اور نہ صرف انگلش بلکہ جرمن، فرنچ اور اطالوی زبانیں بھی روانی سے بول سکتا ہوں۔ان کے علاوہ بھی بہتری زبانیں میری پہنچ سے نہیں بچ سکتیں۔

اب بند کرو یہ بکواس۔ ڈاکٹر برنارڈ دہاڑا۔ مجھے یقین ہے کہ تم انگریزی بول سکتے ہو۔

اور جرمن بھی۔عمران نے جرمن ہی میں کہا۔

اوہ۔۔۔تو۔۔۔تو۔۔۔۔۔۔جاسوس ہے کسی ملک کا۔

بے وقوفی کی باتیں نہ کرو برنارڈ۔ایک مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ بہتری زبانیں جانتا ہو۔عمران نے نرم لہجے میں کہا۔

نوبل اوڈھمپ کون تھا؟۔

میں نہیں جانتا۔۔۔اور یہ بھی سن لو کہ میں نے اپنے ساتھیوں کو محض اس خیال سے دبائے رکھا تھا کہ تم تینوں کو انسانیت کا سبق پڑھانے کی کوشش کروں گا۔ شاید راہ راست پر آ جاو۔

لیکن میں تمہیں گولی ماردوں گا۔برنارڈ پیر پٹخ کر دہاڑا۔

اجازت ہے یہ بھی کر کے دیکھ لو۔

میری بھی تو سنو۔دفعتا جنرل زور سے چیخا۔

سناو۔ برنارڈ اس کی طرف مڑے بغیر غرایا۔اور ریوالور کی نال عمران ہی کی طرف سیدھی کیے رکھی۔

تم میری طرف سے خواہ مخواہ شبہے میں مبتلا ہو گئے ہو۔جنرل بولا۔

تم اول درجے کے گدھے ہو۔ڈاکٹر برنارڈ بولا۔یہ اسی عورت کے ذریعے ہم تینوں کو ختم کرا دیتا۔کیا اب بھی عقل نہیں آئی۔یہ انگریزی بول سکتا ہے اور یہ عورت اس کی

تردید کرتی رہی ہے۔کیا سمجھتے ہو کہ وہ سچ مچ تم سے عشق کرنے لگی۔تم سے عشق۔۔۔۔ ہونہہ۔۔۔جھینگر کی اولاد۔

چپ رہو سور کے بچے۔جنرل حلق پھاڑ کر چیخا۔

ڈاکٹر برنارڈ اور اس کے ساتھی نے قہقہہ لگایا۔

پھر ڈاکٹر برنارڈ نے غصیلے لہجے میں کہا۔لیکن میں تمہیں اس سے جدا نہیں کروں گا۔وہ پھر جانور بنائی جائے گی۔اور تم بھی اس کے لیے تیار رہو۔

کس کے لیے تیار رہوں؟۔

جانور بننے کے لیے۔تم دونوں کو ایک کٹہرے میں بند کردوں گا۔اور گاہکوں کو تم دونوں کا سرکس دکھایا کروں گا۔

ایک بار پھر جنرل کے منہ سے مغلظات کا طوفان امنڈ پڑا اور سلویا خوف زدہ نظروں سے برنارڈ کی طرف دیکھنے لگی۔

تم خوش فہمی میں مبتلا ہو ڈاکٹر برنارڈ۔عمران نے پرسکون لہجے میں کہا۔اور مقابلے کے لیے پوری طرح تیار ہو گیا۔کمرہ ساؤنڈ پروف تھا۔اس لیے اطمینان تھا کہ فائروں کی آوازیں اندر ہی گونج کر رہ جائیں گی۔اور راہداری والے دونوں محافظوں کو خبر تک نہ ہو سکے گا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

میں خوش فہمی میں کیوں مبتلا ہوں احمق پادری؟۔

تم ان دونوں کو جانور نہ بنا سکو گے۔ستارے یہی کہتے ہیں۔

ستاروں کی بکواس مجھ سے نہیں چلے گی۔

اچھی بات ہے۔فائر کرو مجھ پر۔۔۔۔میری زندگی میں تو تم انہیں جانور نہیں بنا سکو گے۔

اوہ۔۔۔۔جناب عالی۔دفعتاً نکولس بول پڑا۔کیونکہ اب گفتگو پھر انگلش ہی میں ہو رہی تھی۔

کیا کہنا چاہتے ہو؟۔

میں نے انہیں آپ کا دشمن سمجھ کر حقیقت حال سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ آپ کی اس اسکیم کی زد پر ایک مقدس آدمی بھی آ گیا ہے۔ لیزا نے اس کی پرواہ بھی نہ کی۔

بکواس مت کرو، میں عیسائی نہیں ہوں کہ اس کے تقدس کا رعب مجھ پر پڑے گا۔ میں یہودی ہوں۔

اور یہودی بھی کیسا؟۔ جرمن یہودی۔ عمران بولا۔

خاموش رہو۔ برنارڈ دہاڑا۔

آریائی نسل کے جرمنوں کا انتقام بے چارے شکرالیوں سے کیوں لے رہے ہو؟۔

بکواس بند کرو۔

تمہارا ریوالور خالی ہو جانے سے پہلے میری زبان بند نہیں ہو گی۔

اچھا تو یہ لے۔ برنارڈ نے فائر کر دیا۔ سلویا زور سے چیخی تھی۔

عمران اپنی جگہ تبدیل کر چکا تھا اور اس کا داہنا ہاتھ اس طرح اٹھا ہوا تھا۔ جیسے کوئی شعبدہ دکھا کر تماشائیوں سے داد طلب کر رہا ہو۔ اس بار برنارڈ نے جھلا کر یکے بعد دیگرے دو فائر کئے تھے۔ لیکن نتیجہ، ستارہ شناس جانور کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تھا۔

جادوگر۔۔۔۔ جادوگر۔ جنرل قہقہہ مار کر چیخا۔

تم چپ رہو کتے کے بچے۔ برنارڈ دہاڑا تھا دو فائر جھونک مارے تھے۔

ایک ہی راؤنڈ بچا ہے ڈاکٹر برنارڈ۔ عمران بولا۔ اب اسے خودکشی کے لیے باقی رہنے دو۔

شٹ اپ۔ وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ اور آخری راؤنڈ بھی داغ دیا۔ سلویا نے عمرنا کو لڑکھڑاتے دیکھا۔ اور پھر دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے بیٹھا چلا گیا تھا۔ سلویا چیخ مار کر اس کی طرف جھپٹی تھی۔ لیکن برنارڈ نے اسے دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا۔

تم نے یہ کیا کیا ڈاکٹر برنارڈ؟ ۔عمران دوبارہ سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

تت ۔۔۔تت ۔۔۔تم ۔۔۔۔۔کک ۔۔۔کیا ۔۔۔۔۔۔؟ برنارڈ ہکلاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ لمبے آدمی کا ہاتھ جیب کی طرف گیا ہی تھا کہ دوسری طرف الٹ گیا۔

نکولس اس کے پستول پر قبضہ کر لو۔عمران بولا۔اور پھر اس نے برنارڈ پر چھلانگ لگائی تھی جو دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ادھر نہ صرف نکولس بلکہ سلویا بھی پروفیسر پر ٹوٹ پڑی تھی ۔نکولس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور سلویا نے اس کی جیب سے ریوالور نکال لیا۔

عمران برنارڈ کو گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا تھا۔۔۔۔جنرل کے قہقہے کمرے میں گونج رہے تھے ۔ایسا معلوم ہوتا تھا۔جیسے اس پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا ہو۔

برنارڈ بری طرح چیخ رہا تھا کیونکہ عمران نے اس کی کنپٹیاں دبا رکھی تھیں۔

پھر وہ یک لخت خاموش اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

سلویا نے پروفیسر کو اسی کے پستول سے کور کر رکھا تھا۔عمران برنارڈ کو چھوڑ کر ہٹ گیا۔

کک ۔۔۔کیا مار ڈالا؟ ۔پروفیسر ہکلایا۔

جنرل کو کھول کر پرفیسر کو جکڑ دو۔عمران بولا۔اس نے پروفیسر کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔سلویا نے جنرل کی رسیاں کھولنی شروع کر دی تھیں۔اور نکولس پروفیسر کو دبوچے بیٹھا تھا۔

میں نے پوچھا تھا۔کیا تم نے اسے مار ڈالا؟ ۔پروفیسر نے پھر عمران سے سوال کیا۔

نہیں، جانور بنانے کے لیے زندہ رکھا ہے۔

تمہاری یہ خواہش پوری نہ ہو سکے گی ۔اس جھینگر و کی اولاد کو نہیں معلوم کہ ہم ادویہ کہاں رکھتے ہیں۔

تب پھر تم بتاؤ گے؟۔

کوشش کر کے دیکھ لو۔ ہم دونوں مر سکتے ہیں لیکن بتا نہیں سکتے۔

اس کے باوجود بھی تم دونوں کو جانور بننا پڑے گا۔

اس پر پروفیسر نے قہقہہ لگایا تھا۔ بلکہ اسی طرح جیسے کسی بچے کی زبانی کوئی بات سن کر محظوظ ہوا ہو۔

جنرل اب بالکل خاموش تھا۔ چپ چاپ اٹھ کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا لگا۔ سلویا اس کا ہاتھ تھامے ہوئی تھی۔ نکولس نے پروفیسر کو اٹھا کر اسی کرسی پر بٹھا دیا اور عمران اس کے ہاتھ پیر باندھنے لگا۔ ڈاکٹر برنارڈ اب بھی دروازے کے قریب بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

کیا یہ سچ ہے سلویا؟۔ جنرل آہستہ سے بولا۔ تم اس کے کہنے سے میری طرف راغب ہوئی تھیں۔

یہ قطعی جھوٹ ہے۔ اس نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ میں تمہیں چاہتی ہوں۔ وہ اسے بازوؤں میں لیتی ہوئی بولی۔ اور جنرل کسی ننھے سے بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔۔۔۔ عمران کھڑا پروفیسر کو گھورتا رہا۔ لیکن نکولس بار بار مضطربانہ انداز میں بے ہوش ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

بالآخر بولا۔ فادر۔۔۔۔ کہیں یہ ہوش میں نہ آ جائے؟۔

آنے دو، کھیل ختم ہو چکا ہے۔ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ دفعتاً سلویا بولی۔ ہوش میں آنے سے پہلے اس کے ہاتھ پیر باندھ دو۔

تم سب پچھتاؤ گے۔ پروفیسر بولا۔

ہو سکتا ہے۔ عمران نے کہا اور برنارڈ کی طرف مڑ گیا۔ اب اس کی پشت ان سبھوں کی طرف تھی۔ اس نے بائیں پہلو سے گھنے بال ہٹائے تھے۔ اور کھال کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک ڈبہ نکالا تھا۔ اور پھر پروفیسر کی طرف مڑا تھا۔ ڈبہ اس نے میز کی طرف رکھ

دیا۔اور پروفیسر سے بولا۔ جانتے ہواس ڈبے میں کیا ہے؟۔

میں نہیں جانتا۔ پروفیسر غرایا۔

ابھی جان جاوگے۔اس نے ڈبہ کھولتے ہوئے کہا۔پھر اس نے کتھئی رنگ کا ایک ایمپل اس میں سے نکالا۔اور بولا۔اسے دیکھو،اسے پہچانتے ہو؟۔

پروفیسر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔اور جنرل بھی رونا دھونا چھوڑ کر آگے بڑھ آیا۔

وہی۔۔۔۔بالکل وہی۔وہ اچھل کر بولا۔تمہیں کہاں سے ملا؟۔

غیر ضروری سوال ہے۔کچھ دیر پہلے تم نے مجھے جادوگر کہا تھا۔

نہیں،تم اسے استعمال نہیں کر سکتے۔پروفیسر خوف زدہ لہجے میں چیخا۔

مجھے کون روک سکے گا۔

ایڈون ۔۔۔۔۔ایڈون۔۔۔۔تم غلطی کر رہے ہو۔خدا کے لیے اسے روکو۔ پروفیسر گھگھیایا۔

جھینگرو کی اولاد بے بس ہے پروفیسر۔جنرل نے خشک لہجے میں کہااور مڑ کر پھر سلویا کے پاس جا کھڑا ہوا۔

ایڈون،یہ تمہیں بھی نہیں بخشے گا۔پروفیسر پھر چیخا۔

نہ بخشے،اب مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں ہے۔تم دونوں مجھے سالہا سال سے بے وقوف بناتے رہے ہو۔میرے لاکھوں ڈالر ضائع کر دیئے۔میری بعض صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے رہے۔سارے یہودی پوری دنیا کو بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

کیا تم یہودی نہیں ہو؟۔نکولس نے پوچھا۔

ہرگز نہیں۔

بس اب قصے کو ختم کرو۔عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔اور ڈبے سے ایک ہلیپو ڈرمک سرنج

بھی نکال لی۔

نہیں۔۔۔۔۔نہیں۔پروفیسر خوف زدہ آواز میں چیخا۔

فضول ہے۔جو بات میری زبان سے نکل جاتی ہے ہو کر رہتی ہے۔میں نے کہا تھا کہ جنرل اور سلویا کی بجائے تمہی دونوں کٹہرے میں کھڑے نظر آو گے۔

پھر پروفیسر چیختا ہی رہ گیا تھا۔اور عمران نے وہ سیال اس کے بازو میں انجکٹ کر دیا تھا۔نکولس کی مدد سے برنارڈ کو اٹھا کر بستر پر ڈالا۔اور بے ہوشی ہی کے حالت میں اس کے ساتھ بھی یہی کارروائی کر ڈالی تھی۔۔۔پروفیسر چیخ چیخ کر گالیاں بکتا رہا تھا لیکن آہستہ آہستہ اس کی آواز مضمحل ہوتی گئی اور پھر وہ بھی بے ہوش ہو گیا تھا۔

جنرل اس فکر میں پڑا ہوا تھا کہ آخر وہ ایمپیولز اس کے ہاتھ کہاں سے لگے۔

ہم اس مرحلے کو سر کر کے یہاں تک پہنچے ہیں جنرل۔عمران نے کہا۔

میں نہیں سمجھا؟۔

ہم نے لیزا کو شکست دی تھی۔اور اپنی مرضی سے یہاں آئے تھے۔لیزا کے قبضے میں چھ ایمپیولز تھے۔وہ میں نے ہتھیا لیئے۔

تو وہ آدمی نوبل اوڈھمپ۔۔۔۔۔۔۔۔؟

اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔۔۔۔اب اس قصے کو ختم کرو۔کیا یہاں کے سارے آدمی تمہارا ہی حکم مانتے ہیں؟۔

بظاہر اب، میں کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔میری یہاں کیا حیثیت تھی۔اب محسوس ہوا ہے۔لیکن یقین کرو کہ یہ جزیرہ میری ملکیت ہے۔میں نے ڈاکٹر انگھم کے ورثا سے خریدا تھا۔

اور آٹھ بڑوں میں بھی شامل تھے؟۔

یقیناً۔۔۔۔۔تھا۔۔۔۔لیکن صرف تجوریوں کے منہ کھولے رکھنے والا تھا۔نظم و نسق دوسروں کے ہاتھوں میں تھا۔

اب کیا ارادے ہیں؟۔

میں کچھ نہیں جانتا۔۔۔۔صرف اتنی سی خواہش ہے کہ جانور بن جانے کے بعد انہیں کٹہرے میں بند دیکھ لوں۔ان پر ہنس لوں۔اس کے بعد تم مجھے گولی بھی مار دو تو شکوہ نہ کروں گا۔

کیا یہ حقیقت ہے کہ تمہیں اس جگہ کا علم نہیں ہے۔ جہاں یہ دونوں ادویہ رکھتے ہیں؟۔

میں نہیں جانتا۔۔۔۔لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ آدمی بنانے والے سیال کے ایمپیولز نیلے رنگ کے ہیں۔

میں اس کی تصدیق کروں گی۔سلویا بولی۔میں اس وقت ہوش میں تھی۔جب انہوں نے نیلے رنگ کے ایمپیول سے سیال سرنج میں بھرا تھا۔اور میرے سر کے بالوں میں نہایت بدبودار تیل لگایا گیا تھا۔

ہاں اس تیل کی مالش ان جگہوں کے بالوں پر کی جاتی ہے جنہیں باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے۔جنرل بولا۔ورنہ انجکشن کا اثر پورے جسم کے بالوں پر ہوتا ہے۔وہ سولہ گھنٹے کے اندر اندر حیرت انگیز طور پر جسم سے الگ ہو جاتے ہیں۔

انجکشن لگتے ہی نیند آ جاتی ہے۔سلویا بولی۔



عمران اپنے ساتھیوں میں واپس نہیں گیا تھا۔اس کی وجہ جنرل کی طرف سے بے اطمینانی تھی۔لیکن اس نے یہ بات اس پر ظاہر نہیں کی تھی۔اس کے برعکس اسے باور کرانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔کہ وہ ڈاکٹر اور پروفیسر کے قریب رہ کر اس انجکشن کی تدریجی اثر اندازی کا جائزہ لینا چاہتا ہے۔نکولس اور سلویا بھی وہیں تھے۔اور جنرل کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔۔۔۔۔۔اس وقت ایک گوشے میں خاموش بیٹھا سوچے جا

رہا تھا۔عمران کے ہدایت کے مطابق سلویا بھی اس کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔۔۔۔۔نکولس اور عمران ان سے دور بیٹھے تھے۔اور دونوں کی نظریں بار بار ڈاکٹر اور پروفیسر کی طرف اٹھ جاتیں۔

پروفیسر کو بھی کرسی سے اٹھا کر برنارڈ کے قریب ہی بستر پر لٹا دیا گیا تھا اور ان کی نیند ابھی تک نہیں ٹوٹی تھی۔انجکشن کو دو گھنٹے گزر چکے تھے۔

فادر، ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔نکولس نے آہستہ سے کہا۔اگر یہ یہودی نہیں ہے تو پھر ان لوگوں کی غیر انسانی اسکیموں پر اپنا سرمایہ کیوں صرف کر رہا ہے؟۔

بسا اوقات آدمیوں کے ستائے ہوئے لوگ شیطان سے بھی ساز باز کرتے ہیں۔ اتنے قد کی بنا پر وہ احساس کمتری کا شکار رہو رہا ہوگا۔اس حد تک اس کا مذاق اڑایا گیا ہوگا کہ آدمیوں کے لیے وہ درندہ بن گیا۔ان یہودیوں نے اس کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔میں اب بھی اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔کسی لمحے بھی اس کا دماغ الٹ سکتا ہے۔

وہ نہیں الٹنے دے گی۔نکولس بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

ٹھیک اسی وقت جنرل اٹھ کر ان دونوں کی طرف آیا تھا۔دونوں کھڑے ہو گئے۔

ان دونوں کا یہاں پڑا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔اس نے کہا۔

پھر کیا رائے ہے؟۔عمران نے پوچھا۔

کیوں نہ تجربہ گاہ کے ایک کٹہرے ہی میں انہیں ڈال دیا جائے؟۔

یہاں سے نکال لینے میں دیکھ لیے جانے کا خدشہ ہے۔

کون دیکھ لے گا؟۔وہاں تک کسی کی بھی پہنچ نہیں ہو سکتی اور پھر تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ انہیں تجربہ گاہ تک پہنچانے کے لیے راہداریوں سے گزرنا پڑے گا؟۔

عمران نے سر کو اثبات میں جنبش دی تھی۔

ہرگز نہیں۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد عمارت کا ایک راز عمران پر منکشف ہوا تھا۔ عمارت کے فرش کے نیچے سرنگوں اور تہہ خانوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اور ان کی تجربہ گاہ بھی زیر زمین ہی تھی۔ جنرل کی خواب گاہ سے بھی اس تجربہ گاہ تک پہنچنے کے ذرائع موجود تھے اور ایک ایک کر کے پروفیسر اور ڈاکٹر کو تجربہ گاہ میں پہنچائے گئے اور انہیں ایک کٹہرے میں ڈال کر دروازہ مقفل کر دیا گیا۔

اس کام کو نپٹا کر جنرل نے عمران سے کہا۔ تم مجھے اچھی طرح سمجھتے ہو۔۔۔۔ اور میں تمہیں سمجھتا ہوں۔

میں نہیں سمجھا۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟۔

میں یہیں ٹھہروں گا تمہارے ساتھ۔ جنرل نے کہا۔

بہت اچھا خیال ہے لیکن اس میں ایک دوسرے کو سمجھنے کی کیا بات ہے؟۔

تم میری طرف سے مطمئن نہیں ہو؟۔

میرا خیال ہے کہ سلویا کو یہاں سے چلا ہی جانا چاہیئے۔ عمران بات اڑا کر بولا۔

ہاں اسے آرام کرنا چاہیئے۔ راستہ تو دیکھ ہی چکی ہے۔ اکیلی بھی جا سکتی ہے۔

سلویا نے بے چون و چرا عمران کے مشورے پر عمل کیا تھا۔ اس زیر زمین تجربہ گاہ میں گھٹن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ ایر کنڈیشنڈ تھی۔ اور روشنی کا بھی معقول انتظام تھا۔۔۔۔ دوپہر کا کھانا جنرل کی خواب گاہ میں کھایا گیا۔ اس کے بعد وہ تینوں پھر تجربہ گاہ چلے گئے تھے۔

قریباً دس بجے شب کو پروفیسر اور ڈاکٹر کے جسموں میں اینٹھن شروع ہوئی اور وہ جانوروں کی طرح چیخنے لگے تھے۔ یہ کیفیت تین گھنٹے تک رہی تھی اور وہ پوری طرح ہوش میں نہیں معلوم ہوتے تھے۔

صبح ہوتے ہوتے انہوں نے اپنے کپڑے اتار پھینکے۔ بڑے بالوں والے بن مانسوں میں تبدیل ہو چکے تھے

۔۔۔۔جنرل کی تجویز کے مطابق وہ ان دونوں کے سامنے نہیں آئے تھے۔اس کا خیال تھا کہ جب وہ ہوش کی باتیں کرنے لگیں تو اچانک ان کے سامنے آیا جائے۔ عمران اس سے متفق ہوگیا تھا۔ یہ تینوں ایک بڑی ریک کی اوٹ سے ان کا جائزہ لیتے رہے تھے۔

یہ کیوں کر ہوا؟۔دفعتاً انہوں نے ڈاکٹر برنارڈ کی دہاڑ سنی۔

اسی جانور نے ہمیں اس حال کو پہنچایا ہے۔پروفیسر کی آواز آئی۔

بکواس مت کرو، یہ ناممکن ہے۔اسے سیرم کہاں سے ملا۔ایڈون بھی نہیں جانتا کہ ایمپیولز کہاں رکھے ہوئے ہیں؟۔

اس بحث کو چھوڑو برنارڈ۔تصور کرو کہ اب کیا ہوگا؟۔

میں سب فنا کردوں گا۔وہ زور سے چیخا۔

دماغ ٹھنڈا رکھو۔ہمیں کوئی مات نہیں دے سکتا۔

یاد کرو۔۔۔۔کتنی بار میں نے کہا تھا کہ ایڈون پر اعتماد نہ کرو۔ذہنی طور غیر متوازن ہے۔لیکن تم اپنی نفسیات آزمانے بیٹھ گئے تھے۔

کیا مطلب؟۔

کیا تمہی نے نہیں کہا تھا کہ ہم بھی اس کی طرح سنکی ہو جائیں تو اسے قابو میں رکھ سکیں گے۔وہ ہمیں الگ کر کے کچھ نہ سوچے گا۔

جہنم میں جائے اب اسے مرنا پڑے گا۔

زمین پر آ جاو پیارے برنارڈ۔۔۔۔پروفیسر بولا۔اگر اس نے ہمیں بھی شکرالیوں کے کٹہرے میں پہنچا دیا تو ہم کہاں ہوں گے؟۔

برنارڈ اچانک خاموش ہوگیا۔۔۔۔اور پھر یہ تینوں بھی کٹہرے کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے۔

میں نے جنرل سے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔عمران نے پرسکون لہجے میں کہا۔اور اب

مجھے وہ وعدہ پورا کرنا ہے جو میں لیزا گوردو سے کر آیا ہوں۔

اس بکواس کا مطلب؟۔ برنارڈ غرایا۔

لیزا کا بیٹا کہاں ہے برنارڈ؟۔

میں نہیں جانتا۔۔۔۔ میں کیا جانوں؟۔

تم نے اسے بھی جانور بنا دیا تھا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم اسے میرے حوالے کر دو۔ ورنہ صرف تمہیں اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دوں گا۔ پروفیسر تم سے زیادہ سمجھدار آدمی ہے۔

میں بتاتا ہوں۔۔۔۔۔ وہ کہاں ہے؟۔ پروفیسر جلدی سے بولا۔ اور برنارڈ نے اچھل کر اس کا منہ دبا دیا۔

خیر خیر۔ تم خوش فعلیاں کرتے رہو۔ جلد ہی ہوش آ جائے گا۔ عمران سر ہلا کر بولا۔

میں بھی جانتا ہوں وہ لڑکا کہاں ہے۔ جنرل بولا۔

کتے۔۔۔۔۔ ذلیل۔ برنارڈ دہاڑا۔

اب تم بکواس کئے جاؤ۔ مجھ پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوگا۔ جنرل خشک لہجے میں بولا۔

جو حشر ہمارا ہوگا تو بھی اس سے بچ نہیں سکے گا۔ برنارڈ نے اسے گھونسہ دکھا کر کہا۔

وہم ہے تمہارا پیارے برنارڈ۔ عمران نے کہا۔ جنرل ایڈون ٹرنڈاون لیکز ہاسٹ بدستور اس جزیرے کا مالک رہے گا۔ تاکہ میں کبھی کبھی پکنک پر یہاں آ سکوں۔

ہمارا کیا ہوگا؟۔ پروفیسر نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

اگر تم نے ان جانوروں کو اصلی حالت پر لانے والا سیرم میرے حوالے نہ کیا۔ تو تمہاری گردنوں میں رسی ہوگی اور ایتھنز کے بچے تمہارے پیچھے تالیاں بجاتے پھریں گے۔

جانور بنانے والا سیرم تمہیں کہاں سے ملا؟۔ برنارڈ نے پوچھا۔

لیزا گوردو سے۔۔۔۔۔ اس کی تحویل میں چھ ایمپیولز تھے۔ دو تم پر آزمائے گئے اور چار ضائع کر دیئے میں نے کیونکہ اس کے بعد ان کا کوئی مصرف نہیں تھا۔

اوہ۔۔۔تو اس سور کی بچی نے غداری کی؟۔

نہیں۔۔۔۔میری سائنس نے اسے سچ بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔اور تم بھی مجبور ہو جاو گے۔میں دراصل اپنا ایک انجکشن ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ورنہ تم بھی سب کچھ اگل دو گے۔۔۔۔۔اوجنرل چلیں۔یہ اطمینان کا کام ہے۔

وہ دونوں چیختے ہی رہ گئے۔لیکن کسی نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا تک نہیں۔جنرل کی خواب گاہ میں پہنچ کر نکولس نے اس سے لیزا کے بیٹے کے بارے میں استفسار کیا تھا۔اسے یہ کہانی نہیں معلوم تھی۔اور شاید جنرل بھی ناواقف ہی تھا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ لیزا ہی کا بیٹا ہے۔مغربی ساحل کے ویرانے میں اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔جنرل نے کہا۔برنارڈ اسے جانور کے ساتھ ساتھ درندہ بھی بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔کہتا تھا کہ اسے قتل کرنے کی مشق کرائی جائے گی۔پھر وہ عمران کی طرف دیکھ کر بولا۔ کسی نوبل اوڈھمپ کے بارے میں روبن نامی ریڈیو آپریٹر نے اطلاع دی تھی۔اور اس کا پیغام ان دونوں کی موجودگی میں آیا تھا۔لیکن لیزا کا وہ پیغام جو کل صبح کو ڈ ورڈز میں آیا تھا۔وہ میں نے ان دونوں سے چھپا لیا تھا کہ اس میں تمہاری کہانی تھی۔ اور اوڈھمپ کا تذکرہ بھی تھا۔

جنرل کے بیان کے مطابق کہانی من وعن وہی تھی جو انگلش بولنے والے جانور کے ہاتھوں اس پر گزری تھی۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ پوری طرح ہوش میں آ گئی ہے؟۔عمران نے کہا۔

ہاں۔۔۔۔پوری طرح۔۔۔۔اگر تمہارے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہے جو ان دونوں کو سچ بولنے پر مجبور کر سکے تو پھر اب دیر نہ کرو۔جنرل نے کہا۔

میں ان سے اگلوالوں گا کہ انہوں نے سیرم کا ذخیرہ کہاں رکھا ہے۔لیکن اب تم مجھے اس حرکت کا اصل مقصد بتا دو۔

وہی پرانی کہانی۔۔۔۔۔آریائی نسل کے جرمنوں سے یہودیوں کے انتقام کی کہانی

۔۔۔۔یورپ اور دونوں امریکی براعظموں کے لیے مانوس زبانیں بولنے والے لوگ اس لیے جانور بنائے جا رہے تھے کہ انہیں فروخت کر کے بہت بڑا فنڈ قائم کیا جائے اور پھر اس فنڈ کو جرمنوں کے جانور بنانے پر صرف کیا جائے۔اور پھر وہ جانور جرمنی ہی کو واپس کر دیئے جائیں۔یا جرمنی ہی میں ہمارے ایجنٹ اعلیٰ پیمانے پر کام کریں۔لوگوں کو پکڑیں اور انجکشن دے کر چھوڑیں اور جرمن سائنس دان بے بسی سے ہاتھ پاؤں مار کر رہ جائیں۔۔۔۔۔اس کی زندگی اجیرن ہو جائے۔بہتیرے تو اسی خوف سے مر جائیں کہ کہیں یہی بپتا ان پر بھی نہ پڑ جائے۔خوف وہراس پھیل جائے پورے جرمن میں۔

قطعی احمقانہ اسکیم تھی۔وہ لوگ جو ان جانوروں کو یہاں سے خرید کر لے جاتے کیا ہو جرمنی میں اس وبا کے پھیلنے پر تم لوگوں کی نشاندہی نہ کر دیتے؟۔عمران نے کہا۔

قطعی نہیں۔یہاں سے انہیں خرید کر لے جانے والے بھی یہودی ہی ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔برنارڈ انہیں قابو میں کر لیتا۔۔۔۔۔۔۔۔اس نے یقین دہانی کی تھی۔

خیر۔۔۔۔اب یہ کہانی اس سے آگے نہیں بڑھے گی۔اور میں نے تم سے متعلق جو کچھ بھی کہا ہے اس میں بھی فرق نہیں پڑے گا۔عمران نے کہا۔



عمران اچھی طرح جانتا تھا کہ جب وہ پہاڑ والی عمارت میں قیدیوں کی حیثیت سے داخل ہوں گے تو ان کے تھیلے ان کے پاس نہ رہنے دیئے جائیں گے۔اس لیے اس نے اپنی کھال اتار کر اس کی اندرونی تہہ میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں تا کہ ضرورت کی چیزیں اپنے پاس ہی رکھ سکے۔اور وہ محفوظ بھی رہیں۔۔۔۔۔۔اس طرح وہ برنارڈ کو نہ صرف جانور بنانے بلکہ اس سے سب کچھ اگلوا لینے میں کامیاب ہو سکا تھا۔۔۔۔۔ برنارڈ اور پروفیسر نے قوت ارادی سلب کر لینے والے انجکشن کے زیر اثر اس جگہ کی

نشان دہی کر دی تھی۔ جہاں وہ ادویات کا ذخیرہ کرتے تھے۔

پھر جانوروں کو دوبارہ آدمی بنانے کے کا کام شروع کر دیا تھا۔ لیزا کا بیٹا بھی تلاش کر لیا گیا تھا۔ جس کی عمر بارہ تیرہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔

شارق اور عمران بدستور بکروں کی کھالوں میں نظر آ رہے۔ سلویا نے انہیں ایک جگہ گھیر لیا۔

آخر تم دونوں اس تجربے سے کب گزروں گے؟۔ وہ سوال کر بیٹھی۔

ہم ایسے ہی ٹھیک ہیں۔ عمران نے جواب دیا۔

کیا مطلب؟۔

ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ جانور ہی رہیں گے۔ تم مارتھا سے ملیں یا نہیں؟۔

ملی تھی۔۔۔ وہ بھی خاصی خوبصورت ہے۔ لیکن بہت اداس نظر آتی ہے لیکن میں تم لوگوں کی اس پالیسی سے متفق نہیں ہوں۔

کس پالیسی سے؟۔

آخر اسے بتاتے کیوں نہیں کہ اس کا محبوب کون تھا؟۔ وہ خود آدمی بن جانے کے بعد اس سے کیوں نہیں ملا؟۔

ہم بڑی دشواریوں میں پڑ گئے ہیں۔ عمران دردناک لہجے میں بولا۔ شکرالی کسی غیر شکرالی عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ بہر حال طربدار کے بچے کی ماں بنے گی۔ لہذا یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی شکرالی اپنے بچے سے دست بردار ہو جائے۔

میں بتاتی ہوں ایک تجویز۔ وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

اوہو۔۔۔ ضرور بتاؤ؟۔

طربدار اور مارتھا کو ایک ساتھ کھڑا کر کے گولی مار دو۔

تمہاری اس تجویز پر غور کیا جائے گا۔ لیکن تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟۔

میں جنرل کو نہیں چھوڑ سکتی۔

ارے۔۔۔۔کیا سنجیدگی سے کہہ رہی ہو؟۔

ہاں۔۔۔۔وہ خلا میں گھورتی ہوئی بولی۔ میں تمہارے کہنے سے اسے بیوقوف بنانا چاہتی تھی۔لیکن جب سے وہ میرے بازوؤں میں پھوٹ پھوٹ کر رویا ہے۔ میں خود پر لعنت بھیج رہی ہوں۔تم اسے صرف ہمدردی ہی سمجھ لو۔۔۔۔بہر حال۔۔۔۔ میں خود میں اس کا دل توڑنے کی جرات نہیں کر پاتی۔

میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔عمران سر ہلا کر بولا۔اس لیے فیصلہ کر لیا ہے کہ بقیہ زندگی جانور ہی بنے رہ کر گزار دوں گا۔

میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں صف شکن،جلدی سے آدمی بن جاؤ؟۔

تمہاری یہ خواہش کبھی نہ پوری ہو سکے گی۔

شارق سر جھکائے کھڑا تھا۔سلویا کی طرف ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔جب وہ آگے بڑھ گئی تو عمران نے کہا۔اب آنکھیں کھول دو،آشوب چشم میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

میں پاگل ہو جاؤں گا چچا۔یہ عورت مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر دو عورتیں اچھی لگنے لگیں تو تم مر ہی جاؤ گے۔

مگر طربدار والی کا کیا ہو گا؟۔وہ اس کی بات اڑا کر بولا۔

یہ تمہارے اپنے مسایئل ہیں تم لوگ جانو۔۔۔۔میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔

طربدار اس سے ملنا چاہتا ہے لیکن سردار شہباز کا حکم نہیں ہے۔

میں نے کہا تھا کہ مجھے اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں لہذا خاموش رہو۔

بات ختم ہو گئی تھی۔اور وہ تجربہ گاہ کے اس حصے میں پہنچے تھے جہاں ڈاکٹر برنارڈ اور پروفیسر کا کٹہرا تھا۔دونوں اب بھی عمران کے دیئے ہوئے انجکشنوں کے زیر اثر تھے۔

ان دونوں کو دیکھ کر وہ ڈری ڈری سی آوازیں نکالنے لگے۔

ڈاکٹر برنارڈ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور پروفیسر۔عمران بولا۔ تمہیں میرے ساتھ سفر کرنا ہے۔

ضرور۔۔۔۔۔۔۔۔ضرور۔دونوں بیک وقت بولے۔

تم دونوں میرے احکامات کے پابند ہو؟۔

ہاں ہم ہیں۔جواب ملا۔

تین دن کے اندر اندر سارے شکرالی ،متلاقی اور کرا غالی آدمی بنائے جا چکے تھے۔ اور وہ سبھی چاہتے تھے کہ ان کا محسن بھی آدمی بن جائے۔

ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔عمران نے انہیں مطلع کیا۔

ہم دونوں آدمی بننا ہی نہیں چاہتے۔شارق بولا۔

ایش ٹرے ہاوز میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کا علم محافظوں یا یہاں کے دوسرے عملے کو نہیں تھا۔نکولس، سلویا اور جنرل نے مل کر اس کام کو نپٹایا تھا۔اسی دوران میں وہ دونوں آدمی بھی جزیرے میں پہنچ گئے تھے جنہوں نے جانوروں کے سودے کے لیے برنارڈ سے چار دن کی مہلت مانگی تھی۔۔۔۔عمران کے مشورے پر جنرل نے ان سے کہہ دیا کہ فی الحال بعض دشواریوں کی بنا پر ان جانوروں کو فروخت نہیں کیا جا سکتا اور انہی دشواریوں پر قابو پانے کے لیے جانوروں کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہے۔انہوں نے برنارڈ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

وہ دونوں ہی تو جانوروں کو کہیں لے گئے ہیں۔جزیرے میں نہیں ہیں۔جنرل کا جواب تھا۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ عمران انہیں بھی گھیرتا کیوں کہ وہ اس سے پہلے کئی جانوروں کا بزنس کر چکے تھے۔لیکن پھر وقتی مصلحتوں کے پیش نظر محض اس پر اکتفا کی تھیں کہ جنرل سے ان کے نام اور پتے معلوم کر لیتا۔ویسے بھی اب ان جانوروں کی واگزاری بین الاقوامی مسئلہ بن چکی تھی۔

ادھر جانور بنانے والے سیال کی باقی مقدار عمران نے ضائع کر دی تھی۔اور وہ سیرم محفوظ کر لیا تھا جس کے انجیکٹ کرنے سے جانور اپنی اصلی حالت میں لوٹ آتے تھے۔

اس جزیرے سے واپسی کا مسلہ ابھی باقی تھا۔

تم لوگ جس طرح لائے گئے ہو اسی طرح واپس بھی جا سکو گے۔ جنرل بولا۔

زرد ریگستان والی چوکی پر کوئی دشواری تو پیش نہیں آئے گی؟۔ عمران نے سوال کیا۔

نہیں، اس انقلاب کی اطلاع تنظیم کے دوسرے رکنوں کو نہیں ہے حتی کہ اس جزیرے میں بھی کوئی نہیں جانتا کہ زیر زمین تجربہ گاہ میں کیا ہوا ہے اور پھر اس تنظیم کا ہر فرد صرف اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ اگر سارے جانور دوبارہ آدمی بن کر جزیرے سے رخصت ہو رہے ہیں تو اس کی ذمہ داری صرف تین پر ہو گی۔ کوئی بھی اس کا جواز طلب کرنے کا مجاز نہیں۔

تب تو یہ بے حد آسان کام ہو گا۔

ریگستانی چوکی کے انچارج کو ہدایت کی جائے گی کہ وہ تم سبھو کو پہاڑ والی عمارت تک پہنچا دے۔ اور پھر وہاں سے تم اپنا راستہ جانتے ہی ہو۔

پھر عمران نے اسے بتایا تھا کہ وہ کس طرح پہاڑ والی عمارت تک پہنچنا چاہتا ہے۔



لیزا گوردو کی ذہنی حالت اعتدال پر آ گئی تھی۔ لیکن جسمانی نقاہت کی بنا پر زیادہ تر اپنی خواب گاہ ہی میں پڑی رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ آرام کر رہی تھی۔ دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی اور لیزا نے اٹھے بغیر اونچی آواز میں اندر آنے کو کہا۔

سرینا اندر آئی تھی اور جلدی جلدی کہنے لگی تھی۔ ہیلی کاپٹر سے چار جانور واپس آئے ہیں اور ان میں نکولس اور ایک بچہ بھی ہے۔ نکولس پھر نکولس بن گیا ہے مادام۔

بچہ بھی ہے؟۔ کہتی ہوئی لیزا اٹھ بیٹھی۔

ہاں مادام، سفید فام ہے۔ زیادہ سے زیادہ بارہ سال کا ہو گا۔

چلو، کہاں ہیں؟۔ وہ دروازے کی طرف جھپٹی۔

راہداری ہی میں ان کا سامنا ہوا تھا۔ اور وہ یک لخت رک گئی تھی۔ بچے پر نظر جم کر رہ گئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

دفعتاً عمران نے کہا۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا گورڈو۔ یہ تمہارا جونی ہے۔

اس نے چونک کر عمران کی طرف دیکھا تھا اور پھر جھپٹ کر بچے کو چمٹا لیا تھا۔ پھر اس کے حلق سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں تھیں جیسے ہسٹریا کا دورہ پڑ گیا ہو۔

مادام۔۔۔ مادام۔ نکولس نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ اتنے میں وہاں خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

شارق پوری طرح ہوشیار تھا اس کی تمام تر توجہ ان دونوں جانوروں کی طرف تھی جو ان کے ساتھ تھے۔ لیز اجلد ہی سنبھل گئی۔

فادر، میں مشکور ہوں۔ شاید ہیڈ کوارٹر تباہ ہو گیا ہے۔ اب جو سزا چاہو مجھے دے لو۔ اس نے عمران سے کہا۔

ہیڈ کوارٹر کو میں تمہارے پاس لے آیا ہوں۔ عمران دونوں جانوروں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ یہ۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ کون ہیں؟۔

تم دونوں بتاؤ کہ تم کون ہو؟۔

میں ڈاکٹر برنارڈ ہوں۔

نہیں۔ لیز اچھل پڑی۔ وہ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے جا رہی تھی۔

یہ کیسے ہوا فادر؟۔

لمبی کہانی ہے۔ جو جانور بنائے گئے تھے آدمی بن گئے ہیں۔ ادھر ہی سے گزر کر شکرال جائیں گے۔

میں ان کا استقبال کروں گی۔۔۔ ان سے معافی مانگوں گی۔ لیکن فادر۔۔۔ تم ابھی تک۔۔۔۔۔؟۔

میں جانور ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اور یہ دونوں۔۔۔۔۔۔۔ انہیں میں ان آدمیوں

اور تم پر چھوڑتا ہوں جو جانور بنا دیئے گئے تھے۔

میں ان کے جسموں سے ریشے ریشے الگ کر دوں گی۔ لیکن تیسرا کہاں ہے؟۔

تیسرے کا علاج بھی میں نے اپنے ذمے لیا ہے۔ سب ٹھیک ہے۔

تھوڑی دیر بعد شارق اور نکولس ان دونوں جانوروں کی تلاش میں روانہ ہوئے تھے جو گلٹرنگ کے غاروں میں رہ گئے تھے۔

انہیں پہاڑ والی عمارت کا تجربہ گاہ ہی میں آدمی بنانے کی ٹھہری تھی۔

تیسرے پہر وہ گیارہ شکرالی بھی پہنچ گئے تھے جنہیں عمران پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

اس دوران میں لیزا اس کی زبانی پوری داستان بھی سن چکی تھی۔ لیکن خود اسے پادری ہی سمجھتی رہی۔

اس سلسلے میں وہ اسے تاریکی ہی میں رکھنا چاہتا تھا۔

عمران نے شارق اور نکولس کو ہدایت دی تھی کہ وہ ان فیلڈ ورکرز کو بھی تلاش کر کے ساتھ ہی لیتے آئیں جو جنگل میں چھپے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر برنارڈ اور پروفیسر کے لیے لیزا اور شہباز نے یہی فیصلہ دیا تھا کہ انہیں دوبارہ آدمی بنا کر گولی مار دی جائے۔

شام تک شارق اور نکولس دس فیلڈ ورکرز اور گلٹرنگ کے غار والے جانوروں سمیت عمارت میں پہنچ گئے تھے۔

دوسرے دن لیزا کی نگرانی میں چاروں جانوروں کو آدمی بنائے جانے کا عمل جاری تھا۔ اور دوسری طرف عمران عمارت کے سارے عملے کو ہال میں اکٹھا کئے کہہ رہا تھا۔

ہم شکرالی تم سبھوں کی جان بخشی کرتے ہیں۔ دو دن بعد تمہیں استنبول والے تحقیقی ادارے تک پہنچانے کا کام شروع ہو جائے گا۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہوگا۔ جدھر سینگ سمائیں نکل جاو۔

ہم تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں فادر؟۔ کئی آوازیں آئیں۔

میں آدمی نہیں بن سکتا۔۔۔۔ کیونکہ مجھے جانوروں کو ایک خوش خبری سنانی ہے۔ میں انہیں اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ وہ آدمی سے افضل ہیں کیونکہ وہ صرف پیٹ بھرنے کی حد تک جانور ہیں۔ لیکن آدمی ہر جذبے کی تسکین کے لیے جانور بن جاتا ہے۔

کوئی کچھ نہ بولا۔

عمران کہتا رہا۔ لیزا اور سردار شہباز کے فیصلے کے مطابق ڈاکٹر برنارڈ اور پروفیسر کو گولی ماردی جائے گی۔

حاضرین نے تالیاں بجائی تھیں اور نعرے لگائے تھے۔

برنارڈ اور پروفیسر نے آدمی بننے کے بعد بہت ہاتھ پیر مارے تھے کہ ان کی گلوخلاصی ہوجائے ۔۔۔۔ لیزا کی خوشامد کیں ۔۔۔۔ عمران کے آگے گھگھیائے تھے لیکن شکرالیوں نے انہیں ایک ستون سے باندھ کر ربڑ کی باڑ ماری تھی۔ اور ان کے جسم چھلنی ہو گئے تھے۔

اس کے بعد اس عمارت کا مسلہ چھڑ گیا تھا۔

شہباز نے کہا۔ اس عمارت پر ہمارا قبضہ ہوگا۔

تم اسے قبضے میں نہیں رکھ سکتے۔ عمران بولا۔

کیوں نہ رکھ سکیں گے؟۔

تم لوگ اتنے باصلاحیت نہیں ہو۔ اگر کسی ترقی یافتہ ملک کو اس کا سراغ مل گیا تو یہ پھر تم لوگوں کے لیے مصیبت بنے گی۔ لہذا اسے تباہ کر دینا ہی بہتر ہوگا۔

بھلا اسے کس طرح تباہ کیا جا سکتا ہے؟۔

یہاں کے عملے کے انخلا کے بعد تباہ ہو جائے گی۔

خود بخود؟۔ شہباز کے لہجے میں حیرت تھی۔

نہیں، جنرل تباہ کر دے گا۔ میں اس سے طے کر چکا ہوں۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ عمارت شکرال کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی۔ اگر تباہ نہ کرادی گئی۔

تم ہم سب سے زیادہ عقل مند ہو۔۔۔۔۔۔خیر اب یہ کھال اتارو۔اور ہمارے ساتھ چلو۔

چلوں گا۔۔۔۔لیکن تمہارے ساتھ قیام نہ کرسکوں گا۔

ہاں،ہاں چچا میرے ساتھ سرخسان جائیں گے۔شارق بول پڑا۔

نہیں بھتیجے، میں یہاں سے سیدھا اس سرحدی بستی میں جاوں گا جہاں میرے تین ساتھی مقیم ہیں۔انہیں ان کے ٹھکانوں پر پہنچانا ہے۔

صرف تین دن۔۔۔۔پیارے بھائی۔شہباز بولا۔میں تمہیں جی بھر کر دیکھ تو لوں۔

اتنے دن دیکھ تو رہے ہو؟۔

بکرے کی کھال سے جی نہیں بھرا۔شہباز مسکرا کر بولا۔

میں چاہتا ہوں کہ تم اور شارق اپنی کھالیں شکرالیوں کے مجمے میں اتار دو۔

دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا۔۔۔۔صرف شارق ایسا کرسکے گا۔کیونکہ اس نے کھال کے نیچے کپڑے پہن رکھے ہیں۔میری کھال میں اس کی گنجائش نہیں تھی۔

شہباز ہنس پڑا۔

چچا۔یہ سوچ کر دل پر گھونسہ سا لگتا ہے کہ تم مجھ سے جدا ہو جاو گے۔شارق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

مجبوری ہے بھتیجے،میرے پاوں میں چکر ہے۔کسی ایک جگہ قیام نہیں کرسکتا۔

تو پھر مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے چلو۔

یہ ناممکن ہے، کیونکہ تمہیں ایک دن اپنی بستی کا سردار بننا ہے۔میرے ساتھ رہے تو بھیک مانگتے پھرو گے۔

شارق ان سے دور جا بیٹھا۔۔۔۔ان کی طرف پشت کرلی تھی۔شائد وہ رو رہا تھا۔

فضا بوجھل ہوگئی تھی۔

اختتام۔۔۔۔۔۔